www.ahlehaq.org
عہد نبوت سے دور حاضر تک کے
شہداء کا ایمان افروز تذکرہ
شہدائے اسلام
قدم به قدم
مقام شہادت
اسلام میں پہلی تلوار
اسلام کی پہلی شہیدہ
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
صحابیات رضی اللہ عنہن
شہدائے طائف
شہادت سیدنا حسینؓ
شہدائے خیر القرون
شہدائے ناموس رسالت
شہدائے ختم نبوت
شہدائے افغانستان
شہدائے کشمیر
شہدائے بالاکوٹ
شہدائے پاکستان
شہدائے لال مسجد
مرتبین
عبداللہ فارانی
محمد اسحاق ملتانی
ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
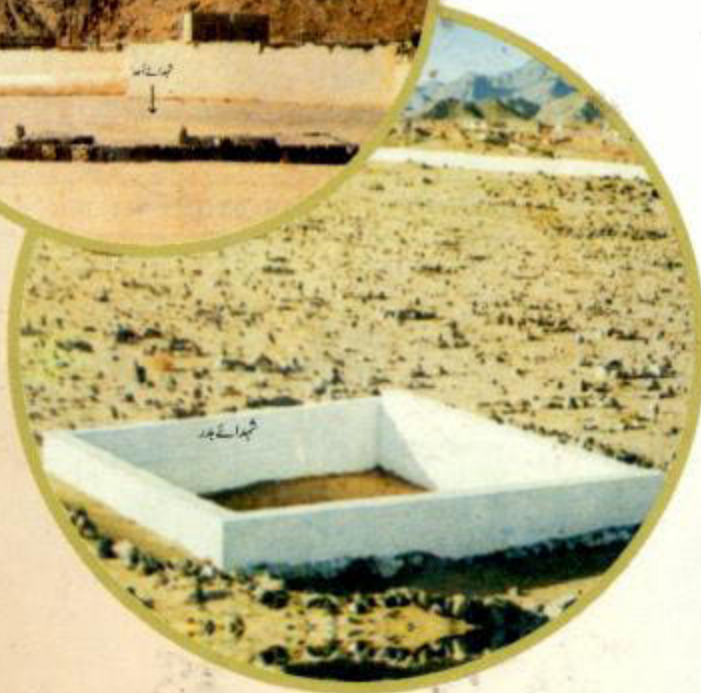
- مقام شہادت
- اسلام میں پہلی تلوار
- اسلام کی پہلی شہیدہ
- خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
- صحابیات رضی اللہ عنہن
- شہدائے طائف
- شہادت سیدنا حسینؓ
- شہدائے خیر القرون
- شہدائے افغانستان
- شہدائے ناموس رسالت
- شہدائے ختم نبوت
- شہدائے کشمیر
- شہدائے بالاکوٹ
- شہدائے پاکستان
- شہدائے لال مسجد

مرتبین
محمد اسحاق ملتانی ❖ عبداللہ فارانی

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان ..... پاکستان
(061-4540513-4519240

شہدائے اسلام

تاریخ اشاعت.......................ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ

ناشر.......................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.......................سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ......چوک فوارہ......ملتان — مکتبہ الفاروق معریال روڈ چوہڑ ہڑپال راولپنڈی
ادارہ اسلامیات......انارکلی......لاہور — دارالاشاعت......اردو بازار......کراچی
مکتبہ سید احمد شہید......اردو بازار......لاہور — مکتبہ القرآن......نیو ٹاؤن......کراچی
مکتبہ رحمانیہ......اردو بازار......لاہور — مکتبہ دارالاخلاص......قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K — 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE — BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

اسلام کی ابدی سعادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے جہاں زندگی کو پر کیف اور خوشحال بنانے کیلئے اپنے مبارک احکام سے نوازا ہے وہاں موت اور مابعد الموت کو بھی قابل رشک بنانے کا مکمل نظام عطا فرمایا ہے۔ اس نظام کا بنیادی مرکز فلسفہ شہادت ہے جس طرح دانہ خود کو زمین میں فنا کر دیتا ہے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد اسی دانہ سے کونپل نکلتی ہے جو ایک کمزور تنے کی شکل اختیار کر لیتی ہے یہی تنا بعد میں مضبوط خوشہ یا درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس پر ایک دانہ کے بدلہ سات سو دانے یا اس سے بھی زیادہ دانے اگ آتے ہیں۔ یہی حالت اس شخص کی ہے جو اسلام کی آبیاری کیلئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے وقتی طور پر خود کو فنا کرتا ہے لیکن اسی فنائیت سے قوم کی حیات کا کام لیا جاتا ہے گویا

؎ شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

اسلام میں اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا کس قدر عظیم سعادت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی مرتبہ شہادت کی دعا فرماتے رہے۔ قرآن وحدیث کے اولین مخاطب صاحب ایمان وکمال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ پڑھنے سے شہادت کا مقام ومرتبہ اور ان حضرات کی ایمانی کیفیات سامنے آتی ہیں۔ ان حضرات کے رگ وجان میں ایمان ایسا رچ بس چکا تھا کہ حق وباطل کے معرکہ میں تو نزول ملائکہ کو اپنی

آنکھوں سے دیکھتے ہی تھے عام حالات میں بھی ہمہ وقت اسی فکر میں رہتے کہ دین اسلام کیلئے ہمارا مال، آبرو، جان سب کچھ قربان ہو جائے تو ہماری سعادت ابدی کا سامان ہو جائے۔

عہد نبوت سے تا قیامت حضرات شہداء کا سلسلہ جاری وساری ہے عموماً لوگ اس مقدس جماعت کے ایک فرد فرید نواسہ رسول حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ہی افضلیت دیتے ہیں اور ان کا تذکرہ ایسے انداز میں کرتے ہیں کہ اسلام کے فلسفہ شہادت کو متاثر کرتے ہیں اور دیگر شہداء سے بھی چشم پوشی کا معاملہ ہو جاتا ہے جبکہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تاریخ اسلام کا ہر دور شہداء کے خون سے رنگین ہے۔ ہمارا تو سارا خاندان شہیدوں کا ہے کس کس کی شہادت مناؤ گے۔

دوسرا یہ کہ عام طور پر لوگ شہادت کو سانحہ کا رنگ دے کر حزن وملال کی مجالس بنا لیتے ہیں جبکہ شہادت ایک عظیم سعادت ہے جس کے حصول کی تمنا ہر صاحب ایمان کو ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہئے۔

تیسرا یہ کہ موجودہ حالات میں جبکہ عالم اسلام کی مغلوبیت کا دور ہے اور ہر طرف امت مسلمہ کی زبوں حالی عام ہے خون مسلم کی ارزانی نے حصول شہادت کی سعادت کو عام کیا ہوا ہے اور ہر شخص حواس باختگی کے عالم میں اپنے ملک، اپنے شہر، حتیٰ کہ اپنے گھر میں بھی محفوظ و مامون نہیں ہے۔ گویا موجودہ حالات نے پوری اسلامی دنیا کو میدان کارزار میں بدل کر رکھ دیا ہے اور ہر فوت شدہ مسلمان شہادت کی کسی نہ کسی قسم کو حاصل کر رہا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں وجوہات کی بنا پر خواہش ہوئی کہ موجودہ افسردگی کی حالت میں امت مسلمہ کو حیات جاوداں یعنی شہادت کی عظمت وسعادت کا درس دیا جائے اور ہمارے اسلاف نے ہر دور میں جو اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے عشق ووفا کی داستانیں رقم کی ہیں ان میں سے چمکتے دمکتے منتخب واقعات کو مرتب کیا جائے اور موجودہ مسلمانوں کو حصول شہادت کا وہ سبق یاد دلایا جائے جسے آج ہم بھلا چکے ہیں۔ آج بھی ہم اسلاف والے ایمان کو اپنے اندر اجاگر کر لیں تو ہماری تابناک تاریخ کی طرح ہمارا حال و مستقبل بھی دینی ودنیاوی اعتبار سے روشن ہو جائے۔ جو ایک مسلمان کیلئے حقیقی روشن خیالی ہے۔

یادرہے کہ زیر نظر کتاب میں تاریخ اسلام سے منتخب شہداء کا تذکرہ جمع کیا گیا ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ بعض ایسی اہم شخصیات بھی دوران ترتیب رہ گئی ہونگی جن کے تذکرہ کے بغیر یہ تالیف تشنہ تکمیل ہے۔ تاہم جو شخصیات اس کتاب میں آگئی ہیں وہ مورخ کیلئے مقدمہ کے طور پر نہایت اہم اور ضروری ہیں۔

تالیف کا مقصد تاریخ اسلام سے ان مبارک ہستیوں کا ذکر خیر کرنا مقصود ہے جو نخل اسلام کی آبیاری کیلئے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے حیات جاودانی حاصل کر گئے۔ امید ہے کہ قارئین اسی نظریئے سے مطالعہ فرمائیں گے۔ ہمارا مقصد کسی جماعت یا سیاسی شخصیات یا حکومتی کردار کی عکاسی نہیں۔ صرف شہادت کا مقام ومرتبہ اور تاریخ اسلام میں اس کا متواتر ہونا بتانا ہے۔ آج تو جو بھی مسلمان فوت ہورہا ہے وہ شہادت کی کسی نہ کسی قسم پر ہونے کی وجہ سے شہادت کا ثواب اور درجہ حاصل کر رہا ہے۔

محترم محمد اشتیاق احمد صاحب (مدیر "بچوں کا اسلام") کمال محبت کا معاملہ کرتے ہوئے اس کتاب میں ہمارے معاون رہے یہ موضوع چونکہ انہی کا منتخب کردہ ہے (جیسا کہ ان کی تحریر سے واضح ہے) اور پھر کمال تواضع واعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کتاب کی تیاری میں عملی تعاون سے ہمارے قدم بہ قدم رہے۔ گویا یہ کتاب انہی کے نتیجہ فکر اور تعاون کا ذریعہ ہے۔ اس لئے کتاب ہذا کے مرتبین میں ان کا معروف قلمی نام "عبداللہ فارانی" لکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ جملہ معاونین کیلئے کتاب ہذا کو نافع فرمائیں اور ہمیں ہر میدان میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ

ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ بمطابق دسمبر 2008ء

''بچوں کا اسلام'' کے مدیر محترم اشتیاق احمد کے قلم سے

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔

بچپن میں میں نے پہلی کہانی لکھی وہ ایک رسالہ میں چھپ گئی اس طرح یکے بعد دیگرے بہت سی کہانیاں چھپ گئیں۔ ایک کہانی میرے ایک ادبی عزیز نے پڑھی تو کہنے لگے ''یہ کہانی تم نے نقل کی ہے اور انہوں نے بہت مشہور لکھنے والے کا نام لیا''۔ میں یہ سن کر بہت حیران ہوا اور انہیں یقین دلانے لگا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جس لکھنے والے کا آپ نام لے رہے ہیں میں نے تو ان کا نام تک نہیں سنا۔ نہ ان کی کبھی کوئی چیز پڑھی۔ انہیں میری بات پر یقین آ گیا اور کہنے لگے ''خیر ایک ہی کہانی دو انسانوں کے دماغ میں آ جانا ناممکن نہیں''۔

یہ بات مجھے اس روز یاد آئی جب میں مولانا محمد اسحٰق ملتانی صاحب سے فون پر بات کر رہا تھا میں نے ان سے کہا ''میں نے عبداللہ فارانی کے نام سے ایک بہت خوبصورت موضوع سوچا ہے اور وہ میں ''بچوں کا اسلام'' میں شروع کر رہا ہوں بعد میں یہ کتابی شکل میں بھی شائع ہوگا اور اس کا نام ہوگا ''شہدائے اسلام قدم بہ قدم'' یعنی اس میں اسلام کے پہلے شہید سے لیکر موجودہ دور تک شہداء کا تذکرہ ہوگا''۔

میرے بات کہتے ہی مولانا محمد اسحٰق ملتانی صاحب فوراً بول اٹھے۔

نہ جی.... نہ.... اس موضوع پر تو ہم پہلے ہی کام شروع کر چکے ہیں آپ اس عنوان اور موضوع کے تحت کوئی کام نہ کریں۔ اس دن بچپن کی یہ بات یاد آئی یعنی جو موضوع مجھے سوجھا بالکل وہی موضوع مولانا محمد اسحٰق صاحب کو سوجھ گیا اور اس طرح میں اپنے حق سے دست بردار ہو گیا اور میں نے ان سے کہہ دیا ٹھیک ہے اگر آپ اس عنوان کے تحت کام شروع کر چکے ہیں تو میں نہیں کروں گا۔ پھر جب ان کی یہ کتاب تیار ہوگئی تو چھپنے کیلئے جانے لگی تو انہیں میں یاد آ گیا کہنے لگے کہ اس عنوان اور موضوع میں آپ کا بھی حصہ ہے۔ لہٰذا اس پر دو باتیں لکھ دیں۔ سو یہ دو باتیں لکھ دی ہیں تا کہ سند رہیں اور بوقت ضرورت کام آئیں۔

والسلام............ اشتیاق احمد (قلمی نام عبداللہ فارانی)

مقدمہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم

اللہ پاک نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ہدایت کا آفتاب عالمتاب بنا کر بھیجا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے اس نور سے منور ہوتے چلے گئے ان میں توحید اور عظمت وجلال خداوندی کا نور آیا۔ جان و مال کی قربانی اور فدائیت کا نور آیا قرآن کریم اور صحبت سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارات سے خوف خدا' فکر آخرت' رضائے مولی پاک کے حصول کی تڑپ پیدا ہوئی' دن جہاد میں اور رات رکوع سجدوں میں گزرنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ واشاعت دین کی جو عالمی ذمہ داری ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منتقل فرمائی اس کیلئے انتہائی جذبہ اور عملی جدوجہد سے سرگرم عمل رہے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ مقام ہے کہ جنت میں داخلے کے بعد اہل جنت کو عرصہ کے بعد اللہ کی طرف سے جن پانچ خصوصی انعامات سے نوازا جائیگا ان میں سے ایک خصوصی اور سب سے اعلیٰ ترین انعام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "اے اہل جنت میں تم سے راضی ہو گیا ہوں اس کے بعد کبھی ناراض نہیں ہوں گا" اندازہ کیجئے جس سب سے اعلیٰ ترین انعام کا اعلان اہل جنت کیلئے جنت میں جانے کے بعد کیا جائیگا غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے اس کا اعلان قرآن کریم میں جابجا دنیا کے اندر ہی کر دیا گیا۔

پھر اس انعام واعلان کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ یہ اعلان اس ذات

کی طرف سے ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں نیز حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلب کا کوئی گوشہ حق تعالیٰ سے اوجھل نہیں' نیز اس سے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب سے ان کا کامل الایمان ہونا ثابت ہوا جس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے خاتمہ بالخیر کی بشارت بھی ہے۔ جیسے فی الحال انہیں ایمان کامل کی دولت حاصل ہے اسی طرح وفات کے وقت بھی وہ مومن کامل ہوں گے انسان کا علم حال کے متعلق ناقص ہے ہم کسی کو کامل الایمان سمجھیں اور واقع میں وہ منافق ہو' کسی کو آج ہم ولایت کبریٰ کا حامل تصور کریں گو وہ واقعہ میں بھی ایسا ہی ہو لیکن کل کی مجھے آپکو کیا خبر ہے؟ آج جسے کمال ایمان حاصل ہے اس کا خاتمہ بھی کمال ایمان پر ہوگا یا نہیں؟ کل کے حالات کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا لیکن حق جل شانہ' کے علم محیط کے سامنے آج و کل' حال و مستقبل سب برابر ہیں پس اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا خاتمہ علی الایمان علم ازلی میں مقدر نہ ہوتا تو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کا اعلان عام ان کے حق میں قطعاً نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ کسی کافر کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنی رضائے عالی کا قطعی اعلان نہیں فرما سکتے۔ ورنہ جہل خداوندی لازم آئیگا اور انسانوں سے دھوکہ دہی بھی ثابت ہوگی حالانکہ خداوند قدوس ان دونوں سے بلند و برتر ہیں۔ **تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً**

خصوصاً جبکہ یہ اعلان فرما دیا گیا اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں کے اندر ایمان لکھ دیا ہے۔ جب یہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے کو کون مٹا سکتا ہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہی ہوگا۔ نیز اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ جا بجا صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے داخلہ جنت کی بشارت ارشاد فرما رہے ہیں۔ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ کسی کافر یا مرتد کو یہ بشارت نہیں دی جا سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے جنت میں محلات تیار کر کے بیٹھیں اور یہ العیاذ باللہ ارتداد اختیار کر کے دنیا سے جائیں۔ بہر حال صحابہ رضی اللہ عنہم کا حالاً اور مآلاً قطعی طور پر کامل الایمان ہونا معلوم ہو گیا۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ یہ صحابہ کا ایک اعلیٰ مقام ہے اور

وَرَضُوْا عَنْهُ یہ ان حضرات کا دوسرا عظیم ترین مقام ہے جس سے ان حضرات کے مقام کو

چار چاند لگ جاتے ہیں حق جل شانہٗ اس جملے سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی اشاعت اسلام کے بارہ میں کمال جدوجہد، مال وجان کی قربانیاں اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر تکلیف ومصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی مدح فرمارہے ہیں۔ اور اس سب کچھ میں ان حضرات کے پیش نظر اپنا مفاد نہیں بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رضائے عالی کامل جانا مقصود ہے اپنے اموال اور جانوں کو اللہ کے راستے میں ایسے بے دھڑک خرچ کرتے ہیں گویا یہ انکے ہیں ہی نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے کمال اخلاص کی مدح کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یہ اللہ پاک کی بڑی شہادت ہے کہ گویا اللہ پاک نے ان کی جان ومال کو جنت کے بدلے خرید رکھا ہے۔

فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ کبھی مالوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں تو کبھی جانوں کا۔ جان دینے کیلئے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کرر کھا ہے۔ اور فرمایا گیا وما بدلوا تبدیلا گویا اللہ پاک گواہی دے رہے ہیں کہ جان ومال اسکی راہ میں خرچ کرنیکا جو وعدہ کیا تھا اس میں ذرا بھر تبدیلی نہیں، یہ رب العالمین عالم الغیب والشہادۃ کی طرف سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاص کامل کی شہادت ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ میدان جہاد میں زخمی ہوکر حالت نزع میں ہیں اور فرمارہے ہیں۔

فزت ورب الکعبہ (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا)

معرکہ جہاد میں ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ "اے اللہ کل کو میدان جہاد میں میرا سخت دشمن سے مقابلہ کرا۔ میں اس پر سخت حملہ کروں وہ مجھ پر زوردار حملہ کرے اور مجھے شہید کردے پھر میرے ناک کان وغیرہ کاٹ لے۔ میں قیامت کے دن اسی حالت میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور تو پوچھے کہ اے عبداللہ! تیرے ناک کان کیا ہوئے میں عرض کروں اے میرے خدا! میرے ناک کان شہادت کے بعد کفار نے کاٹ لئے اور یہ سب میں نے تیری رضا کیلئے کیا پس تو کہے کہ سچ ہے یہ اعضاء میری رضا میں کاٹے گئے۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گرم ریت پر لٹا کر سخت اذیتیں دی جاتیں مگر ان کی زبان

سے صرف احد احد کے سوا کچھ نہیں نکلتا تھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دیا جا رہا ہے آپ لا ابالی حین اقتل مسلما۔ (اگر میں مسلمان ہو کر مر رہا ہوں تو مجھے کوئی پروا نہیں) گاتے ہوئے سولی پر چڑھ جاتے ہیں۔ ذرہ بھر رنج نہیں، شکایت نہیں بلکہ مسرت ہے کہ اللہ کیلئے جان دے رہا ہوں۔

ان حضرات کی جانی و مالی قربانیوں کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے بطور نمونہ مختصراً چند واقعات پیش کر دیئے ہیں تا کہ ان کے مقام رضا کی قدرے جھلک دکھائی جا سکے اور منجانب اللہ ان کے صدق و اخلاص پر قبولیت کی گواہی بن سکیں۔ پس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے محبّ بھی ہیں اور محبوب بھی ہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

شہید کربلا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہیں۔ ظالموں نے انتہائی شقاوت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو اور آپ کے کنبے کو کربلا میں شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

آپ کی شہادت کا یہ زخم امت کے سینوں میں ہمیشہ رِستا رہے گا۔

اللہ پاک مرتب و ناشر حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب کو جزائے خیر عنایت فرمائیں کہ انہوں نے پڑھنے کیلئے بہترین مواد جمع فرما دیا ہے۔ اللہ پاک قبولیت سے نوازیں۔ آمین

نوٹ: درج بالا مقدمہ حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ نے ادارہ کی مطبوعہ کتاب ''شہادت حسین رضی اللہ عنہ'' پر تحریر فرمایا تھا۔ چونکہ یہ مکمل تحریر شہداء سے متعلق ہے اس لئے تبرکاً و افادۃً مقدمہ کے طور پر اس کتاب میں بھی دیدیا گیا ہے۔

ہمارا سارا خاندان شہیدوں کا ہے

ہمارا تو سارا خاندان شہیدوں کا ہے۔ ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر سارے ہمارے بڑے شہید ہی ہیں۔ اب اگر اس وقت سے آج تک کے ہمارے سارے بزرگوں کے صرف شہیدوں کا ہی ذکر ہو تو ۳۶۵ سے کہیں زیادہ شہید نظر آئیں گے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نماز میں مصلیٰ پر شہید ہوئے لیکن آپ کے گرنے کے بعد فوراً دوسرے صحابی امامت کے فرائض انجام دینے کیلئے آگئے۔ پہلے نماز ہوئی بعد کو خلیفہ کی خبر لی آپ بے ہوش تھے ساری تدابیر ہوش میں لانے کی کی گئی ہوش نہ آیا۔ کسی نے کہا کان میں کہو۔ ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ'' یہ سن کر فوراً آنکھیں کھل گئیں اور فرمایا کہ بے شک جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

ستر تو شہید ہیں غزوہ احد میں۔ بارہ کے قریب بدر میں۔ پھر آپ کے سامنے اور آپ کے بعد کتنی جنگیں ہوئیں، کتنے شہید ہوئے، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن رضی اللہ عنہم، کس کس کا تم ماتم کرو گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فی گھنٹہ ایک شہید کا بھی پورے سال میں ایک دفعہ ذکر کرو تو شہداء کے نام پورے نہ ہوں گے۔ اسلام کیلئے جن شہداء نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جانیں دیں کیا ان کا ماتم کرنا باعث گناہ ہوگا؟ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو فخر عطا ہوا ہے کہ جو شہید ہوا۔ اس نے درجات حاصل کئے۔ کامیابی ملی۔ خوش ہونے کی چیز ہے۔ جان دی اللہ کی راہ میں اور حیات جاودانی پائی۔ یہ بہادروں کا شیوہ ہے انہوں نے زندگی کا حق ادا کیا۔ پھر کیسے کیسے قراء، حفاظ، علماء، خلفاء ہر درجہ کے لوگوں کو جام شہادت نصیب ہوئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا کیا، صحابہ کرام نے کیا کیا بس یہ دیکھ لو یہی دین ہے۔

(ماخوذ از مجالس مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے
چمن کے ذرّے ذرّے کو شہیدِ جستجو کر دے
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

کلام اقبالؒ

خونِ شہیداں

رنگ بھرا افسانہ ہستی گلشن نکہت نور کی بستی
کیف کی دنیا عالم ہستی حسن کی سرخی عشق کا عنواں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

راہیں اس سے روشن روشن اس کی کرنیں روزن روزن
اس کا تبسم گلشن گلشن قطرہ قطرہ خنداں خنداں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

آئینۂ انوارِ وفا ہے راہ نگر ہے راہنما ہے
بانگِ جرس آواز درا ہے اس کی منزل منزلِ جاناں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

خوف کہاں کا کیسا ڈرنا کھیل ہے اس کا جاں سے گزرنا
عشق ہی جینا عشق ہی مرنا چشم و چراغِ عالمِ امکاں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

جوش و حرارت عزم و یقیں ہے زندہ نشانِ فتحِ مبیں ہے
کتنا دلکش کیسا حسیں ہے جیسے دلِ محبوب کا ارماں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

منزل کی تصویر دکھا دی صحرا صحرا وادی وادی
اس نے لگن کی شمع جلا دی ساحل ساحل طوفاں طوفاں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

(مولانا نازکی کیفی رحمہ اللہ)

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل شہید ناز کی تربت کہاں ہے
(علامہ اقبالؒ)

"اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ"

شاعر ہُوں میرا قلب ہے حسّاس و دَرد مند
رکھتا ہُوں ایک عالمِ عبرت نظر میں بند
ماضی ہمارے حال پہ پرتو فگن نہیں
ہم عظمتِ سَلَف سے نہیں آج بہرہ مند
اِک وقت تھا کہ ہم تھے زمانے میں سرفراز
اِک وقت تھا کہ ہم تھے ستاروں سے بھی بُلند
ہم کو مِلا تھا اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡن کا خِطاب
ہم تھے خُدائے پاک کے نزدیک ارجُمند
ہم آخری نبیؐ سے مشرّف کیے گئے
ہم ملّتِ عظیم تھے اور اُمّتِ بُلند
اپنے امیر عرشِ مُعلّٰی سے ہمکنار
اپنے فقیر قیصر و کسریٰ سے سَربلند
فِرعون پر ہنسا کیے دیوانگانِ عِشق

قاروں پہ خندہ زن رہے یثرب کے زلّہ بند
ہر فرد میں یہ جوہرِ فطرت شکار تھے
قلبِ سلیم و فقرِ صفا ہمّتِ بلند
تسخیرِ بحر و بر کو کبھی پرکشا ہوئے
پھینکی فرازِ کاہکشاں پر کبھی کمند
جھنڈے حرم کے گاڑ دیے بامِ کفر پر
فتح و ظفر کے چار سُو دوڑا دیے سمند
اُس وقت بھی نظامِ شب و رُوز تھا یہی
پہنچا سکی نہ گردشِ دوراں ہمیں گزند
اور اَب یہ حال ہے کہ زمانے کی آگ میں
اپنا وجُود کچھ نہیں جُز دانۂ سپند
بارِ گراں ہے دِل پہ یہ اِحساس اے نفیسؔ
"ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں"

○

۵۲-۱۹۵۷ء

جہاں میں پرچمِ اسلام لہرانے کا وقت آیا

مُسلمانو! اُٹھو، باطِل سے ٹکرانے کا وقت آیا
سرِ میداں تڑپنے اور تڑپانے کا وقت آیا

جہادِ فی سبیل اللہ، رسُولُ اللہ کی سُنّت ہے
صحابہؓ کی جلی تاریخ دُہرانے کا وقت آیا

اُٹھو فارُوقِ اعظمؓ کے جواں، شہ زور فرزندو
بساطِ جنگ پر قوّت سے چھا جانے کا وقت آیا

خُدا کے نیک بندو! اپنے حجُروں سے نِکل آؤ
کمر باندھو، محاذِ جنگ پر جانے کا وقت آیا

مُسلّح غازیو، شیرو، دلیرو، تُند طُوفانو!
عَدُو کے مورچوں پر آگ برسانے کا وقت آیا

مُجاہِد! باندھ لے سَر سے کفن اور سَر بکف ہو جا
شہادت کا مُقدّس مرتبہ پانے کا وقت آیا

تمھیں یہ جنگ کا مَیداں ہَے گویا کھیل کا مَیداں
کہ توپوں کی گرج سے زیست بہلانے کا وقت آیا

تمھارے بازُوؤں میں جان ہَے، ایماں کی طاقت ہَے
نہتّے ہو کے بھی دُشمن سے بھِڑ جانے کا وقت آیا

فرنگی شاطروں نے ظُلمتیں بانٹی ہَیں دُنیا میں
خُدا کی سَر زمیں میں نُور پھیلانے کا وقت آیا

نظامِ مُصطفٰےؐ نافِذ کریں گے، کر کے دم لیں گے
نظامِ قیصر و کسریٰ کو ٹھکرانے کا وقت آیا

نفیسؔ اَب طالباںؓ کو نُصرتِ باری مُبارک ہو
جہاں میں پرچمِ اِسلام لہرانے کا وقت آیا

○

(محرّم الحرام ۱۴۱۸ھ / جون ۱۹۹۷ء)

لہ طالبان: نوجوان علمائے دین پر مشتمل مجاہدینِ افغانستان جنھوں نے مختصر عرصہ میں مُلک کے نوّے فیصد علاقے پر اسلامی شریعت پر مبنی حکومت قائم کی ہَے۔ (مرتّب)

حق کا بول بالا ہونے والا ہے

۱۹۹۰ء میں خوست (افغانستان) کے محاذِ جنگ سے واپس آتے ہوئے

بحمدِ اللہ، حق کا بول بالا ہونے والا ہے
سیاہی چھٹ رہی ہے اب اُجالا ہونے والا ہے

سوادِ خوست[1] سے دشمن خدا کے بھاگنے کو ہیں
مسلمانوں کا قبضہ لامحالہ ہونے والا ہے

کوئی کابل میں جا کر یہ نجیب[2] اللہ سے کہہ دے
تہ و بالا ترا ایوانِ بالا ہونے والا ہے

بہت اچھا، تو کر لے ظلم، جتنا ہو سکے تجھ سے
ترا اے روسیہ[3]! منہ اور کالا ہونے والا ہے

شہیدوں کے لہو سے خوست کو سیراب ہونا ہے
یہ خطہ آج کل میں کشتِ لالہ ہونے والا ہے

---

[1] کابل کے بعد افغانستان کا دوسرا بڑا شہر اور فوجی چھاؤنی۔

[2] افغانستان پر روسی تسلط کے بعد کمیونسٹ لیڈر اور سربراہِ حکومت

[3] اپنے وقت کی سپر پاور روس جو افغانستان میں شکست کے بعد مکمل تباہی اور روسیاہی سے دوچار ہوئی۔

شہادت چاہنے والو! مُبارک وقت آ پہنچا
تمہارا زیبِ تن، خُلدی دو شالہ ہونے والا ہے

مُجاہِد! ناز کر اپنے مُقدّر پر کہ تُوکّل کو
شہیدانِ اُحُد کا ہم پیالہ ہونے والا ہے

امیرِ مُحترم سَیفُ اللہ اختر[4] کو مُبارک ہو
کہ اُن سے کارنامہ اِک نرالا ہونے والا ہے

یہ کام اہلِ جُنُوں کا ہے، وُہی اِس کو سمجھتے ہیں
یہ کام اہلِ خِرَد سے بالا بالا ہونے والا ہے

نفیسؔ ایمان کہتا ہے، مِرا وَجدان کہتا ہے
ظہُورِ نُصرتِ باری تعالیٰ ہونے والا[5] ہے

○

(شوال ۱۴۱۰ھ / مئی ۱۹۹۰ء)

---

[4] حرکت الجہاد الاسلامی کے امیر اور عظیم مجاہد و کمانڈر جناب مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب جو جہادِ افغانستان میں از اوّل تا آخر شریک رہے۔

[5] بحمد اللہ یہ سب پیشین گوئیاں حرف بحرف پوری ہوئیں اور چند ماہ بعد ہی خوست اور اس کے کچھ عرصہ بعد کابل فتح ہوگیا اور کمیونسٹ افواج کو ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ (مرتب)

اب تو عجیب حال ہے جو ہے گناہ حلال ہے
عیب بھی اب کمال ہے گردش روزگار میں
کیسا یہ انقلاب ہے دیکھ کے دل کباب ہے
کہتے ہیں اب ثواب ہے سود میں اور قمار میں
دنیا گلے کا ہار ہے دین نظر میں خار ہے
یہ ہی اگر بہار ہے آگ لگے بہار میں
دنیا گلے کا ہار ہے دین نظر میں خار ہے
یہ ہی اگر بہار ہے آگ لگے بہار میں
جو ہے وہ مادہ پرست بندہ زر ہوا پرست
رہ گئے کم خدا پرست ایک ہے اب ہزار میں
روح جو رشک طور تھی پہلو میں گویا حور تھی
یا تو وہ غرق نور تھی یا ہے نہاں غبار میں
دورِ عمل فسانہ ہے ہم ہیں اب اور خانہ ہے
کسل کا کیا ٹھکانہ ہے گھر میں ہیں یا مزار میں
ہوش میں آؤ بھائیو ایسی نہ زندگی جیو
بادۂ سرمدی پیو اب نہ رہو خمار میں
بیٹھے ہو کیا اُٹھو اُٹھو ہاتھ میں اب تو سیف لو
راہِ خدا میں جان دو حوریں ہیں انتظار میں
عمر رواں یہ خواب ہے دریا نہیں سراب ہے
بحر جہاں حباب ہے دیدۂ ہوشیار میں
پھر تو ہر اک دلیر ہو فتح میں کچھ نہ دیر ہو
آپ سا حق کا شیر ہو عرصۂ کار زار میں
دیکھ نہ لیں حضور ابھی غفلتیں سب ہیں دور ابھی
ہوتا ہے نفخِ صور ابھی آپ کی اِک پکار میں
(کشکول مجذوب)

اجمالی فہرست

فہرستِ عُنوانات

مقام شہادت

شہدائے خیر القرون

شہدائے ختم نبوت

شہدائے بالاکوٹ

شہدائے پاکستان

مقامِ شہادت

قرآن کی روشنی میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ

ترجمہ: اور تو نہ سمجھ اُن لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا اُن کو الہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں اُن کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے اُن کے پاس اُن کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ اُن کو غم خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری امان والوں کی۔ (سورۃ آل عمران)

شہدا کی عجیب تمنا

بعض روایات میں ہے کہ شہدائے احد یا شہدائے بیر معونہ نے خدا کے ہاں پہنچ کر تمنا کی تھی کہ کاش ہمارے اس عیش و تنعم کی خبر کوئی ہمارے بھائیوں کو پہنچا دے تا کہ وہ بھی اس زندگی کی طرف جھپٹیں اور جہاد سے جان نہ چرائیں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پہنچاتا ہوں۔ اس پر یہ آیات نازل کیں اور ان کو مطلع کر دیا گیا کہ ہم نے تمہاری تمنا کے موافق خبر پہنچادی اس پر وہ اور زیادہ خوش ہوئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مؤمن کی روح

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں کے پھل کھاتی پھرتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ سب کو کھڑا کرے تو اسے بھی اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔ اس حدیث کے راویوں میں تین جلیل القدر امام ہیں جو ان چار اماموں میں سے ہیں جن کے مذاہب مانے جا رہے ہیں۔ (ابن کثیر)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد

ابوبکر ابن مردویہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور فرمانے لگے جابرؓ کیا بات ہے کہ تم مجھے غمگین نظر آتے ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد شہید ہو گئے جن پر بار قرض بہت ہے اور میرے بہن بھائی بہت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن! میں تجھے بتاؤں، جس کسی سے خدا نے کلام کیا پردے کے پیچھے سے کلام کیا لیکن تیرے باپ سے آمنے سامنے بات چیت کی، فرمایا مجھ سے مانگ، جو مانگے گا دوں گا۔ تیرے باپ نے کہا خدایا میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجے اور میں تیری راہ میں دوسری مرتبہ شہید ہو جاؤں۔ رب عزوجل نے فرمایا، یہ بات تو میں پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر دوبارہ دنیا میں نہیں جائے گا۔ کہنے لگے پھر

خدایا میرے بعد والوں کو ان مراتب کی خبر پہنچا دی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا۔ بیہقی میں اتنا اور زیادہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں تو خدایا تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

بَلْ اَحْیَآءٌ...... بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ابوالعالیہ نے اس فقرہ کی تشریح میں کہا کہ وہ سبز پرندوں کی شکلوں پر ہیں۔ جنت کے اندر جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں۔ رواہ ابو حاتم۔ بغوی نے لکھا ہے کہ روزِ قیامت تک ہر رات عرش کے نیچے انکی روحیں رکوع اور سجدے کرتی رہیں گی۔

نصف صدی بعد شہداء کی تر و تازہ حالت

بیہقی نے اپنی سندوں سے اور ابن سعد و بیہقی نے دوسرے طریقوں سے اور محمد بن عمرو نے اپنے مشائخ کی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا جب معاویہؓ نے چشمہ (نہر) جاری کرایا تو ہم اپنے شہداء احد کے مزاروں پر چیختے ہوئے پہنچے اور ان کو باہر نکالا تو دیکھا وہ تر و تازہ ہیں اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں (زندوں کی طرح) لچک ہے محمد بن عمرو کے مشائخ کا بیان ہے کہ لوگوں نے حضرت جابرؓ کے والد کو ایسی حالت میں پایا کہ ان کا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا۔ جب ہاتھ زخم سے الگ کیا گیا تو خون ابلنے لگا مجبوراً ہاتھ کو پھر اسی جگہ لوٹا دیا گیا تو خون تھم گیا۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے میں نے اپنے باپ کو قبر کے اندر دیکھا معلوم ہوتا تھا کہ سو رہے ہیں اور جس دھاریدار کمبلی کا ان کو کفن دیا گیا تھا وہ بھی ویسی ہی تھی۔ حالانکہ اس کو چھیالیس برس ہو چکے تھے۔ ان شہداء میں ایک شخص کی ٹانگ میں (زمین کھودتے وقت) پھاوڑہ لگ گیا تو اس سے خون ابل پڑا مشائخ نے کہا یہ حضرت حمزہؓ تھے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا اس کے بعد کوئی منکر (حیات شہداء کا) انکار نہیں کر سکتا۔ لوگ (ان مزاروں کی) مٹی کھودتے تھے جب تھوڑی سی ہی مٹی کھودتے تھے تو مشک کی خوشبو مہکنے لگتی تھی۔ (تفسیر مظہری اردو جلد دوم)

حیاتِ شہداء

بغوی نے حضرت عبید بن عمیر کا بیان نقل کیا ہے کہ احد سے واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت مصعبؓ بن عمیر (شہید احد) کی طرف سے ہوا مصعبؓ شہید ہو چکے

تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس کھڑے ہوگئے اور ان کے لئے دعا کی پھر یہ آیت پڑھی:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ.

پھر فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ سب اللہ کے نزدیک شہید ہونگے۔ متنبہ ہوجاؤ تم ان کے پاس آیا کرو ان کی زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کہا کرو۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جو کوئی ان کو سلام کرے گا وہ ضرور اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس کے بعد ارشاد فرمایا میں نے تجھے مکہ میں دیکھا تھا کہ تجھ سے زیادہ مکہ میں نہ کوئی خوش لباس تھا نہ حسین بالوں والا (یعنی نہ تجھ سے زیادہ خوش جمال اور آج اللہ کی راہ میں تیری یہ حالت ہوگئی کہ تجھے مثلہ کیا گیا)

سوال: کیا شہید کے مرتبہ کو کوئی اور پہنچ سکتا ہے؟

جواب: ہاں پہنچ سکتا ہے شہداء کے فضائل جو کچھ بیان کئے گئے ہیں ان کا اقتضاء یہ نہیں کہ دوسرے وہاں تک نہ پہنچیں۔ ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عبید بن خالدؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں میں بھائی چارہ کرادیا ان میں سے ایک راہ خدا میں شہید ہوگیا۔ پھر تقریباً ایک جمعہ کے بعد دوسرا بھی مرگیا لوگوں نے اس کی نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے (نماز میں اس کے لئے) کیا کہا لوگوں نے عرض کیا ہم نے اللہ سے دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمادے اس پر رحم کرے اور اس کو اس کے ساتھی تک پہنچادے (یعنی اس کو بھی شہید کا درجہ مل جائے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس کی نمازوں کے بعد اس کی نمازیں اور اس کے اعمال کے بعد والے اس کے اعمال یا فرمایا اس کے روزوں کے بعد والے اسکے روزے کہاں جائیں گے۔ ان دونوں کے درمیان (مرتبہ) کا فاصلہ تو اتنا ہے جتنا آسمان زمین کا (یعنی بعد کو مرنے والا پہلے شہید ہونے والے سے مرتبہ میں بہت اونچا ہے اس کی نمازیں اور روزے اس سے زائد ہیں) انبیاء شہداء صدیقین اور مومنین کے مقامات کا بیان ہم نے سورہ المطففین میں کیا ہے۔ اور حیوٰۃ شہداء کا مسئلہ سورہ بقرہ کی آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ کی تفسیر کے ذیل میں ذکر کردیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

شہداء کا قرب

عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ اپنے رب کے پاس یعنی اللہ کے قرب میں جو بلا کیف ہے (جسمانی اور مکانی نہیں انضمامی ادغامی اور کسبی نہیں ان سب سے الگ ایک ایسا قرب ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی نہ سمجھی جا سکتی ہے یعنی قرب اعزازی ہے)

شیخ شہید نے فرمایا جو میرے شیخ و امام تھے (غالباً حضرت مولف قدس سرہ کی شیخ شہید سے مراد حضرت مرزا مظہر جانؒ جاناں کی ذات مبارک ہے) کہ شہداء پر تجلیات ذاتیہ کی بارش کو کشف کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں دیدیں اور اللہ نے فرمایا ہے:

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللهِ

پس ان لوگوں نے اپنے لئے اپنی ذاتیں (ہستیاں) خرچ کر دیں لہٰذا اللہ بھی ان کو خالص تجلیات ذاتیہ عطا فرمائے گا۔

شہداء کی خواہش

عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی طرح ہوتی ہیں (بہر حال) ان پرندوں کے لئے سونے کی قندیلین (پنجرے) عرش سے آویزاں ہیں وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ پھر لوٹ کر قندیلوں میں آ جاتی ہیں۔ اللہ ان کو ایک بار جھانکتا ہے اور فرماتا ہے کیا تم کچھ چاہتے ہو ایسا (روزانہ) تین بار کرتا ہے دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے مجھ سے مانگو جو کچھ چاہو وہ جواب دیتے ہیں، اے رب! ہم کیا مانگیں جس جنت میں ہم چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ بغیر مانگے ان کو نہیں چھوڑا جاتا تو عرض کرتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں کے اندر دوبارہ لوٹا دیا جائے تا کہ ہم ایک بار اور تیرے راستے میں جہاد کریں (اللہ فرماتا ہے میں لکھ چکا ہوں کہ دوبارہ دنیا میں لوٹنا نہیں ہوگا) آخر جب اللہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی ضرورت (باقی) نہیں تو ان کو (ان کی حالت پر) چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شہداء کو خوش کرنا

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ...... اور وہ بشارت پائیں گے یعنی مسرور وخوش ہوں گے کہ شہداء پر زندہ بھائیوں

کی طرف سے کچھ اندیشہ نہیں یعنی بھائیوں کے حقوق جو شہداء کے ذمہ رہ گئے تھے ان کا کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ اللہ شہداء کی طرف سے اہل حقوق کو راضی کر دے گا اور دعوے سے دست بردار کر دے گا۔

میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ شہداء کے بھائی بند اور دوست جو مرتبہ میں شہداء کے درجہ کو نہیں پہنچے شہداء ان کے معاملہ میں بشارت پائیں گے اور خوش ہوں گے کہ ان کے بھائی بندوں کو بھی عذاب کا کچھ اندیشہ نہیں اور نہ ان کو رنج ہو گا کیونکہ اللہ نے شہداء کو اپنے بھائی بندوں کی شفاعت کرنے کا حق عطا فرمایا ہے۔

شہداء کی شفاعت

ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت ابودرداء کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔ احمد اور طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے اور ترمذیؒ و ابن ماجہؒ نے حضرت مقدام بن معدیکربؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ ابن ماجہؒ اور بیہقیؒ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن انبیاء شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہداء۔ بزار نے بھی یہ حدیث لکھی ہے اور آخر میں اتنا زائد لکھا ہے، پھر مؤذن۔ میں کہتا ہوں حدیث میں جن علماء کو شفاعت میں شہداء پر سبقت عطاء فرمائی ہے شاید ان سے مراد وہ علماء راسخین ہیں جو حقیقت کے عالم ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مجاہد فی سبیل اللہ کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص راہ خدا میں جہاد کرے اور صرف جہاد فی سبیل اللہ (کا خیال) اور کلمۃ اللہ کی تصدیق ہی اس کے گھر سے نکلنے کا سبب ہو تو اللہ نے اس کے متعلق ذمہ لیا ہے کہ (اگر مر گیا تو) اس کو جنت میں داخل کرے گا یا اس گھر میں جس سے وہ نکلا ہے ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لے آئے گا۔ قسم ہے اسکی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو کوئی راہ خدا میں زخمی ہو گا اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخم کھاتا ہے (اور کون نام آوری اور شہرے کے لئے زخمی ہوتا ہے) جب وہ قیامت کے دن (سامنے) آئے گا تو اس کے زخم

سے خون ابلتا ہوگا جس کا رنگ تو خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی۔ (رواہ البغوی)

شہادت کی تکلیف کی مثال

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید قتل کا دکھ بس اتنا (اتنی دیر) پاتا ہے جتنا (یعنی جتنی دیر) تم چیونٹی کے کاٹنے سے پاتے ہو۔

(رواہ الدارمی والترمذی۔گلدستہ تفاسیر جلد اول)

شہادت کی موت

گھر میں بیٹھ رہنے سے موت تو رک نہیں سکتی، ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے جس کو موت کے بجائے حیات جاودانی کہنا چاہیئے۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مردوں کو نہیں ملتی، ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔ بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔ جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے جس طرح ہم اعلیٰ درجہ کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں، شہداء کی ارواح ''حواصل طیور خضر'' میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں۔ان'' طیور خضر'' کی کیفیت کو اللہ ہی جانے، وہاں کی چیزیں ہمارے احاطۂ خیال میں کہاں آسکتی ہیں۔ اس وقت شہداء بے حد مسرور ہوتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی، اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا اور اپنے فضل سے ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا، جو وعدے شہیدوں کے لئے پیغمبرؐ کی زبانی کئے گئے تھے انہیں آنکھوں سے مشاہدہ کر کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی محنت ضائع نہیں کرتا بلکہ خیال اور گمان سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ اپنی حالت پر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی انہیں ایک خاص خوشی حاصل ہوتی ہے جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے یا کم از کم ایمان پر مرے تو اپنی اپنی حیثیت کے موافق ایسی ہی پر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے۔ نہ انکو اپنے آگے کا ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم، مامون و مطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائینگے۔

شہادت کی فضیلت واقسام

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد وثناء کے بعد ارشاد فرمایا کہ: بے شک سب سے سچا کلام اللہ کی کتاب ہے۔ سب سے مضبوط کڑا تقویٰ ہے' سب سے بہتر ملت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہے' سب سے بہتر طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے' سب سے اشرف کلام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے' سب سے بہتر قصہ یہ قرآن ہے' تمام کاموں میں سب سے بہتر وہ ہے جس کو عزیمت سے ادا کیا جائے اور بدترین کام وہ ہیں جو نئے ایجاد کیے جائیں' سب سے بہتر طور طریقہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طور طریقہ ہے' سب سے اشرف موت شہداء کی شہادت اور ان کا قتل ہے''۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ شہید کا قتل ہونا سب سے اشرف موت ہے۔ اشرف کے معنی سب سے زیادہ بزرگی والی' سب سے زیادہ لائق عظمت۔

قرآن کریم نے حضرات شہداء کا تیسرا درجہ بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًاo (النساء: ۶۹)

ترجمہ: ''اور جس نے کہا مان لیا اللہ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ لوگ ہوں گے نبیوں کے ساتھ اور صدیقین کے ساتھ اور شہداء کے ساتھ اور اعلیٰ درجہ کے نیک لوگوں کے ساتھ اور بہت ہی عمدہ ہیں یہ سب حضرات رفیق ہونے کے اعتبار سے (ان سے زیادہ عمدہ رفیق کس کو میسر آسکتے ہیں؟)''۔

قرآن کریم نے پہلا درجہ اللہ کے نبیوں کا بیان فرمایا۔ دوسرا صدیقین کا' تیسرا شہداء کا اور چوتھا صالحین کا یعنی اعلیٰ درجہ کے نیک لوگوں کا جن کو ہم اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ ہم جیسے گنہگار مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور اطاعت کی کوشش کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو خوشخبری دے رہے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا حشر نبیوں' صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا اور یہ بہت اچھے

ساتھی ہیں۔ "ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ" یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نصیب فرمادے۔(اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمادے۔آمین)

تو بہرحال شہیدوں کا مرتبہ اللہ نے تیسرے نمبر پر فرمایا ہے۔انبیاء اور صدیقین کے بعد پھر شہداء کا درجہ ہے اس لیے کہ سب سے اشرف واعلیٰ موت تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور دوسرے نمبر پر اشرف واعلیٰ موت صدیقین کی ہے۔صدیقین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔یعنی اپنے اوصاف اور اپنے کمالات کے اعتبار سے یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس نبوت نہیں ہوتی۔ان کے بعد پھر جتنے اُمتی ہیں ان سب میں سے سب سے زیادہ شریف تر موت حضرات شہداء کی ہے۔

شہادت کی موت کا درجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی اور شہداء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کی خاک ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے سردار ہیں، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ o (مشکوٰۃ ص: ۳۲۹)

ترجمہ: "میرا جی چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔(یہ سلسلہ چلتا ہی رہے)۔"

ذرا اندازہ فرمالیں! جس موت کی تمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں وہ موت کتنی اشرف اور کتنی قیمتی ہوگی؟ صحیح احادیث میں حضرات شہداء کے بہت فضائل وارد ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کی موت نصیب فرمائے۔آمین

شہید جنت الفردوس میں

ایک روایت میں ہے کہ: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حارثہ بن سراقہ کی ماں اُم ربیعہ بنت براء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہنے لگیں کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرا لڑکا سراقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

غزوہ بدر میں شہید ہوگیا ہے' اگر تو اس کی بخشش ہوگئی ہے اور وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں ورنہ میں اس پر رنج وغم اور صدمہ کا اظہار کروں اور اپنا حق ادا کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حارثہ کی ماں! جنت ایک نہیں بہت ساری جنتیں ہیں (اوپر نیچے سو جنتیں ہیں اور ہر جنت سے دوسری جنت کا فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان وزمین کا فاصلہ ہے' سو جنتیں اوپر نیچے اتنی ہیں اور سب سے اوپر جو جنت ہے وہ جنت الفردوس ہے) اور تیرا بیٹا سب سے اوپر کی جنت جنت الفردوس میں ہے۔" (مشکوٰۃ)

شہید زندہ ہیں

قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ٥ (البقرۃ: ۱۵۴)

ترجمہ: "اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہوجاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر اس کی زندگی کا تم شعور نہیں رکھتے۔ (اس کی زندگی تمہارے حواس سے بالاتر چیز ہے)۔"

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ٥ (آل عمران: ۱۶۹)

ترجمہ: "بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کے رب کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے۔"

صحیح بخاری کے حوالے سے مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ:

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے عرش اعظم کے ساتھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں اور وہ شہداء کا مستقر ہیں' وہ شہداء کے رہنے کی جگہ ہے اور سبز پرندوں کی شکل میں اللہ تعالیٰ ان کو سواریاں عطا فرماتے ہیں اور ان کی روحیں ان سبز پرندوں میں جنت کے اندر پرواز کرتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں۔" (مشکوٰۃ)

یہ قیامت سے پہلے کا قصہ ہے۔ قیامت کے دن ان کے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ تو سبحان اللہ! کیا بات ہے!

نذرانہ حیات

لوگ بارگاہ عالی میں مختلف نذرانے پیش کیا کرتے ہیں۔ شہید اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اس نذرانہ کو قبول فرمالیتے ہیں۔

مرنا تو سب کو ہے

باقی مرنے کو تو بالآخر سب ہی مریں گے' جئے گا کون؟ کوئی مرنا چاہے اس کو بھی موت آئے گی اور کوئی مرنا نہ چاہے تب بھی اس کو موت آئے گی۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ: ''نیک آدمی کے پاس جب ملک الموت آتا ہے تو فرشتہ اس کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے پاک روح! پاک جسم میں رہنے والی! اپنے رب کی مغفرت اور رحمت ورضوان کی طرف نکل' جو تجھ پر غضبناک نہیں۔ (جب وہ آدمی اپنے رب کا نام سنتا ہے تو اس وقت اس کی روح کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اتنا اشتیاق ہو جاتا ہے کہ وہ روح بے چین ہو جاتی ہے جیسا کہ پنجرہ میں پرندہ' پنجرہ توڑ کر نکلنے کے لیے مشتاق ہوتا ہے۔ اس مؤمن آدمی کی روح اتنی بے چین ہو جاتی ہے' اتنے میں ملک الموت اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنی سہولت کے ساتھ اور آسانی کے ساتھ روح نکل جاتی ہے جیسے مشکیزہ کے منہ سے قطرہ ٹپک جاتا ہے اور دوسرے قسم کے آدمی کے پاس ملک الموت آتا ہے تو کہتا ہے کہ اے گندی روح! جو گندے جسم میں تھی' نکل اپنے رب کے غضب کی طرف اور اس کے عذاب کی طرف (نعوذ باللہ! اللہ کی پناہ)۔'' (مشکوٰۃ)

روح تو پہلے ہی بدن میں سرایت کی ہوتی ہے لیکن وہ بالوں تک میں سرایت کر جاتی ہے تاکہ وہ نہ نکلے اور وہ فرشتہ پھر اس کو کھینچتا ہے اور فرمایا کہ بالکل ایسی مثال ہو جاتی ہے کہ دُھنی ہوئی روئی کے اندر گرم یا بھیگی ہوئی سلائی ماری جائے اور پھر اس کو کھینچا جائے' بدن اور روح کا رشتہ چھڑانے کے لیے اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ کوئی اس دنیا سے جانا چاہیے' روح اس کی بھی نکلتی ہے اور جو نہ جانا چاہیے روح اس کی بھی نکلتی ہے لیکن شہید اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بارگاہ الٰہی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کی قدر افزائی فرماتے ہیں' اس کو قبول فرماتے ہیں' اس لیے فرمایا کہ شہید کی موت اشرف موت ہے۔

شہادت کی موت کی دعا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ بِبَلَدِ رَسُوْلِکَ

یا اللہ! شہادت کی موت نصیب فرما اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت نصیب فرما۔ پھر فرماتے ہیں کہ عمر دو باتیں اکٹھی کیسے ہوں گی؟ شہادت کی موت بھی مانگتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں بھی مانگتے ہو؟ جہاد تو باہر ہوتا ہے، مدینہ میں بیٹھ کر کیسے شہادت مل جائے گی؟ خود ہی سوال کرتے تھے اور خود ہی فرماتے تھے کہ اگر اللہ چاہے تو دونوں کو جمع کر سکتے ہیں اور واقعی اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔

حصول شہادت کا وظیفہ

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص روزانہ پچیس مرتبہ یہ پڑھا کرے:

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْ مَابَعْدَ الْمَوْتِ ۝ (الاتحاف، ج:۱۰، ص:۲۲۷)

ترجمہ: ''یا اللہ! برکت فرما میرے لیے موت میں اور موت کے بعد کی زندگی میں۔''

اللہ پاک اس کو شہادت کی موت نصیب فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کا نام شہیدوں کی فہرست میں درج فرمادیں گے۔ خواہ اس کی موت بستر پر ہی کیوں نہ آئے، یہ تو کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ تمنا کرو، مانگو اور اگر تمنا ہی نہ ہو تو پھر کیسے ہوگا؟

حدیث ہے کہ: مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ ۝ (مشکوٰۃ ص: ۳۳۱)

ترجمہ: ''جس نے جہاد میں حصہ نہیں لیا اور کبھی اس کے دل میں خیال بھی پیدا نہ ہوا تو وہ آدمی نفاق کی موت مرا۔''

جہاد کی تمنا کرو

جہاد کی تمنا تو کرو ناں! فی سبیل اللہ کی تمنا کرو اور اللہ سے مانگو کیا بعید ہے کہ اللہ پاک اپنی رحمت سے ہم گنہگاروں کو بھی شہادت کی موت نصیب فرمادیں۔

شہید کسے کہتے ہیں؟

چند باتیں یہاں سمجھ لینی چاہئیں۔

ا...... شہید کس کو کہا جاتا ہے؟

اصل شہید تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے کافروں کے ہاتھ سے قتل ہو جائے۔ میدان جہاد میں کافروں کے ہاتھ سے جو مسلمان قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے۔

الف:...... حضرات فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میدان جہاد میں مقتول پایا گیا اور اس کے بدن پر زخم کا نشان تھا لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ اس کو کسی کافر نے قتل کیا ہے تو وہ بھی شہید کہلائے گا۔

ب: اسی طرح میدان جہاد سے کسی شخص کو زخمی ہونے کی حالت میں زندہ اُٹھالیا گیا ہو لیکن دوا دارو کی، مرہم پٹی کی، کھانے پینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس نے دم توڑ دیا تو وہ بھی شہید ہے۔

ج: اسی طرح جس شخص کو ڈاکوؤں نے قتل کر دیا یا ڈاکوؤں سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ مارا گیا یا باغیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔

د: اسی طرح جس شخص کو کسی مسلمان نے بغیر کسی وجہ کے ظلماً قتل کر دیا ہو تو وہ بھی شہید ہے۔

یہ شہداء کی پانچ قسمیں ہوئیں جو دنیا کے احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہیں اور آخرت کے اعتبار سے بھی شہید ہیں۔ گویا:

۱- جو شخص کسی کافر کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

۲- جو شخص میدان جہاد میں مرا ہوا پایا گیا اور اس پر زخم کا نشان تھا۔ غالب یہی ہے کہ کسی کافر نے اس کو قتل کیا ہو گا یا کافر کے زخم لگانے سے قتل ہوا ہو گا۔

۳- جو شخص زخمی حالت میں میدان جہاد سے لایا گیا اور ابھی تک کھانے پینے کی یا مرہم پٹی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس کا پیمانہ حیات لبریز ہو گیا۔

۴- جس شخص کو ڈاکوؤں یا باغیوں نے قتل کر دیا۔

۵- جس شخص کو کسی مسلمان نے ظلماً قتل کر دیا۔

یہ پانچ قسم کے افراد فقہی اعتبار سے شہید کہلاتے ہیں۔

شہید کی قسمیں

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہید پانچ ہیں

۱-طاعون سے مرنے والا ۲-پیٹ سے مرنے والا ۳-ڈوب کر مرنے والا

۴-دب کر مرنے والا ۵-اللہ کی راہ میں شہید ہونیوالا (بخاری ومسلم)

یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ شہید تین قسم کے ہوتے ہیں:

دنیا وآخرت کے اعتبار سے شہید

۱......ایک تو وہ جو دنیا وآخرت دونوں کے اعتبار سے شہید ہیں۔

آخرت کے اعتبار سے شہید

۲......اور ایک وہ جو دنیاوی اعتبار سے شہید نہیں لیکن آخرت میں اس کا نام بھی شہیدوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم شہید کس کو سمجھتے ہو؟ (جو جواب دیا جا سکتا تھا وہی دیا گیا کہ) یا رسول اللہ! جو اللہ کے راستے میں قتل ہو جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر تو میری اُمت کے شہید بہت تھوڑے رہ جائیں گے۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے اور جو اللہ کے راستہ میں مر جائے وہ بھی شہید ہے اور جو طاعون کی بیماری سے مر جائے وہ بھی شہید ہے اور جو پیٹ کی بیماری سے مرے وہ بھی شہید ہے۔“ (مشکوٰۃ)

اسی طرح کوئی دریا میں ڈوب کر مر گیا وہ بھی شہید' کسی پر دیوار گر گئی یا کسی حادثہ میں مر گیا وہ بھی شہید ہے' عورت زچگی کی حالت میں مر گئی وہ بھی شہید ہے' بچہ جنتے ہوئے مر گئی وہ بھی شہید۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہیدوں کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں جن کو معنوی شہید کہا جاتا ہے۔یہ لوگ دنیا کے احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہوتے' ان کو غسل دیا جائے گا ان کو کفن پہنایا جائے گا' ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی' یہ لوگ دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی فہرست میں ان کا نام بھی شہیدوں میں لکھا جائے گا۔

دنیا والوں کے اعتبار سے شہید

۳......تیسری قسم شہیدوں کی وہ ہے جن کو ہم اور آپ شہید کہتے ہیں مگر اللہ کی فہرست میں

ان کا نام شہیدوں میں نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) وجہ یہ تھی کہ اندر ایمان صحیح نہیں تھا' جان کا نذرانہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے پیش نہیں کیا گیا بلکہ قومی عصبیت کی بناء پر قتل کیا گیا یا اپنی جواں مردی اور شجاعت کے جوہر دکھلانے کے لیے مرا' بہادر کہلوانے کے لیے مرا' بھائی! ان کے دلوں کو تو ہم نہیں جانتے کہ کس کی نیت کیا ہے؟ ہم تو اس کے ساتھ معاملہ شہیدوں کا ہی کریں گے مگر اللہ تعالیٰ دلوں کی کیفیت کو خوب جانتے ہیں' وہ صرف ظاہری عمل کو نہیں دیکھتے' یہ لوگ جو ریاکاری کے لیے یا دکھلاوے کے لیے یا کسی اور غرض اور مقصد کے لیے قتل ہوئے' چاہے میدان جہاد میں ہی قتل کیوں نہ ہوئے ہوں' یہ لوگ اللہ کی فہرست میں شہید نہیں ہیں' دنیاوی اور اپنے علم کے اعتبار سے ہم لوگ ان کو شہید ہی کہیں گے۔ باقی راہ حق میں شہادت کی تمنا ہر مؤمن کو رکھنی چاہیے' اللہ تعالیٰ شہادت کی موت نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ شہیدوں میں اُٹھائے۔ (آمین)

شہادت کی موت کی دعا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا فرماتے ہیں: یا اللہ! شہادت کی موت نصیب فرما اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت نصیب فرما۔ پھر فرماتے ہیں کہ عمر دو باتیں اکٹھی کیسے ہوں گی؟ شہادت کی موت بھی مانگتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں بھی مانگتے ہو؟ جہاد تو باہر ہوتا ہے' مدینہ میں بیٹھ کر کیسے شہادت مل جائے گی؟ خود ہی سوال کرتے تھے اور خود ہی فرماتے تھے کہ اگر اللہ چاہے تو دونوں کو جمع کر سکتے ہیں اور واقعی اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔

حصول شہادت کا وظیفہ

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص روزانہ پچیس مرتبہ یہ پڑھا کرے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْ مَابَعْدَ الْمَوْتِ (الاتحاف' ج:۱۰' ص:۲۲۷)

ترجمہ: ''یا اللہ! برکت فرما میرے لیے موت میں اور موت کے بعد کی زندگی میں۔''

اللہ پاک اس کو شہادت کی موت نصیب فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کا نام شہیدوں کی فہرست میں درج فرمادیں گے۔ خواہ اس کی موت بستر پر ہی کیوں نہ آئے' یہ تو کچھ

مشکل نہیں بشرطیکہ تمنا کرو، مانگو اور اگر تمنا ہی نہ ہو تو پھر کیسے ہوگا؟

حدیث ہے کہ: مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ ٥ (مشکوٰۃ ص: ۳۳۱)

ترجمہ: ''جس نے جہاد میں حصہ نہیں لیا اور کبھی اس کے دل میں خیال بھی پیدا نہ ہوا تو وہ آدمی نفاق کی موت مرا۔''

جہاد کی تمنا کرو

جہاد کی تمنا تو کرو ناں! فی سبیل اللہ کی تمنا کرو اور اللہ سے مانگو کیا بعید ہے کہ اللہ پاک اپنی رحمت سے ہم گنہگاروں کو بھی شہادت کی موت نصیب فرما دیں۔ (بحوالہ اصلاحی مواعظ)

شہید کی دو قسمیں

حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ شہید دو قسم کے ہیں: ۱۔شہید کامل ۲۔شہید ناقص یا شہید حکمی۔

شہید کامل

شہید کامل وہ ہے جو میدان جنگ میں ایسی حالت میں مارا جائے کہ اس کے جسم پر زخم ہو اور اس نے اس کے بعد کسی دنیاوی چیز سے نفع بھی نہ اٹھایا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا مگر نماز جنازہ پڑھی جائے گی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شہید کامل کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

حکمی شہید

ان میں شہات کا تو ثواب ملتا ہے مگر ان عام مردوں کی طرح غسل وکفن دیا جاتا ہے سب کے نزدیک۔ حدیث بالا میں شہید ناقص یا شہید حکمی کو بیان کیا جارہا ہے۔

المطعون۔ طاعون کی بیماری میں موت آئے۔ المبطون۔ پیٹ میں بیماری کی وجہ سے موت آئے۔ صاحب الھدم۔ کہ کسی عمارت یا چٹان کے گرنے سے اس کے نیچے دب کر مر جائے۔

شہید ناقص میں سے یہاں پر چار کو بیان کیا گیا ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۳۸ شمار کروائے ہیں اور علماء نے بھی کچھ کم یا زیادہ بیان کیا ہے۔

وہ لوگ جو شہیداء کے حکم میں ہیں

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کی تعداد ۳۷ ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱- پیٹ کی بیماری والا۔ ۲- پانی میں ڈوب کر مرنے والا۔

۳- دیوار وغیرہ گرنے سے مرنے والا۔

۴- ذات الجنب یعنی سینہ کے اندر کی طرف پسلیوں والے حصہ میں زخم ہو جائے اور سخت درد ہو۔

۵- سل کی بیماری یعنی اس بیماری میں پھیپھڑے سے منہ کے راستہ خون آتا ہے۔

۶- سفر میں مرنے والا۔ ۷- مرگی کے مرض میں مرنے والا۔

۸- بخاری میں مرنے والا۔ ۹- مال وجان وغیرہ کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والا۔

۱۰- ظلماً قتل ہو۔ ۱۱- پاک دامنی کی محبت میں مرنے والا' اگر گناہ والے عشق میں مرے تو حرام اور گناہ ہے۔ ۱۲- جذام وکوڑھ کی بیماری والا۔

۱۳- درندے نے پھاڑا ہو۔

۱۴- بادشاہ نے ظلماً مارا' اس کے خوف سے چھپا رہا اور اسی میں مر جائے۔

۱۵- موذی جانور' سانپ وغیرہ کے کاٹنے سے۔

۱۶- علم دین کی طلب میں خواہ تدریس ہو یا تصنیف ہو اس میں مرنے والا۔

۱۷- موذن جو ثواب کی نیت سے اذان دے اور تنخواہ نہ لے۔

۱۸- سچ بولنے والا تاجر۔

۱۹- جو اپنے اہل وعیال وغیرہ کیلئے طلب حلال کی کوشش کرتے ہوئے مرے۔

۲۰- سمندر کے سفر میں متلی اور قے آنا۔

۲۱- روزانہ پچیس مرتبہ "اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت" پڑھنے والا۔

۲۲- چاشت کی نماز کا اہتمام کرنے والا اور ہر مہینے میں تین روزے رکھنے والا اور نماز وغیرہ سفر وحضر میں بھی نہ چھوڑنے والا مرے۔

۲۳- فساد امت کے وقت سنت کا اہتمام کرنے والا۔

۲۴- جو بیماری میں ''لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین'' چار مرتبہ پڑھے اور پھر اسی بیماری میں مرنے والا۔ ۲۵- ہر رات سورہ یٰسین کو پڑھنے والا۔

۲۶- جو صبح کے وقت ''اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم'' تین بار پڑھ کر سورت حشر کی آخری تین آیات پڑھنے والا۔

۲۷- روزانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سو بار درود شریف پڑھنے والا۔

۲۸- سچے دل سے شہادت کی تمنا کرنے والا۔ ۲۹- جمعہ کے دن مرنے والا۔

۳۰- کفار سے جنگ کیلئے سرحد پر گھوڑا باندھ کر رکھنے والا۔

۳۱- سواری سے گر کر مرنے والا۔ ۳۲- طاعون کے مرض میں مرنے والا۔

۳۳- جل کر مرنے والا۔ ۳۴- جو عورت بچہ پیدا ہونے کے وقت مرے' یا نفاس کی مدت کے پورا ہونے سے پہلے مرے۔ (روضۃ الصالحین)

شہید کے احکام

شہید کا حکم یہ ہے کہ شہید کو انہی کپڑوں میں بغیر غسل کے دفن کیا جاتا ہے' اس کو کفن نہیں پہنایا جاتا اور اس کے بدن کے کپڑے نہیں اُتارے جاتے' البتہ کوئی زائد کپڑے ہوں جیسا کہ سردیوں کے موسم میں پوستین وغیرہ پہن لیتے ہیں' جیسے صدری وغیرہ پہن لیتے ہیں یا کوئی اور بھاری کپڑا پہن لیتے ہیں' ایسا کپڑا اگر کوئی پہنا ہوا ہو تو اس کو اُتار دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اوپر چادر دینے کی ضرورت ہو تو وہ بھی دے دی جائے گی لیکن معروف طریقے سے جیسا کہ کفن کے تین کپڑے ہوتے ہیں وہ کفن شہید کو نہیں دیا جاتا۔ اب اس کے وجود کو ڈھانکنے کے لیے اوپر ایک چادر ڈال دیں گے۔ شہید کے اپنے کپڑے اس کا کفن ہیں حالانکہ میت کو سلے ہوئے کپڑے تو نہیں پہنائے جاتے لیکن شہید کے لیے اس کے سلے ہوئے کپڑے اس کا کفن ہیں۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ: وَاَنْ يُّدْفَنُوْا بِدَمَائِهِمْ وَثِيَابِهِمْ ٥ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: ''ان کو ان کے زخموں سمیت اور ان کے کپڑوں سمیت دفن کیا جائے۔''

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ: ''جو شخص اللہ کے راستے میں شہید ہوا وہ قیامت

کے دن بارگاہ الٰہی میں اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے بدن سے جہاں زخم آیا تھا' خون کا فوارہ پھوٹ رہا ہوگا' رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو کستوری کی ہوگی۔'' (مشکوٰۃ ص: ۳۳۰)

شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے

لیکن شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اس کا جنازہ بھی نہیں ہے۔ ویسے ہی دفن کردو' تمہاری شفاعت کی اب اس کو ضرورت نہیں رہی ہے کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ

''اَلسَّیْفُ مَحَّاءٌ لِلْخَطَایَا'' (کنز العمال' حدیث: ۳۹۶۸۸)

''یعنی تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔''

کافر کی تلوار نے ہی اس کی شفاعت کردی اور وہ بخشا گیا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

''شہید کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیتے ہیں۔''

قبر میں اس سے حساب و کتاب نہیں ہوتا۔ جیسا عام مردوں سے سوال و جواب ہوتا ہے اس سے نہیں ہوتا۔

لیکن ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہید کا جنازہ ہے (اس پر طویل گفتگو ہے' اس علمی بحث کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں) کہنے کا مدعا یہ ہے کہ شہید کا یہ حکم ہے' شہید کی موت اتنی قیمتی ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف موت فرمارہے ہیں۔ (اصلاحی مواعظ)

شہید کیلئے چھ انعامات

حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ شہید کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں چھ خصوصی انعامات ہیں۔

۱-خون کے پہلے قطرے کے ساتھ اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور جنت میں اس کا مقام اس کو دکھلا دیا جاتا ہے۔

۲-اسے عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے۔

۳-قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے وہ محفوظ رہتا ہے۔

۴-اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

۵-بہتر حورعین سے اس کا نکاح کرا دیا جاتا ہے۔

۶-اس کے اقارب میں ستر کے بارے میں اسکی شفاعت قبول ہو جاتی ہے۔(ترمذی)

کے دن بارگاہ الٰہی میں اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے بدن سے جہاں زخم آیا تھا' خون کا فوارہ پھوٹ رہا ہوگا' رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو کستوری کی ہوگی۔'' (مشکوٰۃ ص: ۳۳۰)

شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے

لیکن شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اس کا جنازہ بھی نہیں ہے۔ ویسے ہی دفن کردو' تمہاری شفاعت کی اب اس کو ضرورت نہیں رہی ہے کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ

''اَلسَّیْفُ مَحَّاءٌ لِلْخَطَایَا'' (کنز العمال' حدیث: ۳۹۶۸۸)

''یعنی تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔''

کافر کی تلوار نے ہی اس کی شفاعت کردی اور وہ بخشا گیا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

''شہید کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیتے ہیں۔''

قبر میں اس سے حساب و کتاب نہیں ہوتا۔ جیسا عام مردوں سے سوال و جواب ہوتا ہے اس سے نہیں ہوتا۔

لیکن ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہید کا جنازہ ہے (اس پر طویل گفتگو ہے' اس علمی بحث کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں) کہنے کا مدعا یہ ہے کہ شہید کا یہ حکم ہے' شہید کی موت اتنی قیمتی ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف موت فرمارہے ہیں۔ (اصلاحی مواعظ)

شہید کیلئے چھ انعامات

حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے
ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ
شہید کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں چھ خصوصی انعامات ہیں۔

۱-خون کے پہلے قطرے کے ساتھ اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور
جنت میں اس کا مقام اس کو دکھلا دیا جاتا ہے۔

۲-اسے عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے۔

۳- قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے وہ محفوظ رہتا ہے۔

۴-اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا اور
اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

۵-بہتر حور عین سے اس کا نکاح کرا دیا جاتا ہے۔

۶- اس کے اقارب میں ستر کے بارے میں اسکی شفاعت قبول
ہو جاتی ہے۔(ترمذی)

اسلام میں پہلی تلوار

بارہ سال کا ایک بچہ ہاتھ میں تلوار پکڑے تیز تیز قدموں کے ساتھ ایک سمت میں لپکا جارہا ہے دھوپ بھی خاصی تیز ہے۔ بستی میں سناٹا طاری ہے۔

لیکن لگتا یوں ہے جیسے اس بچے کو کسی بات کی کوئی پرواہ نہیں۔

لپکتے قدموں کا رخ بستی سے باہر پہاڑوں کی طرف ہے۔

چہرہ غصے سے سرخ ہے۔

لیکن آنکھیں کسی کی تلاش میں دائیں بائیں گھوم رہی ہیں۔

اچانک ایک چٹان کے پیچھے سے سایہ سا لپکا۔

بچے نے تلوار کو مضبوطی سے تھام لیا۔

آنے والا سامنے آیا تو بچے کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا ہاتھ میں ننگی تلوار اور چہرے پر حیرانی و مسرت کی جھلملاہٹ دیکھ کر آنے والے نے شفقت سے پوچھا؟

جان من! ایسے وقت میں تم یہاں کیسے؟

بچے نے جواب دیا "آپ کی تلاش میں"۔

اس بچے کا نام زبیر تھا، باپ کا نام قوام اور ماں کا نام صفیہ رضی اللہ عنہا۔

یہ بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔

قصہ یہ پیش آیا کہ مکہ مکرمہ میں افواہ پھیلی کہ کفار نے پیغمبر کو پہاڑوں میں پکڑ لیا ہے مکہ میں دشمن تو بہت زیادہ تھے اس لئے ایسا ہو بھی سکتا تھا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے (جن کی عمر اس وقت صرف بارہ سال تھی) فوراً تلوار اٹھائی اور اکیلے ہی آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں دیکھ کر جب پوچھا کہ اگر واقعی مجھے پکڑ لیا گیا ہوتا تو پھر تم کیا کرتے؟

اس بارہ سالہ بچے نے جواب دیا کہ میں مکہ میں اتنے قتل کرتا کہ ان کے خون کی ندیاں بہا دیتا اور کسی کو زندہ نہ چھوڑتا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر ہنس پڑے اور اس جرأت مندانہ انداز پر اپنی چادر مبارک انعام کے طور پر عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کو بھی اس بہادر بچے کی یہ ادا پسند آئی جبریل علیہ السلام آسمان سے نازل ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں اور زبیر کو بھی، زبیر کو یہ خوشخبری بھی دے دیں کہ اب قیامت تک جتنے لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں تلوار اٹھائیں گے ان سب کا ثواب زبیر کو بھی ملے گا اور ان لوگوں کو بھی کیونکہ زبیر نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے راستے میں تلوار اٹھائی ہے یہ بہادری اور جرأت اور اس کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت بہادر تھے اور بہادری کو پسند کرتے تھے۔ بزدلی اور سستی، کاہلی سے آپ کو نفرت تھی۔

(ماہنامہ "محاسن اسلام شمارہ اوّل)

اسلام کی پہلی شہیدہ حضرت سُمَیَّہ رضی اللہ عنہا

حضرت سمیہ خباط کی بیٹی، حضرت عمار بن یاسر کی والدہ اور ابو حذیفہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ ابو حذیفہ کے حلیف یاسرؓ عبسی سے ان کا نکاح ہوا اور جب حضرت عمار پیدا ہوئے تو ابو حذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا۔ (اصابہ) جب مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ان کے خاوند حضرت یاسر اور بیٹے حضرت عمار تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا۔ حضرت سمیہ کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا۔ کچھ دن اطمینان سے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم وستم شروع ہو گیا اور یہ سلسلہ برابر بڑھتا چلا گیا۔ چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا اسے طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا تھا۔ حضرت سمیہ کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر لانے کے لئے اپنا پورا زور لگایا مگر وہ اپنے عقیدہ پر مقیم رہیں اور ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ کفار مکہ انہیں مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے وہ یہ سب تکلیفیں اسلام کی خاطر خوشی سے برداشت کرتی چلی گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ادھر سے گزرتے تو ان کی حالت دیکھ کر فرماتے "آل یاسر! صبر کرو اس کے بدلہ میں تمہارے لئے جنت ہے"۔

دن بھر طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کر کے جب شام کو نجات ملتی تو گھر آتیں، ایک مرتبہ جب واپس گھر آئیں تو ابو جہل نے انہیں بہت بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور پھر اس کا غصہ اتنا تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا شہید ہو گئیں۔

حضرت عمار کو اپنی والدہ کی اس بے بسی اور بے کسی پر بڑا ترس آیا اور سخت صدمہ پہنچا، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر سارا قصہ سنا دیا اور کہا کہ حضرت! اب تو حد ہو گئی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تاکید فرمائی اور بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی "اے اللہ! آل یاسر کو دوزخ سے بچا لیجئے"۔ یہ ہجرت نبویؐ سے پہلے کی بات ہے، اس بناء پر حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام میں سب سے پہلی شہید ہونے والی خاتون ہیں۔ غزوۂ بدر میں جب ابو جہل مارا گیا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار سے فرمایا "دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا"۔ (اصابہ)

خلفائے راشدین
رضی اللہ عنہم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ
۲۶ ذوالحجہ ۶۴۴ء ۲۳ھ

(کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ ماہ چار دن)

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت یکم محرم الحرام کو ہوئی۔
آپ کی شہادت...اسلام کے اُن مصائب میں ہے جن کی تلافی نہ ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے۔
جس دن سے وہ مسلمان ہوئے دین الٰہی کی شوکت وعزت بڑھ گئی اور اپنے عہد خلافت میں وہ کام کیے جن کی نظیر چشم فلک نے نہیں دیکھی اور جس دن دنیا سے رخصت ہوئے مسلمانوں کا اقبال بھی رخصت ہوگیا۔

آپ ایک روز اپنے معمول کے مطابق بہت سویرے نماز کیلئے تشریف لے گئے اس وقت ایک درہ آپ کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور سونے والوں کو اپنے درہ سے جگاتے تھے' مسجد پہنچ کر نمازیوں کی صفیں درست کرنے کا حکم دیتے تھے اس کے بعد نماز شروع فرماتے تھے اور نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے' اس روز بھی آپ نے ایسا ہی کیا' صرف تکبیر تحریمہ کہنے پائے تھے کہ ایک مجوسی کافر ابولؤلؤ جو حضرت مغیرہ کا غلام تھا وہ ایک زہر آلود خنجر لئے ہوئے مسجد کے محراب میں چھپا ہوا بیٹھا تھا اس نے آپ کے شکم مبارک میں تین زخم کاری اس خنجر کے لگائے آپ بے ہوش ہوکر گر گئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر امامت کی اور مختصر نماز پڑھا کر سلام پھیرا۔

ابولؤلؤ نے چاہا کہ کسی طرح مسجد سے باہر نکل کر بھاگ جائے مگر نمازیوں کی صفیں مثل دیوار کے حائل تھیں ان سے نکل جانا آسان نہ تھا' لہٰذا اس نے اور صحابہ کو بھی زخمی کرنا شروع کردیا' تیرہ صحابی زخمی ہوئے جن میں سات جانبر نہ ہوسکے' اتنے میں نماز ختم ہوگئی اور ابولؤلؤ پکڑلیا گیا' جب اس نے دیکھا کہ میں گرفتار ہوگیا تو اسی خنجر سے اس نے اپنے آپ کو ہلاک کرلیا۔ اتنا عظیم الشان واقعہ ہوا مگر کسی مسلمان نے نماز نہیں توڑی' نماز پورے اطمینان کے ساتھ ختم کی گئی نماز کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو لوگ اٹھا کر ان کے مکان پر لے گئے تھوڑی دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا اور آپ نے فجر کی نماز اسی حالت میں ادا کی۔

سب سے پہلے آپ نے سوال کیا کہ میرا قاتل کون ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا' ابولؤلؤ مجوسی کافر...... یہ سن کر آپ نے تکبیر ایسی بلند آواز سے کہی کہ باہر تک آواز آ گئی اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ایک کافر کے ہاتھ سے مجھے شہادت ہوئی۔

آپ کا قاتل ابولؤلؤ جو کہ چکی بناتا تھا ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ شکایت لے کر گیا تھا کہ میرے مالک نے مجھ پر محصول زیادہ باندھا ہے۔ آپ نے اس کی بات سن کر فرمایا کہ یہ محصول کام کے لحاظ سے زائد نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک چکی ہمارے لئے بھی بنادے اس نے کہا بہت اچھا' آپ کیلئے ایسی عمدہ چکی بنادوں گا کہ تمام دنیا میں اس کی شہرت ہوگی۔ آپ نے فرمایا دیکھو یہ غلام مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے کسی نے کہا امیر المومنین آپ حکم دیں تو ابھی اس کو گرفتار کرلیا جائے آپ نے فرمایا کیا جرم سے پہلے سزا دی جائے اسی وقت ابولؤلؤ نے ایک خنجر بنایا اور اس کو زہر میں بجھانا شروع کیا اور اسی فکر میں رہا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس حادثہ کی خبر نے تمام مدینہ میں کہرام برپا کردیا' تمام مہاجرین وانصار آپ کو گھیرے ہوئے بیٹھے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کاش ہماری عمریں آپ کو دیدی جائیں اور آپ ابھی اسلام کی خدمت کیلئے قائم رہیں۔ دوا وعلاج کی بھی کوشش کی گئی مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ معلوم ہوا کہ آپ کے جانبر ہونے کی اُمید نہیں ہے اس وقت سب کی عجیب حالت تھی سب نے جا کر آپ سے کہا کہ امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے آپ نے کتاب اللہ کی پیروی کی

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ پر امام نماز بنا دیا اور فرمایا میرے بعد تین دن کے اندر اندر خلیفہ کا انتخاب کر لینا۔ پھر اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور میری طرف سے بعد سلام کے عرض کرو... کہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں اپنے صاحبین یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کیساتھ دفن کیا جاؤں... اگر اس میں آپ کو کچھ تکلیف یا نقصان ہو تو پھر جنت البقیع میرے لئے بہتر ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گئے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کو پیغام پہنچایا انہوں نے فرمایا کہ وہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی۔ مگر میں ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں جس وقت یہ خوش خبری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو پہنچائی تو آپ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے کہ میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی وہ بھی اللہ نے پوری کر دی۔ اس کے بعد پھر نزع کی حالت شروع ہوگئی اسی حالت میں ایک جوان آپ کے پاس آیا کہ جس کی چادر (تہبند) ٹخنوں سے نیچے تھی آپ نے فرمایا کہ اے بھتیجے چادر ٹخنوں سے اونچی رکھا کرو.... اس میں کپڑا صاف رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کی اطاعت بھی ہے۔

جب آپ کا جنازہ نماز کیلئے لایا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمار ہے تھے کہ مجھے پہلے سے یہی خیال تھا کہ آپ دونوں (یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کا مدفن بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا کیونکہ میں سنا کرتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر بات میں اپنے ذکر کے ساتھ آپ دونوں کا ذکر کیا کرتے تھے اور فرمایا کہ میں خدا سے دعا مانگا کرتا تھا یا اللہ جیسا نامہ اعمال عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے میرا نامہ اعمال بھی ایسا ہی ہو۔

۲۷ ذی الحجہ بروز چہارم شنبہ کو زخمی ہوئے تھے اور پانچویں دن یکم محرم کو بروز یک شنبہ تریسٹھ سال کی عمر میں شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خاص روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آپ کی قبر مبارک بنائی گئی۔ (خلفائے راشدین)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

امارت حج کیلئے حضرت عبداللہ بن عباس کی نامزدگی

حضرت عثمان کا یہ معمول تھا کہ جب سے خلیفہ ہوئے تھے بحیثیت امیر المومنین کے ہر سال حج کو تشریف لے جاتے اس موقع پر تمام عمال کو بھی بلاتے ہر ایک سے اس کے صوبہ کے حالات دریافت کرکے عوام سے ان کے دکھ درد معلوم کرتے اور اس طرح مملکت اسلامیہ کے تمام احوال وظروف سے باخبر رہتے تھے۔ حضرت عثمان کی فرض شناسی کا یہ عالم تھا کہ اس مرتبہ حج کو نہیں جاسکتے تھے تو عبداللہ بن عباس کو بلا کر ان سے فرمایا اس مرتبہ تم میری طرف سے حج کو چلے جاؤ''۔

انہوں نے جواب دیا'ان باغیوں سے جہاد کرنا میرے نزدیک حج کرنے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔ لیکن حضرت عثمان نے اصرار کیا اور قسم دی تو آخر راضی ہوئے اور حج کو گئے۔

امیر المومنین کا مفسدین سے خطاب

باغیوں نے حضرت عثمان کو گھر میں مقید کردیا تو ایک دم اتمام حجت کے خیال سے آپ نے بالائے بام سے باغیوں کو خطاب کیا اور فرمایا:

''میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں سچ کہو کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر بیئر رومہ خرید کر اس کا پانی تمام مسلمانوں کے لئے وقف نہیں کردیا تھا؟

سب نے کہا ہاں

پھر فرمایا مسجد نبوی تنگ تھی اس میں سب نمازی نہیں سما سکتے تھے تو کیا میں نے اس کی ملحقہ زمین خرید کر اس کی توسیع نہیں کی؟

سب نے کہا ہاں!

پھر فرمایا جب جیش عسرہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امداد کی اپیل کی تو کیا اس وقت میں نے جیش عسرہ کی مکمل تیاری کا بندوست نہیں کیا تھا اور کیا اس پر مسرور فرما کر حضور نے مجھ کو جنت کی بشارت نہیں دی تھی؟

سب ایک آواز ہوکر بولے ہاں!

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ فرمایا۔ اے اللہ تو گواہ رہ

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ایک مرتبہ جب حرا پہاڑ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکر اور میں ہم تینوں کھڑے تھے اور پہاڑ لرزنے لگا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اے حراء ٹھہر! اس وقت تیری پشت پر ایک نبی ہے' ایک صدیق ہے اور ایک شہید ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زور دے کر پوچھا لوگو بتاؤ کیا رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا تھا۔

سب نے بیک آواز کہا ہاں بیشک۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد اس تقریر سے باغیوں کے ضمیر کو بیدار کر کے انہیں یہ سوچنے پر آمادہ کرنا تھا کہ وہ کس کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہیں لیکن ان کا ضمیر مردہ ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ حضرت کے ہر سوال کا جواب اثبات میں دینے کے باوجود اپنے موقف پر قائم رہے یعنی کہ یہ امیر المومنین خلافت سے دست بردار ہوں ورنہ قتل کر دئے جائیں۔

حضرت عثمان کو والی مصر کے نام خط کے افسانہ کا علم ہوا تو آپ نے قسم کھا کر اس کی تردید کر دی۔ یہ بھی فرمایا اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو اس کے جواز کی دلیل کیا ہے؟

میں نے تو اسلام سے پہلے بھی نہ کبھی شراب پی نہ کبھی زنا کیا اور نہ کسی کو قتل کیا اور اگر تم نے مجھ کو قتل کر دیا تو پھر اس کے بعد کبھی تم میں باہم محبت نہ ہو گی اور ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہو گے۔ اور تمہاری اجتماعیت ختم ہو جائے گی۔ لیکن ان لوگوں پر ذرا اثر نہیں ہوا۔

اس وقت صورتحال بڑی عجیب وغریب اور ساتھ ہی نہایت ہی خطرناک اور تشویش انگیز تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف حضرت عثمان باغیوں سے فرما چکے تھے کہ وہ کسی حالت میں بھی کسی شخص کو ان کی طرف سے باغیوں سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیں

گے۔ کاشانہ خلافت میں جو جان نثار کثیر موجود تھے ان کی بار بار کی درخواست کے باوجود ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ باغیوں کو اس طرف سے تو اطمینان تھا ہی دوسری طرف حج ختم ہونے والا تھا اور اہل مدینہ اور دوسرے اصحاب کی آمد متوقع تھی اس بناء پر باغیوں نے چاہا کہ وہ محاصرہ کو شدید سے شدید تر کر کے امیر المومنین پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالیں اور اس طرح آپ سے خلافت سے دست برداری کا اعلان جلد سے جلد کرا دیں۔ چنانچہ اب محاصرہ اتنا شدید ہو گیا کہ مکان کے اندر سے کوئی شخص باہر اور باہر کا کوئی آدمی اندر نہیں جا سکتا تھا' یہاں تک کہ کاشانہ خلافت میں پانی بھی بند کر دیا گیا۔ ام المومنین ام حبیبہ کو علم ہوا تو حضرت عثمان کی مدد کے لئے روانہ ہوئیں۔ لیکن باغیوں نے نہیں جانے دیا۔ ام المومنین کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئے اور آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا۔ چند آدمی جو موقع پر موجود تھے انہوں نے آپ کو وہاں سے نکالا۔ مدینہ میں عجیب خوف و ہراس اور دہشت کا عالم تھا جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے فساد کے موقع پر ہوتا ہے' بہت سے مرنج و مرنجاں قسم کے اصحاب خانہ نشین ہو گئے اور کچھ مدینہ چھوڑ کر ادھر ادھر اپنی جاگیر و جائیدادوں میں چلے گئے۔ بالکل آخری مرتبہ حضرت علی حضرت عثمان کی طلب پر کاشانہ خلافت میں جانے لگے تو باغیوں نے راستہ روک لیا اور نہیں جانے دیا۔ آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا جو حالت تم دیکھ رہے ہو امیر المومنین سے جا کر بیان کر دینا۔

مقابلہ کے لئے جاں نثاروں کی اجازت طلبی

اسی اثناء میں خبر پہنچی کہ عراق کی کمک مدینہ کے قریب اور شام کی کمک وادی القریٰ کے نزدیک پہنچ گئی ہے۔ اس وقت ابن سعد کے بیان کے مطابق محاصرہ کرنے والوں کی تعداد نو سو کے لگ بھگ تھی جن میں سے چھ سو مصری تھے دو سو کوفہ اور سو بصرہ کے لوگ تھے۔ مصریوں کے قائد عبدالرحمٰن بن عدیس کناۃ بن بشر الکندی' اور عمرو بن الحمق الخزاعی تھے' کوفیوں کا سردار اشتر نخعی تھا اور بصری گروہ حکیم بن جبلۃ العبدی کی زیر امارت تھا۔ کاشانہ خلافت میں جو حضرات مجتمع تھے ان کی تعداد سات سو تھی۔ اب عراق اور شام کی امدادوں کے مدینہ کے قریب پہنچ جانے کی خبر اڑی تو دونوں طرف سخت ہیجان اور جوش کی کیفیت پیدا

ہوگئی۔ زید بن ثابت حضرت عثمان کے پاس آئے اور بولے انصار دروازہ پر حاضر ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہم دوبارہ انصار بننے کے لئے حاضر ہیں حضرت عثمان نے فرمایا اگر مقصد جنگ کرنا ہے تو میں اجازت نہیں دوں گا۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں۔ میرا سب سے بڑا معاون اور مددگار وہ شخص ہوگا جو اپنا ہاتھ اور ہتھیار روکے رہے۔ ابو ہریرہ آئے انہوں نے کہا۔ حضرت! جنگ کی اجازت ہے؟ امیر المومنین نے فرمایا ابو ہریرہ کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ تم مجھ کو اور سب لوگوں کو تہ تیغ کردو" انہوں نے جواب دیا نہیں" آپ نے پھر فرمایا اگر تم نے ایک آدمی بھی قتل کیا تو گویا سب کو ہی قتل کردیا۔ اسی سلسلے میں عبداللہ بن زبیر حاضر ہوئے اور زور ڈال کر حضرت عثمان سے کہا۔ آپ باغیوں سے جنگ کیجئے۔ خدا کی قسم! اللہ نے آپ کے لئے ان لوگوں سے جنگ کرنا حلال کردیا ہے۔ لیکن حضرت عثمان نے ان کو بھی وہی جواب دیا اور جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی آئے اور بولے آپ امت کے امام اور خلیفہ برحق ہیں۔ جو صورتحال اس وقت درپیش ہے اس کے پیش نظر صرف تین صورتیں ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک اختیار فرمائیے۔ ایک یہ کہ آپ کے پاس طاقت کافی ہے۔ اس کو لے کر نکلئے اور دشمنوں کا مقابلہ کیجئے۔ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر دوسری صورت یہ ہے کہ کاشانہ خلافت کے صدر دروازہ پر باغیوں کا ہجوم ہے اس کو چھوڑ کر ہم عقب میں ایک دروازہ بنائے دیتے ہیں آپ اس سے نکل کر سواری پر بیٹھ کر مکہ مکرمہ چلیے وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کریں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عقب دروازہ سے نکل کر شام چلئے۔ وہاں معاویہ موجود ہیں اور شام کے لوگ وفادار بھی ہیں۔ لیکن حضرت عثمان ان تینوں صورتوں میں سے کسی پر راضی نہیں ہوئے اور فرمایا۔ "میں مقابلہ نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بننا گوارا نہیں کرسکتا جس کے ہاتھوں امت میں خوں ریزی کا آغاز ہوا ہو میں مکہ بھی نہیں جاؤں گا کیونکہ کہ یہ خیرہ سر وہاں بھی خونریزی سے باز نہ آئیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ہے کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا میں وہ شخص بننا

برداشت نہیں کر سکتا۔ رہا شام جانا! تو وہاں کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہ بھی وہاں ہیں لیکن جوار رسول اور دارالہجرت سے جدائی اور دوری کس طرح منظور کر سکتا ہوں۔

شہادت کی تیاری

اب جتنا وقت گزرتا جاتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد پیش گوئیوں کے باعث حضرت عثمان کو اپنی شہادت کا یقین ہوتا جاتا تھا اور آپ نے اس کی تیاری شروع کر دی تھی چنانچہ جس دن واقعہ شہادت پیش آیا ہے وہ جمعہ کا دن تھا اس روز آپ نے روزہ رکھا تھا اسی حالت میں غشی کی سی کیفیت ہو گئی اس سے افاقہ ہوا تو فرمایا کہ میں نے نیم خوابی کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر کو دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عثمان آج کا روزہ تم ہمارے ساتھ افطار کرنا' روزہ کے علاوہ آپ نے بیس غلام آزاد کئے اور ایک پائجامہ جو آپ نے کبھی استعمال نہیں کیا تھا اسے زیب تن فرمایا۔

شہادت

حضرت عثمان اپنے جان نثاروں کو تاکیداً ہتھیار اٹھانے سے منع کر ہی چکے تھے لیکن باغیوں نے کمک کے قریب آنے کی خبر سنی تو غصہ سے بدحواس ہو گئے کاشانہ خلافت کے دروازہ کی طرف بڑھے اور آگ لگا دی اندر جو حضرات موجود تھے وہ باہر نکل آئے اور طرفین میں سخت نبرد آزمائی ہوئی جس میں عبداللہ بن زبیر اور مروان الحکم کو شدید ضربات پہنچیں اور کچھ لوگ کھیت بھی رہے کاشانہ خلافت کے پڑوس میں عمرو بن حزم کا مکان تھا اس مکان کی ایک کھڑکی حضرت عثمان کے مکان میں کھلتی تھی۔ طرفین میں یہ نبرد آزمائی ہو ہی رہی تھی کہ محمد بن ابی بکر اور چند ساتھی اس کھڑکی میں سے چھلانگ لگا کر کاشانہ خلافت میں گھس آئے۔ جیسا کہ ابھی ہم نے کہا ہے حضرت عثمان اس وقت روزہ سے تھے عصر کے بعد کا وقت تھا آپ کی بیوی نائلہ بنت القرانصہ آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں' حضرت عثمان کے سامنے قرآن مجید کھلا ہوا تھا اور آپ اس کی تلاوت کر رہے تھے اسی عالم میں محمد بن ابی بکر نے لپک کر امیر المومنین کی داڑھی پکڑ لی اور حد درجہ بدکلامی کی۔ حضرت عثمان نے فرمایا بھتیجے! داڑھی چھوڑ دے۔ اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ ہرگز اس کو پسند نہ کرتا محمد ابن ابی بکر بولا میں تو آپ کے ساتھ اس سے

بھی زیادہ سخت معاملہ کرنے والا ہوں۔اس نے یہ کہا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر امیر المومنین کی پیشانی میں پیوست کر دیا۔ پیشانی سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا جس سے ریش مبارک تر بتر ہوگئی۔امیر المومنین کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔بسم اللہ توکلت علی اللہ اور آپ بائیں کروٹ ہوگئے۔قرآن مجید آپ کے سامنے کھلا تھا اور سورۂ بقر کی تلاوت کر رہے تھے۔پیشانی سے نکل کر خون داڑھی پر آیا اور ٹپکنے لگا تو قرآن مجید پر بھی بہنے لگا۔ یہاں تک کہ آیت **فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم**۔پر پہنچ کر خون رک گیا اور قرآن بند ہوگیا۔اسی اثناء میں کنانۃ بن بشر بن عتاب نے لوہے کی ایک لاٹ اس زور سے ماری کہ عثمان ذوالنورین تیورا کے پہلو کے بل گر پڑے۔اب سودان بن حمران نے تلوار کا وار کیا اور عمرو بن الحمق نے سینہ پر بیٹھ کر نیزہ سے مسلسل کئی بار حملے کئے تو عالم اچانک تیرہ و تار ہو گیا اور حلم و حیا و صدق و صفا کے چمنستان میں خاک اڑنے لگی۔یعنی ثالث خلیفہ راشد امیر المومنین عثمان ذوالنورین کی روح پرفتوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔آپ کی بیوی حضرت نائلہ نے آپ پر جھک کر سودان بن عمران کی تلوار کا وار ہتھیلی پر لیا تو انگلیاں اڑ گئیں۔اس کے بعد گھر میں غارت گری شروع کر دی جس کے ہاتھ جو چیز آئی اسے لے کر چل دیا۔

تجہیز و تکفین

یہ عظیم حادثہ عصر و مغرب کے درمیان جمعہ کے دن ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا تھا۔ باغیوں نے مدینہ میں خوف و ہراس کا ایسا عالم پیدا کر دیا تھا کہ گویا شہر پر ان کا قبضہ تھا۔لوگ گھروں میں بند تھے۔کسی کو باہر نکلنے کا حوصلہ نہ تھا۔شہادت کے بعد بھی ان کا بخار دل سے نکلا نہیں تھا اس لئے اب سوال یہ تھا کہ تدفین کا انتظام کیسے اور کہاں کیا جائے اللہ اکبر کیا وقت تھا کہ وہ امام عالی مقام جس کی حکومت و اقتدار کا سکہ کل تک مراکش سے کابل تک چلتا تھا آج اس کے جسد نے روح کے لئے دو گز زمین کا حاصل کرنا بھی سخت مشکل مرحلہ بنا ہوا تھا بعض روایت کے مطابق دو دن اور بعض کے نزدیک تین روز تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔یہ روایات طبری کی ہیں۔لیکن ابن سعد نے نیار بن مکرم الاسلمی جو خود نماز جنازہ میں شریک تھے ان کی زبانی روایت نقل کی ہے کہ امیر معاویہ کے دریافت کرنے پر انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عثمان کی تدفین لیلۃ السبت یعنی ہفتہ کی شب میں ہوئی ہے۔اگر یہ

روایت صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد شہادت ہوئی تھی اور اس کے بعد شب میں ہی تدفین عمل میں آ گئی اور یہی قرین قیاس بھی ہے۔

لیکن باغی چونکہ اب بھی کاشانہ خلافت کے صدر دروازہ پر موجود تھے اور اندیشہ تھا کہ مزاحمت کریں گے اس لئے تدفین کی کارروائی (شہادت کی طہارت کے بعد غسل اور کفن کی تو اب ضرورت ہی نہیں تھی) بڑی خاموشی اور راز داری کے ساتھ عمل میں آئی چنانچہ جب حضرت نائلہ گریبان چاک اور دریدہ دہن دہاڑیں مارتی اور چیختی چلاتی ایک چراغ ہاتھ میں لئے عثمان ذی النورین کے کمرہ سے باہر آئیں تو جبیر بن مطعم نے ان سے کہا کہ چراغ بجھا دیجئے' باغی دروازہ پر موجود ہیں' تو انہوں نے چراغ گل کر دیا' اب حضرت عثمان کا جنازہ اس گھبراہٹ اور عجلت میں روانہ ہوا کہ امام شہید کا سر دروازہ سے ٹکرا گیا۔

ایک روایت کے مطابق اس وقت جنازہ کے ساتھ سترہ آدمی تھے جن میں حضرت عثمان کی دو بیویاں حضرت نائلہ اور حضرت ام البنین بنت عیینہ بھی شامل تھیں ابن سعد نے اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن ساتھ ہی کہا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ صرف چار آدمی تھے جن کے نام یہ ہیں۔ جبیر بن مطعم حکیم بن حزام ابوجہم بن حذیفہ اور نیار بن مکرم الاسلمی یہ حضرات جنازہ بقیع کی طرف لائے جبیر بن مطعم نے نماز پڑھائی اور اس کے بعد بقیع کے پہلو میں حش کوکب نام کا ایک نخلستان تھا جو خود حضرت عثمان کی ملکیت تھا اس میں جامہ شہادت کے ساتھ جسد اطہر کو سپرد خاک کر دیا گیا امیر معاویہ جب مدینہ آئے تو بقیع اور حش کوکب کے درمیان جو دیوار حائل تھی آپ نے وہ دیوار گرا کے حش کوکب کو بقیع کا ایک جزو بنا دیا۔

ایک سوال

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کاشانہ خلافت میں سات سو افراد موجود تھے۔ تو پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ جنازہ میں صرف چار یا زیادہ سے زیادہ سترہ اشخاص تھے۔ اس سوال کا جواب مخالفین حضرت عثمان طبری کی ایک روایت کی روشنی میں جو ہمارے نزدیک ہرگز صحیح نہیں ہے یہ دیں گے کہ جب کاشانہ خلافت کے صدر دروازے کے سامنے باغیوں اور جان نثاران خلافت میں نبرد آزما ہوئی تھی (جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں) تو موخر الذکر گروہ کے

حضرات شکست کھا کر بھاگے اور جس کو جو راستہ ملا اس طرف نکل گیا اس بنا پر اب کاشانہ خلافت میں صرف اہل خانہ اور چند لوگ اور رہ گئے تھے۔

جواب: ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حضرات شکست خوردہ ہو کر فرار نہیں ہوئے تھے بلکہ حضرت عثمان نماز میں مشغول تھے کہ اسی عالم میں باغیوں نے کاشانہ خلافت کے دروازہ کو آگ لگا کر اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ جان نثاروں نے دروازہ کھول کر مقاومت کی اور حرب وضرب کی نوبت آئی۔ لیکن جوں ہی حضرت عثمان نماز سے فارغ ہوئے آپ نے جان نثاروں کو لڑنے سے منع کیا اور ان کو حکم دیا کہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ نیز یہ کہ جو اور حضرات دروازہ پر ہیں ان سے بھی کہیں کہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔

علاوہ ازیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ فساد کا فلسفہ اور اس کی نفسیات عجیب وغریب ہیں۔ ایک عام مشاہدہ ہے کہ فساد برپا کرنے والے لوگ ہمیشہ اقلیت میں ہوتے ہیں لیکن جب کہیں یہ فساد پیدا کرتے ہیں تو حکومت کی مشینری کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ پولیس عاجز ہو جاتی ہے دکانیں اور بازار بند، لوگوں کی آمد و رفت موقوف اور اہل خانہ گھروں میں گھس کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کافی نقصانات کے بعد جب حکومت کی طلب پر فوج آتی ہے تو وہ امن اور قانون کو بحال کرتی ہے۔ بعینہ یہی صورتحال اس وقت پیش آئی۔ باغیوں نے کاشانہ خلافت پر اچانک جو حملہ کیا اس سے مدینہ میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ لوگ دہشت کے مارے گھروں کے دروازے بند کر کے اندر بیٹھ گئے اور جب امیر المومنین نے تلوار اٹھانے کی سخت ممانعت کر دی تھی تو اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اسی ہڑبونگ اور ہنگامہ دار و گیر میں امیر المومنین دن کا جھٹ پٹا وقت تھا کہ شہید ہو گئے۔ جو لوگ خانہ نشین تھے ان کو فوری طور پر اس حادثۂ فاجعہ کا علم نہ ہو سکا۔ اور غالباً ان کو خیال بھی نہ ہو گا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ ادھر کاشانہ خلافت میں جو حضرات جمع تھے ان کو اب جلدی اس بات کی تھی کہ خلیفہ شہید کی تدفین کا انتظام کریں اس وقت مناسب اور قرین مصلحت یہی سمجھا گیا کہ رات کی تاریکی میں جنازہ خاموشی اور رازداری سے جائے اس کے ساتھ آدمی بھی کم ہوں اور بجائے بقیع کے اس سے متصل خود حضرت عثمان کی ذاتی جائیداد میں تدفین عمل میں لائی جائے۔ پس یہی وجہ ہے کہ جنازہ میں صرف چار آدمی تھے۔ شہادت کے وقت حضرت عثمان کی عمر ۸۲ سال تھی اور مدت خلافت بارہ دن کم بارہ برس۔ (از کتاب عثمان ذوالنورین)

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے۔ ۱۷ رمضان ۲ھ میں بدر کے معرکہ میں پیش پیش رہے' انفرادی جنگ اپنے حریف کو قتل کر کے حضرت عبیدہؓ کے حریف کو بھی قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد عام جنگ میں بھی خوب بہادری اور دلیری کے ساتھ لڑتے رہے اور دوسرے صحابہ کے ساتھ شجاعت کے جوہر دکھائے۔

۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا اس میں بھی داد شجاعت دیتے ہوئے بڑے بڑے کافروں کو تہ تیغ کیا۔ مشرکین آنحضرت تک پہنچنے کے لئے پورا زور لگا رہے تھے مگر حضرت علیؓ نے ان کی تمام آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔

۵ھ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنو سعد کی سرکوبی کے لئے ایک سو کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ حضرت علیؓ نے حملہ کر کے ان کو منتشر کر دیا اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے۔ اسی سال غزوۂ خندق میں مشہور شہسوار عمرو ابن عبدود کو قتل کیا۔

صلح حدیبیہ ۶ھ میں معاہدہ کی عبارت حضرت علیؓ نے لکھی۔

۷ھ کو غزوۂ خیبر پیش آیا۔ اس میں حضرت علیؓ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ خیبر کے سب سے مضبوط قلعہ کے سردار مرحب نامی یہودی سورما کو پہلے انفرادی جنگ میں قتل کر دیا' بعد ازاں قلعہ کا سختی سے محاصرہ کر لیا اور کچھ دنوں کے محاصرے کے بعد یہ قلعہ فتح کر لیا۔

غزوۂ تبوک ۹ھ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینے میں اپنے نائب کی حیثیت سے چھوڑا۔ منافقوں نے طنز کیا کہ تم اچھے سپاہی نہیں ہو اس لئے تمہیں عورتوں اور بچوں میں چھوڑا گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تمہیں پسند نہیں کہ میرے نزدیک تمہارا وہی مرتبہ ہو جو حضرت ہارونؑ کا حضرت موسیٰ کے ہاں تھا؟ بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہوگا۔" (البخاری)

۱۰ھ میں انہیں یمن بھیجا گیا وہاں ان کی تبلیغ سے سارا قبیلہ ایک ہی دن مسلمان ہو گیا۔ اور انہوں نے زکوٰۃ بھی ادا کر دیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ مکہ مکرمہ گئے اور آخری حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۱۷ رمضان ۴۰ھ کو عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کے حملہ سے شہادت پائی۔ (غزوات النبی)

حضرات صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

لے چل، منجدھار میں لے چل، ساحل ساحل کیا چلنا
میں خوگر ہوں طوفانوں کا، سو انجام سے کیا ڈرنا

آپ رشتے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، خالہ زاد بھائی اور رضاعی بھائی تھے بڑے شمشیر زن، تیرانداز، غیور اور جسور تھے۔ شکار کے بڑے شوقین تھے۔ انہی مردانہ مشاغل میں مگن رہتے تھے۔ کئی سال تک دعوت اسلام کی طرف کان نہ دھرا۔ غالباً بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ دار ارقمؓ میں رہتے تھے۔

ہجرت مدینہ کے بعد رمضان ۲ھ میں بدر کا معرکہ پیش آیا اس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مردانگی اور شمشیر زنی کے جوہر خوب خوب کھلے۔ صفیں آمنے سامنے ہوئیں تو مشرکین مکہ میں سے عتبہ، شیبہ دو بھائی اور عتبہ کا بیٹا ولید نکل کر آگے آئے اور بڑی آن بان سے گردنیں اکڑا کر ھل من مبارز کا چیلنج دیا۔ ادھر سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، عوف رضی اللہ عنہ اور معوذ تین رضی اللہ عنہم انصاری نکلے۔ مگر قریشی فراعنہ نے کڑک کر کہا محمد! یہ کھیتی باڑی کرنے والے ہمارا کیا مقابلہ کریں گے ہمارے قریشی بھائی، ہمارے مقابلے میں نکالو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ اور دو چچا زاد بھائیوں حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ یہ تینوں ہاشمی جنگل کے شیروں کی مانند بڑھے اور چند

ہی لمحات میں تینوں فرعونوں کی لاشیں خاک وخون میں تڑپ رہی تھیں۔اب دونوں طرف سے نبرد آزما پل پڑے۔اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر' حضرت حمزہؓ جس طرف رخ کرتے' صفوں کو چیرتے ہوئے آگے نکل جاتے۔تھوڑی دیر میں مشرکین ستر لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ان کے ستر آدمی گرفتار ہوئے' مشرکین کی زبان پر یہ جملہ تھا کہ آج ہمیں سب سے زیادہ نقصان عبدالمطلب کے بیٹے حمزہؓ نے پہنچایا ہے۔

۳ھ میں مشرکین مکہ دلوں میں انتقام کی آگ لئے ہوئے مدینہ پر چڑھ آئے طعیمہ نامی ایک مشرک نے اپنے غلام وحشی سے کہہ رکھا تھا اگر تم حمزہؓ کو قتل کر دو تو تم آزاد۔وحشی موقعہ کی تاک میں تھا جب جنگ کا رخ پلٹا تو اتفاق کی بات کہ حضرت حمزہؓ کو ایک جگہ ٹھوکر لگی گرے تو زرہ پیٹ سے ہٹ گئی۔وحشی نے نیزہ پھینک کر مارا۔اس کا وار کاری ہوا اور انجام کار آپؓ شہید ہو گئے۔دشمن نے آپؓ کا مثلہ کیا' ناک کان کاٹ لئے۔ھندہ زوجہ ابی سفیان نے آپؓ کا کلیجہ نکالا اور چبا کر پھینک دیا۔جنگ کا غبار چھٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی لاش دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی رقت طاری ہوئی گریہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چیخ نکل گئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حمزہ سید الشہداء (حمزہ شہیدوں کے سردار ہیں) یہ بات سیادت حقیقی ہے یا اضافی؟ یہاں اس بحث کا موقعہ نہیں۔امام ابن عبدالبر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

دخلت البارحة الجنة فاذا فیها جعفر یطیر مع الملائکة و اذا حمزة مع اصحابه (استیعاب ص۸۲) کل رات میں جنت میں داخل ہوا تو جعفرؓ اس میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کر رہے تھے اور حمزہؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ موجود تھے۔(کاروان جنت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کے گواہ...... جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کے شہیدوں کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا "میں ان سب کا گواہ ہوں' جو زخم بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس زخم کو دوبارہ اس حالت میں پیدا فرمائیگا کہ اس کا رنگ خون کے رنگ کا سا ہوگا اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہو گی۔"

اس روایت میں زخم کے لئے جرح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور ایک دوسری روایت جو اسی مضمون کی ہے اس میں زخم کے لئے جرح کے بجائے کلم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

وہ شہیدان وفا یہ طائران خوشنوا...... حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارے جو بھائی غزوہ احد میں شہید ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے جسموں میں ڈال دی ہیں جو جنت کی نہروں میں آ کر اترتے ہیں' جنگ کے پھل کھاتے ہیں اور سونے کی ان قندیلیوں پر بسیرا کرتے ہیں جو عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی ہیں۔ جب وہ شہید اپنے بہترین مشروبات اور بہترین کھانے اور بہترین کلام دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔

''کاش ہمارے بھائی! (یعنی دنیا والے) جانتے کہ حق تعالیٰ نے ہم پر کیسے کیسے انعام فرمائے ہیں تا کہ وہ جہاد سے جی نہ چرائیں اور جنگ سے نہ بچیں''۔

اس پر حق تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں کہ ''تمہاری طرف سے یہ بات ان تک میں پہنچادوں گا''۔

چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل فرمائی۔

ولاتحسبن الذی قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیآء عند ربھم یرزقون

(۴ آل عمران ۷/ ۱۶۹) اور اے مخاطب جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔

شہید احد ابو جابر سے کلام خداوندی

غرض غزوۂ احد میں قتل ہونے والے صحابہ میں حضرت ابو جابر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے جابر سے فرمایا۔

''اے جابر کیا میں تمہیں ایک بات نہ بتلا دوں؟ کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی سے (یعنی کسی شہید سے) کلام فرماتا ہے تو حجاب اور پردوں میں سے کلام فرماتا ہے مگر اس ذات حق نے تمہارے باپ سے روبرو کلام کیا اور فرمایا۔ مجھ سے کچھ سوال کر میں تجھے عطا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میں پھر دنیا میں لوٹا دیا جاؤں تا کہ وہاں پہنچ کر میں ایک بار پھر تیری راہ میں قتل ہوسکوں۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا یہ میری عادت کے خلاف ہے کہ مردوں کو دوبارہ دنیا میں لوٹاؤں۔ انہوں نے عرض کیا اے پروردگار! تو جو لوگ میرے پیچھے یعنی دنیا میں باقی ہیں ان تک یہ پہنچادے (کہ ہمیں یہاں کیسے کیسے انعامات سے نوازا جا رہا ہے) اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو پیچھے تحریر ہوئی۔ ولا تحسبن الخ ممکن ہے یہ آیت ایک سے زیادہ بار نازل ہوئی ہو اس لئے اس موجودہ روایت اور گذشتہ روایت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

معرکہ احد اور رتبہ شہادت

۳ ہجری میں ابوسفیان بدر کا بدلہ لینے کے لئے حملہ آور ہوا۔ احد کے دامن میں جنگ ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نکلا اور مبارزت طلب کی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے رجز یہ شعر پڑھے ''کیا تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے آیا ہے۔'' پھر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شمشیر بے نیام نے صفوں کی صفیں الٹ دیں ایک حبشی غلام وحشی کو کچھ سرداران قریش نے آزادی کا لالچ دے کر کہہ رکھا تھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دو گے تو آزاد کر دئے جاؤ گے۔ اس نے تاک میں بیٹھ کر آپ پر نیزہ پھینکا، جو جگر کے پار ہو گیا۔ دشمنوں نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔

آپ کی شہادت پر قریش کی عورتوں نے خوشی سے جھوم جھوم کر رجز یہ ترانے گائے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے جو عتبہ کی بیٹی شیبہ کی بھتیجی اور ولید کی بہن تھی) اپنے اعزہ کا بدلہ لینے کے لئے جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کے جگر کے ٹکڑے کئے۔ انہیں چبایا اور تھوک دیا۔ ناک اور کان کاٹ لئے اور ان کا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے بعد شہدائے احد کی تجہیز و تکفین کا اہتمام کیا۔ جب شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب چچا کی لاش کے قریب آئے اور اس کے ٹکڑے بکھرے ہوئے دیکھے تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو ابل پڑے۔ فرمایا ''تم پر خدا کی رحمت ہو، تم رشتہ داروں کے حقوق کا بہت خیال رکھتے تھے اور تمام نیک کاموں میں سب سے آگے آگے رہتے تھے۔ اگر مجھے صفیہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درندے اور پرندے تمہیں کھا جائیں اور قیامت کے روز تم ان کے پیٹ سے اٹھائے جاؤ، خدا

کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے۔ میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا"۔
بعد میں وحی الٰہی نے اس کی ممانعت کر دی اور آپ نے کفارہ یمین ادا کر کے قسم توڑ دی۔
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کی والدہ تھیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں اپنے بھائی کا آخری دیدار کرایا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا "پھوپھی جان! لاش کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ آپ اس دردناک حالت میں انہیں دیکھیں گی۔ تو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا"۔
انہوں نے کہا: "میرے بھتیجے! میں نہ روؤں گی نہ پیٹوں گی"۔
اس کے بعد انہوں نے شہید بھائی کی لاش کے ٹکڑے بکھرے ہوئے دیکھے لیکن زبان مبارک سے صرف انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر سر جھکا لیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کا معاملہ

وحشی نے آزادی حاصل کرنے کی خاطر شیر خدا کو دھوکے سے شہید تو کر دیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد اسے اس واقعہ پر سخت ندامت ہوئی۔ اس کے دل میں بار بار خیال پیدا ہوتا تھا کہ اسلام قبول کر لے لیکن پھر وہ سوچتا کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے ہاتھوں پیغمبر اسلام کو بہت بڑا صدمہ پہنچا ہے ایک عرصہ تک وہ یہی سوچتا رہا تا آنکہ قرآن مجید کی یہ آیت سن لی:

قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ھو الغفور الرحیم

"اے پیغمبر اسلام! میرے ان بندوں سے جو اپنی جانوں پر زیادتی (گناہ) کر چکے ہیں کہہ دو کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور تحقیق وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔
یہ آیت سن کر وحشی کے دل میں امید کی کرن پیدا ہوئی وہ چپکے سے مدینہ آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی فرمایا "کیا تم وحشی ہو؟" اس نے جواب دیا "جی ہاں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا؟''
اس نے جواب دیا ''حضور کو جو کچھ معلوم ہے وہ درست ہے''۔
پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسلام قبول کرلیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی سے کہا ''تمہارا اسلام تو اللہ نے قبول کرلیا لیکن تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ مجھے حمزہ رضی اللہ عنہ کا قتل اور وہ دردناک منظر یاد آجاتا ہے جبکہ حمزہ کی لاش کا مثلہ کیا گیا''۔
حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سر تسلیم خم کرکے بارگاہ نبویؐ سے اٹھے اور پھر عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ آئے۔
حضرت وحشی رضی اللہ عنہ دل میں جب بھی واقعہ احد کو یاد کرتے ان کا دل بے چین ہو جاتا۔ ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ انہیں کوئی ایسا موقع ہاتھ آئے جس سے ان کا داغ دور ہوجائے۔ وہ اسی انتظار میں زندگی کی گھڑیاں گزار رہے تھے کہ بالآخر موقع بھی انہیں نصیب ہوگیا۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پورا عرب فتنوں کی آماجگاہ بن گیا تھا' مختلف علاقوں میں جھوٹے مدعیان نبوت نے شورش بپا کررکھی تھی۔ انہیں لوگوں میں سب سے خطرناک آدمی بنوحنیفہ کا سردار مسیلمہ کذاب تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں دعویٰ نبوت کردیا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کذاب قرار دیا تھا۔
خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے مقابلہ پر جو فوج روانہ کی جناب وحشی رضی اللہ عنہ اس فوج میں شامل تھے۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ بے شمار مسلمان جام شہادت نوش کرگئے۔ جناب وحشی رضی اللہ عنہ اپنا نیزہ ہاتھ میں لئے مسیلمہ کی تلاش میں تھے جوں ہی وہ ان کی زد میں آیا۔ انہوں نے اس پر نیزہ پھینکا جو اس کے دل کے پار ہوگیا۔ مسیلمہ گرا تو انہوں نے جھپٹ کر اس کا گلا کاٹ دیا۔ اس کا قتل ہونا تھا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور یمامہ نجد کی فضاؤں میں اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔
اس واقعہ کے بعد وحشی کہا کرتے تھے کہ میں نے اسلام کے ایک جاں باز مجاہد کو قتل کر کے جس جرم کا ارتکاب کیا تھا اس کی تلافی میں نے جنگ یمامہ میں کردی۔ اس جنگ میں میں نے اللہ کے باغی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو مار گرایا۔

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ

ان کے نام کا صحیح علم نہیں ہوسکا۔ امام ابن عبدالبرؒ نے ایک روایت ''ثابت'' نام کی نقل کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک یتیم لڑکا ایک کھجور کے درخت کے بارے میں' ابولبابہؓ کے خلاف ایک مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا بروئے واقعات مقدمہ ابولبابہؓ کے حق میں جاتا تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ اس کے حق میں دے دیا۔ بچہ آخر بچہ ہی ہوتا ہے وہ رونے لگ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہؓ سے فرمایا۔ یہ درخت تم اس بچے کو دے دو وہ نہ مانے۔ (شاید انہیں اس بات کا رنج ہوگا کہ مجھے ناحق فریق بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا ہے)

پھر آپؐ نے ابولبابہ کو ثواب آخرت کا لالچ دیا۔ فرمایا۔ اگر یہ درخت تم اس کو دے دو تو تمہیں جنت میں اس کے بدلے ایک بارآور درخت مل جائے گا وہ پھر بھی نہ مانے ابوالدحداحؓ نے یہ بات سن لی تو انہوں نے ابولبابہؓ سے کہا تم میرا باغ لے لو۔ اس کے بدلے یہ کھجور کا درخت مجھے دے دو ابولبابہؓ اس سودے کے لئے آمادہ ہوگیا ابوالدحداحؓ اس طرح تبادلہ کر کے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور وہ درخت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے لئے طلب فرمایا تھا اگر میں اسے دے دوں تو کیا مجھے اس کا بدلہ بہشت میں مل جائے گا؟ فرمایا ہاں۔

پھر ابوالداحداح رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں گئے۔ ان کی بیوی باغ میں کام کر رہی تھی۔ انہوں نے اس سے کہا تم باہر آجاؤ میں نے اس کا سودا کرلیا ہے یہ باغ دے کر میں نے بہشت میں کھجور کا درخت لے لیا ہے۔ نیک بخت بیوی کہنے لگی۔ یہ تو بڑا نفع کا سودا ہے۔

اس کے بعد ابوالدحداح رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب عذق مذلل لابی الدحداح فی الجنۃ (استیعاب)

بہت سے بارآور درخت بہشت میں ابوالدحداح کے تصرف میں دے دیئے گئے ہیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ (سیر صحابہ)

حضرت اُویس قرنی رضی اللہ عنہ

وفات: حضرت اُویس قرنی رضی اللہ عنہ کو جب تک اہل دنیا نے، نہ جانا نہ پہچانا وہ اہلِ دنیا میں نظر آئے، جب اُن کی حقیقت آشکارا ہوگئی وہ ایسے روپوش ہوئے کہ پھر کسی نے انہیں نہ پایا۔ ایک عرصہ بعد جنگ صفین ۳۷ھ میں اُن کی شہادت کا پتہ چلتا ہے انہیں راہِ خدا میں شہادت کی بڑی تمنا تھی اور وہ اس کے لئے دعا بھی کرتے تھے۔

یہ عجیب بات ہے کہ جو گوشہ نشین، عزلت پسند، تارک الدنیا ہو اس کو جہاد فی سبیل اللہ کا ذوق وشوق تضاد پسندی کا شبہ پیدا کرتا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ سیدنا اُویس قرنیؓ کو ہر دو ذوق میسر تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو متبع سنت ہوا کرتا ہے اس کو اسلام کا ہر تقاضا محبوب و پسندیدہ ہوا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جنگ صفین ۳۷ھ میں اُن کی یہ آرزو پوری کردی انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، کی حمایت میں جام شہادت نوش کیا۔

فسقاھم ربھم شرابا طھورا (کاروان جنت)

اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ

مسلمانوں کے دعوت اسلام کا یہ اثر ہوا کہ بنی تمیم کے معزز رکن اقرع بن حابسؓ نے اٹھ کر اپنے ارکان سے کہا: ’’محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب ہمارے خطیبوں اور ان کے شاعر ہمارے شعرا سے زیادہ بہتر ہیں ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ شیریں اور دلآویز ہیں۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اس کے قبل جو کچھ ہو چکا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (اسد الغابہ)

قبول اسلام کے بعد انہیں کسی غزوہ میں شرکت کا موقعہ نہیں ملا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض جنگوں کے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے قبل جو سریہ بھیجا تھا اس کے مال غنیمت میں سے تھوڑا سا سونا انہیں عطا فرمایا۔ (بخاری کتاب المغازی)

عہد خلفاء: عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اقرع غزوات میں نہ شریک ہو سکے تھے۔ خلفاء کے زمانہ میں اس کی تلافی کی کوشش کی عہد صدیقی میں یمامہ کی مشہور جنگ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ تھے پھر عراق کی فوج کشی میں بھی ان کے ساتھ نکلے اور ابنار کی فتوحات میں شریک ہوئے دومۃ الجندل کے معرکہ میں شرجیلؓ بن حسنہ کے ساتھ تھے۔ (اصابہ۔ جلد اول ص ۵۹)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بعض معرکہ اقرع کی امارت میں سر ہوئے عبداللہ بن عامرؓ والی خراسان نے انہیں خراسان کے ایک حصہ پر مامور کیا تھا۔ چنانچہ جوزجان ان ہی کی قیادت میں فتح ہوا۔ (فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۴۱۴)

شہادت: حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔

(اصابہ۔ جلد اول ص ۱۵۱)

حضرت ابوقیس بن حارث رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... نام اور کنیت دونوں ابوقیس ہے۔ والد کا نام حارث تھا۔ نسب نامہ یہ ہے ابوقیس بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم قرشی السہمی ' ان کے دادا قیس بن عدی سرداران قریش میں سے تھے اور باپ حارث اس کینہ پرور گروہ میں تھا۔ جو قرآن کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا اور جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

الذین جعلواالقرآن عضین فوربک لنسئلنهم اجمعین عما کانوا یعملون فاصدع بما تومرواعرض عن المشرکین انا کفیناک المستهزئین. (حجر ۵)

جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تمہارے رب کی قسم ہم ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے پس تم کو حکم دیا گیا ہے اس کو کھول کر سنا دو اور مشرکین کی پرواہ نہ کرو' جو لوگ تم پر ہنستے ہیں ہم ان کے لئے کافی ہیں۔ (استیعاب)

اسلام وہجرت...... لیکن اسی آذر کے گھر میں ابوقیس جیسا بت شکن پیدا ہوا جن نے دعوت حق کی آواز سنتے ہی لبیک کہا اور سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل کیا۔ اسلام کے بعد پھر ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا۔ (اصابہ)

غزوات...... احد اور خندق وغیرہ سب میں شریک ہوئے۔ (اسدالغابہ)

شہادت...... حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں مرتدین کے سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔ (اصابہ)

حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: نام معلوم نہیں' ام ورقہ کنیت اور انصار کے کسی قبیلہ سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویمر بن نوفل۔

اسلام: ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں۔

غزوات: غزوۂ بدر پیش آیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرکت کی اجازت مانگی کہ مریضوں کی تیمارداری کروں گی۔ ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں شہادت نصیب ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم گھر میں رہو خدا تم کو وہیں شہادت عطا فرمائے گا''۔

شہادت: چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔ اس لئے درخواست کی کہ ایک موذن بھی مقرر فرمایئے چنانچہ موذن اذان دیتا اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں۔

راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو اس شرط پر آزادی کا وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد تم آزاد ہو ان بدبختوں نے اس وعدے سے (ناجائز) فائدہ اٹھانا چاہا' اور رات کو ایک چادر ڈال کر ان کا کام تمام کر دیا یہ خلافت فاروقی کا واقعہ ہے۔ صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا آج خالہ کے پڑھنے کی آواز نہیں آئی' معلوم نہیں کیسی ہیں؟

مکان میں گئے تو دیکھا کہ ایک چادر میں لپٹی ہوئی پڑی ہیں۔ نہایت افسوس ہوا اور فرمایا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ''شہیدہ کے گھر چلو'' اس کے بعد منبر پر چڑھے اور کہا غلام اور لونڈی دونوں گرفتار کئے جائیں' چنانچہ وہ گرفتار ہو کر آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ (یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں) جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی۔ (سیر صحابہ)

حضرت ابوزیدرضی اللہ عنہ

نام ونسب: قیس نام ہےابوزیدکنیت۔قاری لقب ٗقبیلہ خزرج سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے۔
قیس بن السکن بن قیس بن زعورا بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔حضرت انسؓ بن مالک مشہور صحابی کے چچا تھے۔

غزوات: غزوۂ بدر میں شریک تھے۔

شہادت: خلافت فاروقی میں جسر ابوعبید کے معرکہ میں شہادت پائی۔ یہ ۱۵ھ کی اخیر تاریخوں کا واقعہ ہے۔

اولاد: کوئی صلبی یادگار نہ تھی۔اس لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ترکہ پہنچا۔

فضل وکمال

معنوی یادگاریں بہت ہیں اور لاکھوں سے متجاوز ہیں۔ حضرت ابوزیدؓ انصار کے ان چار حفاظ میں ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورا قرآن یاد کرلیا تھا۔اس بناپر آج جس قدر حافظ موجود ہیں۔ان کا سلسلہ روایت ان بزرگوار تک منتہی ہوتا ہے۔ (سیر صحابہ)

حضرت ابوعمرہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب: بشیر نام ہے۔ ابوعمرہ کنیت۔ قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے بشیر بن عمرو بن محصن بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن مبذول (عامر) بن مالک بن نجار۔ والدہ کا نام کبشہ بنت ثابت تھا۔ قبیلہ نجار سے تھیں اور حضرت حسان بن ثابتؓ کی ہمشیرہ تھیں۔

اسلام: بیعت عقبہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

غزوات: بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔ بدر یا احد میں اپنے بھائیوں کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فی کس ایک حصہ اور گھوڑے کو دو حصے مرحمت فرمائے۔

معرکہ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس جنگ میں ایک لاکھ درہم سے اعانت بھی کی تھی۔

وفات:۔ میدان میں پہنچے تو بایں ہمہ پیرانہ سالی میں تیر چلائے اور پھر خود روزہ کی حالت میں جام شہادت نوش فرمایا۔

اولاد: دولڑکے چھوڑے۔ بیوی کا نام معلوم نہیں۔ مقوم بن عبدالمطلب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ ان کی بیٹی تھیں۔ (سیر صحابہ)

غزوہ اُحد میں دو صحابہ کی عجیب دعائیں

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے سعد آؤ مل کر دعا کریں۔ ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق دعا کرے دوسرا آمین کہے کہ یہ قبول ہونے کے زیادہ قریب ہے چنانچہ دونوں حضرات نے ایک کونے میں جا کر دعا فرمائی۔

اول حضرت سعدؓ نے دعا کی یا اللہ جب کل کو لڑائی ہو تو میرے مقابلہ میں ایک بڑے بہادر کو مقرر فرما جو سخت حملہ والا ہو وہ مجھ پر سخت حملہ کرے اور میں اس پر زوردار حملہ کروں۔ پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرما کہ میں اس کو تیرے راستے میں قتل کروں اور اس کی غنیمت حاصل کروں۔ حضرت عبداللہ نے آمین کہی اور اس کے بعد حضرت عبداللہؓ نے دعا کی۔ اے اللہ کل کو میدان میں ایک بہادر سے مقابلہ کرا جو سخت حملہ والا ہو۔ میں اس پر شدت سے حملہ کروں۔ وہ بھی مجھ پر زور سے حملہ کرے اور پھر وہ مجھے قتل کر دے پھر میرے ناک کان کاٹ لے۔ پھر قیامت میں جب تیرے حضور پیشی ہو تو تو کہے کہ عبداللہ تیرے ناک، کان کیوں کاٹے گئے۔ میں عرض کروں یا اللہ تیرے اور تیرے رسول کے راستے میں کاٹے گئے پھر تو کہے کہ سچ ہے میرے ہی راستے میں کاٹے گئے۔ حضرت سعدؓ نے آمین کہی۔

دونوں کی دعائیں قبول ہوئی

دوسرے دن لڑائی ہوئی اور دونوں حضرات کی دعائیں اسی طرح سے قبول ہوئیں جس طرح مانگی تھیں۔ سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ میں نے شام کو دیکھا کہ ان کے ناک کان ایک تاگے میں پروئے ہوئے ہیں۔ احد کی لڑائی میں ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک ٹہنی عطا فرمائی جو ان کے ہاتھ میں جا کر تلوار بن گئی اور عرصہ تک بعد میں رہی اور دو سو دینار کو فروخت ہوئی۔ (اصابہ) دینار سونے کے ایک سکہ کا نام ہے۔

کمال بہادری اور کمال عشق

فائدہ: اس قصہ میں جہاں ایک جانب کمال بہادری ہے کہ بہادر دشمن سے مقابلہ کی تمنا ہے وہاں دوسری جانب کمال عشق بھی کہ محبوب کے راستے میں بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی تمنا کرے اور آخر میں جب وہ پوچھیں کہ سب کیوں ہوا تو میں عرض کروں کہ تمہارے لئے۔

رہے گا کوئی تو تیغ ستم کے یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

(فضائل اعمال)

حضرت ابان بن سعید القرشی رضی اللہ عنہ

دمشق کی لڑائی میں مسلمان اس قدر سختی اور جانکاہی کے ساتھ لڑے کہ اس سے پہلے کبھی کسی لڑائی میں اس زور کے ساتھ نہیں لڑے تھے۔ لشکر کفار کی طرف سے مدمقابل ملعون توما نے بھی نہایت بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس کے آدمیوں نے پتھراؤ اور تیروں کا لگاتار مینہ برسانا شروع کر دیا۔ جس سے بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے۔ جن میں حضرت ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے کہ ان کے ایک مسموم تیر (زہر میں بجھا ہوا) آ کر لگا۔ انہوں نے اگرچہ اسے نکال لیا اور زخم پر اپنا عمامہ ہی باندھ لیا تھا مگر انہوں نے اس کے زہر کا اثر اپنے بدن میں محسوس کیا اور یہ الٹے گر پڑے۔ ان کے بھائیوں نے انہیں سنبھالا لشکر میں سے اٹھا کر لائے اور ارادہ کیا کہ عمامہ کو کھول کر علاج کریں۔ مگر ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھولنے سے منع کیا اور فرمایا کہ اگر اس کو کھول دیا گیا تو میرا دم اسی وقت نکل جائے گا۔ خدا کی قسم! جو کچھ میں باری تعالیٰ سے مانگتا اور امید کرتا تھا وہ مجھے مل گیا۔ (یعنی شہادت) مسلمانوں نے ان کی خواہش کے خلاف اس زخم کو کھولنا شروع کر دیا۔ ابھی یہ کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت ابان رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف آنکھ اٹھائی انگلی سے اشارہ کیا اور کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ صلی اللہ ھذا ماوعدالرحمن و صدق المرسلون۔ (نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ وہ ہے جس کا وعدہ رحمٰن نے کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔ آپ کے منہ سے ابھی یہ جملہ پورا نہیں نکلا تھا کہ روح اس قفس عنصری کو چھوڑ کر عالم بالا میں چلی گئی۔ خداوند تعالیٰ ان پر رحم کریں (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی اہلیہ کے ایمان افروز واقعات

آپ کی شادی ابھی اجنادین کے مقام میں جنابہ ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ سے ہوئی تھی جن کے ہاتھ اور سر سے شب عروسی کی مہندی اور عطر تک کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا تھا یہ ایک شجیع اور دلیر خاندان کی خاتون اور پا پیادہ لڑنے والی عورتوں میں سے تھیں جس وقت انہوں نے اپنے شوہر کی شہادت کے متعلق سنا تو نہایت گھبراہٹ کے ساتھ لٹکے ہوئے دامنوں میں الجھتی اور ٹھوکریں کھاتی ہوئیں ان کی لاش کے پاس آ کر کھڑی ہوگئیں۔ انہیں دیکھ کر ثواب کی امید میں صبر کر کے سوائے اس جملہ کے اور کچھ زبان سے نہیں نکلنے دیا کہ آپ کو جو عطا ہوا وہ مبارک ہو۔ آپ رب العالمین کے جوار رحمت اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کے پاس چلے گئے۔ اس خداوند عالم کے پاس جس نے ہمیں ملایا تھا پھر جدا کر دیا۔ میں تمہاری چونکہ مشتاق ہوں خدا کی قسم! اس قدر جہاد کروں گی کہ تم سے مل جاؤں۔ کیونکہ نہ میں نے تمہیں اچھی طرح دیکھا اور آرام برتا اور نہ تم نے۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ میں نامراد رہوں۔ میں نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے کہ تمہارے بعد مجھے کوئی مس کرے۔ میں نے اپنی جان کو خداوند تعالیٰ کے راستہ میں وقف کر دیا ہے۔ میں تم سے بہت جلد ملوں گی اور مجھے امید ہے کہ یہ کام بہت ہی جلدی ہو جائے گا۔

جناب ام ابان بنت عقبہ بن ربیعہ مجاہدین کے دوش بدوش

ان سے زیادہ صبر کرنے والی عورت کوئی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس کے بعد ان کی تجہیز وتکفین کی گئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو سپرد خاک کر دیا گیا ان کی قبر مشہور ہے۔ حضرت ام ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبر کے پاس بالکل نہیں ٹھہریں بلکہ سیدھی خیمہ میں آئیں اسلحہ سے مسلح ہوئیں۔ ڈھاٹا باندھا تلوار ہاتھ میں لی اور ہیئت بدل کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بغیر خبر کئے مسلمانوں کے ساتھ لشکر

میں شامل ہوگئیں۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ میرے شوہر کون سے دروازے پر شہید ہوئے؟ انہوں نے کہا تو مانامی دروازے پر جو ہرقل بادشاہ کے داماد کے نام سے مشہور ہے اوراسی نے تمہارے شوہر کو قتل کیا ہے۔ آپ حضرت شرجیل بن حسنہ کی فوج کی طرف روانہ ہوئیں اوراس میں مل کر نہایت سختی سے لڑیں۔ آپ نہایت اچھی تیرانداز تھیں۔

حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس روز باب توما پر توما کے سامنے ایک شخص کو صلیب اٹھائے اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا اور وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ اے خدا! تو صلیب اوراس شخص کو جس نے صلیب کی طرف پناہ لی ہے مدد دے۔ اے اللہ! ان پر اس کا غلبہ ظاہر کر اوراس کو بلند مرتبہ کر۔ حضرت شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً ام ابان نے ایک ایسا تیر چلایا کہ خطا کئے بغیر نشانہ پر جالگا۔ اسی وقت وہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری۔ میں نے خود اس کے چمکتے ہوئے جواہر دیکھے۔ مسلمانوں میں کا ہر شخص اس کے اٹھالینے کے لئے اپنے بدن کو ڈھالوں سے چھپا کر دوڑا۔ پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ ہمارے آدمیوں نے صلیب کو اٹھانے کے لئے اس قدر سبقت کی کہ ایک دوسرے پر گرتا پڑتا چلا جارہا تھا کہ پہلے میں ہی اٹھاؤں۔ خدا کے دشمن توما نے جب صلیب کے اٹھانے میں مسلمانوں کی اس قدر کثرت اور عجلت دیکھی تو اسے اپنی ذلت اور خواری کا احساس ہوا۔ (فتوح الشام)

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت انسؓ بن نضر ایک صحابی تھے جو بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ان کو اس چیز کا صدمہ تھا اس پر اپنے نفس کو ملامت کرتے تھے کہ اسلام کی پہلی عظیم الشان لڑائی اور تو اس میں شریک نہ ہو سکا۔ان کی تمنا تھی کہ کوئی دوسری لڑائی ہو تو حوصلے پورے کروں۔ اتفاق سے احد کی لڑائی پیش آ گئی۔جس میں یہ بڑی بہادری اور دلیری سے شریک ہوئے۔ احد کی لڑائی میں اول اول تو مسلمانوں کو فتح ہوئی آخر میں ایک غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست ہونے لگی۔وہ غلطی یہ تھی کہ حضور اکرمؐ نے کچھ آدمیوں کو ایک خاص جگہ مقرر فرمایا تھا کہ تم لوگ اتنے میں نہ کہوں اس جگہ سے نہ ہٹنا کہ وہاں سے دشمن کے حملہ کرنے کا اندیشہ تھا۔جب مسلمانوں کو شروع میں فتح ہوئی تو کافروں کو بھاگتا ہوا دیکھ کر یہ لوگ بھی اپنی جگہ سے یہ سمجھ کر ہٹ گئے کہ اب جنگ ختم ہو چکی اس لئے بھاگتے ہوئے کافروں کا پیچھا کیا جائے اور غنیمت کا مال حاصل کیا جائے۔اس جماعت کے سردار نے منع بھی کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت تھی تم یہاں سے نہ ہٹو۔مگر ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صرف لڑائی کے وقت تک کیلئے واسطے تھا وہاں سے ہٹ کر میدان میں پہنچ گئے۔ بھاگتے ہوئے کافروں نے اس جگہ کو خالی دیکھ کر اس طرف سے آ کر حملہ کر دیا۔مسلمان بے فکر تھے اس اچانک بے خبری کے حملہ سے مغلوب ہو گئے اور دونوں طرف سے کافروں کے بیچ میں آ گئے۔جس کی وجہ سے ادھر ادھر پریشان بھاگ رہے تھے۔حضرت انسؓ نے دیکھا کہ سامنے سے ایک دوسرے صحابی حضرت سعد بن معاذؓ آ رہے ہیں ان سے کہا کہ

اے سعد کہاں جا رہے ہو خدا کی قسم جنت کی خوشبو احد کے پہاڑ سے آ رہی ہے یہ کہہ کر تلوار تو ہاتھ میں تھی ہی کافروں کے ہجوم میں گھس گئے اور جب تک شہید نہیں ہو گئے واپس نہیں ہوئے۔ شہادت کے بعد ان کے بدن کو دیکھا گیا تو چھلنی ہو گیا تھا اسی سے زیادہ زخم تیر اور تلوار کے بدن پر تھے۔ ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے ان کو پہچانا۔

جو لوگ اخلاص اور سچی طلب کے ساتھ اللہ کے کام میں لگ جاتے ہیں ان کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ زندگی ہی میں جنت کی خوشبو سونگھ رہے تھے۔ اگر اخلاص آدمی میں ہو جائے تو دنیا میں بھی جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ (فضائل اعمال)

ایک شہید انصاری صحابی رضی اللہ عنہ

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اس کا چہرہ آہنی اسلحہ (زرہ وغیرہ) سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں لڑائی میں شامل ہو جاؤں یا پہلے اسلام قبول کر لوں؟ آپ نے فرمایا پہلے اسلام قبول کر لے اور پھر جہاد میں شامل ہو جا۔ اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ پھر لڑائی میں شامل ہو گیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس نے عمل تو تھوڑا کیا ہے ثواب بہت کما لیا ہے۔ (صحیح بخاری ۳۹۴) (کاروان جنت)

سات انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم

غزوہ احد میں جب پاسا پلٹا تو افراتفری میں پہلے تو صحابہ کرامؓ منتشر ہوگئے۔ صرف چند ایک حضرات آپؐ کے قریب رہ گئے ایک روایت کے مطابق سات انصاری اور دو قریشی مہاجر۔ کفار آپ کی طرف بڑھنے لگے تو فرمایا۔

من یردھم عنا وله الجنة (کون ہے جو ان کو ہم سے ہٹا کر بہشت کا حق دار بنتا ہے؟)

ایک انصاری آگے بڑھا اور مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا شہید ہوگیا۔ کافروں نے پھر پیش قدمی شروع کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا۔

من یردھم عنا وھو رفیقی فی الجنة (کون ان کو ہٹا کر بہشت میں میرا رفیق بننا چاہتا ہے؟)

تو دوسرا انصاری بڑھا وہ بھی شہید ہوگیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے یکے بعد دیگرے ساتوں کے ساتوں انصاری شہید ہوگئے۔ تاریخ نے ان حضرات میں ایک کے سوا اوروں کے نام تو نہیں بتائے مگر ان کی جاں فروشی کے اس مثالی واقعہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے اوراق میں محفوظ کرلیا۔ (دیکھئے مسلم شریف ص ۱۰۷ ج ۲)

جلے، جل کر بجھے بھی، چشم صورت بین میں پروانے فروزاں کر گئے، وہ نام لیکن شمع روشن کا

وہ ایک صحابیؓ جس کا نام حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے وہ حضرت زیاد بن السکن ہیں ان میں ابھی رمق باقی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق دوسرے صحابہؓ نے انہیں لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لٹا دیا۔ انہوں نے اپنا سر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر رکھ دیا اور اس کے ساتھ ہی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت، یہی آرزو ہے

داغ مرحوم کیسے بروقت یاد آگئے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسی واقعہ کی تصویر انہوں نے اس شعر میں کھینچی ہے۔

دی کس خوشی سے جان، تہ تیغ داغ نے لب پہ تبسم اور نظر یار کی طرف

رضی اللہ عنہ وارضاہ (کاروان جنت)

سیدنا ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ

بنو ہاشم میں سے ہیں، رسول اللہؐ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ بعض علماء سیرت نے ان کا نام مغیرہ بتایا ہے اور بعض کہتے ہیں مغیرہ ان کے بھائی تھے۔ ابوسفیان ہی ان کا نام ہے۔ واللہ اعلم۔ (روشن ستارے)

یہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف کو تشریف لے جارہے تھے ابوسفیان راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آن ملے اور اسلام قبول کرلیا۔ چونکہ کافی عرصہ بحالت کفر گزار چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بھی کہتے رہے تھے علاوہ ازیں مسلمانوں کو بھی تکالیف پہنچاتے رہے تھے، اس لئے آنکھ اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نگاہ نیچی رکھتے تھے۔

جب ابوسفیانؓ پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، تو حضرت علیؓ (آپ بھی ان کے چچا زاد بھائی تھے) نے انہیں سمجھایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ الفاظ پڑھنا جو برادران یوسفؑ نے ان کے سامنے کہے تھے۔

تاللہ لقد اثرک اللہ علینا و ان کنا لخطئین (اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر برتری دی ہے اور بے شک ہم غلطی پر تھے۔)

حضرت ابوسفیانؓ نے ایسا کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہی جواب دیا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا۔ فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔

(تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ (میں تمہیں معاف کر چکا) اللہ تعالیٰ (بھی) تمہیں معاف فرمائے۔ وہ مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان ہے۔

بدن میں ہاشمی خون تھا۔ اس لئے بہادر تو تھے ہی۔ جب تک دور تھے تو دور ہی رہے اور جب مشرف باسلام ہو کر قریب ہوئے تو دل و جان سے فدا تھے۔

جب دیکھ نہ سکتے تھے تو دریا بھی تھا قطرہ اور جب آنکھ کھلی تو قطرہ بھی دریا نظر آیا

جنگ حنین کے موقعہ پر جب کہ صحابہؓ کی اکثریت میدان کو چھوڑ کر چلی گئی تھی، ابوسفیانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کی رکاب پکڑے رہے۔ حضرت عباسؓ کے ایک صاحبزادے (کثیر نامی) گھوڑے کی لگام کو پکڑے ہوئے تھے اور اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا: آواز دو بیعت رضوان والے کہاں چلے گئے ہیں؟ چنانچہ ان کے بلانے پر پروانے پھر شمع کے گرد جمع ہو گئے۔

انہی ابوسفیانؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

ابو سفیان بن الحارث سید فتیان اھل الجنۃ (استیعاب)

ابوسفیان بن حارث جنتی جواں مردوں کے سردار ہیں۔

ایک حجام نے آپؓ کے سر پر ایک پھوڑے کا آپریشن کیا تھا، جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اس طرح آپؓ کو شہادت کا رتبہ بھی حاصل ہو گیا۔

(رضی اللہ عنہ وارضاہ) (روشن ستارے)

حضرت بشیر بن معاویہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب: بشیر نام ہے۔ ابوعلقمہ کنیت۔ باپ کا نام معاویہ تھا۔ اسقف نجران کے بھائی تھے۔

اسلام۔ اہل نجران کے پاس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا تو انہوں نے ایک وفد آپؐ کی خدمت میں دریافت حال کے لئے بھیجا۔ یہ وفد مدینہ سے نجران واپس ہوا تو راستے میں اسقف رئیس وفد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نامہ مبارک کو پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق سے اسی اثناء میں بشیر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگی۔ اس پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ ناملائم الفاظ استعمال کئے۔ اسقف نے ڈانٹا اور کہا وہ نبی صادق ہیں۔ حضرت بشیرؓ کے دل میں یہ بات گھر کر گئی۔ انہوں نے فرمایا' کہ جب وہ نبی صادق ہیں تو خدا کی قسم جب تک ان کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں اونٹنی کا کجاوہ نہ کھولوں گا۔ چنانچہ شوق ووارفتگی میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے پھر مدینہ واپس ہوئے۔

الیک تغدوا قلقا وضینھا معترضا فی بطنھافیھا

مخالفا دین النصاریٰ دینھا

اور خدمت نبوی میں پہنچ کر اسلام قبول کیا اور ساری زندگی دربار رسول کی غلامی میں گزار دی۔

شہادت: غزوہ کی تصریح تو نہیں مل سکی لیکن کسی غزوہ ہی میں شہادت پائی۔

(سیر الصحابہ)

ایک بدوی صحابی رضی اللہ عنہ

ایک بدوی بارگاہ رسالت (علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام) میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوا اور عرض کیا۔ حضور! میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرتا ہوں۔ آپؐ نے اپنے کسی صحابی کو اس کے بارے میں وصیت فرمادی۔ جب غزوۂ خیبر کا موقع آیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر تھے۔ اس غزوہ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ صحابہ میں تقسیم فرمادیا' اور اس بدوی کا بھی حصہ نکالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حصہ اس کے ساتھیوں کو دے دیا۔ جن کی وہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ جب وہ آیا تو ان لوگوں نے اس کا حصہ اس کے حوالے کردیا۔ کہا: یہ کیا ہے؟ جواب دیا: یہ تیرا حصہ ہے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے لئے نکال کردیا۔ وہ فوراً اسے لے کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوگیا اور عرض کیا: حضور یہ کیا ہے؟ فرمایا: غنیمت کے مال میں سے تیرا حصہ ہے۔ کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لئے تو ایمان نہیں لایا تھا (اور اپنی گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) میری تمنا تو یہ ہے کہ یہاں میرے تیر لگے اور میں مر کر سیدھا بہشت میں پہنچ جاؤں۔ ارشاد فرمایا اگر تو نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا تو وہ بھی اپنا وعدہ سچ کر دکھائے گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دشمن سے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ معرکہ ختم ہوا تو وہ شہید ہو چکا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "یہ وہی ہے؟ عرض کیا جی حضور! وہی ہے۔ ارشاد فرمایا اس نے اپنی بات سچ کر دکھائی تو اللہ نے اپنا وعدہ پورا کردیا ہے۔ یعنی بہشت میں پہنچا دیا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جبہ مبارک میں اسے کفن دیا۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس میں جو دعا فرمائی اس میں یہ الفاظ شامل تھے۔ "اے اللہ تیرا یہ بندہ تیرے راستے میں ہجرت کر کے نکلا تھا۔ قتل ہوکر شہادت کا رتبہ حاصل کر چکا ہے اور میں اس کا گواہ ہوں"۔ (نسائی)

زہے نصیب! اقبال مرحوم نے شاید اسی واقعہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی تھی۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن　　نہ مال غنیمت' نہ کشور کشائی

رضی اللہ عنہ وارضاہ　　(کاروان جنت)

طائف کے بارہ شہداء

صالحی نے ذکر کیا ہے کہ طائف میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

حضرت عروہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا (کل) اونٹ چرنے کے لئے نہ چھوڑے جائیں صبح ہوئی تو آپ نے اور صحابہ نے کوچ کردیا اور لوٹنے کے لئے سوار ہو گئے تو دعا کی اے اللہ ان کو ہدایت کردے اور ہم کو ان کی مشقت سے بچالے (یعنی ان کے دلوں میں ایمان ڈال دے تاکہ ہم یہ حملہ نہ کریں اور ہم ان پر لشکر کشی نہ کریں)۔ ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو حسن کہا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ثقیف کے تیروں نے ہم کو جلا ڈالا۔ آپ ان کے لئے بددعا کردیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ ثقیف کو ہدایت کر اور ان کو ایمان بنا کر لے آ۔ (تفسیر مظہری)

ابن اسحاق کی ایک روایت میں آیا ہے کہ طائف کا محاصرہ تیس رات یا اس کے قریب رہا۔ دوسری روایت میں بیس رات سے کچھ اوپر مدت محاصرہ بتائی ہے۔ بعض نے بیس دن کہا ہے بعض کے نزدیک دس دن سے کچھ زیادہ محاصرہ رہا۔ ابن حزم نے کہا یہی بلاشک صحیح ہے۔ (تفسیر مظہری سورہ نور)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ مرتدین کی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی جو کچھ قبائل نے شروع کی۔ اس تحریک کا تقاضا تھا کہ فوج تیار کی جائے۔ مدینہ منورہ کی جنگی اور نفسیاتی و معنوی لحاظ سے قوت میں اضافہ کیا جائے اور ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان صورتحال کا حزم و احتیاط اور قوت کے ساتھ مقابلہ کریں۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ مرتد قبائل میں سے بعض نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ بھی کیا تھا۔ ان نازک حالات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہادری اور مردانگی کام آئی۔

صورتحال یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ آمادہ جہاد کوئی نہ دیکھا ہوگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوجیں بھیجنا شروع کیں تاکہ ان دین سے مرتد قبائل کی سرکوبی کریں۔ نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے جنگ کریں اور انہیں عبرتناک سزا دیں۔ مرتدین میں سب سے زیادہ سخت مسیلمہ کذاب تھا۔ جس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ بنو حنفیہ اس کے طرف دار بن گئے۔ اور لوگوں کی بڑی تعداد اور وہ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے جو اسلام اور مسلمانوں سے مرتد ہو گئے تھے۔ چنانچہ ۱۲ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سیف اللہ کو مسیلمہ کذاب اور اس کی قوم بنو حنیفہ کے خلاف لڑائی کے لئے روانہ کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی فوج میں جو لوگ مسیلمہ کذاب کے ٹھکانے یمامہ کی طرف روانہ ہوئے ان میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ مہاجرین کا جھنڈا سالم مولی ابی حذیفہ نے تھاما تھا۔ اور حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصار کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔

دونوں فوجوں کے درمیان ایک خونریز معرکہ ہوا۔ اہل ایمان اہل شرک سے ٹکرائے۔ صورتحال ادلتی بدلتی رہی۔ پہلی مڈبھیڑ میں مشرکوں کا پلہ بھاری رہا۔ حتیٰ کہ بنو حنیفہ

حضرت خالدؓ کے خیمے میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ کی بیوی ام تمیم کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت ثابت بن قیسؓ کو مسلمانوں کی پسپائی سخت ناگوار ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس طرح جنگ نہیں کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد کہا کہ: تم نے اپنے ساتھیوں کی عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ اے اللہ! ان مرتدین کے لائے ہوئے فتنے اور مسلمانوں کی کارگزاری سے میں برأت کرتا ہوں۔

اس کے بعد مسلمانوں کے بہادر ہر طرف سے نعرے بلند کرتے ہوئے چل پڑے۔ ان میں گرمجوشی عود کر آئی۔ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کو وصیت کرنے لگے اور کہنے لگے۔

اے سورۂ بقرہ والو! آج جادو باطل ہو گیا۔

حضرت زیدؓ بن خطابؓ نہایت بلند آواز سے کہنے لگے۔

"اے لوگو! دانت مضبوط کر لو اپنے دشمن کو مارتے ہوئے آگے بڑھو۔

پھر کہا کہ: اللہ کی قسم! میں تب تک بات نہیں کروں گا جب تک یا تو اللہ تعالیٰ انہیں شکست دے یا پھر میں اللہ سے جا ملوں اور جا کر اپنی حجت پوری کر کے اللہ سے بات کروں گا۔ اس دوران حضرت عباد بن بشیر اور حضرت ابودجانہؓ نے مشرکوں کو بری طرح کاٹنا شروع کیا۔ حضرت ثابت بن قیسؓ اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ نے اپنے لئے زمین میں ایک گڑھا کھود لیا۔ حضرت ثابتؓ نے اپنے جسم پر حنوط مل لیا تھا اور دو سفید کپڑے پہنے تھے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لڑائی کرتے رہے حتیٰ کہ سب شہید ہو گئے۔

سیدنا حضرت ثابت بن قیسؓ جس دن شہید ہو گئے اس دن وہ بڑی عمدہ زرہ پہنے ہوئے تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص پاس سے گزرا۔ اس نے زرہ دیکھی اٹھا لی اور لے لی۔ لیکن کیا یہ زرہ بے کار جائے گی۔ اور کیا حضرت ثابت بن قیسؓ اپنی قیمتی زرہ چھوڑ دیں گے۔ اگرچہ وہ فوت ہو گئے تھے تو پھر اس زرہ کا کیا ہوا؟ آیئے اس کے متعلق کتاب استیعاب میں اس زرہ کے بارے میں معلوم کریں۔

زرہ کے متعلق آپ کی وصیت

کتاب میں لکھا ہے کہ: ”جب یمامہ کا معرکہ پیش آیا تو حضرت ثابت بن قیسؓ حضرت خالدؓ کی فوج کے ساتھ مسیلمہ کے مقابلے کو نکلے۔ جب ٹکراؤ ہوا اور شروع میں مسلمان پسپا ہوئے تو حضرت ثابت بن قیسؓ اور سالم مولی ابوحذیفہؓ نے کہا کہ:

”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے سامنے گڑھا کھودا اور جم کر لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہوئے۔ اس روز حضرت ثابت بن قیس کے بدن پر ایک عمدہ زرہ تھی۔ پھر ہوا یوں کہ ایک شخص سو رہا تھا اور اس نے خواب میں حضرت ثابت بن قیس کو دیکھا۔ حضرت ثابت نے اس سے کہا کہ ”میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں اسے خواب کہہ کر ضائع نہ کرنا۔ کل جب میں شہید ہوا تو مسلمانوں میں سے ایک شخص پاس سے گزرا۔ اس نے میری زرہ لے لی۔ اس کا گھر لوگوں کے آخری کنارے پر ہے۔ اس کی جھونپڑی کے پاس ایک گھوڑا ہے جسے وہ آگے پیچھے دوڑا کر سدھاتا ہے۔ اس نے زرہ کے اوپر مٹی کی ہانڈی رکھ دی ہے اور اس پر زین۔ حضرت خالدؓ کے پاس جاؤ اور اسے حکم دو کہ میری زرہ منگوا کر جب مدینہ واپس جائیں اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچیں تو ان سے کہہ دیں کہ مجھ پر اتنا قرض ہے اور میرا فلاں غلام آزاد ہے اور فلاں......

یہ شخص (بیدار ہو کر) حضرت خالدؓ کے پاس گیا اور انہیں پیغام دے دیا۔ انہوں نے زرہ منگوالی اور حضرت ابوبکرؓ کو خواب والا قصہ بتادیا۔ انہوں نے وصیت کے مطابق عمل کیا۔ لوگوں نے کہا کہ ”ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کے سوا کسی نے موت کے بعد وصیت کی ہو اور اس کی وصیت پر عمل کیا گیا ہو۔ یہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی ایک کرامت ہے۔“

یوں حضرت ثابت بن قیسؓ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ شہادت پائی۔ گویا ان کا وہ خون جو میدان جنگ میں گرا اور وہ عظیم خطبے جو انہوں نے میدان کارزار میں دیئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مدد کا آغاز تھا۔ یہ مدد ان لوگوں کے لئے تھی جو اپنے گھروں سے

صرف کلمۃ اللہ کا بول بالا کرنے اور کافروں کے بول کو پست کرنے کے لئے نکلے تھے۔

حضرت ثابت بن قیس نے خدا کی راہ میں شہادت پائی اور اپنے بعد والوں کے لئے نہایت ستودہ اور قابل تعریف نقش چھوڑے۔ انہوں نے دشمن کی صفوں میں ایک دراڑ ڈال دی جس میں سے گزر کر مسلمان شہسوار اور دشمنوں کے قلب میں جا پہنچے اور دشمن پر فتح پائی۔

اور اس کے بعد کیا حضرت ثابت بن قیسؓ کے میدان ایمان میں شہید ہو کر گرنے کے بعد ان کی بخشش اور فیض کا سلسلہ رک گیا۔

نہیں، بلکہ ان کے لگائے ہوئے پودے متواتر پھل لاتے رہے۔ ان کے تین بیٹے تھے جن کے نام محمدؐ، یحیٰ اور عبداللہ تھے۔ انہوں نے بیٹوں کی تربیت اسلام کی محبت کے سائے میں کی تھی۔ وہ سب اسلام کے راستے میں شہید ہوئے۔ انہوں نے شہادت کا شرف حاصل کیا اور مقام امین پایا۔

ان کا پاک خون ابل کر پاک زمین کو سیراب کر گیا تا کہ ان کی یہ قربانی بعد میں آنے والوں کے لئے شہادت فی سبیل اللہ اور فتح و کامرانی کے نقوش بن کر رہ جائے۔ (کاروان جنت)

حضرت ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ

نام ونسب: ثمامہ نام' ابوامامہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے: ثمامہ بن آثال بن نعمان بن سلمہ بن عتبہ ابن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ دول بن حنفیہ یمامی' ثمامہ کے سرداروں میں تھے۔

اسلام: فتح مکہ کے کچھ دنوں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کی طرف سے ایک مختصر لشکر جس میں چند سوار تھے بھیجا تھا ان لوگوں نے لوٹتے وقت ثمامہ کو گرفتار کر لیا اور لاکر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ستون میں باندھ دیئے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس آکر پوچھا کیوں ثمامہ کیا ہوا؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت اچھا ہوا اگر تم مجھ کو قتل کرو گے تو ایک جاندار کو قتل کرو گے اور اگر احسان کر کے چھوڑ دو گے تو ایک احسان شناس پر احسان کرو گے۔ دوسرے دن پھر یہی سوال وجواب ہوا۔ تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ تیسری مرتبہ سوال وجواب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رہا کر دیا۔ ثمامہ پر اس رحم وکرم کا یہ اثر ہوا کہ رہائی پانے کے بعد اسلام کے اسیر ہو گئے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ایک نخلستان میں گئے اور نہا دھو کر مسجد میں آئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ خدا کی قسم آپ کی ذات آپ کے مذہب اور آپ کے شہر سے زیادہ روئے زمین پر مجھے کسی سے بغض نہیں تھا لیکن اب آپ کی ذات آپ کے مذہب اور آپ کے شہر سے زیادہ کوئی مذہب اور کوئی شہر محبوب نہیں ہے۔ میں عمرہ کا قصد کر رہا تھا کہ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑ لیا اب کیا حکم ہوتا ہے؟ آپ نے بشارت دی اور عمرہ پورا کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ عمرہ کے لئے مکہ گئے کسی نے پوچھا تم بے دین ہو گئے کہا نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لایا۔ یاد رکھو اب بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اجازت کے گیہوں کا ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ نہیں آ سکتا۔ (کتاب المغازی)

عمرہ پورا کرنے کے بعد یمامہ نے جا کر غلہ رکوا دیا' مکہ والوں کا دارومدار یمامہ کے غلہ پر تھا۔ اس لئے وہاں آفت بپا ہوگئی اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکھ بھیجا کہ تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو لیکن تمہارا عمل اس کے برعکس ہے تم نے سن رسیدہ لوگوں کو تلواروں سے اور بچوں کو بھوک سے مار ڈالا۔ ان کی اس تحریر پر آپ نے حکم دیا کہ غلہ نہ روکا جائے۔ (سیرۃ ابن ہشام۔ جل ۲ ص ۴۳۰)

فتنہ ارتداد کی روک تھام

مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب ثمامہ کا ہم وطن تھا۔ اس نے حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن آفتاب حقیقت پر اس کی تاریکی غالب نہ آ سکی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسیلمہ بڑے زور و شور کے ساتھ اٹھا اہل یمن اس کے دام تزویر میں پھنس کر مرتد ہو گئے اور مسیلمہ نے یمن پر قبضہ کر لیا۔ اس زمانہ میں ثمامہ وطن ہی میں موجود تھے انہوں نے اہل یمامہ کو ارتداد سے بچانے کی بہت کوشش کی۔ ہر شخص کے کانوں تک یہ آواز پہنچاتے تھے کہ لوگو! اس تاریکی سے بچو جس میں نور کی کوئی کرن نہیں ہے لیکن مسیلمہ کی آواز کے سامنے ان کی آواز صدا الصحرا ثابت ہوئی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے پند و نصائح کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا اور لوگ مسیلمہ کے دام میں پھنس چکے ہیں تو خود یمامہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اسی دوران میں علاء بن حضرمی جو مرتدین کے استیصال پر مامور ہوئے تھے۔ یمامہ کی طرف سے گزرے ثمامہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بنی حنیفہ کے ارتداد کے بعد میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ عنقریب خدا ان پر ایسی مصیبت نازل کرے گا کہ ان سے اٹھتے' بیٹھتے نہ بنے گا۔ مسلمان اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے آئے ان سے نہ بچھڑنا چاہئے تم میں سے جس کو چلنا ہو وہ فوراً تیار ہو جائے۔ غرض اپنے ہم خیال اشخاص کو ساتھ لے کر علاء کی مدد کو پہنچے جب مرتدین کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ بنی حنیفہ بھی علاء کی امداد پر آمادہ ہیں تو وہ کمزور پڑ گئے یمامہ کی مہم خالدؓ کے سپرد تھی اور علاء بحرین کے مرتدین پر مامور تھے۔ چنانچہ ثمامہ بھی علاء کے ساتھ بحرین چلے گئے اور مرتدین کے استیصال میں برابر کے شریک رہے۔

شہادت: مرتدین کے استیصال کے بعد بنی قیس کے مرتد سردار حطیم کا حلہ اس کے قاتل سے خریدا اور اسے پہن کر چلے، بنو قیس نے ان کے بدن پر حطیم دیکھ کر سمجھا کہ ان ہی نے حطیم کو قتل کیا ہے اور یہ حلہ انہیں سلب میں ملا ہے اس شبہ میں ثمامہؓ کو شہید کر دیا۔ (سیر صحابہؓ)

اللہ کو کون قرض دے گا

انصار اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی حتی الامکان ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے تھے سخاوت وخرچ پر جمے ہوئے تھے۔ ابوالاحداحؓ کو معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا جہاد کی مثل ہے تو جو کچھ پاس تھا اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرنے میں ایک لمحہ بھی توقف نہ کیا۔

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ابوالاحداحؓ کی سخاوت کا قصہ نقل کیا ہے کہ جب آیت من ذاالذی الخ نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "کون شخص ہے جو اللہ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دے اور اللہ کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں۔ اور تم اسی کی طرف لے جائے جاؤ گے۔" یہ آیت سن کر ابوالاحداحؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ ہم سے قرض مانگتے ہیں حالانکہ وہ تو اس سے مستغنی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں وہ تمہیں اس کے بدلے میں جنت میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ عرض کرنے لگے کہ اگر میں اللہ کو قرض دوں تو کیا اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے گھر والوں کو جنت عطا فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضرور عطا کریں گے۔

ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ

معرکہ احد میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جنگ بھڑک اٹھی، مسلمان بیک آواز امتہ امتہ پکار رہے ہیں۔ یہ مسلمانوں کا اس معرکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منتخب کردہ شعار تھا۔

حضرت ابوالاحداحؓ مشرکین کی صفوں میں پھر رہے ہیں اور اپنی تلوار سے انہیں نمٹا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی اگلی صفوں میں چند جانبازوں کی ایک جماعت تھی جن میں حضرت ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ زبیرؓ اور ابودجانہؓ طلحہؓ اور ان کے علاوہ مسلمانوں کے دیگر شہسوار و جانباز تھے۔ جنہوں نے شجاعت و بہادری کی خوب داد دی، مگر جب تیر اندازوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی خلاف ورزی کی اور پہاڑی سے نیچے اتر آئے تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور اس غیر متوقع گھبراہٹ کی وجہ سے مسلمانوں میں اضطراب اور کھلبلی مچ گئی۔

اسی گھبراہٹ کے دوران کسی نے پکار کر کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے۔ یہ آواز مسلمانوں پر بجلی بن کر گری جس نے مسلمانوں کی باقی ماندہ قوت کو بھی ختم کر دیا۔ بعض ناامید ہو کر شکست خوردہ ہو بیٹھے کیونکہ ہر طرف پریشانی اور اضطراب کا عالم تھا اور بے خیالی اور حواس باختگی کی وجہ سے بعض نے بعض کو قتل کر دیا۔

جب ابوالاحداحؓ نے دیکھا کہ بعض مسلمان گم سم ہیں اور انہوں نے قتال موقوف کر دیا تو بلند آواز سے پکارا اے انصار کی جماعت میری طرف آ جاؤ میں ثابت بن دحداحؓ ہوں اگر نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو زندہ ہیں جن پر فنا نہیں ہے۔

ان خطرناک لمحات میں حضرت ابوالاحداحؓ نے مشرکین کے شہسواروں کی ایک بڑی جمعیت کا

مقابلہ کیا اور پہاڑوں کی طرح جمے رہے مگر شہادت ان کے انتظار میں تھی جو انہیں مل کر رہی۔

علامہ واقدیؒ نے ابوالاحداح رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں جب مسلمان متفرق تھے تو ابوالاحداح رضی اللہ عنہ آگے بڑھے جب کہ مسلمان حیران و پریشان تھے۔ تو وہ پکار پکار کر کہنے لگے اے انصار کی جماعت میری طرف آؤ میں ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ ہوں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالفرض شہید ہو چکے ہیں تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو زندہ ہیں جن پر موت نہیں آئے گی۔ اپنے دین کے لئے قتال کرو اللہ ضرور تمہیں غالب کریں گے اور تمہاری مدد فرمائیں گے۔

انصار کی ایک جماعت اٹھی اور ان کے ساتھ مل کر مشرکین پر حملہ کرنے لگی۔ ان کے مقابل ایک بڑی جمعیت تھی جس میں ان کے سردار و شہسوار تھے جیسے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل ضرار بن خطاب رضی اللہ عنہ وغیرہ (یہ چاروں حضرات بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) یہ باہم حملہ آور ہو رہے تھے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو کہ لشکر کفار کیساتھ تھے انہوں نے ان پر نیزے سے حملہ کیا جو پار ہو گیا اور یہ گر پڑے اور ان کے ساتھ جو انصار تھے وہ بھی شہید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ غزوۂ احد میں شہید ہونے والے مسلمانوں میں سے یہ آخری شہید تھے۔

اس طرح حضرت ابوالاحداح رضی اللہ عنہ کی آنکھیں شہادت سے ٹھنڈی ہو گئیں جبکہ یہ جانبازی اقدام اور بہادری کی فہرست میں روشن صفحات رقم کر چکے تھے۔

پھر شہادت کی نعمت انہیں حاصل ہوئی جو جنت النعیم اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بشارت و فضل اور شہداء کے درجات کی طرف لے چلی۔ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے اللہ نے محض اپنے فضل کرم اور احسان سے انہیں انعامات سے نوازا۔ (جرنیل صحابہ)

سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتے کا پیغام بھجوایا' ایک انصاری گھرانے کو' کس کے لئے؟ ایک ایسے شخص کے لئے جو قد کا چھوٹا رنگ کا کالا تھا' شکل کے لحاظ سے وجیہ نہ قبول صورت۔ اس نے خود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! میں تو ایک بے قیمت سا آدمی ہوں۔ کھوٹا سکہ کون قبول کرتا ہے؟ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک تم کھرے ہو' کھوٹے نہیں ہو' اس لئے کہ وہ شخص ایمان کی دولت سے مالا مال تھا ادھر لڑکی نہ صرف یہ کہ نوعمر اور کنواری تھی بلکہ خوبرو اور خوش وضع بھی۔ بچیوں کے لئے ماں باپ سے بڑھ کر خیر خواہ کون ہو سکتا ہے؟ پھر اسلام میں برابری کا مسئلہ بھی تو موجود ہے لڑکی کے ماں باپ کو یہ رشتہ پسند نہ آیا لیکن لڑکی کے کانوں میں کہیں بھنک پڑ گئی تو اس نے رواجی شرم و حیا کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے والدین سے کہا آپ لوگ یہ نہ دیکھیں کہ پیغام کس کے لئے آیا ہے؟ یہ دیکھیں کہ بھجوانے والا کون ہے؟ ہمارے آقا جس چیز کو ہمارے لئے پسند فرماتے ہیں ہم بھی اس پر راضی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر ہم اپنی تمناؤں اور پسند کو قربان کرتے ہیں۔ عزیمت کی راہ پر چلنے والے رخصتوں کا سہارا نہیں لیا کرتے' اس طرح انصاری دوشیزہ نے اپنے ایمان کی پختگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء پر قربان ہو جانے کا ثبوت دیا۔ اس نیک بخت کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی گہرائیوں سے اس کے حق میں دعا فرمائی اور یوں حضرت جلیبیبؓ کا رشتہ ہو گیا۔ بعد میں وہ خاتون' دعا کی برکت سے بڑی ہی خوشحال اور فراخ دست ثابت ہوئیں' تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ جلیبیبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کے

لئے نکلے۔ آگے لڑائی میں حصہ لیا تو شہید ہو گئے لڑائی کا غبار چھٹا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کیا تمہارا کوئی آدمی گم ہے؟ انہوں نے کہا جی حضور! فلاں فلاں' کچھ وقفے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر کچھ نام گنوا دئے۔ تیسری مرتبہ آپ نے پھر دریافت فرمایا تو جواب ملا اب کوئی نہیں سب مل گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مگر مجھے جلیبیب نہیں مل رہا تم لوگ اسے میدان میں تلاش کرو انہوں نے چل پھر کر انہیں ڈھونڈا تو وہ اس حالت میں ملے کہ ان کے پاس سات مشرکین کی لاشیں پڑی تھیں اور وہ خود بھی شہادت کا رتبہ پا چکے تھے۔ جا کر حضور کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موقعہ پر تشریف لے گئے دیکھ کر فرمایا سات مشرکین کو مار کر پھر خود شہید ہو گیا ہے اور تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا۔ هذا منی وانا منه۔ یہ میرا ہے اور میں اس کا پھر آپ نے اسے اپنے بازوؤں پر اٹھا لیا۔ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں۔

ماله سریر غیر ساعدی النبی صلی اللہ علیه وسلم (استیعاب ص ۱۰۰ ج ا)

یعنی اس کی میت کو اٹھانے کے لئے کوئی چارپائی نہیں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو ہی اس کے لئے چارپائی بنے اس کے بعد اس کے لئے قبر کھودی گئی اور حضور نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے قبر میں اتار دیا۔

حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ کیسے خوش نصیب غلام ہیں کہ آقا خود ان کی نعش کو اٹھائے پھرتے ہیں۔ فهنیاله رضی اللہ عنہ وارضاہ (کاروان جنت)

جنگ موتہ میں تین جرنیل صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادتیں

اسلامی لشکر زید بن حارثہ کی قیادت میں ملک شام کی طرف رواں دواں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا سفید جھنڈا ان کے سروں پر لہرا رہا تھا۔ وہ چلتے رہے یہاں تک کہ مقام "معان" پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں پہنچ کر انہیں اطلاع ملی کہ ہرقل ایک لاکھ رومیوں اور ایک لاکھ نصرانیوں جو قبیلہ لخم جذام بلقین بلی بہراء غسان اور وائل سے تعلق رکھتے ہیں کو لے کر مسلمانوں کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس وقت مقام بلقاء کی آب نامی جگہ پر ان کا پڑاؤ ہے۔ مسلمان مقام "معان" میں دو دن ٹھہرے رہے اور اپنے معاملے میں غور کرتے رہے۔ کہنے لگے کہ خط لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا انتظار کیا جائے۔ عبداللہ بن رواحہ نے انہیں ایسے دلیرانہ کلمات کے ساتھ جرات دلائی جو ایمان و ثابت قدمی سے لبریز تھے۔ انہوں نے کہا۔

"اے قوم یہ وہی شہادت تو ہے جس کی طلب میں تم لوگ نکلے ہو، اب اسی کو ناپسند کر رہے ہو اور سنو! ہم لوگ کبھی بھی تعداد اور قوت کی بنیاد پر نہیں لڑتے۔ ہم تو صرف اور صرف اس دین کی بنیاد پر لڑتے ہیں۔ آپ بڑھو! کہ دو بھلائیوں میں سے ایک تو ضرور مل ہی رہے گی"۔ لوگوں نے کہا کہ اللہ کی قسم یہی بات درست ہے اور آگے بڑھ گئے۔

مسلمانوں کے دل میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے ان جوش بھرے کلمات کا عظیم اثر ہوا۔ شکوک و شبہات کے سائے ان کی صفوں سے چھٹ گئے اور وہ نتیجے سے بے نیاز ہو کر اپنے دشمن سے لڑائی پر کمر بستہ ہو گئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تعداد کے اعتبار سے یہ مجاہدین انتہائی ناکافی تھے کہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار سے متجاوز نہیں تھی۔ جبکہ رومیوں اور نصرانی قبائل کی تعداد مل کر دو لاکھ بہادر تھے لیکن مسلمانوں نے جونہی اللہ کے راستے کی شہادت اور ایثار و قربانی کے کلمات سنے تو ان کے قلوب میں آخرت اور اللہ سے ملاقات کی محبت بھر گئی۔ پھر انہیں یہ بھی یاد آیا کہ سابقہ

معرکوں میں موجودہ استعداد (تیاری) سے بھی کم استعداد (تیاری) ہوتے ہوئے ان کی مدد ہوئی ہے تو سابقہ عزائم لے کر خوشی خوشی مطمئن قلوب لے کر لڑائی کے لئے بڑھے۔

اس جنگ کے عینی شاہد سے جنگی نقشوں میں سے ایک نقشے کے حالات سنتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ موتہ میں حاضر تھا جب مشرکین قریب ہوئے تو ہم نے جنگی اسلحہ ہتھیار و گھوڑے دیباج' ریشم اور سونا اتنی بڑی مقدار میں دیکھا کہ جس سے مقابلے کی کسی میں طاقت نہ تھی۔ اسے دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ثابت بن اقرم نے مجھے کہا اے ابوہریرہ شاید تم مجمع کی اتنی بڑی تعداد اور کثرت کو دیکھ کر متاثر ہو گئے ہو۔

میں نے کہا جی ہاں! (ابوہریرہؓ ان لوگوں میں سے تھے جو صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے)۔ تو ثابت بن اقرم نے کہا کہ تو ہمارے ساتھ جنگ بدر میں نہیں تھا۔ (ورنہ اس تعداد کو زیادہ سمجھ کر متاثر نہ ہوتا) ہماری نصرت کا مدار کثرت (عدد) پر نہیں ہے۔

مسلمانوں نے اپنے آپ کو لڑائی کے لئے مرتب کیا۔ رومی اور ان کے حلیف قبائل پہلے سے تیار تھے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ فریقین ایک دوسرے میں گھس گئے حملے شدت اختیار کر چکے تھے۔ مسلمان ثابت قدم تھے۔ ان کے آگے ان کے امیر زید بن حارثہؓ تھے۔ جن کے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا تھا۔ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ جھنڈا ابھی گرنے نہ پایا تھا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے دائیں ہاتھ میں تھام لیا اور وہ اپنے سرخ گھوڑے پر سوار تھے۔ اسے لڑائی کے اندر گھسا دیا۔ جھنڈا ان کے ہاتھ میں قائم تھا۔ مسلمان ان کے پیچھے نعرہ تکبیر لگاتے ہوئے موت کی پرواہ کئے بغیر میدان کارزار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اللہ کے دشمنوں کو نیزوں کی گرمی چکھا رہے تھے لیکن بہت زیادہ اژدہام' فریقین کے ایک دوسرے میں گھسنے اور رومیوں کی تعداد کی کثرت کی بنا پر ان کا گھوڑا پویا کرنے سے عاجز آ چکا تھا۔ گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔ اس کے پاؤں کاٹ دیئے اور شدت سے رومیوں پر حملہ آور ہوئے۔ دائیں بائیں ان کی صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ ان کی اس بہادری پر تمام دیکھنے والے ششدر اور حیران تھے۔ امام ابوداؤد عینی شاہد سے ان کی بہادری کا قصہ جو جنگ موتہ میں تھی روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

اللہ کی قسم گویا کہ وہ منظر میرے سامنے ہے۔ جبکہ انہوں نے اپنے سرخ گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے اور لڑائی میں گھس گئے۔ پھر شہید ہونے تک لڑتے رہے۔ لڑتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

ترجمہ۔ اے لوگو! جنت کیسی اچھی چیز ہے اور اس کا قریب ہونا کتنا عمدہ ہے۔ جنت انتہائی پاکیزہ ہے اس کا پانی انتہائی ٹھنڈا ہے۔ رومیوں کے عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے یہ لوگ کافر ہیں۔ ان کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔ جب میدان جنگ میں ان کا سامنا ہو گیا ہے تو اب ان کو تلوار سے مارنا مجھ پر ضروری ہو گیا ہے۔

ابن ہشامؒ السیرۃ النبویۃ'' میں روایت کرتے ہیں کہ اہل علم میں سے ایک معتمد علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت جعفرؓ نے اپنے دائیں ہاتھ میں جھنڈا لیا تو وہ کٹا بائیں ہاتھ میں لیا تو وہ بھی کٹ گیا تو اپنے دونوں بازوؤں کے ذریعے سینے میں چمٹا لیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۳ سال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان دو بازوؤں کے بدلے بہشت میں دو بازو (پر) عطا فرمائے جن کے ذریعے جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھریں۔

اس طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے کہ رومیوں کے ایک بہادر نے تلوار ماری۔ جس سے ان کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ان کے آدھے حصے کے زخم جو تلوار اور نیزے کے تھے (۳۰) تیس سے کچھ زائد تھے جو تمام کے تمام اگلے حصے میں تھے۔ جب حضرت جعفرؓ شہید ہوئے تو جھنڈا حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اٹھا لیا اور آگے بڑھ کر خوب داد شجاعت دی۔ یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔

اس کے بعد ثابت بن اقرم نے جھنڈا اٹھا کر کہا کہ اے مسلمانو! اپنے میں سے کسی ایک کے امیر بنانے پر متفق ہو جاؤ! لوگوں نے کہا کہ آپ ہی امیر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں امارت نہیں سنبھال سکتا۔ تو لوگ حضرت خالد بن ولید پر متفق ہو گئے۔ جب انہوں نے جھنڈا لیا تو قوم کا خوب دفاع کیا۔ اور جنگ کی چکی میں گھس کر انہیں خوب جواب دیا۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی اور یہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک طرف نکل آئے۔ مشرکین بھی ایک طرف ہٹ گئے۔ رات کی تاریکی میں حضرت خالد نے جنگی نقشہ بدل ڈالا۔ میمنہ کو میسرہ کی جگہ اور میسرہ کو میمنہ کی جگہ کر دیا۔ اسی طرح ساقہ کو مقدمہ اور مقدمہ کو ساقہ کی جگہ بدل دیا اور ایک جماعت کو لشکر سے پیچھے ہٹا دیا کہ طلوع آفتاب کے قریب خوب شور و غوغا کرتے غبار اڑاتے آگے بڑھیں۔ اگلی صبح جب دونوں فریق سامنے آئے تو دشمن کے ہر فریق کو اپنے سامنے نئے چہرے نظر آئے۔ جھنڈے بھی نئے نظر آئے وہ یہ سمجھے کہ مسلمانوں کی مدد آ

چکی۔ اس طرح حیلہ کر کے حضرت خالدؓ نے بڑی دانشمندی اور مہارت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو بچالیا۔ رومی سمجھے کہ خالد اپنے ساتھیوں کو صحراء کے قریب لے جارہے ہیں۔ اس لئے وہ ان کا پیچھا نہ کرتے۔ اس طرح حضرت خالدؓ ہر جماعت کو پیچھے ہٹا کر نئے سرے سے حملہ آور ہوتے رہے۔ (حتیٰ کہ کفار کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ کچھ مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا) اس کے بعد حضرت خالدؓ مدینہ منورہ لوٹے۔ مسلمانوں کے صرف ۱۲ آدمی شہید ہوئے۔ (اور کفار کے کشتوں کے پشتے لگ گئے) ابھی اسلامی لشکر موتہ سے نکلا بھی نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں شہید امراء کی شہادت کا اعلان فرمادیا اور غم کی وجہ سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ آپ نے زید' جعفر اور ابن رواحہ کی موت کا اعلان (ان کی خبر شہادت) آنے سے پہلے ہی فرمادیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

حضرت زید نے جھنڈا لیا تو وہ شہید ہوگئے پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے لیا تو وہ بھی شہید ہوگئے پھر ابن رواحہ نے لیا تو وہ بھی شہید ہوگئے۔ یہ اعلان فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو جاری تھے۔ نیز فرمایا پھر جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا تو اللہ نے انہیں فتح مرحمت فرمائی۔

اس طرح تینوں امراء یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے۔ شہادت سے قبل بہادری کی وہ مثال قائم فرمائی۔ جس سے دشمن کے ہوش اڑ گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تو سینے پر زخم کھا کر بہادری اور ثابت قدمی کی خود ہی مثال بن گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے موتہ کے روز جعفر کو تلاش کیا تو ان کے سامنے حصہ پر نیزہ تیر و تلوار کے ستر سے زیادہ زخم تھے۔ اور امام بخاریؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ شہادت کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کے سارے کے سارے زخم اگلے حصے میں تھے۔ پیچھے کوئی زخم نہ تھا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی روح مبارک اپنے پیدا کرنے والے کے ہاں پہنچ گئی تاکہ صدیقین شہداء اور صالحین کے ہاں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔ جن کا ساتھ بہترین ساتھ ہے۔ (جنت کی بشارت پانے والے صحابہؓ)

حضرت جندب بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شہادت

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی جنگ یرموک میں حاضر تھا۔ میں نے جندب بن عامر بن طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ بہادر اور شریف جبکہ وہ جبلہ بن ایہم غسانی کے ساتھ لڑ رہے تھے کسی لڑکے کو نہیں دیکھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب موت آ جاتی ہے تو پھر نہ بہادری کام دیتی ہے نہ کثرت اسلحہ جب انہیں لڑتے لڑتے زیادہ وقفہ ہو گیا تو انہوں نے جبلہ بن ایہم غسانی کے تلوار کا ایک ہاتھ مارا جس نے اسے ست کر دیا مگر جبلہ نے پلٹ کر تلوار ماری تو آپ کی روح اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔

مسلمانوں کو حضرت عامر بن طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے صاحبزادے کی وجہ سے نہایت صدمہ ہوا۔ قبیلہ دوس نے آپس میں چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا الجنة الجنة خذوا ثبار سید کم عامر بولده من اعداء الله۔ لوگو! جنت سامنے ہے جنت سامنے ہے اپنے سردار عامر اور ان کے بیٹے کا بدلہ خدا کے دشمن سے لے لو۔ قبیلہ ازد جو اس قبیلے کا حلیف تھا اس کے ساتھ ہوا اور انہوں نے غسان، لخم اور جذام پر ایک متفقہ حملہ کر دیا اور اشعار پڑھ پڑھ کر اپنے حریفوں کو تہ تیغ کرنے لگا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا لوگو! اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف چلنے میں جلدی کرو اور جنات نعیم میں جہاں حوریں تمہاری ملاقات کے لئے منتظر ہیں جلدی پہنچو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وطن سے زیادہ محبوب وطن اور کوئی نہیں ہے یاد رکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے صابرین کو ان کے غیر پر اسی وجہ سے فضیلت بخشی ہے کہ وہ ان کی طرح معرکوں میں شامل نہیں ہوئے۔ یہی الفاظ تھے الجنة الجنة۔ (فتوح الشام)

ذکرِ حسنین رضی اللہ عنہما

دوشِ نبیؐ کے شاہسواروں کی بات کر
کون و مکاں کے راج دُلاروں کی بات کر

جن کے لیے ہیں کوثر و تسنیم موجزن
اُن تشنہ کام بادہ گُساروں کی بات کر

خُلدِ بریں ہے جن کے تقدُّس کی سیرگاہ
اُن خوں میں غرق غرق نگاروں کی بات کر

کلیوں پر کیا گُزر گئی پھُولوں کو کیا ہُوا
گُلزارِ فاطمہؓ کی بہاروں کی بات کر

جن کے نفس نفس میں تھے قُرآں کھُلے ہُوئے
اُن کربلا کے سِینہ فگاروں کی بات کر

شِمرِ لعیں کا ذِکر نہ کر میرے سامنے
شیرِ خدا کے مرگ شِعاروں کی بات کر

(۷۳-۱۳۷۵ھ / ۵۴-۱۹۵۶ء کے درمیان کہی گئی)

ھو المعین

شاہ است حسین پادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

کتبہ محمد یوسف سدیدی علوی

شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔

ہم اہل السنّت والجماعت تمام اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ویسی ہی عزت کرتے ہیں اور ان سے سچی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں جس طرح شیعہ صاحبان ان کے مداح اور ان کی محبت کے دعویدار ہیں چنانچہ عقیدہ اہل السنّت میں امام حسینؓ کے مناقب کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی ندع ابناء نا و ابناء کم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کو بلایا اور فرمایا اے اللہ میرے اہل بیت یہ لوگ ہیں۔ (مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حسنؓ بن علیؓ سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں تھا۔ اور حسینؓ کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ بھی سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ سے لڑے گا میری ان سے لڑائی ہے۔ اور جو ان سے صلح کرے گا میری اس سے صلح ہے۔ (ترمذی)

یہ مناقب مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں اگر سب جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

جس طرح ان مناقب سے اہل السنۃ والجماعۃ اتفاق رکھتے ہیں اسی طرح اس اندوہناک، دردناک داستان ظلم و ستم یعنی حادثہ شہادت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی سنیوں کا اتفاق ہے۔ چنانچہ احباب کی اطلاع کے لئے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واقعات متعلقہ کربلا کی تمہید

حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی میں ان کا بیٹا یزید ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ماہ رجب ۶۰ھ دمشق میں ہوا۔ یزید نے تمام ملکوں میں اپنے حکام کی طرف فرمان بھیجا کہ میرے حق میں لوگوں سے بیعت کی جائے۔ اسی ضمن میں اس نے مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو لکھا کہ حضرت حسینؓ سے یزید کے حق میں بیعت لی جائے سیدنا حسینؓ نے بیعت نہیں کی کیونکہ یزید فاسق، شرابی اور ظالم تھا۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ ۴ شعبان ۶۰ھ کو مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور مکہ معظمہ میں جا کر قیام فرمایا۔

اہل کوفہ کی طرف سے دعوت

حضرت علیؓ نے چونکہ کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا ہوا تھا اس لئے وہاں اہل بیت کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی انہوں نے حضرت حسینؓ کو تقریباً ڈیڑھ سو خطوط لکھے کہ آپ کوفہ تشریف لے آیئے۔ ہماری جان اور مال آپ کی مدد کے لئے حاضر ہے۔ امام ممدوح نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیج دیا۔

مسلم بن عقیل کا کوفہ میں قیام اور بیعت لینا

جب مسلم بن عقیل کوفہ میں پہنچے تو مختار بن عبید کے مکان پر ٹھہرے اور حضرت حسینؓ کے لئے بارہ ہزار سے بھی زیادہ آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب نعمان بن بشیر صحابی جو حاکم کوفہ تھے انہیں اس کا علم ہوا تو انہوں نے لوگوں کو ڈانٹا۔ فقط ڈانٹنے پر ہی اکتفا کی۔ اس سے زیادہ کسی کو کچھ نہ کہا مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن الولید بن عقبہ نے یزید کو اس واقعہ کی اطلاع دی اس پر یزید نے نعمان بن بشیر صحابی کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبید اللہ بن زیاد بصرہ کے حاکم کو معین کر دیا۔

عبید اللہ بن زیاد کا حاکم کوفہ ہو کر آنا

عبید اللہ بن زیاد بصرہ سے کوفہ آیا اور رات کے وقت اہل حجاز کے لباس میں کوفہ میں

داخل ہوا تا کہ لوگ دھوکے سے یہ سمجھیں کہ حضرت حسینؓ تشریف لے آئے ہیں۔ لوگوں نے امام موصوف کا خیال کر کے اس کا استقبال کیا اس کے آگے آگے یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے اے رسول اللہ کے بیٹے تمہیں مرحبا ہو۔ عبیداللہ بن زیاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ سرکاری مکان میں داخل ہو گیا۔ صبح لوگوں کو اکٹھا کیا اور اپنی حکومت کی سند پڑھ کر سنائی انہیں دھمکی دی اور یزید کی مخالفت سے ڈرایا اور مسلم بن عقیل کی جماعت میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے مکان میں چھپ گئے۔ عبیداللہ بن زیاد نے محمد بن اشعث کو فوج دے کر ہانی بن عروہ کے مکان پر بھیجا۔ ہانی بن عروہ اور اہل کوفہ کے تمام سرداروں کو گرفتار کرا لیا مسلم بن عقیل کو جب یہ اطلاع پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے خیر خواہوں کو جمع کیا۔ ان کے ساتھ چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ انہوں نے عبیداللہ بن زیاد کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان قیدی سرداروں سے کہا کہ تم اپنے آدمیوں کو سمجھا دو کہ وہ مسلم بن عقیل کی رفاقت سے باز آ جائیں ان لوگوں کے سمجھانے سے چالیس ہزار میں سے فقط پانچ سو آدمی مسلم بن عقیل کے پاس رہے باقی سب بھاگ گئے حتیٰ کہ مسلم بن عقیل تنہا رہ گئے اب وہ متحیر ہوئے کہ کیا کریں ایک عورت کے گھر میں آئے اس سے پینے کے لئے پانی مانگا۔ اس نے پلایا اور اپنے گھر میں انہیں ٹھہرا لیا۔ اس بڑھیا کا بیٹا محمد بن اشعث (جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے جس نے کوفہ کے آدمیوں کو قید کیا تھا) کا دوست تھا اس نے جا کر اشعث سے کہہ دیا اس نے عبیداللہ بن زیاد کو اطلاع دے دی۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن حریث کو توال شہر اور محمد بن اشعث کو بھیجا۔ انہوں نے آ کر اس بڑھیا کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ محمد بن مسلم تلوار سونت کر لڑائی کے لئے نکلے۔ محمد بن اشعث نے انہیں امان دے دی اور عبیداللہ بن زیاد کے پاس گرفتار کر کے لے آئے۔ عبیداللہ بن زیادہ نے انہیں قتل کر دیا اور ہانی (جس نے مسلم بن عقیل کو پناہ دی تھی) کو سولی پر چڑھا دیا۔ یہ واقعہ ۳ ذی الحجہ ۶۰ ھ کا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کے دونوں بیٹے (محمد اور ابراہیم) بھی قتل کر دیئے اور اسی تاریخ کو امام حسینؓ مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا کوفہ جانے سے حضرت حسینؓ کو روکنا

آپ کے دوستوں اور رشتہ داروں کو جب اس ارادہ کا علم ہوا تو وہ سخت مضطرب ہوئے یہ سب لوگ کوفہ والوں کی بے وفائی اور غداری سے واقف تھے اور بنی امیہ کے خاندان کے مظالم سے بھی آگاہ تھے سب نے اس سفر کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا لوگ یہ سن کر بہت پریشان ہیں کہ آپ کوفہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں کیا واقعی آپ کا پختہ ارادہ ہے۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ واقعی عنقریب روانہ ہونے والا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں میں جارہے ہیں جنہوں نے اپنے پہلے امیر کو بے دست و پا کر دیا ہے۔ دشمن کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے اور ملک پر اپنا تسلط جمال لیا ہے اب آپ کو نظام حکومت کے درست کرنے کے لئے بلا رہے ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر بیشک تشریف لے جایئے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ان لوگوں کا آپ کو بلانا جنگ کے لئے بلانا ہے مجھے خطرہ ہے کہ وہ لوگ آپ کو دھوکہ نہ دیں اور جب آپ کے دشمن ان کو طاقتور دیکھیں گے تو پھر اس کے طرفدار ہو کر آپ سے لڑائی کریں گے۔ حضرت حسینؓ ان باتوں سے متاثر نہیں ہوئے اور روانگی کے ارادہ پر قائم رہے۔

دوبارہ روکنا

جب حضرت حسینؓ بالکل تیار ہو گئے پھر حضرت ابن عباس دوڑے ہوئے آئے اور بمنت و سماجت سے کہا کہ مجھ سے خاموش رہا نہیں جاتا اس سفر میں آپ کی ہلاکت و بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراقی لوگ بڑے دغاباز ہیں ان کے قریب بھی نہ جایئے اور یہیں مکہ معظمہ میں قیام کیجئے عراق والے اگر آپ کو بلانا بھی چاہتے ہیں تو انہیں کہیئے کہ پہلے دشمن کو اپنے علاقہ سے نکال دیجئے۔ پھر مجھے بلایئے۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو پھر یمن چلے جایئے وہاں کے لوگ آپ کے والد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کے خیر خواہ ہیں وہاں آپ ان دشمنوں کی گرفت سے بھی باہر ہوں گے۔ وہاں خطوں اور قاصدوں کے ذریعہ سے اپنی دعوت پھیلایئے گا آپ اس طرح پر یقیناً کامیاب ہوں گے امام حسینؓ نے فرمایا کہ

میں تو عراق کا ارادہ پختہ کر چکا ہوں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ اگر آپ نہیں مانتے تو پھر عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح قتل نہ کر دیئے جائیں۔ جس طرح حضرت عثمانؓ بن عفان اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے۔ اتنی باتیں پیش ہونے کے باوجود آپ اپنے ارادہ پر قائم رہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ کو سمجھایا لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی کا خط

آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر تھے مدینہ منورہ سے خط لکھا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادہ سے باز آجایئے۔ کیونکہ اس راہ میں آپ کے لئے ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کے لئے بربادی ہے اگر آپ قتل ہو جائیں گے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اس وقت آپ کا وجود ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امیدوں کا مرکز ہے سفر میں جلدی نہ کیجئے میں آتا ہوں۔

حاکم مدینہ کا خط

حضرت عبداللہ بن جعفر نے اس کے علاوہ والی مدینہ منورہ سے بھی خط لکھوایا۔ جس کا مضمون یہ ہے "میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس راستہ سے ہٹا دے۔ جس میں ہلاکت ہے اور اس راستہ کی طرف رہنمائی فرما دے جس میں سلامتی ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں میں آپ کے لئے شقاق اور اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ عبداللہ بن جعفر اور یحیٰی بن سعید کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں ان کے ساتھ واپس چلے آیئے۔ میرے پاس آپ کے لئے امن و سلامتی، نیکی احسان اور حسن جوار ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے وہی اس کا کفیل نگہبان اور وکیل ہے۔ والسلام۔

اس کے بعد آپ اپنے ارادہ پر پختہ رہے۔

فرزدق شاعر سے ملاقات

جب آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو "صفاح" نام مقام پر اہل بیت کا مشہور محب

شاعر آپ سے ملا آپ نے اس سے پوچھا۔تمہارے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے فرزدق نے جواب دیا ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنوامیہ کے ساتھ ہیں۔آپ نے فرمایا سچ کہتا ہے اب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ہمارا پروردگار ہر گھڑی کسی نہ کسی حکم فرمائی میں رہتا ہے اگر اس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اس کی تعریف کریں گے اور اگر امید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت

مسلم بن عقیلؓ کی گرفتاری

مسلم بن عقیل تن تنہا ستر سپاہیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے زخموں سے چور چور ہو کر تھک چکے تھے۔ایک دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے اور ان کو ایک سواری پر سوار کر دیا گیا۔اور ہتھیار ان سے لے لئے گئے۔ہتھیار لینے کے وقت ابن عقیلؓ نے ان سے کہا کہ یہ پہلی عہد شکنی ہے کہ امن لینے کے بعد ہتھیار چھینے جا رہے ہیں۔محمد بن اشعث نے ان سے کہا کہ فکر نہ کریں آپ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ نہ کیا جائے گا۔ابن عقیل نے فرمایا کہ یہ سب محض باتیں ہیں اور اس وقت محمد بن عقیل کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

محمد بن اشعث کے ساتھیوں میں سے عمرو بن عبید بھی تھا جو امان دینے کے خلاف تھا۔اس نے کہا کہ اے مسلم جو شخص ایسا اقدام کرے جو آپ نے کیا جب پکڑا جائے تو اس کو رونے کا حق نہیں۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے سے روکنے کی وصیت

ابن عقیلؓ نے فرمایا کہ: ”میں اپنی جان کے لئے نہیں روتا ہوں بلکہ میں حسینؓ اور آل حسینؓ کی جانوں کے لئے رو رہا ہوں۔جو میری تحریر پر عنقریب کوفہ پہنچنے والے ہیں۔اور تمہارے ہاتھوں اسی بلا میں گرفتار ہوں گے جس میں میں گرفتار ہوں۔“

اس کے بعد محمد بن اشعث سے کہا کہ: ”تم نے مجھے امان دیا ہے اور میرا گمان یہ ہے

کہ تم اس امان سے عاجز ہو جاؤ گے۔ لوگ تمہاری بات نہیں مانیں گے اور مجھے قتل کر دیں گے تو اب کم از کم تم میری ایک بات مان لو۔ وہ یہ کہ ایک آدمی حضرت حسینؓ کے پاس فوراً روانہ کر دو کہ جوان کو میری حالت کی اطلاع کر کے یہ کہہ دے کہ آپ راستے ہی سے اپنے اہل بیت کو لے کر لوٹ جائیں کوفہ والوں کے خطوط سے دھوکہ نہ کھائیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کی بے وفائی سے گھبرا کر آپ کے والد اپنی موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔"

محمد بن اشعث نے حلف کے ساتھ وعدہ کیا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔

محمد بن اشعث نے وعدہ کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو روکنے کے لئے آدمی بھیجا

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعث نے اپنا وعدہ پورا کیا ایک آدمی کو خط دے کر حضرت حسینؓ کی طرف بھیج دیا۔ حضرت حسینؓ اس وقت تک مقام زبالہ تک پہنچ چکے تھے۔ محمد بن اشعث کے قاصد نے یہاں پہنچ کر خط دیا۔

خط پڑھ کر حضرت حسین نے فرمایا:

کل ما قدر نازل عنداللہ تحسب انفسنا و فساد امتنا (کامل ابن کثیر ص ۱۴ ج ۴)

"جو چیز ہو چکی ہے وہ ہو کر رہے گی۔ ہم صرف اللہ تعالیٰ سے اپنی جانوں کا ثواب چاہتے ہیں اور امت کے فساد کی فریاد کرتے ہیں"۔

الغرض یہ خط پا کر بھی حضرت حسینؓ نے اپنا ارادہ ملتوی نہیں کیا اور جو عزم کر چکے تھے۔ اس کو لئے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

ادھر محمد بن اشعث ابن عقیل کو لے کر قصر امارت میں داخل ہوئے اور ابن زیاد کو اطلاع دی کہ میں ابن عقیل کو امان دے کر آپ کے پاس لایا ہوں۔

ابن زیاد نے غصہ سے کہا کہ تمہیں امان دینے سے کیا واسطہ میں نے تمہیں گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا یا امان دینے کے لیے۔ محمد بن اشعث خاموش رہ گئے۔ ابن زیاد نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔

مسلم بن عقیل کی شہادت اور وصیت

مسلم بن عقیل پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے کہ محمد بن اشعث کا امان دینا کوئی چیز نہیں ابن زیاد مجھے قتل کرے گا۔ مسلمؓ نے کہا کہ مجھے وصیت کرنے کی مہلت دو۔ ابن زیاد نے مہلت دے دی اور انہوں نے عمر بن سعد سے کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان قرابت ہے اور میں اس قرابت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے ایک کام ہے۔ جو راز ہے میں تنہائی میں بتلا سکتا ہوں۔ عمر بن سعد نے اس کو سننے کی ہمت نہ کی۔ ابن زیاد نے کہا کچھ مضائقہ نہیں تم سن لو ان کو علیحدہ کر کے مسلم بن عقیلؓ نے کہا کہ کام یہ ہے کہ میرے ذمے سات سو درہم قرض ہیں جو میں نے کوفہ کے فلاں آدمی سے لئے تھے وہ میری طرف سے ادا کر دو۔ دوسرا کام یہ ہے کہ حسینؓ کے پاس ایک آدمی بھیج کر ان کو راستہ سے واپس کر دو۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد سے ان کی وصیت پورا کرنے کی اجازت مانگی۔ تو انہوں نے کہا بے شک امین آدمی کبھی خیانت نہیں کرتا۔ تم ان کا قرض ادا کر سکتے ہو۔ باقی رہا حسینؓ کا معاملہ سو اگر وہ ہمارے مقابلہ کے لئے نہ آئیں تو ہم بھی ان کے مقابلہ کے لئے نہ جائیں گے۔ اور اگر وہ آئے تو ہم مقابلہ کریں گے۔

مسلم بن عقیل اور ابن زیاد کا مکالمہ

ابن زیاد نے کہا کہ اے مسلم تو نے بڑا ظلم کیا کہ مسلمانوں کا نظم مستحکم اور ایک کلمہ تھا۔ سب ایک امام کے تابع تھے۔ تم نے آ کر ان میں تفرقہ ڈالا اور لوگوں کو اپنے امیر کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔

مسلم بن عقیلؓ نے فرمایا کہ معاملہ یہ نہیں بلکہ اس شہر کوفہ کے لوگوں نے خطوط لکھے کہ تمہارے باپ نے ان کے نیک اور شریف لوگوں کو قتل کر دیا۔ ان کے خون ناحق بہائے اور یہاں کے عوام پر کسریٰ و قیصر جیسی حکومت کرنی چاہی۔ اس لئے ہم اس پر مجبور ہوئے کہ عدل قائم کرنے اور کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے کی طرف لوگوں کو بلائیں اور سمجھائیں۔

اس پر ابن زیاد اور زیادہ برافروختہ ہوا کہ ان کو قصر امارت کی اوپر کی منزل پر لے جاؤ اور سر کاٹ کر نیچے پھینک دو۔ مسلم بن عقیل اوپر لے جائے گئے۔ وہ تسبیح و استغفار پڑھتے

ہوئے اوپر پہنچے اور ابن زیاد کے حکم کے موافق ان کو شہید کر کے نیچے ڈال دیا گیا۔

انا لله و انا اليه راجعون.

مسلم بن عقیل کو قتل کرنے کے بعد ہانی بن عروہ کے قتل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ان کو بازار میں لے جا کر قتل کر دیا گیا۔

ابن زیاد نے ان دونوں کے سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دیئے۔ یزید نے شکریہ کا خط لکھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسینؓ عراق کے قریب پہنچ گئے ہیں اس لئے جاسوس اور خفیہ رپورٹر سارے شہر میں پھیلا دو۔اور جس پر ذرا بھی حسینؓ کی تائید کا شبہ ہو اس کو قید کر لو۔مگر سوا اس شخص کے جو تم سے مقاتلہ کرے کسی کو قتل نہ کرو۔

مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں کی ضد

زرود نام ایک مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یزید کے گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کو علانیہ قتل کر دیا ہے اور کوفیوں میں سے کوئی ٹس سے مس نہیں ہوا۔امام حسینؓ نے بار بار انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔بعض ساتھیوں نے عرض کی اب بھی وقت ہے ہم آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے حق میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں خدا کے لئے یہیں سے لوٹ چلیئے۔کوفہ میں آپ کا ایک بھی طرفدار معلوم نہیں ہوتا۔امام حسینؓ خاموش ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے۔لیکن مسلم بن عقیل کے عزیزوں نے کہا واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے اور اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے۔اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔

حر ابن یزید کی ملاقات

قادسیہ سے جونہی آگے بڑھے اور کوفہ سے دو منزل پر جا پہنچے تو حر ابن یزید عبید اللہ ابن زیاد کی طرف سے ایک ہزار ہتھیار بند فوج لے کر آ ملا اور ساتھ ہو لیا۔اس نے امام حسینؓ سے کہا کہ عبید اللہ ابن زیاد نے مجھے آپ کی طرف بھیجا اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ آپ کو اس کے پاس لے چلوں اور میں خدا کی قسم مجبور ہوں۔امام حسینؓ

نے فرمایا کہ میں خود کوفہ کی طرف نہیں آیا یہاں تک کہ مجھے کوفہ والوں کے بہت سے خطوط پہنچے ہیں اور میرے پاس ان کے بہت سے قاصد آئے اور تم کوفے کے رہنے والے ہو۔ اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہو تو میں تمہارے شہر میں جاؤں گا ورنہ لوٹ کر چلا جاؤں گا اس پر حر نے کہا آپ کن خطوط کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں۔ امام حسینؓ نے عقبہ بن سلام کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائیے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا اس پر حر نے کہا لیکن ہم وہ نہیں جنھوں نے یہ خط لکھے تھے ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبیداللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں۔ امام حسینؓ نے فرمایا کہ یہ موت سے پہلے ناممکن ہے۔ پھر آپ نے روانگی کا حکم دیا لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو حر نے جواب دیا میں آپ کو عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں آپ نے جواب دیا واللہ میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا۔ اس نے کہا واللہ میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حر نے کہا کہ مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ہے مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔ بات زیادہ لمبی ہوتی گئی یہاں تک کہ امام حسینؓ کوفہ کے راستہ سے ہٹ گئے۔

میدان کربلا میں قیام

اور میدان کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو جا اترے جب اس میدان میں اترے تو اس کا نام دریافت فرمایا معلوم ہوا کہ اس کا نام کربلا ہے۔ تب آپ نے فرمایا **هذا موضع كرب و بلاء** یعنی یہ تکلیف اور ہلاکت کی جگہ ہے یہ مقام پانی سے دور تھا۔ دریا میں اور اس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی چار ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمر کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس آزمائش میں نہ آئے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے اس نے آتے ہی امام حسینؓ کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا آپ کیوں تشریف

لائے ہیں آپ نے وہی جواب دیا جو حرا بن یزید کو دے چکے تھے۔ یعنی تمہارے اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا اب اگر وہ ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کو تیار ہوں۔

عبیداللہ بن زیاد کا بیعت کے لئے اصرار

عمر بن سعد کو امام ممدوح کے اس جواب سے خوشی ہوئی اور امید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ اس نے فوراً عبیداللہ بن زیادہ کو خط لکھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے جواب دیا کہ حسینؓ سے کہو کہ پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید ابن معاویہ کی بیعت کریں پھر ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ حسینؓ اور اس کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں جس طرح عثمانؓ بن عفان پانی سے محروم رہے تھے۔ جب امام حسینؓ کے پاس وہ خط آیا آپ نے اسے پڑھا اور پھینک دیا اور قاصد سے فرمایا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ قاصد لوٹ کر عبیداللہ بن زیاد کے پاس گیا۔ اس جواب سے اس کا غصہ اور بھڑکا اس نے لوگوں کو جمع کیا اور فوجیں تیار کیں اور ان کا سپہ سالار عمر بن سعد کو بنایا۔ جو دی کا حاکم تھا اس نے امام حسینؓ کے مقابلے میں لڑنے سے پہلو تہی کی تب عبیداللہ بن زیاد نے اس سے کہا یا تو لڑنے کو جا یا ری کی حکومت سے دستبردار ہو جا اور اپنے گھر جا بیٹھ عمر بن سعد نے ری کی حکومت کو ترجیح دی اور امام حسینؓ سے لڑائی کے لئے فوجوں سمیت چل نکلا۔ عبیداللہ بن زیاد ایک سردار کی معیت میں تھوڑا تھوڑا لشکر جمع کر کے بھیجتا رہا یہاں تک کہ عمر بن سعد کے پاس بائیس ہزار سوار اور پیادے جمع ہو گئے اور دریائے فرات کے کنارے پر جا اترے اور امام حسینؓ اور پانی کے درمیان رکاوٹ کر دی۔

عمر بن سعد کے لشکر میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جنہوں نے امام حسینؓ سے خط و کتابت کی تھی اور ان سے مسلم بن عقیل کے ذریعہ سے بیعت بھی کر چکے تھے۔ جب امام حسینؓ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ان سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اپنے لشکر کے گرد ایک خندق کھود یں اور ایک ہی دروازہ اس خندق کو رکھا تا کہ اس دروازے سے نکل کر لڑ سکیں۔

نماز عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب لشکر قریب پہنچا تو انہوں نے امام حسینؓ کو نرغے میں لے لیا اور لڑائی شروع کر دی۔ امام حسینؓ کے ساتھیوں میں ایک

ایک کر کے قتل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کے تقریباً پچاس آدمی قتل ہو گئے اس وقت امام حسینؓ نے چیخ کر فرمایا آیا کوئی خدا واسطے فریاد رس ہے آیا کوئی رسول اللہ کے حرم کو بچانے والا ہے یہ سن کر حر بن یزید (جس کا پہلے ذکر آچکا ہے) اپنے گھوڑے پر امام حسینؓ کی طرف آیا اور آ کر کہا اے رسول اللہ کے بیٹے سب سے پہلے میں ہی تیرے ساتھ لڑنے کے لئے آیا تھا اور اب میں ہی تیری جماعت میں آ گیا ہوں تا کہ میں تیری ہی مدد میں قتل کیا جاؤں۔ شاید کہ کل کو تیرے نانا کی شفاعت نصیب ہو اس کے بعد اس نے عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ کیا اور اس وقت تک لڑتا رہا جب تک کہ شہید نہیں کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کا بھائی' بیٹا اور غلام بھی شہید ہو گئے پھر اس قدر سخت لڑائی ہوئی کہ امام حسین کے سارے ساتھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد امام موصوف ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر تنہا مقابلے کے لئے میدان میں آئے اور دشمنوں سے لڑتے رہے اور جو شخص بھی آپ کی طرف آیا اسے قتل کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا اور آپ کو ان زخموں اور تیروں نے چور چور کر ڈالا جو ہر طرف سے آ رہے تھے۔ اس وقت شمر ذی الجوشن اپنی فوج سمیت آگے بڑھا۔ امام حسینؓ نے للکار کر فرمایا اے شیطان کی جماعت میں تم سے لڑتا ہوں تم مستورات کو کیوں چھیڑتے ہو کیونکہ وہ تو تم سے نہیں لڑ رہیں۔ تب شمر نے اپنی فوج سے کہا عورتوں سے باز آ جاؤ اور اسی شخص کا مقابلہ کرو پھر سب نے امام حسینؓ پر تیروں اور نیزوں سے حملہ کر دیا یہاں تک کہ امام حسینؓ زمین پر شہید ہو کر گرے اور نصر ابن خرشہ آپ کا سر کاٹنے لگا۔ اس سے نہیں کاٹا گیا تو خولی بن یزید گھوڑے سے اترا اور اس نے آپ کا سر مبارک کاٹ لیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ شمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کم بختو! اس کے متعلق اب کیا انتظار کرتے ہو حالانکہ اسے زخموں نے چور کر دیا ہے اس کے اتنے کہنے پر امام حسینؓ پر تیر اور نیزے برسنے لگے یہاں تک کہ ایک بدبخت کا تیر آپ کے گلے سے پار ہو گیا اور آپ گھوڑے سے گر پڑے اور اسی حالت میں شمر نے آپ کے چہرے مبارک پر تلوار ماری اور منان بن انسؓ نے نیزہ مارا اور خولی بن یزید آپ کا سر کاٹنے لگا تو اس کے ہاتھ کانپ گئے۔ پھر اس کے بھائی شبل بن یزید نے اتر کر آپ کا سر کاٹا۔ پھر یہ لوگ اہل بیت کے خیمے میں گئے وہاں سے بارہ

لڑکے بنی ہاشم کے قید کئے اور جتنی عورتیں تھیں ان کو بھی قید کرلیا۔ عمر بن سعد اور شمر نے لوگوں کو حکم دیا اور ان سنگدلوں نے امام حسینؓ کی لاش کو گھوڑوں کے سموں تلے لتاڑا اور آپ کے سر مبارک کو بشیر ابن مالک اور خولی بن یزید کی معیت میں عبیداللہ بن زیاد کی طرف بھیج دیا۔

واقعہ کربلا کا رنج والم

ہر کلمہ گو خواہ وہ شیعہ ہو یا سنی اس وحشتناک اور دردانگیز واقعہ سے بے انتہا رنج والم ہے۔ کوئی نہیں جو امام حسینؓ کی مظلومیت سے مغموم نہ ہو اور اس کا دل ان مظالم کو سن کر مضطرب اور پریشان نہ ہو تقریباً تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود اس اندوہناک دردانگیز مصیبت خیز پریشان کن دل ہلا دینے والے واقعہ کو بھول نہیں پائے۔ شیعہ صاحبان کے علاوہ سنیوں کی کتابیں بھی اس خونی واقعہ کی یاد تازہ اپنے سینوں میں رکھتی ہیں اور ہر پڑھنے والے کے دل کو غم کدہ بنا دیتی ہیں۔

اظہار غم کے طریقے میں فرق

اہل السنّت والجماعت ان دردناک واقعات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھنے کے باوجود ایک بہادر ذی وقار صاحب عزم انسان کی طرح متانت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور یزید جیسی طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں امام حسینؓ اس کی قوت، ہمت اور ہدایت کی آواز اٹھا کر سنت حسینؓ کی یاد تازہ رکھتے ہیں۔ تاکہ امام حسینؓ کے متبعین اور نام لینے والوں میں روح حسینیؓ کے نظارے ہمیشہ طاغوتی طاقتوں کے سامنے نظر آتے رہیں۔ بخلاف شیعہ صاحبان کے کہ وہ اس رنج والم کا اظہار کرنے کے لئے دامن شریعت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ فخر دو عالم سید المرسلین کی سنت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اظہار غم کے لئے دسویں محرم کو وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جس میں بہت ساری چیزیں ناجائز بلکہ حرام ہوتی ہیں جن سے مسلمانوں کے عقائد فاسد ہوتے ہیں اخلاق کی تباہی کا موجب بنتی ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو اہل السنّت والجماعت کے علاوہ مقتدر مقتدایان شیعہ صاحبان بھی عوام الناس کے اس طریق کار کے سخت مخالف ہیں دونوں جماعتوں کے رہنما ان چیزوں کو نہ صحیح سمجھتے ہیں نہ مفید سمجھتے ہیں چنانچہ دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کے فتاویٰ ذیل میں درج ہوں گے۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ

صاحبان میں کمزور طبیعت کے رہنما اپنے مفاد دنیا کی خاطر حق کو چھپاتے ہیں۔اور عوام الناس کے طعن و تشنیع سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور مفاد دنیا کی خاطر نتائج اخروی کو نظرانداز کرتے ہیں اور عوام الناس میں اشاعت حق کرنے سے جی چراتے ہیں۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولاالضالین.

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جانثاروں کی شہادت

جانبازوں کی شہادت: پچھلے معرکوں شمع امامت کے بہت سے پروانے فدا ہو چکے تھے۔اب امام حسینؓ کے ساتھ صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے ان کے مقابلہ میں کوفیوں کا ٹڈی دل تھا۔اس لئے ان کے قتل ہونے سے ان میں کوئی کمی نظر نہ آتی تھی لیکن حسینی فوج میں سے ایک آدمی بھی شہید ہو جاتا تو اس میں کمی محسوس ہوتی تھی۔

یہ صورتحال دیکھ کر عمرو ابن عبداللہ صاعدی نے امام سے عرض کیا کہ ''میری جان آپ پر فدا ہو اب شامی بہت قریب ہوتے جاتے ہیں اور کوئی دم میں پہنچنا چاہتے ہیں۔اس لئے چاہتا ہوں کہ پہلے میں جان دے لوں' اس کے بعد آپ کو کوئی گزند پہنچے۔ ابھی میں نے نماز نہیں پڑھی ہے۔نماز پڑھ کر خدا سے ملنا چاہتا ہوں''۔

ان کی اس درخواست پر حضرت حسینؓ نے فرمایا ان لوگوں سے کہو کہ ''تھوڑی دیر کے لئے جنگ ملتوی کر دیں تا کہ ہم لوگ نماز ادا کر لیں''۔آپ کی زبان سے یہ فرمائش سن کر حصین بن نمیر شامی بولا' تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ حبیب بن مظہر نے جواب دیا کہ ''گدھے! آل رسول کی نماز قبول نہ ہوگی اور تیری قبول ہوگی''؟ یہ جواب سن کر حصین کو طیش آ گیا اور حبیب پر حملہ کر دیا۔حبیب نے اس گھوڑے کے منہ ایسا ہاتھ مارا کہ وہ دونوں پاؤں کھڑا ہو گیا اور حصین اس کی پیٹھ سے نیچے آ گرا۔

لیکن اس کے ساتھیوں نے بڑھ کر بچا لیا۔اس کے بعد حبیب اور کوفیوں میں مقابلہ ہونے لگا۔ کچھ دیر تک حبیب نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔لیکن تن تنہا کب تک انبوہ کثیر کے مقابل ٹھہر سکتے تھے۔ بالآخر شہید ہو گئے۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت حسینؓ کا ایک اور بازو ٹوٹ گیا۔اور آپ بہت شکستہ

خاطر ہوئے۔مگر کلمہ صبر کے علاوہ زبان مبارک سے کچھ نہ نکلا۔حر نے آقا کو غمگین دیکھا تو رجز پڑھتے ہوئے بڑھے اور مشہور جان نثار زہیر بن قیس کے ساتھ مل کر بڑی بہادری اور شجاعت سے لڑے، لیکن کب تک لڑتے۔آخر میں کوفی پیادوں نے ہر طرف سے حر پر ہجوم کر دیا، اور یہ پروانہ بھی شمع امامت پر سے فدا ہو گیا۔(سیر صحابہ)

شہدائے بنو ہاشم کی تعداد اور ان کی تجہیز و تکفین

حضرت حسینؓ کے ساتھ بہتر (۷۲) آدمی شہید ہوئے۔ان میں بیس (۲۰) آدمی خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔

۱۔حسین بن علی رضی اللہ عنہ
۲۔عباس بن علی رضی اللہ عنہ
۳۔جعفر بن علی رضی اللہ عنہ
۴۔عبداللہ بن علی رضی اللہ عنہ
۵۔عثمان بن علی رضی اللہ عنہ
۶۔محمد بن علی رضی اللہ عنہ
۷۔ابوبکر ابن علی رضی اللہ عنہ
۸۔علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ (علی اکبر)
۹۔عبداللہ بن حسین رضی اللہ عنہ
۱۰۔ابوبکر بن حسن رضی اللہ عنہ
۱۱۔عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ
۱۲۔قاسم بن حسن رضی اللہ عنہ
۱۳۔عون بن عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ
۱۴۔محمد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ
۱۵۔جعفر بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
۱۶۔عبدالرحمٰن بن عقیل رضی اللہ عنہ
۱۷۔عبداللہ بن عقیل رضی اللہ عنہ
۱۸۔مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ
۱۹۔عبداللہ بن مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ
۲۰۔محمد بن ابوسعید بن عقیل رضی اللہ عنہ

امام کی شہادت کے بعد اہل بیت نبویؐ میں زین العابدین رضی اللہ عنہ، حسن بن حسن رضی اللہ عنہ، عمرو بن حسن رضی اللہ عنہ اور کچھ شیر خوار بچے باقی رہ گئے تھے۔زین العابدین رضی اللہ عنہ بیماری کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے اور بچے شیر خواری کی وجہ سے بچ گئے۔

شہادت کے دوسرے یا تیسرے دن غاضریہ کے باشندوں نے شہداء کی لاشیں دفن کیں۔

حضرت حسینؓ کا لاشہ بے سر کے دفن کیا گیا۔سر مبارک ابن زیاد کے ملاحظہ کے لئے کوفہ بھیج دیا گیا۔

ابن زیاد کے سامنے جب سر مبارک پیش ہوا تو چھڑی سے لب اور دندان مبارک کو

چھیڑنے لگا۔ حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے۔ ان سے یہ نظارہ نہ دیکھا گیا۔ فرمایا "چھڑی ہٹا لو خدائے واحد کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک کو ان لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے"۔ یہ کہہ کر رو دیئے۔ ابن زیاد بولا' خدا تیری آنکھوں کو ہمیشہ رلائے' اگر تو بڈھا پھوس نہ ہوتا اور تیرے حواس جاتے نہ رہے ہوتے' تو تیری گردن اڑا دیتا۔

ابن زیاد کے یہ گستاخانہ کلمات سن کر آپ نے فرمایا کہ "قوم عرب آج تم نے غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں ڈال لیا۔ تم نے ابن مرجانہ کے کہنے سے حسینؓ بن فاطمہؓ کو قتل کر دیا۔ ابن مرجانہ نے تمہارے بھلے آدمیوں کو قتل کیا اور بڑوں کو غلام بنایا اور تم نے یہ ذلت گوارا کر لی۔ اس لئے ذلیلوں سے دور رہنا بہتر ہے"۔ یہ کہہ کر اس کے پاس سے چلے گئے۔ (سیر صحابہؓ)

علی اکبر کی شہادت اور نونہالان جانبازوں کی شہادت

جب سارے فدایان اہل بیت ایک ایک کر کے جام شہادت پی چکے اور نونہالان اہل بیت کے علاوہ اور کوئی جان نثار باقی نہ رہا تو اہل بیت کرام کی باری آئی اور سب سے اول ریاض امامت کے گل تر خاندان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابندہ اختر علی اکبرؓ میدان میں آئے اور تلوار چمکاتے اور یہ رجز

انا علی بن حسین بن علی　　　و رب البیت ولی بالنبی

"میں حسینؓ ابن علیؓ کا بیٹا علی ہوں۔ خانہ کعبہ کی قسم ہم نبی کے قرب کے زیادہ حق دار ہیں"۔

تاالله لایحکم فینا ابن الدعی

"خدا کی قسم نامعلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا"

پڑھتے ہوئے بڑھے۔ آپ رجز پڑھ پڑھ کر حملہ کرتے تھے اور بجلی کی طرح کوند کر نکل جاتے تھے۔ مرہ بن منقذ تمیمی آپ کی یہ برق رفتاری دیکھ کر بولا' اگر علی اکبرؓ میری طرف سے گزریں تو حسینؓ کو بے لڑکے کا بنا دوں۔ علی اکبرؓ ابھی کم سن تھے' جنگ و جدال کا تجربہ نہ تھا۔ مرہ کا طنز سن کر سیدھے اس کی طرف بڑھے۔ مرہ ایک جہاندیدہ اور آزمودہ کار تھا۔ جیسے ہی علی اکبرؓ اس کے پاس پہنچے اس نے تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ جسم اطہر میں پیوست ہو گیا۔ نیزہ لگتے ہی شامی ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اس گلبدن کے جسم کو جس نے پھولوں کی سیج پر پرورش پائی تھی' ٹکڑے اڑا دیئے۔

ان کی جان نثار پھوپھی جنہوں نے بڑے نازوں سے ان کو پالا تھا' خیمہ کے روزن سے یہ قیامت خیز نظارہ دیکھ رہی تھیں۔ چہیتے بھتیجے کو خاک وخون میں تڑپتا دیکھ کر بے تاب ہوگئیں۔ یارائے ضبط باقی نہ رہا اور یا ابن اخاہ کہتی ہوئی خیمہ سے باہر نکل آئیں اور بھتیجے کی لاش کے ٹکڑوں پر گر پڑیں۔ ستم رسیدہ بھائی حسینؓ نے دکھیاری بہن کا ہاتھ پکڑ کر خیمہ کے اندر کیا' کہ ابھی وہ زندہ تھے۔ اور مخدرات عصمت مآب پر غیر محرموں کی نظر پڑنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ بہن کو خیمے میں پہنچانے کے بعد علی اکبرؓ کی لاش اور اپنے قلب وجگر کے ٹکڑوں کو بھائیوں کی مدد سے اٹھوا کر لائے اور خیمہ کے اندر لٹا دیا۔

یہ بھی بے کسی کا عالم تھا۔ تمام اعزہ واقربا شہید ہو چکے ہیں ایک طرف جاں نثاروں کی تڑپتی ہوئی لاشیں ہیں دوسری طرف جوان مرگ بیٹے علی اکبرؓ کا پاش پاش بدن ہے' تیسری طرف زینب خستہ حال پر غش طاری ہے۔ اس بے کسی کے عالم میں کبھی علی اکبرؓ کی لاش کو دیکھتے ہیں اور کبھی آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہیں کہ آج تیرے ایک وفادار بندے نے تیری راہ میں سب سے بڑی نذر پیش کر کے سنت ابراہیمی پوری کی ہے' تو اسے قبول فرما۔ لیکن اس وقت بھی زبان پر صبر وشکر کے علاوہ شکایت نہیں آتا۔

من ازیں درد گراں نمایہ چہ لذت یابم   کہ بہ اندازۂ آں صبر و ثباتم دادند

خاندان بنی ہاشم کے نونہالوں کی شہادت

حضرت علی اکبرؓ کی شہادت کے بعد مسلم بن عقیل کے صاحبزادے عبداللہ میدان میں آئے۔ ان کے نکلتے ہی عمرو بن صبیح صیدادی نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ یہ تیر قضا بن گیا۔ ان کے بعد جعفر طیار کے پوتے عدی نکلے۔ انہوں نے بھی عمرو ابن تہشل کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ پھر عقیلؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن میدان میں آئے۔ ان کو عبداللہ بن عروہ نے تیر کا نشانہ بنایا۔ بھائی کو نیم بسمل دیکھ کر محمد بن عقیل بے تحاشا نکل پڑے' لیکن لقیط بن ناشر نے ایک ہی تیر میں ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

ان کے بعد حضرت حسنؓ کے صاحبزادے قاسم میدان میں آئے۔ یہ بھی عمرو بن سعد

بن مقبل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔قاسم کے بعد ان کے دوسرے بھائی ابوبکرؓ نے عبداللہ بن عقبہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔امام کے سوتیلے بھائی حضرت عباسؓ نے جب دیکھا کہ جو نکلتا ہے وہ سیدھا حوض کوثر پر پہنچتا ہے اور عنقریب برادر بزرگ تن تنہا ہونے والے ہیں تو بھائیوں سے کہا کہ آقا کے سامنے سینہ سپر ہو جاؤ' اوران پر اپنی جانیں فدا کردو۔

اس آواز پر تینوں بھائی عبداللہؓ جعفرؓ اور عثمانؓ حضرت حسینؓ کے سامنے دیوار آہن بن کر جم گئے اور تیروں کی بارش کو اپنے سینوں پر روکنے لگے اور زخموں سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا تھا۔لیکن ان کی جبیں شجاعت پر شکن تک نہ آئی تھی۔آخر میں ہانی بن ثوب نے عبداللہ اور جعفر کو شہید کر کے اس دیوار آہن کو بھی توڑ دیا اور تیسرے بھائی عثمان کو یزید اصبحی نے تیر کا نشانہ بنایا۔ تینوں بھائیوں کے بعد اب صرف تنہا عباسؓ باقی رہ گئے تھے۔ یہ بڑھ کر حضرت حسینؓ کے سامنے آگئے اور چاروں طرف سے آپ کو بچانے لگے اور اسی ناموس اکبر کی حفاظت میں جان دی۔عباسؓ کے بعد اہل بیت میں خود امام ہمام اور عابد بیمار کے علاوہ کوئی باقی نہ رہ گیا۔

فاعتبروا یااولی الابصار

اللہ اللہ! یہ بھی نیرنگی دہر اور انقلاب زمانہ کا کیسا عجیب اور کیسا عبرتناک منظر ہے کہ جس کے نانا کے گھر کی پاسبانی ملائکہ کرتے تھے آج اس کا نواسہ بے برگ ونوا بے یارومددگار کربلا کے دشت غربت میں کھڑا ہے اور روئے زمین پر خدا کے علاوہ اس کا کوئی حامی ومددگار نہیں۔

غزوۂ بدر میں جس کے نانا کی حفاظت کے لئے آسمان سے فرشتے اترے تھے آج اس کے نواسے کو ایک انسان بھی محافظ نہیں ملتا۔

ایک وہ وقت تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔دشمنان اسلام کی ساری قوتیں پاش پاش ہو چکی تھیں۔رحمت عالم کے دامن عفو وکرم کے علاوہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی۔اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ بغض وعداوت اور دشمنی اور کینہ توزی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ بے

بس و لاچار دربار رسالت میں حاضر کئے گئے تھے۔ایک طرف ان کے جرائم کی طویل فہرست تھی۔دوسری طرف رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت و کرم۔

تاریخ کو معلوم ہے کہ سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سنگین اور اشتہاری مجرم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا؟ قتل کی دفعہ عائد نہیں کی گئی۔جلاوطنی کی سزا تجویز نہیں ہوئی۔ قید خانہ کی چار دیواری میں بند نہیں کیا گیا۔بلکہ ''من دخل دار ابی سفیان فھو امن'' یعنی ''جو شخص ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اس کا جان و مال محفوظ ہے'' کے اعلان کرم سے نہ صرف تنہا ابوسفیان کی جان بخشی فرمائی بلکہ ان کے گھر کو جس میں بارہا مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مشورے ہو چکے تھے۔ دارالامن ''وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین'' کی عملی تفسیر فرمائی گئی۔

ایک طرف یہ رحمت یہ عفو و کرم اور یہ درگزر تھا اور دوسری طرف رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ستم رسیدہ اولاد ہے۔نبوت کا سارا کنبہ ابوسفیان کی ذریات کے ہاتھوں تہ تیغ ہو چکا ہے۔کربلا کا میدان اہل بیت کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے۔جگر گوشہ رسول کی آنکھوں کے سامنے گھر بھر کی لاشیں تڑپ رہی ہیں۔اعزہ کے قتل پر خون آنکھیں بار ہیں۔ بھائیوں کی شہادت پر سینہ وقف ماتم ہے جواں مرگ لڑکوں اور بھتیجوں کی موت پر دل فگار ہے۔لیکن اس حالت میں بھی وحوش و طیور تک کے لئے امان ہے لیکن جگر گوشہ رسول کے لئے امان نہیں اور آج وہی تلواریں جو فتح مکہ میں مفتوحانہ ٹوٹ چکی تھیں دشت کربلا میں نوجوانان اہل بیت کا خون پی کر بھی سیر نہیں ہوئیں اور حسینؓ اس کے خون کی پیاس میں زبانیں چاٹتی ہیں۔لیکن پیکر صبر و قرار حسینؓ حالت میں بھی راضی برضا ہیں اور اس بے بسی میں بھی جادۂ مستقیم سے پاؤں نہیں ڈگمگائے۔(سیر صحابہ)

کربلا کے بعد

لایا جو خون رنگِ دگر کربلا کے بعد
اونچا ہوا حسینؓ کا سر کربلا کے بعد

پاسِ حرم، لحاظِ نبوّت، بقائے دیں
کیا کچھ تھا اُس کے پیشِ نظر کربلا کے بعد

اے رہ نوردِ شوقِ شہادت ترے نثار
طے ہو گیا ہے تیرا سفر کربلا کے بعد

آباد ہو گیا حرم ربِّ رسولؐ کا
ویراں ہوا بتولؓ کا گھر کربلا کے بعد

ٹوٹا یزیدیت کی شبِ تار کا فسوں
آئی حسینیت کی سحر کربلا کے بعد

اک وہ بھی تھے کہ جان سے ہنس کر گزر گئے
اک ہم بھی ہیں کہ چشم ہے تر کربلا کے بعد

جوہرؔ کا شعر صفحۂ ہستی پہ ثبت ہے
پڑھتے ہیں جس کو اہلِ نظر کربلا کے بعد

"قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

○

(۵۱-۱۹۵۵ء)

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ

(جنہیں فرشتوں نے غسل دیا)

ابو عامر قبیلہ اوس (انصار) میں سے تھا۔ جاہلیت میں راہب یعنی درویش کے لقب سے مشہور تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو عبداللہ بن ابی کی طرح یہ بھی از راہ حسد ریشہ دوانیوں اور دسیسہ کاریوں پر اتر آیا۔ عبداللہ بن ابی نے منافقت کو اپنا لیا اور ابو عامر کھل کر مخالفت کرنے لگا مدینہ کو چھوڑ کر مکہ چلا گیا احد کے روز قریش کے ہمراہ آیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد قیصر روم کے پاس چلا گیا اور وہیں اسے موت آئی۔

اللہ کی شان جو مخرج الحی من المیت ہے اس نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ (باپ بیٹا ہم نام تھے) کو ہدایت دی اور وہ مومن صادق ثابت ہوا۔ اسی طرح ابو عامر کے بیٹے حنظلہ کو توفیق بخشی اور وہ مثالی مجاہد فی سبیل اللہ ثابت ہوا۔

حضرت حنظلہ اپنی بیوی سے ہم بستر ہو چکے تھے کہ غزوہ احد کے لئے دربار رسالت سے الرحیل الرحیل کی منادی کی آواز کانوں میں پہنچی ہنوز غسل نہ کر سکے تھے کہ نکل پڑے۔ جنگ بدر میں ابوسفیان کا ایک بیٹا حنظلہ نامی مارا گیا تھا۔ آج ابوسفیان نے حضرت حنظلہ صحابیؓ کو دیکھا تو اس کی آتش انتقام بھڑکی ابوسفیان حملہ آور ہوا۔ حضرت حنظلہ کا پلہ بھاری نظر آیا تو ابوسفیان کی امداد کیلئے ایک شخص اور آگے بڑھا اب حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

بعد میں شہداء کی لاشیں جمع کی گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہ کی زوجہ (جو عبداللہ بن ابی منافق کی بیٹی تھیں) سے دریافت فرمایا میں نے دیکھا کہ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں کیا بات ہے؟ حنظلہؓ کی بیوی نے ماجرا سنایا کہ انہیں غسل کی

ضرورت تھی مگر وہ جلدی میں اٹھ کر چل دیئے تھے۔ فقہ کا مسئلہ ہے کہ شہید کو غسل نہیں دیا جاتا' اسے زخموں سمیت دفن کر دیا جاتا ہے لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ وہ بحالت جنابت شہید ہوا تو اسے غسل دیا جائے گا اس کی دلیل یہی واقعہ ہے۔ (زادالمعاد)

ایک مرتبہ اوس اور خزرج میں مفاخرت ہوئی تو اوس نے کہا دیکھو (۱) غسیل ملائکہ (حنظلہ) ہم میں سے ہیں (۲) مکھیوں نے جس شخص کو دشمن سے بچایا (حضرت عاصم بن ثابتؓ) وہ ہم میں سے ہیں (۳) جس ایک آدمی کی گواہی کو دو کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا (خزیمہ بن ثابتؓ) وہ ہم میں سے ہیں (۴) اور جس شخص کی خاطر اللہ کا عرش ہل گیا تھا (حضرت سعد بن معاذ) وہ بھی ہم میں سے ہیں۔

خزرجیوں نے جواب دیا کہ وہ چار افراد جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پور قرآن یاد کر لیا تھا وہ چاروں ہم میں سے ہیں (۱) زید بن ثابت (۲) ابوزید (۳) معاذ بن جبل (۴) اور ابی بن کعب رضی اللہ عنھم اجمعین وارضاھم اس نزاع کا فیصلہ کرنا ہم گنہگاروں کا کام نہیں ہے ہماری کیا بساط ہے؟ بس ہم تو اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب گلشن محمدی کے پھول ہیں اور۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

رضی اللہ عنہ وارضاہ　(کاروان جنت)

حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ

حارثہ بن سراقہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابی اور صحابی کے بیٹے۔ شہید اور شہید کے بیٹے۔ حضرت حارثہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے اور حضرت سراقہ غزوہ حنین۔ فتح الباری باب فضل من شہد بدرا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حارثہ بدر میں شہید ہوئے اور وہ نوجوان تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے تو حارثہ کی والدہ ربیع بنت نضر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو خوب معلوم ہے کہ مجھ کو حارثہ سے کس قدر محبت تھی پس اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھوں اور اگر دوسری صورت ہے تو پھر آپ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کروں گی یعنی خوب گریہ وزاری کروں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا دیوانی ہوگئی۔ ایک جنت نہیں اس کیلئے بہت سی جنتیں ہیں اور بتحقیق وہ بلاشبہ جنت الفردوس میں ہے۔

(روشن ستارے)

ستر حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کا سانحہ

محمد بن اسحاق اور عبداللہ بن ابی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت کی بناء پر اس طرح بیان کی ہے کہ عامر بن مالک بن جعفر عامری جس کا لقب ملاعب الاسنہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دو گھوڑے اور دو اونٹنیاں ہدیہ میں پیش کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمادیا میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارا ہدیہ قبول کرلوں تو مسلمان ہو جاؤ۔ وہ مسلمان نہیں ہوا لیکن اسلام سے دور بھی نہیں گیا۔ (یعنی نفرت کا اظہار بھی نہیں کیا) اور بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس چیز کی تم دعوت دیتے ہو وہ ہے تو اچھی خوبصورت پس اگر تم اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو اہل نجد کے پاس (دعوت دینے کے لئے) بھیج دو تو مجھے امید ہے کہ وہ تمہاری دعوت قبول کرلیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اہل نجد کی طرف سے اپنے آدمیوں کا خطرہ ہے۔ ابو براءؓ بولا میں ان کی پناہ کا ذمہ لیتا ہوں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر ساعدی کو ستر منتخب انصاری صحابہؓ کا سردار بنا کر سب کو بھیج دیا۔ ان ستر آدمیوں کو قاری کہا جاتا تھا (یعنی یہ سب قاری اور عالم قرآن تھے) انہی میں حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ یہ روانگی ماہ صفر ۴ھ میں ہوئی، غرض یہ لوگ چل دیئے اور بیر معونہ پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ بیر معونہ کی زمین بنی عامر کی زمین اور بنی سلیم کے پتھریلے علاقہ کے درمیان واقع تھی یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے حضرت حرامؓ بن ملحان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک دے کر بنی عامر کے کچھ

آدمیوں کے ساتھ عامر بن طفیل کے پاس بھیجا' حضرت حرامؓ نے پہنچ کر کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں تمہارے پاس آیا ہوں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ' حضرت حرامؓ کی تبلیغ کے بعد ایک شخص نیزہ لے کر گھر کی جھونپڑی سے برآمد ہوا اور آتے ہی حضرت حرامؓ کے پہلو پر برچھا مارا جو دوسرے پہلو سے نکل گیا۔ حضرت حرامؓ فوراً بول اٹھے' اللہ اکبر' رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنی عامر کو ان صحابیوںؓ کے خلاف چیخ کر آواز دی بنی عامر نے اس کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بولے ابو براء کی ذمہ داری کو نہ توڑ' عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے قبائل عصیہ' رعل اور ذکوان کو پکارا انہوں نے آواز پر لبیک کہی اور نکل کر صحابہؓ پر چھا گئے اور فرودگاہ پر آ کر سب کو گھیر لیا۔ صحابہؓ نے مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب شہید ہو گئے' صرف کعبؓ بن زید بچ گئے اور وہ بھی اسی طرح کہ کافران کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے مگر ان میں کچھ سانس باقی تھے اس لئے زندہ رہے اور آخر خندق کی لڑائی میں شہید ہو گئے۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی جس میں کچھ قبائل عرب یعنی رعل ذکوان عصیہ اور بنی لحیان کے لئے بددعا کی۔

حضرت حرام بن ملحان اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما اور دیگر شرکائے سریہ بیر معونہ

غزوہ احد ماہ شوال ۳ھ میں پیش آیا تھا۔اس میں مسلمانوں کو اپنی ایک لغزش کے باعث شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا واپس جاتے ہوئے قریش مکہ یہ دھمکی دے کر گئے تھے کہ آئندہ سال پھر بدر کے مقام پر ہمارا تمہارا سامنا ہوگا۔قریش کے علاوہ آس پاس کے دوسرے مشرک قبائل کے حوصلے بھی کچھ بلند ہو گئے وہ لوگ بھی مسلمانوں کے برخلاف منصوبے بنانے لگ گئے۔چنانچہ غزوۂ احد سے چار ماہ بعد ماہ صفر ۴ھ میں دو نہایت المناک سانحے پیش آئے ایک تو رجیع کا واقعہ جو پیچھے گزر چکا ہے۔دوسرا بیر معونہ کا واقعہ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ابو براء عامر بن مالک عامری ایک قبائلی سردار تھا۔وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی تبلیغ فرمائی۔یہ نہ تو اسلام لے آیا نہ کھل کر مخالفت کی بلکہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بڑی اچھی ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ مبلغ میرے ہمراہ کر دیں اور وہ جا کر میری قوم کو تبلیغ کریں تو مجھے امید ہے کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہو جائیں گے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جماعت کے بارے میں بعض خطرات کا اظہار فرمایا تو براء نے کہا میں ان کی حفاظت کا ضامن ہوں۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ کی ایک جماعت حضرت منذر بن عمروؓ کی امارت میں روانہ فرما دی۔یہ حضرت قراء کہلاتے تھے۔

جب یہ لوگ بیر معونہ کے قریب پہنچے تو وہاں پڑاؤ کیا۔سالار دستہ نے حضرت حرامؓ کو نامہ گرامی دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا وہ اپنے ساتھ دو آدمی اور لے کر روانہ

ہوئے۔ ان میں سے ایک صاحب لنگڑے تھے حضرت حرامؓ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ میں اکیلا آگے جاؤں گا۔ تم میرے قریب رہنا۔ اگر آگے صورتحال اطمینان بخش ہوئی تو ٹھیک اگر وہ مجھے قتل کر دیتے ہیں تو تم واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو بتا دو گے' چنانچہ وہ خط لے کر آگے بڑھے۔ عامر بن طفیل نے سفارتی آداب کو یکسر بالائے طاق رکھ کر خط کو کھول کر پڑھنے کی بجائے ایک آدمی کو اشارہ کیا اس نے پیچھے سے آ کر نیزہ حضرت حرامؓ کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔ ان کی زبان سے آخری جملہ یہ نکلا اللہ اکبر' فزت و رب الکعبة (رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا) اب عامر بن طفیل نے اپنے قبیلے کو بلایا تا کہ مسلمان مندوبین کو ختم کیا جا سکے مگر انہوں نے کہا ہمارا سردار براء ان کو اپنی امان میں لے آیا ہے ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد عامر نے دوسرے قبائل رعل اور ذکوان وغیرہ کو بلایا۔ وہ لوگ اس کے ساتھ ہو لئے۔ اب کم و بیش ایک ہزار مسلح افراد نے ستر صحابہ کو گھیرے میں لے لیا لشکر کے تمام صحابہؓ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ صرف ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ بچ گئے تھے وہ اس طرح کہ وہ اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے دور سے اس جگہ پر پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھا تو واپس آئے۔ تمام (رفقاء) شہید ہو چکے تھے۔ دشمن کے سوار وہاں موجود تھے۔ انہوں نے عمرو بن امیہ کو زندہ گرفتار کر لیا۔ عامر بن طفیل کی ماں کے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنے کی منت تھی۔ عامر نے ان کے پیشانی کے بال کاٹ کر ایفاء نذر کے طور پر انہیں آزاد کر دیا۔ انہوں نے واپس آ کر مفصل صورت حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی۔ اسی روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ رجیع کی اطلاع ملی تھی۔

بخاری شریف کے مطابق عامر بن طفیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیغام بھیجا تھا کہ تین باتوں میں سے ایک چن لیں۔ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکومت کو میرے ساتھ بانٹ لیں۔ دیہاتی علاقے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے لیں' شہر میرے حوالے کر دیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کر دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکمران میں ہوں گا۔ ورنہ تو طاقت ور غطفانی لشکر لے کر آ جاؤں گا۔ (بخاری ۵۸۶)

جب عامر بن طفیل نے عمرو بن امیہ کو آزاد کردیا تو اس نے تمام شہداء کے بارے میں ان سے دریافت کیا۔ وہ جواب دیتے رہے۔ آخر میں پوچھا۔ کیا تمہارا کوئی ایسا ساتھی بھی ہے جو تمہیں نظر نہ آرہا ہو۔ انہوں نے جواب میں کہا ہاں ایک صحابی عامر بن فہیرہؓ نظر نہیں آئے۔ عامر بن طفیل نے کہا میں نے دیکھا کہ قتل ہونے کے بعد اس کی لاش اوپر آسمان کی طرف جارہی ہے۔

حضرت عامر بن فہیرہؓ کے قاتل جابر سلمی کا بیان ہے کہ جب میں نے عامر کو نیزہ مارا اور وہ پار ہوگیا تو میں نے عامر کو یہ کہتے سنا فزت و اللہ (خدا کی قسم! میں کامیاب ہوگیا) اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کی لاش آسمان کی طرف جارہی ہے۔ پھر میں ضحاک بن سفیان کلابی (جو مسلمان تھے) کے پاس جاکر عامر کے آخری بول کا مطلب دریافت کیا' تو ضحاک نے بتایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی قسم! مجھے جنت مل گئی۔ اس کے بعد جابر نے ضحاک کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اللھم اکفنی عامرا۔ اس کی قبولیت یوں ظاہر ہوئی کہ جب عامر کی کارستانی کا علم اس کے چچا ابو براء کو ہوا تو اسے بڑا رنج پہنچا کہ عامر نے میری امان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ یہاں تک کہ صدمے کی تاب نہ لاکر وہ شخص فوت ہوگیا اس لئے اس کے پسماندگان کا غم دہرا ہوگیا۔ چنانچہ اس کے بیٹے ربیعہ نے عامر کے سر میں نیزہ مارا جس سے اس کے سر میں رسولی کی شکل کا ایک زخم ہوگیا اور یک بارگی مرجانے کی بجائے وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جہنم رسید ہوا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ بیر معونہ کے شہداء نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ! ہمارے ساتھیوں کو اطلاع کردیجئے۔

حضرت حارث بن ابی حالہ رضی اللہ عنہ

جب اسلام کی اعلانیہ تبلیغ کا حکم ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے اس کو صاف صاف کہہ دیجئے (فاصدع بما تؤمر ۔ الحجر۔۶)

اس وقت مسلمانوں کی تعداد صرف چالیس کے قریب تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہو کر قریش کو پکارا۔ جب مجمع اکٹھا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یا معاشر القریش! میں تم کو ایک اللہ کی عبادت کا پیغام دیتا ہوں بس تم اس کو قبول کرو"۔

قریش مکہ کے نزدیک یہ جرم کی سب سے بڑی توہین تھی کہ کوئی ان کے بتوں کو باطل کہے اور کسی اور معبود کی طرف بلائے۔ اس لئے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات بہت ناگوار گزری۔ دفعتہً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ قریش برہم ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑے۔

حضرت حارثؓ بن ابی حالہ رضی اللہ عنہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جاں نثار اور شیدائی تھے ان کو اس بات کی خبر ہوئی تو فوراً آپ کو بچانے کے لئے دوڑتے ہوئے آئے۔ دیکھا کہ قریش سب طرف سے رسول اللہ کو گھیرے ہوئے ہیں اور (نعوذ باللہ) شہید کر دینا چاہتے ہیں۔ حارثؓ بن ابی حالہؓ کی سمجھ میں آپ کو بچانے کی کوئی ترکیب نہیں آئی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اس طرح جھک گئے کہ کوئی وار تلوار کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ہو۔ سب طرف سے کفار کی تلواریں ان کے اوپر پڑنے لگیں۔ یہاں تک کہ یہ موقع پر ہی شہید ہو گئے اور اسلام کے شہید اول کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

ترک جان و ترک مال و ترک سر   در طریق عشق اول منزلست

(اصابہ، احوال الصحابہ)

حضرت حسیل بن الیمان رضی اللہ عنہ

ان صحابیؓ کی کنیت ابوحذیفہ تھی اور اسی کے نام سے وہ مشہور ہوئے۔ والد کا نام جابر بن عمرو ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حسیلؓ کے دادا کا نام یمان تھا اس لئے ان کے والد بھی یمان کے نام سے مشہور ہو گئے۔ حسیل یا ان کے دادا نے بنوعبدالاشہل کی خاتون ربابؓ بنت کعب سے شادی کر لی۔ چونکہ یمنی تھے اس لئے یمانی کہلانے لگے۔

آپ غزوے کے لئے نکلے لیکن راستے میں مشرکین مکہ کے ہتھے چڑھ گئے۔ مشرکین نے ان سے قسم لے کر چھوڑا کہ وہ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ انہوں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپؐ نے فرمایا: "اپنے عہد پر قائم رہو اور گھر واپس جاؤ' باقی رہی فتح ونصرت تو وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اسی سے طلب کرتے ہیں۔" (صحیح مسلم)

۳ ہجری میں اس غزوے میں آپ نے اپنے بیٹے حضرت حذیفہؓ کے ساتھ شرکت کی۔ حضرت حسیل رضی اللہ عنہ ضعیف العمر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دوسرے صحابی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن وقش کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے پاس حفاظت کے لئے ایک ٹیلے پر بٹھا دیا۔ میدان جنگ میں شدت آئی تو دونوں بزرگوں کو جوش آ گیا اور تلواریں سونت کر میدان میں کود پڑے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے شہید کر دیا۔ حضرت حسیل رضی اللہ عنہ کو مسلمان افراتفری میں پہچان نہ سکے اور ان پر تلواریں چلا دیں۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہی شہید ہو گئے۔

آپ نے صبر سے کام لیا اور قاتلین کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جیب خاص سے ان کی دیت ادا فرمائی لیکن حضرت ابوحذیفہؓ نے اسے مسکینوں پر تقسیم فرما دیا۔ (اصابہ۔ اسد الغابہ۔ استیعاب) (روشن ستارے)

حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... خنیس نام، ابوحذیفہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی قرشی، ام المومنین حضرت حفصہ پہلے ان ہی کی زوجیت میں تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔

اسلام وہجرت...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے سے پہلے آپ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے اور پھر وہاں سے مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں اور ابی عبس بن جبیر میں مواخاۃ کرادی۔

غزوات وشہادت...... سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں تلوار لے کے جوہر دکھائے پھر احد میں شریک ہوئے اور میدان جنگ میں زخم کھایا۔ زخم کاری تھا۔ اس سے جان بر نہ ہو سکے اور اسی صدمہ سے ۳ ہجری میں مدینہ میں وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ وفات کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔ (سیر صحابہ)

سیدنا خیثمہ رضی اللہ عنہ اور انکے صاحبزادے سعد رضی اللہ عنہ

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نیکی کے کاموں میں جان چھڑانے کی کوشش نہیں کرتے' بلکہ مسابقت سے کام لیتے تھے اس کی ایک عمدہ مثال یہ واقعہ ہے کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر باپ بیٹے میں قرعہ اندازی ہوئی کہ دونوں میں سے کون جائے۔ قرعہ بیٹے کے نام نکل آیا اور وہ روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے شہادت کا رتبہ حاصل کر لیا۔ باپ کے دل میں قلق رہا کہ اس کے اقبال کا ستارہ کب طلوع ہوگا کہ احد کا معرکہ پیش آ گیا۔

ایک رات باپ نے بیٹے کو خواب میں دیکھا کہ نہایت عمدہ شکل وضع میں ہے اور بہشت کی نہروں اور پھلوں میں مزے لوٹ رہا ہے۔ بیٹا کہتا ہے ابا جان۔

الحق بنا ترافقنا فی الجنۃ (زاد المعاد ص ۲۴۲ ج ۲) (آپ بھی ہمارے پاس آ جائیں' ہمارا ایک ساتھ بہشت میں رہنا خوب رہے گا۔)

باپ نے یہ خواب بارگاہ نبوت میں پیش کر کے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہشت میں بیٹے کی رفاقت میرے دل کی سب سے بڑی خواہش ہے مگر حال یہ ہے کہ میں عمر رسیدہ ہوں میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اس کے باوجود جلد از جلد اپنے رب کے حضور میں پہنچ جانا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائیں تاکہ میں جنت میں بیٹے کا رفیق بنوں۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے قبولیت میں دیر نہ لگی۔ احد کا واقعہ پیش آ گیا جس میں شہادت کے طلب گار کو اس کا مدعا مل گیا۔

لے کے آیا ہے جہاں میں عادت سیماب تو — تیری بے تابی کے صدقے ہے عجب بے تاب تو

یہ باپ بیٹا کون تھے؟ باپ کا نام خیثمہ اور بیٹے کا نام سعد تھا۔ ان کا تعلق انصار کی شاخ اوس سے تھا۔ (سیر صحابہ)

خیثمہ بن حارث رضی اللہ عنہ انصاری

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے غزوہ بدر کے موقع پر حضرت خیثمہؓ نے اپنے فرزند حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ تم گھر پر رہو میں جہاد کیلئے جاتا ہوں۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں آپؓ کو اپنے پر ترجیح دیتا مگر اب یہی عرض کروں گا کہ آپ گھر پر ٹھہریئے اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے دیجئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے رتبہ شہادت پر فائز کریں گے۔ لیکن حضرت خیثمہؓ نے جہاد پر جانے کے لئے اصرار کیا، آخر اس بات پر فیصلہ ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے جس کا نام نکل آئے وہی جائے، قرعہ ڈالا گیا تو حضرت سعدؓ کا نام نکلا چنانچہ اس غزوہ میں انہیں ہم رکابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کے ساتھ ساتھ شرف شہادت بھی نصیب ہوا۔

اگلے سال غزوہ احد کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب حضرت سعدؓ کے والد حضرت خیثمہؓ تھے جو بہادری سے لڑے اور جام شہادت پی کر شہید بیٹے کے پاس جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ (۳۱۳ روشن ستارے)

حضرت خالد بن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کی ابتداء ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی ہجرتوں کے باعث ''ذوالہجر تین'' کہلائے حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں فحل کی مہم پر روانہ ہوئے اسی سفر میں ام حکیم نامی خاتون سے نکاح کیا اور مرج صفر پہنچ کر بیوی سے ملنے کی تیاریاں شروع کیں بیوی نے کہا بہتر ہوتا کہ اس معرکہ کے بعد اطمینان سے ملنا ہوتا کہا میرا دل کہتا ہے کہ اس لڑائی میں جام شہادت پیوں گا اس لئے لڑائی سے پہلے تمہیں مل لینا چاہتا ہوں چنانچہ میدان جنگ میں رات بیوی کے پاس ٹھہرے، صبح احباب کی دعوت کی دن چڑھے رومیوں نے حملہ کیا حضرت خالدؓ میدان میں نکلے اور اپنی پیشین گوئی کے مطابق اسی لڑائی میں بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

حضرت خبیب بن عدی حضرت عاصم بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہم

جنگ احد کے بعد سفیان بن خالد ہذلی چند آدمیوں کے ہمراہ مکہ شریف گیا اور روساء قریش کو احد میں کامیابی پر مبارک دی۔ کسی گلی میں سے گزر رہا تھا کہ بین کی آواز اس کے کانوں میں پہنچی۔ ایک عورت کے چند عزیز (شوہر اور چار بیٹے) جنگ میں مارے گئے تھے ان کے ماتم میں نوحہ ہو رہا تھا۔ سفیان نے اس عورت سے تعزیت کی۔ اس نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک میں مقتولین احد کا بدلہ نہ لے لوں اور عاصم بن ثابتؓ (انصاری صحابی) کی کھوپڑی میں شراب نہ پی لوں، بالوں کو تیل نہیں لگاؤں گی۔ سفیان کی خیر خواہی اور ہمدردی کی باتیں سن کر اس سے تعاون کی طلب گار ہوئی۔ کہا اگر تم عاصم بن ثابت

'طلحہ یا زبیر کو پکڑ کر زندہ مجھے لا دو یا اس کا سر کاٹ کر لا دو میں فی کس سو اونٹ انعام میں دوں گی۔ وہ بد بخت انعام کے لالچ میں اس کی تدبیر سوچنے لگ گیا چنانچہ کئی آدمی ہمراہ لے کر ازراہ منافقت مدینہ منورہ آیا اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر کے درخواست کی کہ چند آدمی ہمارے قبیلوں کو دین کی تعلیم دینے کے لئے ہمارے ساتھ روانہ کر دئے جائیں۔ ان خبیثوں نے رہائش حضرت عاصمؓ کے والد کے گھر میں رکھی حضرت عاصمؓ سے بڑی محبت کا اظہار کرتے اور ان سے کہتے کہ تم ہمارے ساتھ ضرور چلو وہ فرماتے ان شاء اللہ ضرور چلوں گا۔ آخر کار دو چار روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ یا سات آدمی روانہ فرما دئے۔ حضرت عاصم اور حضرت خبیب بن عدیؓ بھی ان میں شامل تھے سفیان پہلے چلا گیا تھا۔ اس خبیث نے رجیع کے مقام پر دو سو مشرکین کے ہمراہ ان لوگوں کو آ لیا جب ان صحابہ نے خلاف توقع یہ صورتحال دیکھی تو کہا ماشاء اللہ۔ اگر ہمارے حق میں شہادت کا اجر لکھا ہے تو ہم پیچھے کیوں ہٹیں۔ مقابلہ شروع ہوا دو آدمی حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ گرفتار ہو گئے۔ باقی حضرات نے جام شہادت نوش کیا۔

حضرت عاصم بن ثابتؓ بھی شہید ہو گئے۔ کافر چاہتے تھے کہ ان کا سر کاٹ کر مکہ کی کافرہ تک پہنچائیں اور انعام وصول کریں مگر قدرت نے ایک انتظام کر دیا کہ شہد کی مکھیوں یا بھڑوں کا ایک غل وہاں پہنچ گیا اور حضرت عاصمؓ کے جسم کی پاسبانی کرنے لگا کافروں نے کہا اچھا رات کے وقت یہ غول چلا جائے گا ہم اس وقت عاصم کا سر کاٹ لیں گے مگر رات کو پانی کا ایک ریلا آیا اور حضرت عاصم کی نعش کو بہا کر لے گیا۔

یوں مشرکین کے حصے میں آخرت کے علاوہ دنیوی خسران بھی آیا۔

حضرت خبیب اور حضرت زیدؓ کو کافروں نے مکہ لے جا کر فروخت کر دیا یہ واقعہ ماہ ذیقعدہ میں پیش آیا۔ ذی الحجہ گزر جانے کے بعد دونوں کو شہید کر دیا گیا۔

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ

اسم گرامی عاصمؓ کنیت ابوسلمان اور تعلق قبیلہ اوس ہے۔

ہجرت سے قبل اسلام لائے۔

غزوۂ بدر میں انہوں نے عقبہ بن معیط کو قتل کیا جو قریش کا ایک اہم سردار تھا۔

۳ھ میں غزوہ رجیع میں انہی کی ماتحتی میں دس آدمیوں کو دشمن کی جاسوسی کے لئے بھیجا تو عسفان اور مکہ کے درمیان ہدہ کے مقام پر بنولحیان کے سو تیر اندازوں نے انہیں آگے بڑھنے سے روکا اور ان کا تعاقب کیا۔ حضرت عاصمؓ کو پتہ چلا تو ساتھیوں کو لے کر پہاڑی پر چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے آکر محاصرہ کرلیا اور امن کی شرط دے کر نیچے اترنے کو کہا مگر حضرت عاصمؓ نے فرمایا مسلمانو! میں کسی کافر کا ذمہ نہ رہوں گا پھر فرمایا خدایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری خبر کردے۔

یہ دیکھ کر کافروں نے تیر برسانا شروع کردئے جس سے آپ اپنے چھ ساتھیوں سمیت شہید ہوگئے۔

حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقبہ کے ساتھ طلحہ کے دو بیٹوں کو بھی قتل کیا تھا ان کی ماں سلافہ نے منت مانی تھی کہ عاصم کا سر ملے تو میں کھوپڑی میں شراب پیئوں گی۔

چنانچہ آپؓ کی شہادت پر قریشیوں نے آپ کا سر مبارک سلافہ کے ہاتھ فروخت کردیا۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے برداشت نہ کیا وہ سر کاٹنے آئے تو شہد کی مکھیوں نے نہ کاٹنے دیا' انہوں نے سوچا رات کو کاٹ لیں گے' رات کو بارش آئی جس کے سیلاب سے آپ کا جسد اطہر بہہ گیا اور ان کی دسترس میں نہ رہا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضا۔

شہادت اور جسد مبارک کی غیبی حفاظت

حضرت عاصم بن عمرو بن قتادہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ صحابہ بھیجے اور ان کا امیر حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا۔ ان میں حضرت عاصم بن ثابت اور حضرت خالد بن البکیر بھی تھے۔ جب یہ رجیع پر پہنچے تو ہذیل نے ان کے خلاف

چڑھائی کی۔ حضرت مرثد اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا اللہ کی قسم ہم نہ مشرک کا کوئی عہد قبول کرتے ہیں اور نہ کسی کا تعاون چاہتے ہیں چنانچہ ان کے خلاف لڑائی کی حتیٰ کہ ہذیل والوں نے انہیں شہید کر دیا اور ہذیل والوں نے جب حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تو انہوں نے ارادہ کیا ان کا سر سلافہ بنت سعد بن شہید کے ہاتھ بیچیں گے کیونکہ جب اس کے دو بیٹے احد میں مارے گئے تھے تو اس نے منت مانی تھی کہ اگر وہ کر سکی تو عاصم کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی لیکن انہیں حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر کاٹنے سے شہد کی مکھیوں نے روک دیا۔ جب بھڑوں نے انہیں حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد تک نہ پہنچنے دیا تو انہوں نے کہا ابھی چھوڑ دو حتیٰ کہ جب شام ہو گی تو بھڑ اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے پھر ہم اس کا سر اتار لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وادی میں سیلاب بھیج دیا جو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد کو بہا کر لے گیا اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اپنی زندگی میں) اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے اور نہ کوئی مشرک انہیں ہاتھ لگانے پائے یہ مشرکین کے ناپاک ہونے کی وجہ سے کہا تھا۔

حضرت عمر بن الخطاب کو جب پتہ چلا کہ بھڑوں نے ہذیل والوں کو روک لیا ہے تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندے کی حفاظت کی ہے۔ (روشن ستارے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگ موتہ کے علاوہ فتح مکہ غزوۂ حنین غزوۂ تبوک سریہ بنو خزیمہ سریہ نجران سریہ یمن سریہ عزیٰ میں شریک رہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے لئے آپ کی تلوار بے نیام رہی۔ طلیحہ' مجاعہ اور مسیلمہ کے حوالی موالی تہ تیغ کئے۔ بنو اسد و غطفان نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا۔ ان سے نبرد آزما رہے۔ ہر معرکہ میں اللہ رب العزت کی نصرت سے کامیابی حاصل کی۔ طبری کے الفاظ ہیں۔

"ان الفتوح فی اھل الردۃ کلھا کانت لخالد بن ولید وغیرہ"۔

یعنی ارتداد میں جتنی بھی فتوحات ہوئیں وہ خالد بن ولید وغیرہ کے کارنامے ہیں۔

ان کے ایمان کے اسباب اللہ تعالیٰ نے تیار کئے اور ان کو خواب میں نظر آیا کہ وہ ایسی

آگ کے کنارے کھڑا ہے۔ جس آگ کی وسعت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے دیکھا اس کے والد اس کو اس وسیع آگ میں دھکا دے رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس انداز سے اس کو پکڑے ہوئے ہیں کہ وہ نہ گرے۔

اس خواب سے وہ اس قدر گھبرا گیا کہ نیند سے بیدار ہو گیا اور اپنے آپ سے مخاطب ہوا کہ اللہ کی قسم یہ سچا خواب ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے صورتحال سے واقف کیا انہوں نے فرمایا کہ آپ کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں (کیونکہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے) کہ آپ اس دین اسلام کی اتباع کریں جو اسلام آپ کو آگ میں گرنے سے بچا لے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کو خواب کی تعبیر بتانے میں مہارت تامہ حاصل تھی ان کی تعبیر پر بجا طور پر لوگ یقین کرتے تھے اور پھر خواب بھی ایسا خوفناک جس کی تعبیر بالکل واضح تھی اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مشورہ بھی کافی موثر تھا ان چیزوں نے قلب پر ایسا میلان پیدا کیا کہ سیدھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد! آپ کس کی طرف بلاتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس اکیلے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندہ اور اس کا رسول ہے اور یہ کہ ایسے پتھروں کی عبادت چھوڑ دو جو پتھر نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ کچھ نفع دیتے ہیں نہ نقصان اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ کون عبادت کر رہا ہے کون نہیں؟

دل کی حالت تو پہلے سے بدلی ہوئی تھی' اس جواب کو سنتے ہی زبان سے بھی اقرار کر لیا ''انی اشهد ان لا اله الا الله و اشهد انک رسو ل الله'' ان کے ایمان لانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوئی مگر ان کے دل میں اپنے والد کا خوف تھا اس لئے چھپے رہے' آخر کب تک چھپتے کسی طرح ان کے والد کو معلوم ہو گیا۔ والدہ کو معلوم ہونا تھا کہ ان کی آزمائش کی گھڑی شروع ہو گئی۔ والد نے اپنے بیٹوں کو بھیجا تا کہ وہ پکڑ کر ان کو والد کے پاس پہنچا دیں۔ جب پیش ہوئے تو ان کے والد نے سر پر مارانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ لکڑی ٹوٹ گئی اور غیرت دلانا شروع کیا کہ جس محمد نے اپنی قوم کی مخالفت کی اپنی قوم کے معبودوں کو برا بھلا کہا اپنے آباواجداد کے عیب نکالے اس محمد کی تم پیروی کرتے ہو؟

لیکن یہ مار یہ طعنہ زنی اب [illegible] کا قلعہ مضبوط ہو چکا تھا'

جواب دیا کہ ان سب کے باوجود میں نے ان کی اتباع کر لی۔

بیٹے کے اس جواب نے باپ کے غصے میں اضافہ کر دیا' کہا کمینہ! جاؤ جہاں مرضی ہو جاؤ' اللہ کی قسم میں تیرا کھانا بند کر دوں گا' مگر ایمان دل میں داخل ہونے کے بعد آدمی روزی کا خوف نہیں کھا سکتا۔ اسے معلوم ہے کہ روزی دینے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی ہے چنانچہ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ اگر آپ مجھے روزی نہیں دیں گے اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرمائیں گے۔

باپ نے ان سے ناامید ہونے کے بعد ان کو اپنے گھر سے نکال دیا اور دوسرے بیٹوں سے مخاطب ہوا کہ اگر کسی نے خالد سے بات کی تو میں اس سے بھی ایسا ہی معاملہ کروں گا جیسا معاملہ اس کے ساتھ کیا۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان باتوں کی پرواہ نہ تھی سیدھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی صحبت اختیار کر لی اور آپ کے ساتھ زندگی گزارنے لگے۔

لیکن ان کی آزمائش ابھی ختم نہیں ہوئی' اب بھی وہ ظلم وستم کا نشانہ بنتے تھے اس لئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت عنایت فرمائی تو یہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ اس قافلہ میں شامل ہو گئے۔

اور وہاں سے اس وقت لوٹے جب مسلمان فتح خیبر کی خوشی منا رہے تھے' اس لئے ان کو غزوۂ خیبر اور اس سے پہلے کے غزوات میں شریک ہونے کا موقع نہ مل سکا جس پر ان کو افسوس تھا بعد کے غزوات میں برابر شریک ہوتے رہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں اور وہ مدینہ کے ان گنے چنے افراد میں سے تھے جن کو لکھنے پڑھنے میں مہارت تھی اس لئے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک تحریر فرماتے تھے۔

ان کی فراست وتدبر اور انتظامی صلاحیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی علاقہ کا گورنر منتخب فرمایا ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر بنایا تھا جس کی ذمہ داری یہ بخوبی انجام دیتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مختلف معرکوں میں داد شجاعت دیتے رہے اور معرکہ فحل میں جام شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ (۳۱۳ روشن ستارے)

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی اپنے چار بیٹوں سمیت جنگ میں شرکت

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا مشہور شاعرہ ہیں۔ اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آ کر مسلمان ہوئیں۔ ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی عورت نے ان سے بہتر شعر نہیں کہے۔ نہ ان سے پہلے نہ ان کے بعد۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ۱۶ھ میں قادسیہ کی لڑائی ہوئی جس میں خنساءؓ اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں۔

لڑکوں کو ایک دن پہلے بہت نصیحت کی اور لڑائی کی شرکت پر بہت ابھارا کہنے لگیں کہ میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے ہو اور اپنی ہی خوشی سے تم نے ہجرت کی۔

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو۔ میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا' نہ میں نے تمہاری شرافت پر کوئی دھبہ لگایا نہ تمہارے نسب کو میں نے خراب کیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کے لئے کافروں سے لڑائی میں کیا کیا ثواب رکھا ہے۔ تمہیں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آخرت کی باقی رہنے والی زندگی دنیا کی فنا ہونے والی زندگی سے کہیں بہتر ہے اللہ جل شانہ کا پاک ارشاد ہے۔

یآ یھا الذین امنوا اصبروا و صابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون (النساء ۴: ۲۰۰)

''اے ایمان والو! تکالیف پر صبر کرو (اور کفار کے مقابلہ میں) صبر کرو اور مقابلہ کے لئے تیار رہو تا کہ پورے کامیاب ہو۔'' (بیان القرآن)

لہٰذا کل صبح کو جب تم صحیح وسالم اٹھو تو بہت ہوشیاری سے لڑائی میں شریک ہو اور اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد مانگتے ہوئے بڑھو اور جب تم دیکھو کہ لڑائی زوروں پر آ گئی اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے تو اس کی گرم آگ میں گھس جانا اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرنا۔ ان شاء اللہ جنت میں اکرام کے ساتھ کامیاب ہو کر رہو گے۔

چنانچہ جب صبح کو لڑائی زوروں پر ہوئی تو چاروں لڑکوں میں سے ایک ایک نمبروار آگے بڑھتا تھا اور اپنی ماں کی نصیحت کو اشعار میں پڑھ کر امنگ پیدا کرتا تھا اور جب شہید ہو جاتا تھا تو اسی طرح دوسرا بڑھتا تھا اور شہید ہونے تک لڑتا رہتا تھا بالآخر چاروں شہید ہوئے اور جب ماں کو چاروں کی شہادت کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ان کی شہادت سے مجھے شرف بخشا۔ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اس کی رحمت کے سایہ میں ان چاروں کے ساتھ میں بھی رہوں گی۔ (اسد الغابہ)

ایسی بھی اللہ کی بندی مائیں ہوتی ہیں جو چاروں جوان بیٹوں کو لڑائی کی تیزی اور زور میں گھس جانے کی ترغیب دیں اور جب چاروں شہید ہو جائیں اور ایک ہی وقت میں سب کام آ جائیں تو اللہ کا شکر ادا کریں۔ (حکایات صحابہ)

حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب: حارث نام ہے۔ ابوسعید کنیت' قبیلہ خزرج کے خاندان سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے حارث بن صمہ بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن عامر (مبذول) بن مالک بن نجار۔

اسلام: ہجرت سے قبل اسلام لائے۔

حضرت صہیب رومیؓ سے جو راہ خدا میں سخت سے سخت مصیبتوں کا مقابلہ کر چکے' اخوت قائم ہوئی۔

غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روحاء نام ایک مقام پر پہنچے تھے کہ چوٹ آ گئی۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ واپس کر دیا اور غنیمت واجر میں شامل فرمایا۔

غزوۂ احد میں جبکہ تمام لوگ منتشر ہو گئے تھے۔ حارث نے نہایت پامردی سے داد شجاعت دی اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کو قتل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تمام سامان ان کو دیدیا۔ ان کے علاوہ اس غزوۂ میں اور کسی مسلمان کو کسی کافر کا سامان نہیں دیا۔

اسی معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث سے پوچھا کہ تم نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو دیکھا ہے؟ بولے پہاڑ کی طرف مشرکین کے نرغے میں تھے۔ میں نے چاہا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑ گئی تو اس طرف چلا آیا۔ ارشاد ہوا ان کو فرشتے بچا رہے ہیں۔ حارث حضرت عبدالرحمٰن عوف کے پاس گئے۔ دیکھا تو ان کے سامنے سات آدمی پچھڑے پڑے ہوئے ہیں۔ پوچھا' یہ سب تم ہی نے مارے ہیں؟ بولے ارطاط اور فلاں فلاں کو تو میں نے قتل کیا ہے۔ باقی ان لوگوں کے قاتل مجھ کو نظر نہیں آئے۔ حارث نے کہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل صحیح فرمایا تھا۔

شہادت: بیر معونہ کے معرکہ میں عمرو بن امیہ کے ساتھ کسی درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ چیلیں اور دوسرے پرندے نظر آئے۔ یہ عمرو کو ساتھ لے کر اسی سمت چلے۔ دیکھا تو مسلمانوں کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ عمرو سے کہا بولو! کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں۔ کہا تو پھر کیا دیکھتے ہیں اور عمروؓ کو ساتھ لے کر کفار کی طرف بڑھے انہوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی جو بدن میں ہر جگہ پیوست ہو گئے اور حارث کی روح مطہر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ دوسرے ساتھی اسیر ہو گئے۔

اولاد:۔ دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ سعد اور ابوجہم' یہ دونوں صحابی تھے۔ (سیر صحابہ)

حضرت حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ

نام و نسب:۔ حکم نام' باپ کا نام کیسان تھا' ابوجہل کے والد مغیرہ کے غلام تھے۔

گرفتاری:۔ بدر سے واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے کاروان تجارت کے نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا تھا۔ کھجور کے ایک باغ کے پاس دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی' حکم قریش کے قافلہ کے ساتھ تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے' قریش نے ان کے چھڑانے کے لئے فدیہ بھیجا لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ قریش کے ہاتھوں میں اسیر تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حکم سے فرمایا جب تک سعد ابن ابی وقاصؓ واپس نہ آئیں گے اس وقت تک تم نہیں چھوٹ سکتے۔

اس گفتگو کے دوسرے دن سعد بن ابی وقاصؓ آ گئے' اب حکمؓ کی رہائی میں کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی لیکن جب آزادی کا موقع آیا تو اسلام کی غلامی کا طوق گردن میں ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔

قبول اسلام کے بعد جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہو گئے اور بیر معونہ کے معرکہ میں جام شہادت پیا۔ (سیر الصحابہ)

حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکرؓ نے جب شام پر فوج کشی کا عزم کیا اور تمام بڑے بڑے روسا کو اس میں شرکت کی دعوت دی تو حارث کو بھی ایک خط لکھا حارث حصول سعادت کے بہت سے مواقع کھو چکے تھے اس لئے تلافی مافات کے لئے فوراً آمادہ ہو گئے لیکن ان کی ذات تنہا نہ تھی۔ وہ صدہا غریبوں کا سہارا تھے' اس لئے مکہ ماتم کدہ بن گیا' پروردگار کی نعمت زار زار روتے تھے' سب بادیدہ پرنم رخصت کرنے کو نکلے' جب بطحا کے بلند حصے پر پہنچے تو رونے والوں کی گریہ وزاری پر ان کا دل بھر آیا' اور ان الفاظ میں ان کی تشفی کی کوشش کی لوگو خدا کی قسم میں اس لئے تم لوگوں سے نہیں جدا ہو رہا ہوں کہ مجھ کو تمہارے مقابلہ میں کوئی ذاتی منفعت مقصود ہے یا تمہارے شہر کے مقابلہ میں دوسرا شہر پسند ہے بلکہ ایک اہم معاملہ پیش آ گیا ہے اس میں قریش کے بہت سے اشخاص شریک ہو چکے ہیں جو تجربہ اور خاندانی اعزاز کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے اگر ہم نے اس زریں موقع کو چھوڑ دیا تو اگر مکہ کے تمام پہاڑ سونے کے ہو جائیں اور ان سب کو ہم خدا کی راہ میں لٹا دیں تب بھی اس کے ایک دن کے برابر اجر نہیں پا سکتے ان لوگوں کے مقابلہ میں اگر ہم کو دنیا نہ ملی تو کم از کم آخرت کے اجر میں تو شریک ہو جائیں' ہمارا یہ نقل مکان خدا کے لئے اور شام کی طرف ہے۔

جہاد اور شہادت

غرض اس ولولہ اور جوش کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلے اور فحل اور اجنادین کے معرکوں میں داد شجاعت دی اگر اس سلسلہ کی مشہور جنگ یرموک میں جب ابتدا میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ حارث بھی سخت زخمی ہو گئے دم واپسین پیاس کا غلبہ ہوا۔ پانی مانگا فوراً پانی لایا گیا پاس ہی ایک دوسرے زخمی مجاہد تشنہ لب پڑے تھے۔ فطری فیاضی نے گوارا نہ کیا کہ ان کو پیاسا چھوڑ کر خود سیراب ہوں

چنانچہ پانی ان کی طرف بڑھادیا۔(سیر صحابہ)

ان کے پاس ایک تیسرے زخمی اسی حالت میں تھے' اس لئے انہوں نے ان کی طرف بڑھادیا' ان کے پاس پانی پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ دم توڑ دیا' غرض تینوں تشنہ کامان حق تشنہ حوض کوثر پر پہنچ گئے۔

اولاد:۔شہادت کے وقت ایک لڑکا عبدالرحمٰن یادگار چھوڑا خدا نے اس کی نسل میں بڑی ترقی دی اور خوب پھلی پھولی۔

عام حالات:۔فیاضی سیر چشمی اور غربا پروری کے مناظر اوپر دیکھ چکے دوسرے فضائل ابن عبدالبر کی زبان سے سنیئے وہ لکھتے ہیں کہ حارث فضلا اور خیار صحابہ میں تھے۔عموماً مولفتہ القلوب مسلمانوں کے دلوں میں اسلام راسخ نہ تھا لیکن حضرت حارثؓ اس سے مستثنٰی تھے وہ ان مولفتہ القلوب میں تھے جو سچے مسلمان تھے اور قبول اسلام کے بعد ان میں کوئی قابل اعتراض بات نہ دیکھی گئی۔(سیر الصحابہ)

شہید ختم نبوت

حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ

ان کا تعلق اس گھرانے سے ہے جس گھرانے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت کی بارش ہو، اے اہل بیت! تم پر اللہ کی برکتیں نازل ہوں۔"

ان کی ماں ام عمارہ رضی اللہ عنہا وہ خاتون تھیں جنہوں نے اسلام میں سب سے پہلے دفاع اسلام کی خاطر تلوار اٹھائی۔ یہاں تک کہ وہ خاتون مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے کی کوشش میں بھی لگی رہیں۔

ان کے بھائی عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ وہ بہادر اور جانباز ہیں جنہوں نے غزوۂ احد میں خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنالیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے والا ہر تیر اپنے سینے پر روک کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے رہے، یہ وہی عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو مسیلمہ کذاب کے قتل میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے۔

یہ قصہ اس وقت کا ہے جس وقت اسلام کو عروج حاصل ہو رہا تھا اور دین اسلام دور دور تک پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ ہاں جس وقت ہوذہ بن علی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر آپ مجھے حکومت میں شامل کرلیں تو میں آپ کی پیروی کروں گا، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرما دیا، اس کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب اس کا جانشین ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یوں خط لکھا۔

"خدا کے رسول مسیلمہ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام"

"مجھے آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے، اس لئے آدھا ملک ہمارے لئے ہونا چاہئے اور آدھا قریش کے لئے، مگر قریش کی قوم زیادتی کرنے والی ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب لکھوایا:

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام''

''سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے! زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں ہی کے لئے ہے۔ (مکتوبات نبوی ص ۲۲۴)

یہ خط لے کر جب مسیلمہ کذاب کے پاس حضرت حبیب بن زید بن عاصم خزرجی رضی اللہ عنہ پہنچے تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کو آزمانے کا موقع مل گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ پر کروڑ ہا کروڑ رحمتیں نازل فرمائے اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جزائے خیر دے! کہ وہ نہ صرف آزمائش پر پورے اترے بلکہ رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ چھوڑ گئے اور اہل باطل کو دین حق کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کا موقع فراہم کیا۔

آپ بھی سنئے اور اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے۔

آج خلاف معمول مسیلمہ کی مجلس میں لوگوں کی کثرت تھی کیونکہ آج عوام الناس کو بھی حاضر ہونے کی اجازت تھی تاکہ وہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کی اہانت کو دیکھ کر مسیلمہ کے قہقہے میں شامل ہو سکیں اور مسیلمہ کے حکم پر داد دے سکیں۔

جب مجلس میں سب لوگ جمع ہو گئے تو مسیلمہ کے حکم سے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کو بیڑیوں میں جکڑ کے حاضر کیا گیا مگر جس شخص نے دشمن خدا سے آنکھ ملانے والی ماں کا دودھ پیا' وہ کہاں دبنے والا تھا' سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔

مسیلمہ نے پوچھا! کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کا رسول ہے؟

تو فرمایا جی ہاں۔ اور جب کہا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

تو فرمایا میں بہرا ہوں' میں نہیں سنتا۔

بھلا' مسیلمہ جو وقت کا حاکم تھا اپنے درباریوں اور عوام کے سامنے اہانت آمیز مذاق کہاں برداشت کر سکتا تھا' جلاد سامنے حاضر تھا کہا' اس کے جسم کا ایک حصہ کاٹ دو' پھر وہی سوال و جواب ہوئے پھر یہ سلسلہ چلا۔

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کے جسم سے ایک ایک حصہ کٹ کٹ کر گر رہا تھا اور زمین

پر پھڑ پھڑا رہا تھا مگر ان کی قوت ایمانی اور عشق رسول کے اندر کوئی جنبش نہ ہوئی اور ثابت قدمی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور مسیلمہ کی تکذیب کرتے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اور تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہونے والوں کو عظیم پیغام دے گئے۔

حالانکہ ایسے وقت میں کلمہ کفر کہنے کی اجازت بھی تھی مگر مصلحت کے تمام دروازے بند کر کے رب کے پاس حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی۔ (ضرب مومن) (روشن ستارے)

حضرت خارجہ بن زید ابی زہیر رضی اللہ عنہ

نام ونسب:۔ خارجہ نام ہے۔ خزرج کے خاندان اغر سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔

خارجہ ابن زید ابی زہیر بن مالک بن امراء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔ رئیس قبیلہ اور کبار صحابہ میں تھے۔

اسلام: عقبہ میں بیعت کی۔

غزوات اور عام حالات

ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مدینہ آ کر انہی کے ہاں قیام کیا تھا۔ اور انہی سے مواخاۃ ہوئی۔

بدر میں شریک تھے اور امیہ بن خلف کو کئی آدمیوں کے ساتھ مل کر مارا تھا۔ امیہ کے بیٹے صفوان نے اپنے باپ کے قاتلوں کو تاڑ لیا تھا۔ چنانچہ دوسرے سال جب غزوۂ احد واقع ہوا تو اس کو ان لوگوں کے قتل کی فکر ہوئی۔

شہادت:۔ حضرت خارجہؓ نہایت بہادری سے لڑے اور دس سے اوپر نیزوں کے زخم کھا کے زمین پر گر گئے۔ صفوان نے ان کو شناخت کر کے ناک، کان اور دیگر اعضاء کاٹے اور کہا کہ اب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ میرے باپ کے عوض محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے بہادر کام آئے۔

ان کے بھتیجے سعد بن ربیعؓ بھی اس معرکہ میں داد شجاعت دے کر شہید ہوئے تھے۔ چچا بھتیجے دونوں ایک قبر میں دفن کئے گئے۔ (سیر الصحابہ)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ

نام ونسب: خزیمہ نام ہے۔ ابوعمارہ کنیت' ذوالشہادتین لقب ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ خزیمہ بن ثابت بن فاکہ بن ثعلبہ بن ساعدہ بن عامر بن عیاں بن عامر بن خطمہ (عبداللہ) بن جشم بن مالک بن اوس۔ والدہ کا نام کبشہ بنت اوس تھا اور قبیلہ خزرج کے خاندان ساعدہ سے تھیں۔

اسلام:۔ ہجرت سے پیشتر مشرف باسلام ہوئے اور عمیر بن عدی بن خرشہ کو لے کر اپنے قبیلہ (خطمہ) کے بت توڑے۔

غزوات وشہادت

حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اپنی قوم اوس کے لئے قابل فخر تھے جب وہ قابل تعریف کارناموں میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو یاد کرتے جنہوں نے فضائل ومناقب کا ان کے لئے ایک محل نہیں بلکہ کئی محلات تعمیر کئے۔ وہ اپنی مجلسوں میں دوران گفتگو ان فضائل کو اپنے لئے باعث فخر گردانتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ انصار کے دو قبیلے اوس اور خزرج آپس میں ایک دوسرے سے فخر کا اظہار کرنے لگے۔

اوس کہنے لگے ہم میں غسیل الملائکہ حنظلہ بن راہب ہے اور ہم میں وہ بھی ہے جس کی لاش کی حفاظت شہد کی مکھیوں اور بھڑوں نے کی اور وہ ہے عاصم بن ثابت بن ابی افلح' اور ہم میں وہ عظیم ہستی بھی ہے جس کی ایک گواہی دو آدمیوں کے برابر تھی اور وہ خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم ہے۔

قبیلہ خزرج کے افراد نے کہا ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن حکیم جمع کرنے کی سعادت حاصل کی اور وہ ہیں زید بن ثابت' ابوزید' ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔

بخدا یہ ہے قابل تعریف مقابلہ و فی ذالک فلیتنافس المتنافسون) (المطففین ۲۶)

"جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی

لے جانے کی کوشش کریں''۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ جوانہوں نے اپنے بارے میں روایت کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کر رہا ہوں میں نے اس کی اطلاع۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی آپ نے فرمایا۔

''ان الروح لاتلقی الروح'' ''روح روح سے نہیں ملتی''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خاطر لیٹ گئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک پیشانی پر سجدہ کیا۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے یوں تو بہت سے فضائل ومناقب ہیں لیکن شہسواری اور بہادری کے میدان میں انہوں نے بہت عمدہ کردار ادا کیا۔ انہوں نے روایت حدیث کے آسمان پہ بھی ایک ممتاز عالیشان اور بلند حلقہ بنایا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۳۸ احادیث روایت کیں جو صحاح اور سنن کی کتابوں میں جمع کردی گئیں۔

ان سے اس کے بیٹے عمارہ بن خزیمہ اس کے علاوہ ابوعبداللہ الجدلی' عمرو بن میمون' عمرو بن سعد بن ابی وقاص اور دیگر شخصیات نے روایت کرنے کی سعادت حاصل کی۔

جنگ صفین میں شہادت

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی خلافت راشدہ کے زیر سایہ گزاری' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ ان کے معاون ومددگار تھے لڑائیوں میں ان کا ساتھ دیا بلکہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ آپ کے ساتھ ۳۷ ہجری میں جنگ صفین میں شریک ہوئے اور یہ بنوخطمہ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے اور جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں بھی شریک ہوئے لیکن نہ انہوں نے تلوار نیام سے نکالی اور نہ کسی سے لڑے اور جب یہ جنگ صفین میں شریک ہوئے تو فرمایا ''میں اس وقت تک کسی سے نہیں لڑوں گا جب تک عمار بن یاسر کو قتل نہیں کردیا جاتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا''۔

جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل کردیئے گئے تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی

تلوار نیام سے نکال لی۔ پھر معرکہ آرائی کے قریب ہوئے' لڑتے رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کرتے ہوئے زمین پر گر گئے اور یہ ۳۷ ہجری کا واقعہ ہے۔ اور یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہیوں والے یعنی حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا۔ "جس کے حق میں خزیمہ گواہی دے دے وہ اس کے لئے کافی ہے"۔ (سیر الصحابہ)

حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ

نام ونسب: خلاد نام ہے۔ قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔ خلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو بن حارث بن امراء القیس بن مالک اغر بن کعب بن الخزرج بن الحارث ابن الخزرج الاکبر۔

اسلام: عقبہ ثانیہ سے قبل مسلمان ہوئے اور بیعت کی۔

غزوات اور شہادت

بدر' احد' خندق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم کاب تھے۔ قریظہ کی جنگ میں غزوہ کی نیت سے نکلے۔ ایک قلعہ کے نیچے کھڑے تھے' بتانہ نام ایک یہودی عورت نے دیکھ لیا اور اس زور سے پتھر مارا کہ سر پھٹ گیا۔ اسی کے صدمہ سے انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ان کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب قبیلہ قریظہ اسیر ہو کر سامنے آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو ڈھونڈ کر قتل کروا دیا۔ اس واقعہ میں عورتیں قتل سے محفوظ رہی تھیں۔

اولاد:۔ دو لڑکے چھوڑے اور دونوں صحابی تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ابراہیم' سائب۔ (سیر الصحابہ)

سیدنا ذکوان بن عبد قیس انصاری رضی اللہ عنہ

اسعد بن زرارہ (انصاری)ؓ کے ہمراہ مکہ شریف عتبہ بن ربیعہ کے پاس گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے بارے میں سنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ قرآن مجید پڑھ کر سنایا بات ان کے دل کو لگی بس کلمہ پڑھ لیا اور عتبہ سے ملے بغیر واپس مدینہ روانہ ہو گئے۔ یوں یثرب کی سرزمین میں سب سے پہلے اسلام سے روشناس کرانے والے یہی دو حضرات تھے۔

حضرت ذکوانؓ بیعت عقبہ اولی اور ثانیہ میں موجود تھے کچھ عرصہ کے لئے مکہ شریف میں اقامت اختیار کر لی۔ ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ بھی مدینہ منورہ چلے گئے یوں وہ واحد صحابی ہیں جنہیں۔ ''مہاجر انصاری'' ہونے کا اعزاز حاصل ہوا گویا دوہرے ثواب کے مستحق ٹھہرے ہجرت کے بھی نصرت کے بھی۔

احد کے روز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دامن کوہ کی طرف تشریف لے گئے تو آپ نے پوچھا مشرکین کے چیلنج هل من مبارز (ہے کوئی جو ہمارے مقابلے میں نکل آئے؟) کے جواب میں کون نکلے گا؟ تو ذکوان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنی خدمت پیش کیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من احب ان ينظر الى رجل يطاء بقدمه غداً خضرة الجنة فلينظر الى هذا

(اصابہ ص ۴۸۲ ج ۱) (جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جو کل اپنے پاؤں سے جنت کی ہریالی کو روندتا پھرے گا' تو وہ اس کو دیکھ لے۔)

پھر اسی معرکہ میں انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔

رضی اللہ عنہ وارضاہ (کاروان جنت)

ذوالشمالین بن عبد عمرو مہاجری رضی اللہ عنہ

امام زہری اور ابن سعد اور ابن سمعانی فرماتے ہیں کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک دو شخص ہیں ذوالشمالین تو جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ذوالیدین رسول اللہؐ کے بعد بھی زندہ رہے۔

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب غزوۂ موتہ کے لئے مسلمانوں کی روانگی کا وقت آن پہنچا تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سالاروں کو سلام و دعا کے ساتھ رخصت کیا۔ جب اوروں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھی رخصت کیا گیا تو وہ اشکبار ہو گئے۔ لوگوں نے پوچھا "ابن رواحہ تمہیں کس بات نے رلایا؟" انہوں نے جواب دیا کہ قسم بخدا۔ مجھے نہ تو دنیا کی محبت ہے اور نہ تم سے کوئی دلی لگاؤ۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھتے سنا ہے جس میں آگ کا ذکر ہے۔

ان منكم الاوار دها كان على ربك حتماً مقضياً (مریم: ۷۱)

ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر سے گزر نہ ہو۔ یہ تمہارے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو (ضرور) پورا ہو کر رہے گا۔

میں نہیں جانتا کہ میں آگ پر وارد ہونے کے بعد وہاں سے نکلوں گا کیسے؟

تو مسلمانوں نے کہا کہ اللہ تمہارے ساتھ ہو اور تمہارا حامی و ناصر ہو اور تمہیں سلامت واپس لائے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا:

لكنني اسال الرحمٰن مغفرة — و ضربة ذات فرغ فقذف الزبدا

اوطعنة بيدى حران مجهزة — بحربة تنفد الاحشاء و الكبدا

حتى يقال اذا مروا على جدثي — ارشده الله من غاز وقد رشداً

ترجمہ: (۱) لیکن میں خدائے رحمان سے مغفرت مانگتا ہوں اور ایسی ضرب جو جھاگ یعنی میل کچیل کو صاف کرے۔

(۲) یا کسی (خون کے) پیاسے کے دونوں ہاتھوں سے تانے ہوئے نیزے کی ضرب جو آنتوں اور کلیجے کو چیر ڈالے۔

(۳) یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر پر سے گزریں تو کہا جائے کہ خدا اسے رشد وہدایت دے (حق مغفرت کرے) کیسا نمازی اور ہدایت یافتہ تھا۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوئے اور کہا:

فثبت اللہ ما اتاک من حسن تثبیت موسی ونصراً کالذی نصروا

فانی تفرست فیک الخیر نافلة فراسة خالفت فیک الذی نظروا

انت الرسول فمن یحرم نوافله والوجه منه قد ازری به القدر

ترجمہ:۔(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو بھلائی دی، اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھلائی کی طرح مستحکم کرے اور آپ کی پوری مدد کرے۔

(۲) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں حد سے زیادہ بھلائی جان لی ہے دوسروں کو جو کچھ نظر آیا میں نے اس کے برعکس پایا۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش اور توجہ سے محروم ہوا اس کی تو قسمت ہی پھوٹ گئی۔

اسلامی لشکر روانہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے رخصت کرنے نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رخصت کیا اور واپس چلے گئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا:

خلف السلام علی امری ودعته فی النخل خیر مشیع و خلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتوں اور مسلمانوں کی دعاؤں کا زادراہ لئے لشکر روانہ ہو گیا اور جب شام کے علاقے معان پہنچا تو لوگوں کو پتہ چلا کہ ہرقل بلقاء کے علاقے مواب میں ایک لاکھ رومی لشکر لے کر پہنچا۔ اس کے ساتھ عرب نصرانی قبائل لخم، جذام، قین،

بہرا اور بلی بھی ایک لاکھ کی تعداد میں جا ملے۔ جب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف کس ساز و سامان کے ساتھ تیاری کی ہے تو معان میں دو راتیں رہ کر سوچتے رہے کہ اس صورتحال میں کیا کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کی تعداد کی اطلاع دیں یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کمک بھیجیں گے یا اپنا کوئی فیصلہ دے دیں گے تو ہم اس کے مطابق عمل کریں گے لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہؓ گہرے ایمان کے باعث عزت کے مارے فوراً آگے بڑھے اور لوگوں کو جرات دلائی اور کہا۔

''اے قوم! تم جس بات سے کتراتے ہو یہ وہی تو ہے جس کے لئے تم (گھر سے) نکلے ہو۔ اور وہ ہے شہادت۔ ہم لوگوں سے اپنی تعداد کے بل بوتے اور مادی قوت و کثرت کے اعتماد پر تو نہیں لڑتے ہم سوائے اس دین کے اور کسی وجہ سے نہیں لڑتے جس دین سے اللہ نے ہمیں سرفراز کیا۔ اس کے بعد وہ چل پڑے۔ اس کے سوا اور صورت نہیں کہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی حاصل ہوگی۔ یعنی کفار پر غلبہ یا شہادت''۔

لوگوں نے کہا کہ ابن رواحہؓ نے سچ کہا اور پھر چل دیئے۔ پھر مسلمانوں نے معان میں اپنی لشکر گاہ چھوڑ دی اور شمال کی طرف چل پڑے۔ جب بلقاء کے نواح میں پہنچے تو رومیوں اور عربوں کے گروہ کے ساتھ بلقاء کے ایک گاؤں مشارف میں مڈبھیڑ ہوئی۔ دشمن قریب ہوا تو مسلمانوں نے پھر کر موتہ کی طرف رخ کیا۔ لشکر کو ترتیب دیا اور تازہ دم ہوئے۔ دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے اور لڑائی شروع ہوگئی۔ حضرت زید بن حارثہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا لے کر لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ دشمن کے تیراندازوں کے نرغے میں آ گئے اور شہید ہو کر گر پڑے۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے جھنڈا تھام لیا اور شیروں کی طرح لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ دشمن نے انکا گھیرا تنگ کر دیا اور وہ لڑتے لڑتے تھک گئے تو اپنے سرخی مائل گھوڑے سے کود پڑے اور گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور یہ کہتے ہوئے دشمن سے لڑتے رہے۔

یا حبذا الجنة واقتر بها طيبة وبارد بشرا بها
والروم روم قددنا عذابها كافرة بعيدة انسابها
علی ان لاقيتها ضرابها

ترجمہ:۔ مبارک ہو جنت اور اس کے قریب کی گھڑیاں۔ اس کی خوشبو اور اس کے ٹھنڈے پانی۔
رومیوں کے عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے۔ یہ خدا کے کافر اور بعید الانساب ہیں۔
ان سے مڈبھیڑ ہوئی تو میں انہیں خوب ماروں گا۔

حضرت جعفرؓ سفید جھنڈا ہاتھ میں لئے پاپیادہ ہو کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے رہے ان کے ہاتھ پر ضرب لگی تو ہاتھ کٹ گیا۔ انہوں نے جھنڈا دوسرے ہاتھ میں تھام لیا۔ اس پر ضرب لگی اور کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈا اپنے بازوؤں میں تھام لیا اور لڑتے رہے تا آنکہ قتل ہو کر شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ فوراً نیچے جھکے اور جھنڈے کو زمین پر گرنے سے پہلے اٹھا لیا۔ اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ انہیں بھی حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ کی طرح شیطان آگے آیا اور ان کا حوصلہ پست کرنے کی کوشش کی لیکن وہ فوراً شیطانی وسوسے پر غالب آ گئے اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے۔

اقسمت یا نفس لتنزلنه لتنزلنه او لتکرهنه
ان اجلب الناس وشدوا الرنة مالی اراک تکرهین الجنة
قد طال ماقد کنت مطمئنة هل انت الانطفة فی شنة

ترجمہ:۔ (۱) مجھے قسم ہے اے نفس تو ہر صورت میدان جنگ میں اترے گا دو ہی صورتیں ہیں یا میدان جنگ میں اترو گے یا اسے ناپسند کرو گے۔
(۲) لوگ تو کمائی کریں گے اور ہتھیاروں کے ٹکرانے کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ تجھے کیا ہوا ہے کہ تجھے جنت ناگوار ہو رہی ہے۔
(۳) ایک زمانہ گزر گیا جب تو بڑا مطمئن تھا کیا تیری حیثیت کسی مشک میں نطفہ کے قطرے سے زیادہ ہے۔

انہوں نے یہ شعر بھی کہے۔

یا نفس الا تقتلی تموتی هذا حمام الموت قد صلیت
وما تمنیت قد اعطیت ان تفعلی فعلهما هدیت
وان تاخرت و قد شقیت

ترجمہ:۔(۱) اے نفس! اگر تو قتل نہ ہوگا تو طبعی موت مرے گا۔ یہ تو موت کا کبوتر ہے جسے تو بھون چکا ہے۔ (۲) تجھے جس چیز کی تمنا تھی وہ تمہیں مل گئی ہے۔ اگر تو نے جان کی بازی لگا دی تو ہدایت یافتہ۔ (۳) اور اگر تو نے دیر کر دی تو تیری قسمت پھوٹ گئی۔

پھر اپنے گھوڑے سے نیچے اترے تا کہ دشمن سے جا ٹکرائیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ مسلمانوں کو جنگ نے کھانے پینے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ ابن اسحاق نے روایت بیان کی ہے کہ جس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اپنے گھوڑے سے اترے تو ان کے چچا زاد بھائی نے گوشت والی ہڈی کا ایک ٹکڑا دیا اور ان سے کہا کہ اس گوشت کے ٹکڑے سے اپنی پیٹھ مضبوط کیجئے۔ آپ نے ان دنوں بہت تکلیف اٹھائی تھی۔ انہوں نے بھائی سے گوشت کا ٹکڑا ہاتھ میں لیا اور اس سے تھوڑا سا گوشت کاٹ کر کھایا۔ ساتھ ہی ایک طرف سے لوگوں کی بھیڑ کی آواز سنائی دی تو کہا کہ تو ابھی دنیا میں ہے۔ یہ کہتے ہی گوشت کا ٹکڑا ہاتھ سے پھینک دیا۔ تلوار لے کر آگے بڑھے اور شہید ہونے تک لڑتے رہے۔ (جنت کی بشارت پانے والے صحابہ)

حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ

غزوات: حضرت رافعؓ کی اسلامی زندگی کے دوران میں صرف دو لڑائیاں پیش آئیں بدر اور احد بدر میں ان کی شرکت مشکوک ہے۔ ابن اسحاقؒ نے ان کو اصحاب بدر میں شمار نہیں کیا اور موسیٰ بن عقبہ نے امام ابن شہاب زہری سے نقل کیا کہ وہ شریک تھے۔ "مجھے یہ خوش نہیں آتا کہ عقبہ کے مقابلہ میں بدر میں شریک ہوتا"۔ اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شریک بدر نہ تھے۔

شہادت: شوال ۳ھ میں غزوۂ احد میں شہادت پائی۔

(سیر صحابہ)

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

شہادت: ماں کے اس فرمان پر انہوں نے جان کی حفاظت کا یہ آخری سہارا بھی اتار دیا اور کپڑے درست کر کے رجز پڑھتے ہوئے رزمگاہ پہنچے اور آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ بہت سے شامی خاک وخون میں تڑپ گئے۔ لیکن شامیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس لئے ابن زبیرؓ کے ساتھی ان کے جوابی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور ان کے ریلے سے منتشر ہو گئے۔ ایک خیر خواہ نے ایک محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا۔ فرمایا ایسی حالت میں مجھ سے برا کون ہوگا کہ پہلے اپنے ساتھیوں کو قتل ہونے کے لئے سامنے کر دیا اور ان کے قتل ہونے کے بعد میں ان کی جیسی موت سے بھاگ نکلوں''۔

اب ابن زبیرؓ کی قوت بہت کمزور پڑ گئی تھی۔ اس لئے شامی برابر آگے بڑھتے آرہے تھے، یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے تمام پھاٹکوں پر ان کا ہجوم ہوگیا۔ لیکن ابن زبیرؓ اس حالت میں بھی شیر کی طرح چاروں طرف حملہ آور ہوتے اور جدھر رخ کر دیتے تھے۔ شامی کائی کی طرح پھٹ جاتے تھے۔ حجاج نے جب دیکھا کہ کوئی شامی ان کے پاس جانے کی ہمت نہیں کرتا تو خود سواری سے اتر پڑا اور اپنی فوج کو للکار کر ابن زبیرؓ کے علمبردار کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ لیکن ابن زبیرؓ نے بڑھ کر اس بڑھتے ہوئے ہجوم کو بھی منتشر کر دیا اور نماز پڑھنے کے لئے مقام ابراہیم پر چلے گئے۔ شامیوں نے موقع پا کر ان کے علمبردار کو قتل کر کے علم چھین لیا۔ ابن زبیرؓ نماز پڑھ کر لوٹے تو بڑی دیر تک بغیر علم کے لڑتے رہے۔

عین اس حالت میں ایک شامی نے ایسا پتھر مارا کہ ابن زبیرؓ کا سر کھل گیا اور چہرے سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ ڈاڑھی خون سے تر ہوگئی۔ اس خونبانہ فشانی پر ابن زبیرؓ نے یہ شجاعانہ شعر پڑھا۔

ولسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا ولکن علی اقدامنا تقطر الدماء

''یعنی ہم وہ نہیں (پیٹھ پھیرنے کی وجہ سے جن کی ایڑیوں پر خون گرتا ہے بلکہ سینہ سپر ہونے کی وجہ سے) ہمارے قدموں پر خون ٹپکتا ہے''۔

یہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور پوری شجاعت و دلیری سے لڑتے جاتے تھے لیکن زخموں سے چور ہو چکے تھے۔ ساتھیوں کی ہمت پست ہو چکی تھی۔ شامیوں کا انبوہ کثیر مقابل میں تھا۔ اس لئے آخر میں انہوں نے ہر طرف سے یورش کر کے قتل کر دیا اور جمادی الثانی ۷۳ھ کا یہ یگانہ بہادر' حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لخت جگر اور ذات النطاقین کا نور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

حجاج کی شقاوت' لاش کی بے حرمتی اور حضرت اسماء کی بہادری

سنگدل اور کینہ توز حجاج کی آتش انتقام ابن زبیرؓ کے خون سے بھی نہ بجھی۔ قتل ہونے کے بعد اس نے سر کٹوا کر عبدالملک کے پاس بھجوا دیا اور لاش قریش کی عبرت کیلئے بیرون شہر ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکوا دی۔

حضرت اسماءؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ ''خدا تجھے غارت کرے تو نے لاش سولی پر کیوں آویزاں کرائی''۔ اس سنگدل نے جواب دیا ''ابھی میں اس منظر کو باقی رکھنا چاہتا ہوں''۔ اس کے بعد تجہیز و تکفین کی اجازت مانگی۔ لیکن حجاج نے اس کی بھی اجازت نہ دی اور اس اولوالعزم اور حوصلہ مند بہادر کی لاش جس نے زندگی میں سات برس تک بنی امیہ کو لرزہ براندام کئے رکھا تھا۔ شارع عام پر تماشا بنی رہی۔ قریش آتے تھے' دیکھتے تھے اور عبرت حاصل کرتے ہوئے گزر جاتے تھے۔

اتفاقاً ابن عمرؓ کا گزر ہوا' وہ لاش کے پاس کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ لاش سے خطاب کر کے کہا ''ابو حبیب السلام علیک! میں نے تم کو اس پر پڑنے سے منع کیا تھا' تم روزے رکھتے تھے' نمازیں پڑھتے تھے' صلہ رحمی کرتے تھے''۔ حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو لاش سولی سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھنکوا دی اور بالائے ستم یہ کیا کہ ستم رسیدہ اسماءؓ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر اس گستاخ نے کہلا بھیجا کہ سیدھی چلے آؤ'

ورنہ چوٹی پکڑ کے گھسٹوا کر بلاؤں گا۔

حضرت صدیق اکبر کی بیٹی نے جواب دیا "خدا کی قسم اب میں اس وقت تک نہ آؤں گی، جب تک چوٹی پکڑ کر نہ گھسٹوائے گا"۔ یہ جواب سن کر حجاج نے سواری منگائی اور حضرت اسماءؓ کے پاس جا کر کہا "سچ کہنا خدا نے اپنے دشمن کو کیا انجام دکھایا۔ دلیر خاتون نے جواب دیا "ہاں تو نے انکی دنیا خراب کی۔ لیکن انہوں نے تیری آخرت برباد کردی"۔ تو مجھے ذات النطاقین کہہ کر شرم دلاتا ہے، تجھ کو کیا معلوم یہ کتنا معزز لقب ہے۔ اور کس کا دیا ہوا ہے۔

"نادان! یہ لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ ہے میرے پاس دو ٹپکے (نطاق) تھے، ایک ٹپکے میں سے چیونٹیوں سے بچانے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا ڈھانکتی تھی اور دوسرا اپنے مصرف میں لاتی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں کذاب اور مبیر ہوں گے۔ کذاب تو ہم نے دیکھ لیا، مبیر باقی رہ گیا تھا، وہ تو ہے"۔ حضرت اسماء کی یہ بیباکانہ باتیں سن کر حجاج لوٹ گیا۔

تدفین:۔ عبدالملک کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اسماءؓ نے لاش مانگی، مگر حجاج نے لاش دینے سے انکار کیا، تو اس نے اس کو نہایت غضب آلود خط لکھا کہ تم نے لاش اب تک کیوں نہ حوالہ کی۔

اس ڈانٹ پر اس نے لاش دے دی اور غمزدہ ماں نے غسل دلا کر اپنے نور نظر کو مقام حجون میں سپرد خاک کیا۔ شہادت کے وقت ابن زبیرؓ کی عمر ۷۲ سال تھی۔ مدت خلافت سات برس۔

علامہ شبلیؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اور حضرت اسماءؓ کے غیر معمولی صبر واستقلال کو نہایت موثر پیرایہ میں نظم کیا ہے۔ اس مقام پر ان کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا فرماتے ہیں۔

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابن زبیرؓ　　سب نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے یکبار
ابن مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ　　جس کی تقدیر میں مرغان حرم کا تھا شکار
حرم کعبہ میں محصور ہوئے ابن زبیرؓ　　فوج بیدین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار
دامن عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد　　بارش سنگ سے اٹھتا تھا جو رہ رہ کے غبار
تھا جو سامان رسد چار طرف سے مسدود　　ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا اک گنج مزار
جب دیکھا کوئی ناصر و یاور نہ رہا　　ماں کی خدمت میں گئے ابن زبیرؓ آخر کار

جا کے کی عرض کہ ’’اے اخت حریم نبوی
نظر آتے نہیں اب حرمت دین کے آثار

آپ فرمایئے اب آپ کا ارشاد ہے کیا
کہ میں ہوں آپ کا ایک بندۂ فرمانبردار

صلح کرلوں کہ چلا جاؤں حرم سے باہر
یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار

بولی وہ پردہ نشین حرم سر عفاف
حق پہ گر تو ہے پھر صلح ہے مستوجب عار

یہ زمین ہے وہی قربان گہ اسماعیلؑ
فدیۂ نفس ہے خود دین خلیلی کا شعار

ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کر باادب و نیاز
آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہوں گا زنہار

پہلے ہی حملہ میں دشمن کی الٹ دیں فوجیں
جس طرف جاتے تھے یہ ٹوٹتی جاتی تھی قطاع

منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم
ایک پتھر نے کیا آپ کے سر و رخ کو فگار

خون ٹپکا جو قدم پر تو کہا از رہ فخر
یہ ارادہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار

اس گھرانے نے کبھی پشت پر کھایا نہیں زخم
خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پر ہر بار

زخم کھا کے لڑے تھے لیکن کب تک
آخر الامر گرے خاک پر مجبور و نزار

لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا
اس کو سولی پہ چڑھا کہ یہ تھا قابل دار

لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن
ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار

اتفاقات سے اک دن جو ادھر سے نکلیں
دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں ایک بار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

(سیر الصحابہ)

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

حضرت زبیر قرشی اسدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی ہم زلف اور ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے تھے۔ والدہ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب اور والد عوام بن خویلد تھے۔

حضرت زبیر اولین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ حدیث کے مطابق وہ پانچویں شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی' طبقات ابن سعد کے مطابق اس وقت سولہ سال کے تھے۔ وہ ان دس حضرات میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی۔ حضرت زبیرؓ انتہائی مصائب اور تکالیف کے باوجود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ رہے۔ انہوں نے حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شرکت کی۔ ہجرت مدینہ کے بعد ان کا رشتہ مواخات حضرت سلمہ بن سلامہ کے ساتھ باندھا گیا۔ بعدازاں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تمام بڑی بڑی لڑائیوں میں حصہ لیتے اور داد شجاعت دیتے رہے۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے لشکر میں دو شہسوار تھے۔ ایک حضرت زبیر اور دوسرے حضرت مقداد بن الاسود حضرت زبیر میمنہ پر متعین تھے اور حضرت مقداد میسرہ پر۔ غزوۂ بدر میں بھی خوب داد شجاعت دی۔ اور کئی کافروں کو تہ تیغ کیا۔ اسی دوران میں آپ کے مشرک چچا نوفل بن خویلد بھی آپ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ لڑائی میں خود بھی زخمی ہوئے تھے۔

غزوۂ احد میں بھی بڑی بہادری سے لڑے اور اس نازک مرحلہ میں بھی ثابت قدم رہے۔ ابن سعد کے بیان کے مطابق اس غزوۂ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی تھی۔ جنگ کے دوران رسول پاک ؐ نے دیکھا کہ ایک کافر مسلمانوں کو سخت جانی نقصان پہنچا رہا ہے فرمایا زبیر اس کی خبر لو' حضرت زبیر اس پر ٹوٹ پڑے دو دو

ہاتھ کئے اور بالآخر اسے قتل کر دیا۔

غزوۂ خندق میں بھی برابر آپؐ کے ساتھ رہے امام ذہبی کا کہنا ہے کہ نبی کریم نے حضرت زبیرؓ کو الحواری کا لقب ان کی خدمات کے سلسلہ میں عطا فرمایا تھا جو انہوں نے بنو قریظہ سے جنگ کے دوران میں بطور مخبر انجام دی تھیں۔ آپ نے اس موقع پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔

غزوۂ خندق میں آپ نے حضرت زبیر کو بنو قریظہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے تین مرتبہ بھیجا اور اسی جنگ کے موقع پر انہوں نے تیر اندازی کے خوب جوہر دکھائے۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں ان کی بڑی وقعت تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک بار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو کے دوران میں یہ الفاظ ''فداک ابی و امی'' (کہ تجھ پہ میرے ماں باپ قربان) ارشاد فرمائے تھے۔ (خود حضرت زبیر کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد اور خندق کے دوران میں دو مرتبہ مجھے فرمایا تھا کہ ''تم پر میرے ماں باپ قربان!)

غزوۂ خیبر میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ فتح مکہ کے دن حضرت زبیر کے ہاتھ میں دو جھنڈے تھے۔ ان کا شمار بڑے بہادر اور دلیر صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے۔

غزوۂ حنین میں انہوں نے اتنی تیر اندازی کی کہ مشرکین اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکے۔ حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں جنگ یرموک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسلامی فوجوں کے ایک حصہ کی قیادت بھی کی۔ رومیوں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے اور ان کی صفوں میں شگاف ڈال دیتے تھے اسی دوران میں کافی زخمی بھی ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو بھیجی جانے والی امدادی سپاہ کے کمانڈر تھے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے فتح مصر کے لئے جب حضرت عمرؓ سے امداد مانگی تو انہوں نے حضرت زبیرؓ کی سرکردگی میں ۱۲ ہزار مجاہدین اسلام کو روانہ کیا اور ایک روایت چار ہزار کی بھی ہے۔ ان میں بڑے بڑے مرتبہ والے صحابہؓ بھی شامل تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کی

کمان میں فتح مصر میں بھی شریک رہے۔

قلعہ بابلیوں کی فتح میں بھی پیش پیش رہے بلکہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں اور سیڑھی کے ذریعے قلعہ کی دیوار پر چڑھ گئے اور نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے دشمن کے حوصلے ختم اور مجاہدین اسلام کے حوصلے بڑھے اور انہوں نے آگے بڑھ کر قلعہ فتح کرلیا۔

حضرت زبیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد تھے اور آپ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مشیر اور دست راست تھے اور وہ بھی انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت عمرؓ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ زبیر دین اور اسلام کا رکن اور ستون ہیں"۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بھی ان کے مشیر رہے

۳۶ھ میں بصرہ میں مکہ آتے ہوئے وادی سباع" میں نماز کے دوران انہیں عمرو بن جرموز نے شہید کر دیا۔ اس وقت عمر ۶۴ سال تھی۔

حضرت زبیرؓ بڑے متقی اور پارسا تھے وہ بہت بڑے تاجر اور مالدار بھی تھے۔ وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خوب خرچ کیا کرتے تھے۔

وہ بہت بڑے مجاہد اور قائد تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عمرو بن العاصؓ سے ان کی بابت پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ بہت ہی بڑے بہادر ہیں"۔

حضرت علیؓ مسجد نبوی میں تھے کہ ان سے سب سے بڑے بہادر اور شجاع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت زبیر کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ "وہ ہیں۔ ان کا غصہ چیتے کا اور حملہ شیر کا ہوتا ہے"۔ (ابن عساکر)

حضرت عمر فاروقؓ نے عمرو بن العاصؓ کی امداد کے لئے جو چار ہزار مجاہدین اسلام روانہ کئے تو ان کے ہمراہ ایسے بلند مرتبہ بہادر صحابہ بھی تھے جن میں سے ایک ایک ہزار کے برابر تھا اور حضرت زبیرؓ ان چار ہزار کے بھی کمانڈر تھے ان میں تمام قائدانہ صفات موجود تھیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات اور بڑھائیں اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب ہو۔ آمین۔ (سیر الصحابہ)

زہیر بن قیس البلوی رضی اللہ عنہ

حضرت زہیر قیس البلویؓ کے بیٹے تھے۔ان کی کنیت ابوشداد تھی۔انہیں صحابی رسول ہونے کا شرف حاصل ہے وہ کمسن ہونے کی وجہ سے اس وقت جہاد میں حصہ نہ لے سکے۔انہوں نے عمرو بن العاص کی قیادت میں فتح مصر میں حصہ لیا پھر فتح افریقہ میں بھی حصہ لیا۔ ۶۲ھ میں عقبہ بن نافع کی جگہ افریقہ کے والی مقرر ہوئے۔انہوں نے کسیلہ کے خلاف ممس میں فیصلہ کن جنگ کی جس میں وہ مارا گیا اور تونس فتح ہوا اور کسیلہ کی فوج پر ہیبت طاری ہوگئی۔اور بعد کی فتوحات پر اس کا بڑا خوشگوار اثر پڑا۔

اس کے بعد زہیر قیروان آئے مگر وہاں ٹھہرے نہیں بلکہ باہر ٹھہرے اور کہنے لگے میں تو صرف جہاد ہی کے لئے نکلا ہوا ہوں اور مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں دنیا کی طرف مائل ہو کر ہلاک نہ ہو جاؤں۔

وہ بڑے عابد و زاہد عالم و فاضل اور پارسا شخص تھے۔ان میں شجاعت کی صفت بڑی زیادہ تھی۔انہوں نے عقبہ بن نافع کی قیادت میں بھی جہاد میں حصہ لیا تھا۔انہوں نے ہی عقبہ کے قاتل کسیلہ سے ان کے خون کا بدلہ لیا تھا۔برقہ میں رومیوں کی بڑی تعداد مسلمانوں اور ان کی عورتوں کو قیدی بنا کر کشتیوں میں سوار کر رہی تھی انہوں نے ان سے فریاد کی۔یہ اپنے آدمیوں کے ساتھ ریکی پر تھے۔مگر برداشت نہ کر سکے اور اپنے آدمیوں کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ان کی شہادت کا سن کر عبدالملک کو بہت صدمہ ہوا۔دشمن کے خلاف ان کی یہ کارروائی فوجی نقطہ نظر سے درست نہ تھی کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے موزوں وقت اور مناسب فوج دونوں ضروری ہوتے ہیں مگر انہوں نے دینی غیرت میں یہ قدم اٹھایا۔

وہ بڑے دلیر اور بہادر تھے۔دشمن سے بہت قریب رہ کر لڑا کرتے تھے۔شہادت کی تڑپ ہمیشہ ان کو تڑپاتی رہتی تھی۔اپنے ماتحت آدمیوں سے بہت پیار کیا کرتے اور وہ بھی ان سے پیار کرتے تھے اور ایک دوسرے پر باہمی اعتماد کرتے تھے۔انہوں نے میدان جہاد میں جان کی بازی لگادی مگر تلوار ہاتھ سے نہ چھوڑی۔انہوں نے اپنے عقیدے کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔(جرنیل صحابہ)

زید بن خطاب رضی اللہ عنہ

ان کی شہادت کا قصہ بھی بڑا سبق آموز ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابھی خلافت کی باگ سنبھالی ہی تھی کہ مرتدین نے ہر طرف سے سر اٹھایا۔ جھوٹے مدعیان نبوت نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں کا فتنہ الگ تھا۔ مسلکی انتظام کی پریشانی تھی۔ اپنے لوگوں کو بچانے کی ذمہ داری تھی۔

ان سب فتنوں میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ بہت سخت تھا۔ اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ لوگ جوق در جوق اس کی تصدیق کر رہے تھے۔ ہر طرف اس کا شور تھا۔ اس کے فائدہ کی ایک بات اسے یہ بھی حاصل تھی کہ ایک شخص نہار بن عنفوۃ یا عفوہ جو ہجرت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا۔ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ شخص مسیلمہ کذاب کے دام میں تھا اور دعویٰ اس نے یہ کیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کو اپنی نبوت میں شریک کیا ہے اس کی باتوں سے بہت سے لوگ مسیلمہ پر ایمان لائے اور ان سب کے مرتد ہونے کا سبب یہ شخص بنا۔

یہ فتنہ روز بروز ترقی کر رہا تھا اس کی سرکوبی کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور ان کے پیچھے کمک کے طور پر انصار و مہاجرین کے الگ الگ لشکر بھی بھیجے۔ انصار کی جماعت کا علم حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا تو مہاجرین کا علم حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا جن کا یہ تذکرہ چل رہا ہے۔

انہوں نے واقعی اس اس علم کا حق ادا کر دیا۔ صف بندی کے بعد مسیلمہ کذاب کی طرف

سے جب ''دعوت مبارزت'' (تنہا مقابلہ جنگ کی دعوت) دی گئی اور دعوت دینے والا وہی نہار بن عنفوۃ تھا تو اس کے مقابلہ کے لئے حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ آگے بڑھے' نہار تجربہ کار اور آزمودہ کار جنگجو تھا مگر حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ایمانی حرارت اور دینی جذبہ کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کو واصل جہنم کیا۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمائی تھی۔ جس کا واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یوں بیان فرمایا: ''ایک مرتبہ میں چند لوگوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ایک آدمی ہے جس کا ایک دانت جہنم میں احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اس مجلس کے سارے لوگ مر گئے سوائے میرے اور رجال یعنی نہار کے میں خوفزدہ تھا مبادہ وہ شخص میں نہ ہوں۔ یہاں تک کہ نہار مسیلمہ کے ساتھ مل گیا اور اس کی جھوٹی نبوت کی گواہی دی اور یمامہ کے روز حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا''۔

اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی مسیلمہ کذاب کے لشکر کا حملہ اتنا شدید اور یکبارگی ہوا کہ مسلمانوں کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے یہاں تک کے خیموں تک پہنچ گئے۔ اس وقت جن بہادران قوم نے مسلمانوں کو ابھارا اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر آخر تک خود بھی لڑتے رہے اور مسلمانوں کو ہلاتے رہے ان میں حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی پیش پیش تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو جوش دلایا اور خود علم تھام کر آگے بڑھتے رہے اور بآواز بلند اللہ تعالیٰ سے استغفار اور معذرت کرتے رہے' یا اللہ میں اپنے ساتھیوں کے راہ فرار اختیار کرنے پر معذرت خواہ ہوں اور مسیلمہ اور محکم جو کچھ لے کر آئے ہیں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں اور دشمنوں کی صف میں گھستے چلے گئے اور اس وقت تک شمشیر زن رہے جب تک اپنی تمنا یعنی شہادت نہ مل گئی۔

ان کی شہادت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا غم لاحق ہوا' فرماتے صبح جب ہوا چلتی ہے تو اس سے زید (رضی اللہ عنہ) کی خوشبو آتی ہے' جس سے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ (روشن ستارے)

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ

آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی اور بڑی بہادری اور دلیری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔غزوۂ بدر میں اسلام کے بعض سخت موذی دشمن آپ کے ہاتھ سے اپنی سزا کو پہنچے۔آپ کے بھائی عمیر نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے اور غزوۂ بدر میں شہادت کا شرف حاصل کیا۔

غزوۂ بدر میں حضرت عمیر نوجوان تھے۔ان کی عمر کوئی زیادہ نہ تھی۔شوال ۳ھ میں احد کی پہاڑی کے کنارہ پر پھر دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی' اس میں مسلمانوں کی تعداد سات سو اور کافروں کی تین ہزار تھی۔مگر وہ مسلمان سپاہ کے آگے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکی اور بھاگ نکلی۔مسلمان تیراندازوں کی ایک جماعت جو درہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کی تھی اور جسے کسی بھی حالت میں اپنی جگہ چھوڑنے کی اجازت نہ تھی' جب جنگ کا نقشہ بدلا ہوا دیکھا تو مکمل فتح کا یقین کرتے ہوئے مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوگئی' صرف چند حضرات ہی باقی رہ گئے' خالد بن ولید نے اس درہ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے لئے اسلامی فوج تیار کی تو اس میں یہ بھی چھپ گئے اور چھپنے کا مقصد اس کے سوا کوئی نہ تھا کہ کہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑ جائے اور چھوٹی عمر کی وجہ سے جہاد سے واپس کردئے جائیں۔مگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا اور واپس کردیا' اس پر عمیر رونے لگے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رونے سے متاثر ہوئے اور جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی۔اس وقت حضرت سعدؓ نے خوشی سے بھائی کی گردن پر ہتھیار سیٹ کئے اور دونوں بھائی جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہوگئے۔جب معرکہ ختم ہوا تو سعدؓ اکیلے مدینہ منورہ واپس ہوئے اور عمیرؓ کو سرزمین بدر پر شہید چھوڑا' اور ان کی شہادت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے اچھے بدلہ کے پیش نظر پورا صبر کیا''۔(حیاۃ الصحابہ: عربی ج ۲ ص ۱۱۴)

سیدنا سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کہتے ہیں: احد کے روز مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد بن ربیع کو ڈھونڈ لاؤ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ تمہیں مل جائے تو اسے میری طرف سے سلام کہنا اور اس سے کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ رہے ہیں تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ چنانچہ میں شہداء میں انہیں تلاش کرتا رہا۔ وہ مل گئے ان کے جسم پر تلواروں نیزوں اور تیروں کے ستر زخم تھے۔ میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پہنچائے اور پوچھا: تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب دیا اور کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنا: اجد ریح الجنۃ۔ میں بہشت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر تمہارے جیتے جی، دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا تو تم اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے(۱)...... یہ کہہ کر وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

یہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ وہ انصاری صحابی ہیں جنہوں نے بیعت عقبہ میں اپنی قوم کی نمائندگی کی تھی اور جب مہاجرین و انصار میں مواخات کا سلسلہ قائم ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ان کا بھائی بنایا گیا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت سعد بن ربیع کی صاحبزادی، حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں کی گئی تو آپ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور اس پر بیٹھ گئی اتنے میں حضرت عمرؓ وہاں پہنچے انہوں نے پوچھا یہ بچی کون ہے جس کی اس طرح آؤ بھگت ہو رہی ہے؟ حضرت صدیقؓ نے فرمایا یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو مجھ سے اور آپ سے بہتر تھا۔ کہا: اے جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ آدمی کون تھا؟ فرمایا۔ سعدؓ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہشت میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا تھا، مگر میں اور آپ ابھی رہ گئے ہیں۔ (اصابہ بن ۲۷ ج ۲)

یہی وہ سعدؓ ہیں۔ جن سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا رشتہ مواخات ہوا تھا (کاروان جنت)

حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ

وہ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ جنہوں نے اسلام دشمنی میں روسائے قریش کے کندھوں کے ساتھ اپنا کندھا ملایا تھا۔ جنہوں نے خداداد خطابت کی صلاحیت' جادو بیانی کا ملکہ' شعر و شاعری کا درک' قبیلہ میں اپنا اثر و رسوخ' خاندانی شرافت' ذاتی وجاہت' موہوب مال و دولت سب کچھ اسلام کے خلاف جھونک دیا۔

جن کے دل میں اسلام سے ایسی نفرت تھی کہ اپنے لخت جگر اور اپنے ہی ہاتھ پلے ہوئے عبداللہ اور ابوجندل نے اسلام قبول کیا تو ان کو بھی قید کر کے بیڑیاں ڈال دیں اور اتنی سختی سے بیڑیاں ڈالیں کہ ٹخنوں اور پنڈلیوں سے خون رسنے لگا۔

ہاں! وہی سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ جنہوں نے صلح حدیبیہ کے وقت ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھنے پر اعتراض کیا تھا جن کو ''محمد رسول اللہ'' لکھنے سے انکار تھا۔ جو صلح کے وقت اپنی ایک طرفہ شرائط پر عمل کروانا چاہتے تھے اور اس پر بضد تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی درخواست پر بھی کچھ رعایت کرنے والے نہ تھے۔

جی ہاں! وہی سہیل جن کے اسلام کے خلاف شعلہ نوائی اور زور خطابت کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تھی کہ یارسول اللہ! اگر اجازت ہو تو سہیل کے سامنے کے دو دانت توڑ دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو۔ ممکن ہے ایک وقت وہ تمہیں خوش کر دیں۔

وہ سہیل جو فتح مکہ تک تمام غزوات میں دشمنان اسلام کی طرف سے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے میدان جنگ میں ڈٹے رہے' جو کفر کی بناء پر قید ہوئے حتیٰ کہ فتح مکہ کے

روز بھی انہوں نے مزاحمت کی۔

حضرت سہیل رضی اللہ عنہ جہاندیدہ، معاملہ فہم، حکمت اور عقل و دانش کے حامل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ ارتحال پر جب حضرت عتاب رضی اللہ عنہ جو مکہ مکرمہ کے عامل (گورنر) تھے شدت غم سے نڈھال ہو کر اطراف مکہ چلے گئے تو یہی ان کو ڈھونڈ کر لائے اور انہیں سنبھالا دیا۔ پھر جب حضرت عتاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد میں اپنے اندر قوت گویائی نہیں پاتا، تو مسجد الحرام میں موجود لوگوں کو حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے ویسا ہی خطبہ دیا جیسا خطبہ مسجد نبوی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیا۔

جب کئی روز تک عتاب رضی اللہ عنہ مکہ کی ذمہ داری نبھانے سے عاجز رہے تو حضرت سہیل رضی اللہ عنہ ہی نے فرائض انجام دیئے۔

پھر حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کو اس کا بھی شدت سے احساس تھا کہ میں نے اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑیں، اب اس کی تلافی کرنی چاہئے تو اس تلافی کے لئے انہوں نے قسم کھائی کہ اتنی لڑائی کفار کے خلاف لڑوں گا جتنی مسلمانوں کے خلاف لڑی اور اتنے مال راہ خدا میں وقف کروں گا جتنا کفر کے راستے میں صرف کیا۔

چنانچہ ایک لڑکی اور پوتی کے سوا پورے گھرانے کو لے کر شام کے جہاد میں شامل ہو گئے، اور سب کو راہ خدا میں لگا دیا، وہیں خود نے بھی جام شہادت نوش کیا۔

(رضی اللہ عنہ وارضاہ) (روشن ستارے)

حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... سلیط نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، سلیط بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی، ماں کا نام خولہ تھا۔ نانہالی شجرہ نسب یہ ہے، خولہ بنت عمرو بن حارث بن عمرو بن عبس۔

اسلام...... دعوت اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف با سلام ہوئے اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا، پھر مدینہ آئے۔

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد بدر احد، خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

سفارت...... ۶ھ میں جب آپ نے آس پاس کے امراء اور سلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو ہوزہ بن علی حنفی کے پاس خط لے جانے کی خدمت سلیط کے سپرد ہوئی، ہوزہ نے بڑی خاطر ومدارت کی اور انعام واکرام اور خلعت سے نوازا اور جواب میں لکھا کہ تم جس چیز کی دعوت دیتے ہو بہت بہتر ہے لیکن میں بھی عرب کا ایک معزز ومقتدر شخص ہوں، اس لئے اگر بعض امور میں مجھے بھی شریک کرلو تو میں تمہاری پیروی کے لئے تیار ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سنا تو فرمایا کہ اگر وہ زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی مانگے تو میں نہیں دے سکتا۔

شہادت...... حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مشہور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اولاد میں تنہا ایک لڑکے سلیط بن سلیط تھے۔ (سیر صحابہ)

سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ

☆...قدیم الاسلام اور فضلاء صحابہ میں سے تھے۔
☆...اللہ کی راہ میں حبشہ ہجرت فرمائی۔
☆..آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی کہ اے اللہ سلمہؓ بن ہشام کو نجات عطا فرما۔
☆...زید بن حارثہؓ کے ساتھ سریہ موتہ میں شریک ہوئے۔
☆....ملک شام میں ۱۴ ہجری میں شہید ہوئے۔

ایک قول کے مطابق اس سے سلمہ بن ہشام ولید بن ولید اور عیاش بن ابی ربیعہ مراد ہیں کہ مکہ سے ہجرت کر کے نکلے مگر مشرکین انہیں واپس لے آئے اور انہیں سزائیں دیں دوبارہ پھر نکلے اور ان سے لڑائی کی بعض بچ نکلے اور بعض شہید ہوئے۔

اللہ کے راستے کی شہادت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی پھر اس کے بعد آپ نے رومیوں سے جہاد کے لئے جیوش کو بھیجنا شروع کیا' حضرت سلمہ بن ہشام بھی اس لشکر میں شامل ہو گئے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ملک شام کی جانب رواں دواں تھا۔

☆ حضرت سلمہ بن ہشام ملک شام کی طرف مجاہد بن کر نکلے' شہادت ان کا مقصود تھا' کئی مواقع پر رومیوں سے لڑے جب ''مرج الظفر'' کے مقام پر لڑائی ہوئی تو سلمہ بڑی شدت سے لڑے اور شہید ہو کر اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا۔

۱۴ ہجری ماہ محرم میں شہید ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جرنیل ملک شام کی نمناک مٹی میں آسودہ خاک ہوئے' جس نے اپنے خون سے وہاں کی زمین کو سیراب کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت سلمہ سے راضی ہوں' اور ان پر اپنے انعامات کی بارش برسائیں اور ہمارا حشر ان کے ساتھ فرمائے' بیشک وہ بڑا کریم اور بردبار ہے۔ (روشن ستارے)

حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کی تھوڑی سی اجتہادی لغزش کی بناء پر جنگ کا پانسہ تبدیل ہوا' کفار بزعم خود نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کے لئے ایک بارگی حملہ آور ہوئے تو چند جان نثار صحابہؓ ایسے بھی تھے جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنے ہوئے تھے جس طرف سے بھی تیر وتلوار کا حملہ ہوتا وہ اپنے جسموں پر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے۔

خاص طور پر حضرت شماس رضی اللہ عنہ نے اس وقت جو کردار ادا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے ہوئے جس انداز سے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی وہ رہتی دنیا تک کے جوانوں کے لئے بہت اہم سبق ہے۔

جس وقت غزوۂ احد میں چاراطراف سے کفار تیر وسنان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف بھی (دائیں' بائیں) نظر فرماتے' انہیں حضرت شماس ہی نظر آتے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کررہے ہیں اور اپنی جان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کررہے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ زخم پر زخم کھاتے کھاتے نڈھال ہو گئے' جان میں معمولی رمق باقی رہی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے جائے گئے' جہاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی تیمارداری کرتی رہیں' مگر ان کی قربانی اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو چکی تھی' اس کا انعام ابھی فوری ملنے والا تھا چنانچہ مدینہ میں بغیر کچھ کھائے پیئے شہادت کے رتبہ پر فائز ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو احد کے شہداء کے ساتھ انہی خون آلود کپڑوں میں دفنایا۔

کسی انسان کی خوش قسمتی اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود گواہی دیں کہ فلاں نے میری خاطر جان دی۔ حضرت شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''ما وجدت لشماس شبها الا الجنة'' کہ شماس

کے لئے سوائے ڈھال کے اور کوئی تشبیہ نہیں پاتا۔

اور یہ حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ کا دین کی خاطر پہلا کارنامہ تھا بلکہ اس سے پہلے نہ صرف وہ غزوۂ بدر میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے بلکہ اس سے پہلے انہوں نے ایمان قبول کر کے اپنے آپ کو کفار و منافقین کی اذیت کا نشانہ بنالیا کیونکہ جس وقت وہ مسلمان ہوئے تھے اس وقت مسلمان ہونا بھی بڑی ہمت و جرات کی بات تھی۔

اور آخر میں جنت کی طرف جانے والوں کے قافلہ میں شریک ہو کر دائمی راحت پا گئے۔

رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (ضرب مومن) (روشن ستارے)

ایک صحابی کی شہادت

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ چلے یہاں تک کہ وہ مشرکین سے پہلے بدر (مقام) پر پہنچ گئے۔ مشرکین بھی آ گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بھی پیش قدمی نہ کرے یہاں تک کہ میں خود اس کے بارے میں کچھ کہوں یا کروں۔ پس مشرکین قریب ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس جنت کی طرف اٹھو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ سن کر عمیر بن حمام انصاری کہنے لگے یا رسول اللہ! جنت کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس نے کہا واہ واہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کس چیز نے واہ واہ پر آمادہ کیا؟ اس نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! اس امید کے سواء اور کوئی بات نہیں کہ میں اس جنت میں جانے والوں میں سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم بھی جنت میں جانے والوں میں سے ہو۔ پس انہوں نے اپنے ترکش میں سے چند کھجوریں نکالیں ان کو کھانا شروع کر دیا پھر فرمایا میں اپنی یہ چند کھجوریں کھانے تک زندہ رہا تو یہ زندگی تو لمبی ہوگی جو کھجوریں ان کے پاس تھیں ان کو اس نے پھینک دیا پھر ان مشرکین سے جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے''۔ (مسلم) (روضۃ الصالحین)

حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... صفوان نام، ابوعمرو کنیت نسب نامہ یہ ہے۔ صفوان بن وہب بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری، حضرت صفوانؓ حضرت سہلؓ اور سہیلؓ کے بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت...... حضرت سہلؓ ارض مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اذن ہجرت کے بعد مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور رافع بن معلیٰ میں مواخاۃ کرادی۔

غزوات...... ہجرت کے بعد سب سے اول عبداللہ بن جحش کے ساتھ ایک سریہ میں بھی شریک ہوئے، پھر بدر عظمیٰ میں شرکت کا شرف حاصل کیا، ابن اسحاق کی روایت کی رو سے اسی غزوہ میں طعیمہ ابن عدی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا۔ (سیر صحابہؓ)

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ چھ اصحاب شوریٰ میں سے اور آٹھ سابقین الی الاسلام میں سے اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔

☆ جنکے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہؓ نے واجب کرلی (جنت اپنے اوپر)

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان مبارک القاب سے نوازا۔ طلحہ خیر، طلحہ فیاض، طلحہ سخی۔ آپ فصیح و بلیغ خوبصورت نوجوان تھے۔

☆ جن کی شرافت، سخاوت، متانت، سنجیدگی کی حکایتیں مشہور تھیں اور ان کی ذہانت کے حکیمانہ اقوال بھی مشہور ہیں۔

☆ ان سے ۳۸ روایتیں مروی ہیں۔ جنگ جمل میں ایک تیر آکر لگا جس سے شہید ہوگئے اس وقت آپ کی عمر ۶۲ سال تھی۔ (مشاہیر عالم)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ پیدائش مدینہ منورہ۔ آٹھ برس کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۲۱ برس کی عمر میں جنگ یرموک میں شریک ہوئے ۔ ۲۶ھ میں فتح طرابلس ان ہی کا کارنامہ ہے۔ ۷۲ھ میں جب حجاج بن یوسف فوج ظفر موج لیکر مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا تو آپ وہیں پناہ گزین تھے حجاج بن یوسف مکہ معظمہ پر گولے برساتا رہا جس کے نتیجے میں ابن زبیرؓ کے ساتھی فاقہ کشی سے تنگ آکر حجاج کی صفوں میں شامل ہو جاتے حتیٰ کہ ان کے دولڑکے بھی ان کے ساتھ مل گئے آخری وقت پر ان کی فوج کا علمبردار قتل ہو گیا تو ابن زبیرؓ دس ہزار کے لشکر میں گھس گئے اور تلوار چلانے لگے سامنے سے ایک تیر آیا اور ابن زبیرؓ کے سر میں لگا خون جاری ہو گیا لیکن زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

ولسنا علی الاعقاب قدمی کلومنا
ولکن اقدامنا تقطر دمنا

یعنی ہم وہ نہیں کہ پیٹھ پھیرنے سے ہماری ایڑیوں سے خون گرے بلکہ ہم وہ ہیں جو سینہ سپر رہتے ہیں اور ہمارے پنجوں پر خون گرتا ہے اس رجز کا ورد کرتے ہوئے شہادت پائی۔ (مشاہیر عالم)

حضرت عکرمہ بن ابی جہل المخزومی رضی اللہ عنہ

حضرت عکرمہ ابوجہل کے بیٹے اور ہشام مخزومی قرشی کے پوتے تھے۔ ان کی والدہ کا نام ام مجالد تھا اور وہ بنی ہلال بن عامر سے تھیں۔

اسلام سے پہلے وہ اپنے والد کی طرح اسلام مسلمانوں اور رسول پاکؐ کی دشمنی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کی طرف سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' اسی دوران ان کے والد دو مسلمان بچوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

غزوۂ احد میں مشرکین کی طرف گھوڑ سوار دستے کے میسرہ پر تھے۔

اسی طرح غزوۂ خندق میں بھی مشرکین کی نمائندگی کی تھی اور یہ ان سواروں میں سے تھے جو اپنے گھوڑوں کے ذریعہ خندق پار کر جانے میں کامیاب ہو گئے تھے مگر اس معرکہ میں مشرکین کو کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

فتح مکہ کے دوران خندمہ پہاڑ پر اپنے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلے مگر حضرت خالد بن الولید نے بڑی تیزی اور پھرتی سے انہیں مار بھگایا۔

عکرمہ ان لوگوں میں سے تھے جن کا خون رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مباح قرار دے دیا تھا اس لئے انہوں نے یمن کی راہ لی۔ ان کی چچا زاد اور بیوی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام چونکہ اسلام لے آئی تھیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کے حق میں امان طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان دے دی۔ وہ ان کی تلاش میں یمن گئیں اور انہیں ساتھ لے کر مدینہ پہنچیں۔ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عکرمہ کو دیکھا تو فرمایا۔

”مرحبا بالراکب المهاجر“ مہاجر سوار خوش آمدید۔

حضرت عکرمہ نے ۸ھ میں اسلام قبول کیا‘ کلمہ شہادت پڑھ کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بخشش کی دعا کی درخواست کی اور پھر اس کے بعد سچے اور نیک مسلمانوں میں شامل ہو گئے۔ ان کے اسلام لے آنے کے بعد مسلمان کہہ دیا کرتے کہ یہ اللہ کے دشمن کا بیٹا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روکا اور فرمایا۔ مردوں کو برا بھلا کہہ کر زندوں کو تکلیف نہ دو“۔

۱۱ھ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہوازن کے صدقات کی وصولی پر مامور فرمایا۔ یہ ان کے حسن اسلام اور امانت کی بہت بڑی اور مضبوط دلیل ہے۔

حضرت ابوبکر نے انہیں مسیلمہ کذاب کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور ان کی مدد کے لئے شرحبیل بن حسنہ کو بھی روانہ کیا۔ مگر انہوں نے یمامہ پہنچتے ہی مسیلمہ کی قوم بنوحنیفہ پر حملہ کر دیا جس میں انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس پر انہوں نے حضرت ابوبکر کو لکھا تو انہوں نے اسی طرف رہنے کی ہدایت کی اور کچھ مزید ذمہ داریاں سونپ دیں۔ چنانچہ ان کے حکم پر حضرت عکرمہ نے عمان‘ مہرہ‘ یمن‘ حضرموت اور کندہ کی فتوحات میں بڑا نمایاں حصہ لیا اور یہ علاقے دوبارہ اسلام کے جھنڈے تلے آ گئے۔

مرتدین سے فارغ ہو کر حضرت عکرمہ نے ارض شام کی راہ لی اور وہاں کی چھوٹی بڑی تمام مہموں میں خوب خوب داد شجاعت دی۔

جنگ یرموک میں حضرت خالد بن الولید کی کمان میں وہ اپنے چھ ہزار مجاہدوں کے کمانڈر کی حیثیت سے شریک تھے۔ حضرت خالد کے حکم پر عکرمہ اور قعقاع نے بڑی بہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔ رومیوں نے مسلمانوں کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے لئے بڑا زوردار حملہ کیا تو اس پر حضرت عکرمہ نے کہا ”میں نے حالت کفر میں ہر مقام پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کیا اور اپنی جگہ سے نہیں ہٹا اور آج مسلمان ہوتے ہوئے تم لوگوں سے بھاگ جاؤں گا؟ پھر انہوں نے اپنے مجاہدوں کو ان الفاظ میں للکارا ”من يبايعني على الموت؟“ موت پر میری بیعت کون کرتا ہے؟ اس آواز پر ۴۰۰ مجاہد سامنے آ گئے جن میں ان کے چچا حارث بن ہشام اور ضرار بن الازور بھی شامل تھے۔ یہ سب خالد بن

الولید کے سامنے دشمن کے آگے ڈٹ کر لڑتے رہے۔

حضرت عکرمہ دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے۔ انہیں کہا بھی گیا کہ کچھ اپنا بھی تو خیال رکھیں تو انہوں نے کہا "میں تو لات وعزیٰ کی خاطر بڑے بڑے خطرے مول لیتا رہا ہوں اور کیا آج اللہ اور اس کے رسول کی خاطر اپنی اس جان کو بچا کر رکھوں گا؟ بخدا کبھی نہیں"۔ برابر آگے بڑھتے رہے اور سخت زخمی ہوئے ان کے چچا حارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

حضرت عکرمہ نے پانی مانگا جب پانی ان کے پاس لایا گیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ سہیل کی نظر بھی پانی پر ہے۔ کہا کہ پہلے سہیل کو پلا دو۔ جب پانی ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے حارث بن ہشام کو پانی کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا۔ سہیل نے کہا کہ پہلے حارث کو پلا دو۔ جب پانی پلانے والا حارث کے پاس پہنچا تو وہ شہادت کے مقام پر فائز ہو چکے تھے۔ واپس سہیل کی طرف آیا تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اور جب عکرمہ کے پاس پہنچا تو وہ بھی اپنے رب سے مل چکے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی پانی نہ پی سکا مگر اپنے ایثار کی مثال بعد میں آنے والوں کے حق میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ گیا اور اس میں بھی پہل حضرت عکرمہ کی طرف سے ہوئی تھی۔

حضرت عکرمہ کے جسم پر تیروں، نیزوں اور تلوار کے ستر سے اوپر زخم تھے۔

حضرت عکرمہ اسلام سے پہلے قریش کے سردار اور قائد تھے۔ اسلام کے بعد پھر وہ مسلمانوں کے قائد اور سردار رہے۔ انہوں نے اسلام سے پہلے کی اسلام دشمنی کا کفارہ نماز روزہ، صدقات اور جہاد سے کیا۔ جنگ یرموک میں اللہ کی راہ میں اپنی اور اپنے اکلوتے بیٹے کی جان کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی اور ہمیشہ کے لئے صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ آرام کر رہے ہیں۔

حضرت عکرمہ بڑے سخی، مہمان نواز، غیور، سچے وفادار، تجربہ کار، شاعر، خطیب مشہور شہسوار بہادر انتہائی دلیر قائد اور شجاع تھے۔ انہوں نے ہر معرکہ میں اپنی شجاعت کا لوہا منوایا۔ ان میں تقریباً تمام قائدانہ صفات موجود تھیں۔ ان کے بہادرانہ کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ مسلمان مجاہدوں کا حوصلہ بلند ہوا۔ ۱۴ھ کو جنگ یرموک میں ۶۲ سال کی عمر میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ (سیر الصحابہ)

عقبہ بن نافع

شہادت: عقبہ قیروان آتے ہوئے جب افریقی سرحد طبنہ پر پہنچے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو گروہ در گروہ اپنے اپنے طور پر قیروان پہنچنے کو کہا اور خود اپنے ہمراہ تین سو سواروں کے ساتھ تہوذہ کا قصد کیا، جب رومیوں نے انہیں اتنی تھوڑی تعداد میں دیکھا تو انہوں نے قلعہ کے دروازے بند کر لئے اور انہیں برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ یہ برابر انہیں دین اسلام کی طرف بلاتے رہے مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ رومیوں نے کسیلہ جو عقبہ کے لشکر میں تھا (اور مسلم تھا) سے ساز باز کی۔ یہ ان کے ساتھ مل گیا اور سپاہ میں اس کے جو رشتہ دار تھے انہیں بھی ساتھ ملا لیا۔ عقبہ نے کسیلہ کو سبق سکھانا چاہا مگر وہ کسی اور راستے سے جان بچا کر نکل گیا۔ ابوالمہاجر بھی عقبہ کے ساتھ تھے۔ انہیں حکم دیا کہ مسلمانوں کا خیال رکھنا اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں شہادت کو غنیمت سمجھتا ہوں۔ ابوالمہاجر نے کہا کہ میں بھی شہادت کا متمنی ہوں۔ عقبہ اور ان کے ساتھیوں نے میان سے تلواریں نکال کر (دشمن) کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور زاب کے علاقہ میں تہوذہ کے مقام پر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اور ان کے تمام ساتھیوں نے بھی شہادت پائی۔

عقبہ نے ۶۳ھ میں تہوذہ کے معرکہ میں شہادت پائی۔ ان کی قبر زاب میں ہے۔ وہاں عقبہ کے نام سے ایک مسجد بھی ہے۔ اور ان کے ساتھیوں کے مزار ہیں۔

عقبہ ولادت کے لحاظ سے صحابی اور بڑے سمجھ دار منتظم تھے وہ تقویٰ کے انتہائی بلند مقام پر تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کی زندگی جہاد کے لئے مخصوص تھی۔

حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ابھی ان کی عمر ہی کیا تھی، سن بلوغت کو پہنچے ہی تھے، کھیل کود کا زمانہ تھا، یاروں کے ساتھ گھومنے پھرنے کا وقت تھا سنجیدگی کے لئے تو ابھی خاصا وقت باقی تھا۔

مگر وہ تو ان لوگوں میں سے تھے جو شروع وقت سے اسلام کے جادۂ حق کے راہرووں میں شامل ہو گئے۔ زمانہ اگرچہ نوعمری کا تھا مگر وہ قیامت تک آنے والے نوجوانوں کو سبق سکھانا چاہتے تھے۔ رب کی خاطر قربانی کا جذبہ ان کو دکھانا چاہتے تھے۔ راہ حق میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کا ڈھنگ سکھانا چاہتے تھے۔

ورنہ ان کی عمر وہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی صغر سنی کی بناء پر ان کو میدان جہاد سے گھر واپس جانے کا حکم فرما دیا تھا۔ جس کا انہیں پہلے ہی سے دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہ چھپتے پھر رہے تھے کہ ان کے بھائی سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پوچھ ہی لیا کہ "اے بھائی! تجھے کیا ہوا؟ کیوں چھپ چھپ کر چلتے ہو؟ عرض کیا بھائی جان! کھٹکا ہے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس نہ فرمادیں جبکہ میں تو شریک جہاد ہونا چاہتا ہوں شاید مرتبہ شہادت پالوں۔

دین کی خاطر یہ کوئی پہلی قربانی نہ تھی اس سے پہلے بھی انہوں نے دین حق کی خاطر اپنے دوست احباب اور وطن مالوف کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مواخات حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمائی۔

پھر جب حق و باطل کے پہلے معرکہ "بدر" کا وقت قریب آیا تو انہیں بھی شہادت کا شوق ہوا اور قافلہ والوں کے ساتھ شامل ہو گئے مگر خطرہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس نہ فرمادیں اس لئے چھپ چھپ کر چلتے رہے۔

مگر کب تک! جب تمام جان نثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک ایک ہو کر گزرنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کم عمری کی بناء پر ان کو واپس جانے کو فرمایا۔

یہ جو شوق شہادت سے بے تاب تھے' کفار سے جنگ کا جذبہ دل میں موجزن تھا' رتبہ شہادت سے سرفراز ہونا چاہتے تھے اور شہداء بدر میں شامل ہونے کے خواہش مند تھے اور دائمی سعادت پا کر رب کے حضور حاضر ہونا چاہتے تھے یہ حکم سن کر بے تاب ہو گئے اور تھے بھی بچے' رونا شروع کر دیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تمنائے شہادت اور جذبہ جہاد کو دیکھا تو اجازت مرحمت فرما دی۔

اپنی کم سنی کی بناء پر اسلحہ سے آراستہ بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت سے خود اپنے دست مبارک سے ان کے تلوار باندھی پھر کیا تھا تلوار چلاتے چلاتے دشمن میں جا گھسے اور نہایت شجاعت سے لڑتے رہے اور داد شجاعت دیتے رہے' بالآخر ان کی تمنا پوری ہوئی اور مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

یہ حضرت عمیر بن ابی وقاص بن وہیب قریشی رضی اللہ عنہ ہیں جن کی عمر شہادت کے قریب صرف ۱۶ سال تھی۔ رضی اللہ عنہ۔ (ضرب مومن) (روشن ستارے)

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ

قبول اسلام سے شہادت تک

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جود و سخا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اعتراف تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی خاص وصف کی بناء پر قوم کا سردار بنایا تھا اور ان کے سردار بننے سے قوم کھل اٹھی تھی۔ اسلام سے پہلے بت خانہ کی نگرانی ان کے ذمہ تھی اور خود بہت اہتمام سے صبح و شام بت کی پرستش کیا کرتے تھے اور نہایت توجہ سے اس کو بنا سنوار رکھتے تھے اور اسی حال میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کو اسلام کی مٹھاس چکھنے کا موقع میسر ہوا تو اپنی سابقہ زندگی پر ندامت کا اظہار کرتے تھے اور دین اسلام پر سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

چنانچہ غزوۂ احد کے موقع پر جب مسلمان کفار مکہ کے خلاف جنگ کے لئے جا رہے تھے تو یہ بھی اصرار کرنے لگے کہ بیٹو! میں بھی تمہارے ساتھ جنگ کرنے جاؤں گا۔

لڑکوں نے سمجھایا کہ آپ بوڑھے ہو گئے' آپ کی عمر لڑائی کی نہیں ہے اور پھر آپ کے ایک پاؤں میں لنگ بھی ہے اس لئے آپ مکلّف نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی ہے تو کیوں آپ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا چاہتے ہیں؟

یہ سننا تھا کہ یہ سخت ناراض ہوئے اور سیدھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ میرے بیٹے مجھے میدان جہاد سے روک رہے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ میں لنگڑا ہوں' لیکن میں تو یارسول اللہ یہ چاہتا ہوں کہ میں شہید ہو کر اسی لنگڑے پاؤں کو گھسیٹتا ہوا جنت میں جاؤں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اخلاص اور شوق جہاد و تمنائے شہادت کی بناء پر ان کے بیٹوں سے فرمایا ان کو جانے دو شاید اللہ تعالیٰ ان کو شہادت کا مرتبہ نصیب فرما دے۔

جب ان کو اجازت مل گئی تو شاداں شاداں اپنے گھر لوٹے پھر جہاد کی تیاری کی اور اپنی اہلیہ کو الوداع کہا۔

اے اللہ! مجھے شہادت عطا فرما اور مجھے نامراد گھر نہ لوٹا۔

پھر اپنے بیٹوں اور اپنی قوم کی ایک بڑی جماعت کو لے کر میدان جہاد کی طرف خوشی خوشی چل دیئے۔ میدان جہاد میں ان کو لوگوں نے دیکھا کہ آپ ہراول دستہ میں شامل ہیں اور اپنی انہیں ٹانگوں پر اچھلتے اور اکڑتے ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے۔

انی لمشتاق الی الجنة انی لمشتاق الی الجنة

کہ بے شک میں جنت کا مشتاق ہوں بے شک میں جنت کا مشتاق ہوں جب مسلمانوں کی طرف سے ایک بات پیش آنے کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمان منتشر ہو گئے تو یہ تلوار لے کر کفار کی صفوں میں جا گھسے۔ ان کے پیچھے ان کے بیٹے خلاد بھی تھے۔ دونوں بڑی دلیری کے ساتھ لڑتے رہے یہاں تک کہ کفار کی ایک بڑی تعداد کے درمیان یہ لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کر گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے یہ بشارت دی کہ "میں عمرو کو جنت میں اپنے لنگڑے پاؤں کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں"۔

ان کی شہادت کی خبر سن کر ان کی اہلیہ ہند رضی اللہ عنہا ایک اونٹ لے گئیں اور اپنے خاوند اور بیٹے کی نعش کو اس پر لاد کر دفن کے لئے مدینہ لانے لگیں تو وہ اونٹ زمین پر بیٹھ گیا۔ ہر چند اس کو ہانکا گیا مگر اس نے مدینہ کی طرف قدم نہ اٹھایا اور احد کی طرف ہی منہ کر لیا۔ جب ہند رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قصہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا ان میں سے کسی نے چلتے وقت کچھ کہا تھا؟

ہند رضی اللہ عنہا نے کہا ہاں یا رسول اللہ! میرے خاوند نے چلتے وقت یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! مجھے شہادت عطا فرما اور مجھ کو شہادت کی سعادت کے بغیر گھر والوں کی طرف واپس مت فرما۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اونٹ اسی وجہ سے اس طرف نہیں جاتا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دیگر شہداء کے ساتھ ان کو دفنا دیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔

یہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا مختصر حال تھا جنہوں نے بڑھاپے میں لنگڑا ہونے کے باوجود اپنی سرداری کو چھوڑ کر میدان جہاد کا رخ کیا اور وہ جام شہادت نوش فرما کر امت محمدیہ کو سبق سکھا گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ (روشن ستارے)

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحد میں اپنی بیوی اور دونوں بیٹوں سمیت شرکت فرمائی۔ ان کی بیوی حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی شجاعت اور بہادری اور ان کے جذبہ خدمت کی مثال بھی کمیاب تھی۔ وہ بے خوف وخطر خطرہ کی جگہ کود پڑتی تھیں۔ غزوات میں شامل ہوتیں اور مشک بھر بھر کر مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی خبر گیری کرتی تھیں غزوۂ احد میں یہی کام انجام دے رہی تھیں۔ دیکھا کہ ابن قمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر رہا ہے تو دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے ہوئے خود زخمی ہو گئیں جس سے مونڈھے پر گہرا زخم آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ میں ان کو احد میں اپنے دائیں، بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا اور خود فرماتی ہیں کہ میں نے بھی بڑھ کر ابن قمیہ پر وار کیا مگر اللہ کا دشمن دوزرہیں پہنے ہوئے تھا۔ یہ ایسی پختہ ایمان والی عورت تھی کہ جب ان کو ان کے بیٹے کی شہادت کی خبر دی گئی تو کہا "اپنے بیٹے کو اسی لئے تو تیار کیا تھا میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی طلب گار ہوں۔ میرے بیٹے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر عقبہ میں بیعت کی اور آج اس کا حق ادا کر دیا۔"

پھر اپنے بیٹے کے قاتل مسیلمہ کذاب کے قتل کی منت مانی اور اپنے دوسرے بیٹے کے ساتھ جنگ یمامہ میں شریک ہوئیں اور ایسی پامردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔ جب ماں باپ دونوں دین کے سچے عاشق ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی ہوں، شجاعت و بہادری کے پیکر ہوں، دین کی خاطر مر مٹنے کے لئے تیار ہوں اور اسی نہج پر اپنی اولاد کی تربیت کرتے ہوں تو ان کے بچوں کا جو عالم ہوگا وہ ظاہر ہے۔ چنانچہ ان کے دو ہی صاحبزادے تھے۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ جنہوں نے اس دین کی خاطر اپنے جسم کے ٹکڑے کروائے اور ان کے سامنے ایک ایک حصہ جسم سے کٹتا گیا مگر دین کو چھوڑا نہ حضور کی محبت سے منہ موڑا۔ (جن کا تذکرہ اسی سلسلے میں آ چکا ہے) دوسرے بھائی حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ ہیں جو بہادری، جوانمردی اور بے جگری سے لڑنے میں والدین کے نقش قدم پر تھے اور ان کی جوانی اس پر مستزاد تھی۔

غزوۂ احد میں انہوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنالیا اور دشمن کی طرف سینہ تان کر کھڑے ہو گئے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے والا تیر ان کے سینے میں لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ سکے۔ ان کی فدائیانہ طرز عمل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خوشی ہوئی وہ ظاہر ہے۔

جنگ یمامہ میں یہی اپنی اولاد کو لے کر معرکہ میں شریک ہوئے اور اپنی ثابت قدمی اور دلیری کا خوب مظاہرہ فرمایا، حتیٰ کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے جب مسیلمہ کذاب کو تیر مارا تو انہوں نے ہی بڑھ کر تلوار کا وار کیا اور دشمن خدا، موذی رسول اللہ کو انجام تک پہنچایا۔ مسیلمہ کذاب کے قتل سے مسلمانوں کو جو خوشی و مسرت ہوئی وہ اندازہ سے باہر ہے۔ خاص طور پر ان کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور دل خوشی سے کھل اٹھا۔

اس گھرانے کی ان خصوصیات کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے گھر کبھی تشریف لے جاتے تھے، جس سے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی خوب فائدہ اٹھایا اور خوب استفادہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو اپنایا جو ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی بھی دلیل ہے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں وضو فرمایا۔ یہ دیکھتے رہے اور اس وضو کو بعینہ یاد کر لیا۔ اس کے ایک زمانہ کے بعد لوگوں نے جب ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت دریافت کی تو ٹھیک اسی طرح وضو کر کے دکھایا۔

آپ نے ۶۳ھ میں شہادت پائی۔ رضی اللہ عنہ (کاروان جنت)

حضرت عبداللہ بن سہیل القرشی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی والد کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے شروع وقت میں دین اسلام کو اپنے دل میں جگہ دی اور اسی دین کی حفاظت کی خاطر اپنے مانوس گھر، وطن اور محبت کرنے والے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر ارض حبشہ کی طرف (جبکہ مسلمان حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کر رہے تھے) ہجرت کی اور اپنے کو سابقین اولین "اول وہلہ میں اسلام قبول کرنے والے" کے زمرہ میں شامل کرالیا۔

حبشہ سے واپسی پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کی پکڑ سے نہیں بچ سکے اور والد نے ان کو قید میں ڈال دیا اور مذہب اسلام کو چھوڑنے پر مجبور کرنا شروع کیا، انہوں نے مصلحتاً اپنی ایسی حالت بنائی کہ والد نے سمجھا کہ بیٹا میرے کہنے پر آ گیا اور اب یہ ہمارا ساتھ دے گا۔ اسی خوش فہمی میں ان کے والد ان کو اپنے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں بدر کے میدان میں لے گئے اور یہ بھی کفار کے ساتھ میدان بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جس اسلام کو اول وہلہ میں قبول کیا وہ کوئی جذباتی فیصلہ نہ تھا کہ اس سے منہ پھیر لیا جاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ایسی نہ تھی کہ اس کو دلوں سے مٹایا جا سکتا، اس لئے بظاہر وہ کفار کے لئے لڑنے آ رہے تھے لیکن حقیقت میدان بدر میں واضح ہوئی، جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ میدان بدر پہنچے تو ایک طرف مسلمانوں کی مختصر جماعت تھی دوسری طرف کفر کا لشکر تھا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دل مچل رہا تھا اور وہ موقع کی تاک میں تھے کہ کب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہو سکوں، پھر انہیں وہ موقع میسر آ ہی گیا جس میں انہوں نے کفار کو پیچھے چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ مل گئے اور پھر مسلمانوں کی طرف سے انہوں نے غزوۂ بدر کے معرکہ میں حصہ لیا، اس طرح انہیں ان صحابہ رضی اللہ عنہ کی فہرست میں شامل ہونے کا موقع حاصل ہوا جن صحابہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت، برتری اور مرتبہ عیاں ہے۔ غرض ان کا والد اپنے بیٹے کو شقاوت و بدبختی کی طرف لے جا رہا تھا مگر اللہ تعالیٰ

نے اسی شقاوت و بدبختی کے راستے میں ان کے بیٹے کے لئے خیر کی راہیں کھول دیں۔

آج وہ صرف مسلمانوں کے ساتھ میدان جنگ میں شریک ہونے میں کامیاب نہ ہوئے تھے بلکہ انہیں اپنے والد کے قبضے سے بھی خلاصی مل گئی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس کے بعد بھی برابر غزوات میں شرکت کی۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر جب کفار قریش کا سارا زور ٹوٹ چکا تھا عام معافی کے موقع پر چند مجرموں کو معاف نہ کیا جاتا تھا جن میں ان کے والد کا نام بھی شامل تھا۔

ان کے والد نے اپنے بیٹے کے نام پیغام بھیجا اور اپنے لئے امان لینے کی درخواست کی۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے والد کی درخواست پیش کی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد کو امن دیا اور لوگوں سے یہ فرمایا کہ جو تم میں سے سہیل کو دیکھے تو اس کی طرف تیز نگاہ بھی نہ ڈالے اور سہیل کے بارے میں یہ کلمات بھی ارشاد فرمائے۔

"ان سهيلا له عقل و شرف و مامثل سهيل جهل الاسلام"

کہ بے شک سہیل عقل و شرف والا ہے سہیل جیسا شخص اسلام سے جاہل نہیں رہ سکتا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا جس پر وہ خوش ہوا اور کہنے لگا اللہ کی قسم وہ چھوٹی عمر میں بھی نیک تھا اور بڑی عمر میں بھی۔

یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے والد کی بداعمالیوں کے باوجود ان پر احسان کیا اور اپنے والد کی سختیوں کا کسی قسم کا بدلہ نہ لیا۔ ان سے ان کے والد کو اسی کی توقع تھی اور ان کے والد ہمیشہ ان سے خیر و بھلائی کی توقع رکھتے تھے حتیٰ کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں ۳۸ سال کی عمر میں شہید ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے والد (جواب مسلمان ہو چکے تھے) حضرت سہیل بن عمر رضی اللہ عنہ سے تعزیت کی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ شہید اپنے گھر والوں میں سے ستر آدمیوں کی شفاعت کرے گا مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے وہ میری ہی شفاعت کرے گا۔

مختصر یہ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ میں سے تھے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت، عقیدت، دین کا جذبہ اور دین پر مر مٹنے کا ولولہ تھا اور بالآخر اسی دین کی خاطر مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔ (ضرب مومن) (روشن ستارے)

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عامر، اور کنیت ابو عمرو ہے، والد کا نام فہیرہ ہے۔

آپ طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اخیافی بھائی اور قبیلہ ازد کے ایک فرد تھے۔

آپ بھی ان عظیم الشان ہستیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے ابتدائی ایام میں ہی دعوت حق قبول کی۔

غلامانہ بے بسی کے ساتھ جب اسلام کا اعلان کر دیا تو سخت سے سخت اذیتوں اور مصیبتوں کا آنا تو اس ماحول میں یقینی تھا۔ چنانچہ آپ سخت اذیتیں برداشت کیں۔

بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست کرم نے غلامی کی قید سے نجات دلائی۔

آپ ان ستر قراء میں سے ایک ہیں جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴ھ میں بیر معونہ کی تبلیغ و تعلیم پر مامور فرمایا تھا۔ رعل وذکوان کے قبائل نے غداری کی اور اس تمام جماعت کو شہید کر دیا۔

اس جماعت میں سے صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ زندہ گرفتار ہوئے تو عامر بن طفیل نے حضرت عامر کی لاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے۔ انہوں نے بتایا یہ عامر بن فہیرہ ہیں، اس نے کہا میں نے انہیں قتل ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے یہاں تک کہ آسمان و زمین کے درمیان فرق معلق نظر آئے اور پھر زمین پر رکھ دئے گئے۔

آپ کے جسم میں جس وقت جبار بن سلمی کا نیزہ پار ہوا تو آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

''خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ (کاروان جنت)

رفیق ہجرت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عامر بن فہیرہ کے سوا کوئی نہیں تھا یابنی الدیل کا ایک آدمی تھا جو انہیں راستہ بتاتا تھا۔

غار کی تین راتوں کے دوران بکریاں وہاں لے جانا

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت پر روانہ ہوئے تو تین راتیں غار میں رہے اور عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا وہ آپ کی بکریاں چراتے ہوئے رات کو ان کے پاس جاتے تھے صبح کو دوسرے چرواہوں کے ساتھ چراگاہوں میں جاتے اور شام کو ان کے ساتھ واپس آتے ہوئے ان سے پیچھے پیچھے چلتے رہے، جب اندھیرا ہو جاتا تو اپنی بکریاں ان کی طرف موڑ لیتے اور چرواہے سمجھتے کہ عامر بن فہیرہ ہمارے ساتھ آرہے ہیں۔

شہادت کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے حتیٰ کہ مدینہ پہنچ گئے۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیر معونہ کی لڑائی میں شہید کر دیئے گئے اور حضرت عمرو بن امیہ گرفتار کئے گئے تو ان سے عامر بن طفیل نے کہا کہ یہ کون ہے اور شہید کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمر بن امیہ نے جواب دیا یہ عامر بن فہیرہ ہیں تو عامر بن طفیل نے کہا میں اسے قتل ہونے کے بعد دیکھا کہ یہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا حتیٰ کہ میں زمین اور اس کے درمیان آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ (روشن ستارے)

حضرت عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شہادت

جنگ یرموک کے دن وہ ایک شعلہ جوالہ اور کوندتی ہوئی بجلی کی طرح رومی سردار کی طرف چلے اور اس کے ایک نیزہ مارا۔ آپ کے پاس یہ نیزہ بہت سی لڑائیوں اور خصوصاً ردہ اور یمامہ کی جنگ میں ساتھ رہا تھا مگر اس وقت لگتے ہی ٹوٹ گیا۔ آپ نے فوراً اسے ہاتھ سے پھینک کر تلوار میان سے کھینچی اور اس کو جنبش دیتے ہوئے اس کی طرف بڑھ کر شانے پر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ جو انتڑیوں تک پہنچتا چلا گیا اور رومی سردار زمین پر آ رہا۔ آپ اس کی طرف دوڑے اور اس کا گھوڑا پکڑ کے مسلمانوں کے لشکر میں لے آئے اور اپنے بیٹے کے سپرد کر کے پھر میدان کی طرف چلے اور پہنچتے ہی رومیوں کے میمنہ پر حملہ آور ہو گئے۔ وہاں سے گھوڑے کو ایڑ بتا کے میسرہ پر آئے اور یہاں قوت آزمائی کر کے قلب پر آ وارد ہوئے۔

اس کے بعد گھوڑے کو مہمیز کر کے نصرانی عربوں کی طرف بڑھے اور ان کے چند سوار تلوار کے گھاٹ اتار کے ھل من مبارز کا نعرہ لگانے لگے۔ جبلہ بن ایہم غسانی جو ریشمین طلائی کام کی ایک زرہ جس کے نیچے تابعہ کی زرہوں سے ایک زرہ تھی پہن رہا تھا اور جس کے سر پر آفتاب جیسا چمکنے والا ایک خود تھا قوم عاد کی نسل کے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کے مقابلہ کے لئے نکلا اور کہنے لگا تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔ آپ نے فرمایا دوسی سے اس نے کہا تم اہل قرابت میں سے ہو اپنی جان پر رحم کرو اور اس طمع کو چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف ہی لوٹ جاؤ۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھے بتلا دیا کہ میں فلاں شخص اور فلاں قبیلے سے ہوں۔ اب تو بھی بتا کہ تو کن عربوں میں ہے۔ اس نے کہا میں غسان سے ہوں اور ان تمام کا سردار ہوں۔ میرا نام جبلہ بن ایہم غسانی ہے تم نے جب اس سردار کو جو شجاعت میں جر

جیر اور باہان کی نظیر تھا قتل کر دیا تو میں نے سمجھ لیا کہ تم میرے برابر ہو یہ سمجھ کر اور تمہیں دیکھ کر میں تمہاری طرف نکلا کہ تمہیں قتل کر کے باہان اور ہرقل کے دربار میں سرخ روئی اور بہرہ مندی حاصل کروں۔ آپ نے فرمایا تیرا اپنی قوم ان کی شدت اور ڈیل ڈول بیان کرنا سو اللہ جل جلالہ جو محافظ ہیں ان سے بھی زیادہ اشد اور ظالموں کے ظلم کا مزہ چکھانے والے ہیں۔ رہا تیرا یہ کہنا کہ میں اپنی جیسی مخلوق کو تیرے قتل سے خوش کروں گا۔ سو میں بھی چاہتا ہوں اور میرا ابھی ارادہ ہے کہ میں تجھے قتل کر کے اپنے جہاد فی سبیل اللہ سے رب العالمین کو خوش کر کے اجر وثواب کا متمنی ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے حملہ کر دیا۔

ادھر جبلہ بن ایہم غسانی نے بھی وار کیا مگر آپ کا ہاتھ او چھا پڑا اور جبلہ کا وار اپنا کام کر گیا اور اس کی تلوار آپ کے گیسوئے معنبر سے مونڈھے تک کاٹتی چلی گئی جس کی وجہ سے آپ شہید ہو کر زمین پر گر پڑے۔ جبلہ گھوڑا کوداتا ہوا ادھر ادھر پھرنے لگا اور اپنی بہادری پر ناز اور تعجب کرتا ہوا پھر ایک جگہ کھڑے ہو کے اپنے مدمقابل کو طلب کرنے لگا۔

حضرت عامر بن طفیل کے صاحبزادے حضرت جندب بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنے والد ماجد کا نشان لئے ہوئے کھڑے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ایہا الامیر! میرے والد شہید ہو گئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کا بدلہ لوں یا انہی کے پاس پہنچ جاؤں۔ آپ مجھ سے یہ نشان لے کر قبیلہ دوس کے جس کسی آدمی کو چاہیں دے دیں۔ آپ نے وہ نشان لے کر دوس کے ایک اور آدمی کے سپرد کر دیا اور حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب ذیل اشعار پڑھتے ہوئے جبلہ بن ایہم غسانی کی طرف چلے۔

(ترجمہ اشعار) میں اپنی جان کو ہمیشہ خرچ کرتا رہوں گا کیونکہ میں اپنے رب کریم سے بخشش کی تمنا رکھتا ہوں۔ میں دشمنوں کو اپنی تلوار سے مارنے کی کوشش کروں گا اور ہر ظالم اور مردود کو قتل کر کے رکھ دوں گا جنت اور باغہائے بہشت حق کی رو سے ہر ایک شجیع اور صابر کے لئے مباح ہو جاتی ہیں۔ (فتوح شام)

حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... عبداللہ نام' ابو محمد کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قرشی عامری ماں کا نام بہنانہ تھا اور قبیلہ بنو کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

اسلام وہجرت...... آغاز دعوت میں مشرف باسلام ہوئے' اسلام کے بعد ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا۔ پھر وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور فردہ بن عمرو بیاضی میں مواخاۃ کرادی۔

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے اور بدری ہونے کا امتیاز حاصل کیا' اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی بدر کے بعد احد اور خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

شہادت...... حضرت عبداللہ کا جذبہ شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ہر موئے بدن خونابہ فشانی کے لئے بے قرار رہتا تھا۔ چنانچہ وہ دعا کیا کرتے تھے' کہ ''خدایا تو مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک میرے جسم کا جوڑ جوڑ تیری راہ میں زخموں سے چور چور نہ ہو جائے''۔ یہ دعا قبول ہوئی اور بہت جلد اس کا موقع مل گیا' حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مہم میں مجاہدانہ شریک ہو گئے اور مرتدوں کے مقابلہ میں اس بے جگری سے لڑے کہ جسم کے تمام جوڑ بند زخموں سے چور ہو گئے۔ رمضان کا مبارک مہینہ تھا روزہ رکھے ہوئے تھے عبداللہ بن عمرؓ غروب آفتاب کے وقت جب کہ ابن مخرمہؓ کا آفتاب عمر لب بام آچکا تھا' ان کی خبر لینے آئے انہوں نے پوچھا ابن عمرؓ تم افطار کر چکے؟ انہوں نے کہا ہاں' فرمایا میرے لئے بھی پانی لاؤ لیکن پانی آتے آتے ابن مخرمہ تشنہ لب حوض کوثر پر پہنچ گئے اس وقت ان کا اکتالیسواں سال تھا۔

اہل وعیال...... اولاد میں صرف ایک صاحبزادہ مساحق کا پتہ چلتا ہے' یہ زینب بنت سراقہ کے بطن سے تھے۔

فضل وکمال...... ابن مخرمہ علم وعمل اور زہد وورع کے لحاظ سے ممتاز شخصیت کے مالک تھے' صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں و کان فاضلا عابدا یعنی ابن مخرمہؓ فاضل اور عبادت گزار تھے۔ (سیر صحابہ)

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ

نام ونسب: عبداللہ نام، خاندان سلمہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن عتیک بن قیس بن اسود ابن مری بن کعب بن غنم بن سلمہ۔

ہجرت: ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات: غزوۂ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے، احد اور باقی غزوات میں شریک تھے۔

رمضان ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار آدمیوں پر امیر بنا کر ابورافع کے قتل کرنے کے لئے خیبر بھیجا تھا۔ ابورافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غطفان وغیرہ کو بھڑکا کر بڑا جتھا اکٹھا کر لیا تھا۔ یہ لوگ شام کے قریب قلعہ کے پاس پہنچے عبداللہؓ نے کہا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرو میں اندر جا کر دیکھتا ہوں۔ پھاٹک کے قریب پہنچ کر چادر اوڑھ لی اور حاجت مندوں کی طرح دبک کر بیٹھ گئے۔ دربان نے کہا میں دروازہ بند کرتا ہوں اندر آنا ہو تو آ جاؤ۔ اندر جا کر اصطبل نظر آیا اسی میں چھپ رہے۔ ارباب قلعہ کچھ رات تک ابورافع سے باتیں کرتے رہے اس کے بعد سب اپنے اپنے گھروں میں جا جا کر سو رہے۔

سناٹا ہوا تو حضرت عبداللہؓ نے دربان کو غافل پا کر پھاٹک کھولا اور ابورافع کی طرف چلے وہ بالا خانہ کی طرف رہتا تھا اور بیچ میں بہت سے دروازے پڑتے تھے۔ یہ جس دروازے سے جاتے اس کو اندر سے بند کر لیتے تا کہ شور ہونے پر کوئی ابورافع تک نہ پہنچ سکے۔ ان مراحل کے طے کرنے کے بعد ابورافع کا بالا خانہ نظر آیا۔ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اندھیرے کمرے میں سو رہا تھا۔ انہوں نے پکارا ابورافع! بولا کون؟ جس طرف سے آواز آئی تھی بڑھ کر اسی سمت تلوار ماری لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

وہ چلایا یہ فوراً باہر نکل آئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر اندر گئے اور آواز بدل کر کہا ابورافع

کیا ہوا۔ بولا ابھی ایک شخص نے تلوار ماری۔ انہوں نے دوسرا وار کیا۔ لیکن وہ بھی خالی گیا۔ اس مرتبہ اس کے شور سے تمام گھر جاگ اٹھا۔ انہوں نے باہر نکل کر پھر آواز بدلی اور ایک فریادرس کی طرح اندر جا کر کہا میں آ گیا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ وہ چت لیٹا ہوا تھا انہوں نے دیکھ لیا اور اس کے پیٹ میں اس زور سے تلوار کونچی کی گوشت کو چیرتی ہوئی ہڈیوں تک جا پہنچی۔ اس کا فیصلہ کر کے جلدی سے باہر بھاگے۔ عورت نے آواز دی کہ لینا جانے نہ پائے۔ چاندنی رات تھی اور آنکھوں سے کم نظر آتا تھا۔ زینہ کے پاس پہنچ کر پیر پھسلا اور لڑھکتے ہوئے نیچے آرہے۔ پیر میں زیادہ چوٹ لگی تھی تاہم اٹھ کر عمامہ سے پنڈلی باندھی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر کوڑے کے ڈھیر میں چھپ رہے۔

ادھر تمام قلعہ میں ہلچل پڑی ہوئی تھی۔ ہر طرف روشنی کی گئی اور حارث ۳ ہزار آدمی لے کر ڈھونڈنے کے لئے نکلا لیکن ناکام واپس آ گیا۔ حضرت عبداللہؓ نے ساتھیوں سے کہا کہ اب تم جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت سناؤ میں اپنے کانوں سے اس کے مرنے کی خبر سن کر آتا ہوں۔

صبح کے وقت ایک شخص نے قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر با آواز بلند پکارا کہ ابورافع تاجر اہل حجاز کا انتقال ہو گیا۔ عبداللہؓ یہ سن کر نکلے اور بڑھ کر ساتھیوں سے جا ملے اور مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری سنائی' آپ نے ان کا پیر دست مبارک سے مس فرمایا اور وہ بالکل اچھے ہو گئے۔

حضرت عبداللہؓ کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ ابن انیس' ابوقتادہ' اسود بن خزاعی' مسعود بن سنان۔

۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ۱۵۰ انصار پر افسر مقرر کر کے بنو طے کا بت توڑنے کے لئے بھیجا تھا اس میں جو کچھ پرانا اسباب اور گائیں ہاتھ لگی تھیں ان کے نگران حضرت عبداللہؓ تھے۔

وفات۔ جنگ یمامہ ۱۲ھ میں شہید ہوئے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا دور تھا۔

اولاد:۔ ایک بیٹے تھے جن کا نام محمد تھا۔ مسند میں ان کی ایک حدیث موجود ہے۔ (سیر صحابہ)

حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب: عباس نام قبیلہ خزرج سے ہیں نسب نامہ یہ ہے۔ عباس بن عبادہ ابن نضلہ بن مالک بن عجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف ابن خزرج۔

اسلام: بیعت عقبہ میں شریک تھے انصار بیعت کے لئے مجتمع ہوئے تو انہوں نے کہا بھائیو جانتے ہو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب وعجم سے اعلان جنگ ہے اس میں تم کو بہت سے خطروں کا سامنا ہوگا۔ ذی اثر لوگ مارے جائیں گے، مال تلف ہوگا پس اگر ان مشکلات کا مقابلہ کر سکو تو بسم اللہ بیعت کرلو ورنہ بیکار دین ودنیا کی ندامت سر پر لینے سے کیا فائدہ۔

انصار نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بیعت کر کے اگر ہم وعدہ وفا کریں گے تو کیا اجر ملے گا؟ ارشاد ہوا کہ جنت! سب نے کہا تو پھر ہاتھ پھیلایئے۔ بیعت ختم ہوئی تو حضرت عباس ابن عبادہؓ نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرمائیں تو ہم یہیں میدان کار زار گرم کردیں، فرمایا ابھی اس کی اجازت نہیں۔

حضرت عباسؓ بیعت کر کے مکہ میں مقیم ہو گئے لیکن جب ہجرت کا حکم ہوا تو مہاجرین مکہ کے ہمراہ مدینہ آئے اس بنا پر وہ مہاجر انصاری ہیں۔ مصنف اصابہ کے نزدیک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان یعنی اصحاب صفہ میں داخل تھے۔

غزوات و دیگر حالات: مدینہ آ کر حضرت عثمانؓ بن مظعون سے کہ اکابر مہاجرین میں سے تھے، رشتہ اخوت قائم ہوا۔ بدر میں شریک نہ تھے۔

وفات: غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور لڑ کر شہادت پائی۔ (سیر الصحابہ)

سیدنا عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ

بدر کے میدان میں اللہ والوں کی مختصر سی جماعت اور مشرکین کی مسلح فوج آمنے سامنے کھڑی ہیں۔چشم فلک بڑی حیرت سے دیکھ رہی ہے کہ بھائی' بھائی کے مقابلے میں اور بیٹا' باپ کے بالمقابل صف میں کھڑا ہے۔اس لڑائی میں نہ تو قبائلی اور خاندانی عصبیت کا کوئی دخل ہے نہ ملک گیری کی ہوس کارفرما ہے۔ بلکہ حق و باطل کی فکر ہے۔اللہ کے پرستاروں اور بتوں کے پجاریوں میں آویزش ہے۔اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بلند ہوئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو صبر اور ثابت قدمی کی تلقین فرمارہے تھے' دنیا میں فتح ونصرت اور آخرت میں اجر عظیم کی بشارت سنا رہے تھے۔زبان مبارک پر یہ آیت کریمہ تھی۔

سیھزم الجمع و یولون الدبر

(دشمن کی فوج کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر واپس چلے جائیں گے۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کا رتبہ بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ کے راستے میں شہید ہوگیا اللہ نے اس کے لئے بہشت واجب کردی۔ایک انصاری صحابی عمیر بن حمامؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم !وہی بہشت' جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے

عرضھا السمٰوٰت والارض

(تمام آسمان اور زمین اس کی چوڑائی میں پڑے ہیں)

جواب میں فرمایا ہاں۔کہا بخ بخ یارسول اللہ! واہ واہ! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے "واہ واہ" کس لئے کی؟ عرض کیا حضور! قسم بخدا اور کوئی وجہ نہیں۔سوائے اس کے کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں بھی اہل جنت میں سے ہوں گا۔ فرمایا فانک من اھلھا (زادالمعادص ۲۲۴ ج ۲) ۔بے شک تو اہل جنت میں سے ہے اس کے بعد ان کے پاس کچھ کھجوریں تھیں۔نکال کر کھانے لگے' مگر معاً کہنے لگے ان کھجوروں کے ختم کرنے تک تو بہت دیر ہو جائے گی۔بس پھر وہ کھجوریں پھینک دیں اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے' بدر کے روز سب سے پہلے شہید ہونے کا اعزاز انہیں کے حصے میں آیا۔

رضی اللہ عنہ وارضاہ (کاروان جنت)

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا شوق جنت

عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس وقت کچھ کھجوریں تھیں جن کے کھانے میں مشغول تھے۔ یکا یک جب یہ کلمات طیبات ان کے کان میں پہنچے تو سنتے ہی بول اٹھے کہ واہ واہ۔ میرے اور جنت کے مابین فاصلہ ہی کیا رہ گیا ہے مگر صرف اتنا کہ یہ لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں اور کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار لے کر جہاد شروع کیا اور لڑنا شروع کیا یہاں تک شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

(کاروان جنت)

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کی شہادت

عوف بن حارث نے عرض کیا۔

یارسول اللہ پروردگار کو بندہ کی کیا چیز ہنساتی ہے یعنی خوش کرتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بندہ کا برہنہ ہو کر خدا کے دشمن کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگ دینا۔ عوفؓ نے یہ سنتے ہی زرہ اتار کر پھینک دی اور تلوار لے کر قتال شروع کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے رضی اللہ عنہ۔ (حوالہ بالا)

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت

ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک میں غزوۂ بدر پیش آیا۔ اس غزوہ میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ شریک ہوئے اور اپنی شجاعت ظاہر کی۔ بہادری اور دلیری سے لڑائی کی ولید بن ولید بن مغیرہ کو قید کیا جو بعد میں اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اللہ نے مسلمانوں کی اپنی مدد سے تائید کی اور مشرکین کو ذلیل کیا۔ غزوۂ بدر کے بعد قریش کو اطمینان اور سکون حاصل نہ ہوا اور قریش نے قیادت ابوسفیان کو دی اور تین ہزار سے زیادہ کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور جبل احد کے قریب پڑاؤ ڈالا اور ادھر مسلمانوں نے بھی جمع ہو کر غور و فکر کیا کہ کون سی جگہ رہ کر لڑائی کی جائے ایک فریق نے یوں کہا کہ مدینہ ہی میں رہ کر لڑائی کی جائے اور دوسرے فریق نے کہا کہ مدینہ سے باہر دشمنوں کے سامنے مقابلہ کیا جائے تاکہ وہ ہمیں بزدل خیال نہ کریں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہتھیار پہن کر مسلمانوں کے ساتھ نکلے۔ دشمنوں کی طرف راستہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول لشکر کے تیسرے حصہ کے ساتھ یہ کہتے ہوئے کہ آپ نے میری رائے کی مخالفت کی ہے اور میری بات کو تسلیم نہیں کیا اور نوجوان کی رائے پر عمل کیا ہے جو رائے دینے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے' واپس ہو گیا۔ دونوں فریقوں نے لڑائی کے لئے مکمل تیاری کر لی۔ آپ نے ایک جماعت کو ان پر امیر مقرر کر کے پہاڑ کی چوٹی پر جہاں سے دشمن کے آنے کا خوف تھا مقرر فرما دیا۔ آپ نے ان کو وصیت کی کہ اس جگہ سے نہ ہٹنا اسی اثنا میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور سعد بن وقاص کو بلایا اور کہا آؤ ایک طرف ہو کر اللہ سے دعا مانگیں۔

طبرانی کی روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص سے کہ جنگ احد میں ان کو عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تو اللہ سے دعا نہیں کرتا؟ پھر دونوں لوگوں سے ایک طرف ہٹ کر دعا کرنے لگے حضرت سعد نے دعا کی کہ اے اللہ کل صبح میری ایک سخت دشمن سے لڑائی ہو۔ وہ مجھ پر حملہ کرے میں اس پر حملہ کروں۔ پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرما تاکہ میں اس کو قتل کر دوں اور اس کا سامان لے لوں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے آمین کہا پھر اپنے لئے دعا کی کہ میری سخت بہادر سے ملاقات ہو وہ مجھ پر حملہ کرے میں اس پر حملہ کروں پس وہ مجھ پر غالب آ جائے۔ پس میرے ناک کان کاٹ لے۔ جب کل قیامت کے دن میں تجھ سے ملاقات کروں تو تو مجھ سے سوال کرے اے

عبداللہ تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے؟ تو میں کہوں تیری وجہ سے اور تیرے رسول کی وجہ سے پس تو کہے کہ تو نے سچ کہا سعد بن ابی وقاص نے کہا اے بیٹے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ بے شک میں نے اس کو دیکھا دن کے آخری حصہ یعنی شام کے وقت ان کے ناک کان کاٹ کر ایک دھاگہ میں پرو کر لٹکائے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن جحش حضرت سعد کے ساتھ بات کر کے آپ علیہ السلام کی طرف آئے اور کہا یا رسول اللہ! وہ لوگ (قریش) آپ دیکھتے ہیں جہاں اترے ہیں میں نے اللہ اور اس کے رسول سے مانگا ہے کہ اپنے پروردگار میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ کل ہماری دشمن سے ملاقات ہو پس وہ مجھے قتل کریں اور میرا مثلہ کریں پس میں تجھ سے قتل کیا ہوا ملوں اور میرے ساتھ اس طرح کیا گیا ہو پس تو سوال کرے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا گیا تو میں کہوں تیری وجہ سے پھر ایک مرتبہ دوبارہ کہا کہ میں اللہ سے ایک اور چیز بھی مانگتا ہوں کہ میرے بعد آپ میرے ترکہ اور مال کے ولی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرتے ہوئے کہا جی ہاں دونوں فوجیں مکمل تیاری کر کے اپنے اپنے مقام پر پہنچ گئیں۔ قریش کی عورتیں صفوں کے درمیان چکر لگا کر مردوں کو بہادری اور غیرت دلا رہی تھیں اور اس طرف اللہ کا شیر حمزہ بن عبدالمطلب گرج رہا تھا اور مسلمان قریش کے لشکر کے بیچ تک پہنچ گئے۔ دشمنوں کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی لڑائی کی چکی گھومنے لگی۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنے ماموں عبدالمطلب کے پیچھے دوڑے جو دشمنوں کے بیچ میں جا کر حملہ کر رہے تھے اور دشمنوں سے سختی اور بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے اور شہادت کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔ قریب تھا کہ قریش کو شکست ہو جائے اگر تیر انداز میدان کی طرف مال غنیمت کو جمع کرنے کے لئے اترتے ہوئے اپنی جگہ نہ چھوڑتے۔ اس سے لڑائی کی صورت ہی بدل گئی اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنے سامنے آنے والے ہر مشرک کو اپنی تلوار کے ساتھ جہنم رسید کر رہے تھے۔

یہاں تک کہ ابوالحکم بن الاخنس بن شریق سے سامنا ہوا۔ انہوں نے آپ پر وار کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال سے کچھ اوپر تھی۔ لڑائی ختم ہوئی۔ حضرت سعد بن وقاص شہداء میں عبداللہ بن جحش کی تلاش کرتے ہوئے ان کے پاس پہنچے بے شک ان کے ناک کان کاٹ دئے گئے تھے۔ اس پر حضرت سعد بن وقاص نے کہا کہ ان کی دعا میری دعا سے بہتر تھی کہ دن کے آخری حصہ میں ان کو دیکھا کہ ان کو شہید کرنے کے بعد مثلہ کر کے ناک کان کاٹ دیئے گئے ہیں اور ناک کان ایک درخت پر ایک دھاگہ میں سی کر لٹکا دئے گئے ہیں۔

(جنت کی بشارت پانے والے صحابہ)

حضرت عُکاشہ رضی اللہ عنہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہو گئے اور مدینہ میں نفاق ظاہر ہوا وفود آتے نماز کا اقرار کرتے اور زکوٰۃ کا انکار کرتے اور بعض لوگ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے حجۃ اور دلیل آیت ذیل کو بناتے ہیں کہ فرمایا۔

ترجمہ۔''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے۔جس کے ذریعے آپ ان کو پاک وصاف کر دیں گے اور آپ ان کے لئے دعا کیجئے۔بے شک آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے۔'' لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جرات اور بہادری سے کام لیا اور اس موقف پر مردانہ وار ڈٹ گئے اور فرمانے لگے کہ۔

''اللہ کی قسم اگر یہ لوگ زکوٰۃ سے بکری کا وہ چھوٹا سا بچہ بھی روک لیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو اس کے روکنے پر بھی ان سے قتال کروں گا۔زکوٰۃ مال کا حق ہے جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا میں ان سے قتال کروں گا''۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جنگ کا عزم فرمالیا' انہیں مرتدین میں سے طلیحہ بن خویلد اسدی بھی تھا۔طلیحہ نے اپنی قوم بنو اسد وغطفان میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔بنی عبس اور بنی ذبیان کے بعض مرتدین بھی ان کے ساتھ آ ملے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بہادر جرنیلوں میں غور کیا تو (کفار کے بارے میں) سب سے زیادہ ترش اور سخت ترین خالد بن ولید کو پایا اور انہیں طلیحہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔طلیحہ کو شہسواری کی مہارت نہ تھی۔فقط بہادری اور پیش قدمی جانتا تھا اور ایک ہزار کے مقابلے میں اکیلا سمجھا جاتا تھا۔لیکن لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔امام احمدؒ سے مروی ہے کہ جب

مرتدین سے قتال کے لئے صدیق اکبرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو جھنڈا بنا کر دیا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ فرما رہے تھے۔

''عبداللہ قبیلے کا بھائی خالد بن ولید بہترین آدمی ہیں۔ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ جسے اللہ نے کفار ومنافقین پر سونتا ہے''۔

حضرت عکاشہؓ بن محصن طلیحہ اسدی اور مرتدین ومنافقین سے قتال کے لئے نکلے ان کے پاس مبارک تلوار تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بدر کے روز عنایت فرمائی تھی جسے وہ تبرک کے طور پر اپنے سفر وحضر میں جنگ ومصالحت ہر حال میں ساتھ رکھتے تھے۔ عکاشہ شوق شہادت میں صحابہ کرامؓ کی جماعت کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔

خالد بن ولید اپنے لشکر کو لے کر نکلے۔ حتیٰ کہ مقام بزاخہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ طلیحہ اسدی سامنے ہی ہے۔ حضرت خالدؓ نے یہاں لشکر کو مرتب فرمایا اور منظم کیا اور اپنے لشکر کا صاحب بصیرت اور حرب سے واقف قائد کی طرح جائزہ لیا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہمارے آدمیوں میں سے دو بہادر دشمن کی نقل وحرکت کا جائزہ لے کر آئیں۔ اس مہم کے لئے ثابت بن اقرم اور عکاشہ بن محصن تیار ہو گئے۔ دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر حضرت خالدؓ کے لشکر کے آگے آگے مقام بزاخہ کی طرف بڑھے۔ کچھ آگے چل کر طلیحہ اور اس کے بھائی مسلمہ جن کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے مڈبھیڑ ہو گئی۔ جب انہوں نے ثابت وعکاشہ کو تنہا دیکھا تو ''حبال بن مسلمہ'' اپنی جماعت سے نکل آیا اور دعوت مبارزت دی۔ عکاشہ بن محصن نے آگے بڑھ کر اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ اس کے والد مسلمہ بن خویلد نے جب اپنے لڑکے کا یہ حال دیکھا تو شدت جوش سے ابلنے لگا۔ وہ حضرت عکاشہؓ سے لپٹ گیا۔ دونوں میں کشتی ہونے لگی۔ طلیحہ نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے عکاشہ پر حملہ کر دیا۔ جس سے وہ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد دونوں بھائی مسلمہ اور طلیحہ ثابت بن اقرم کی طرف بڑھے اور انہیں بھی شہید کر دیا۔ اس کے بعد طلیحہ یہ اشعار کہنے لگا۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم جنگ کے وقت مردان بہادر نہیں! اگرچہ ہم مسلمان نہ ہوں، اگر عورتوں اور جانوروں پر تم نے حملہ کر کے فتح حاصل کر لی ہے مگر حبال کو قتل کر کے بچ

کر نہیں جا سکتے۔ میں اپنا گھوڑا احمالۃ لے کر ان کے سامنے ہوا جو کہ جنگ کا خوگر تھا۔ میں نے اسے کہا کہ جنگ کے میدان میں اتر جا' یہ اس دن شام کا وقت تھا جس دن میں نے ثابت بن اقرم اور عکاشہ کو مقام حجال میں پچھاڑ اتھا۔

جب کافی دیر ہوگئی اور حضرت خالد اور مسلمانوں کو حضرت ثابت و عکاشہ کی کوئی اطلاع نہ ملی تو یہ لوگ خود آگے بڑھے' دیکھا کہ ایک جگہ دونوں مقتول پڑے ہیں۔ حضرت عکاشہ پر تلواروں کے خطرناک زخم لگے ہوئے ہیں۔ یہ بات مسلمانوں پر انتہائی شاق گزری۔ اور ان کی وجہ سے انہیں بہت صدمہ پہنچا ایک عینی شاہد حضرت عکاشہ و ثابت کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

ہم لوگ مقدمۃ الجیش میں تھے۔ زید بن خطاب ہمارے امیر تھے۔ ثابت بن اقرم اور عکاشہ بن محصن ہمارے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب ہم نے ان کی یہ حالت دیکھی تو بہت رنجیدہ ہوئے۔ حضرت خالدؓ اور باقی مسلمان ابھی تک ہم سے پیچھے تھے۔ ہم تھوڑی دیر وہاں ٹھہرے تھے کہ باقی مسلمان حضرت خالدؓ کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ حضرت خالدؓ نے ہمیں قبریں کھودنے کا حکم دیا اور ہم نے انہیں انہی کپڑوں میں خون سمیت دفن کر دیا۔ حضرت عکاشہ کے جسم پر خطرناک قسم کے زخم آئے تھے۔

اس طرح ان دونوں کی روحیں خوشی خوشی اپنے پیدا کرنے والی ذات کے پاس پہنچ گئیں اور مرتبہ شہادت سے فائز ہوئیں۔ اس وقت حضرت عکاشہ بن محصن کی عمر ۴۴ سال تھی۔ یہ واقعہ ۱۲ ہجری میں پیش آیا۔

علی صاحبھا الف الف سلام و تحیۃ

(جنت کی بشارت پانے والے صحابہ)

عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ

ان کی بہادری اور شہادت: جنگ بدر میں مسلمانوں کی نصرت کو ایک سال گزر چکا تھا مگر مکہ میں مشرکین مسلمانوں سے اپنی انتقامی خونی کارروائی کی بھرپور کوشش اور تیاری کر رہے تھے۔ ان کے مختلف قبائل اور جماعتیں ایک ایسے لشکر کی شکل میں چلیں جس کے لڑنے والوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان کے ساتھ عورتیں بھی اپنے شوہر باپ، بھائی اور ان لوگوں پر جو جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے آنسو بہانے اور نوحہ کرنے کے لئے نکلیں تاکہ اس کے ذریعے لڑنے والوں کی غیرت کو جھنجھوڑیں۔

پس جیسا کہ تواریخ میں مذکور ہے کہ ابوسفیان بن حرب دو عورتوں کو لے کر نکلا، ان کی بیوی ہندہ بن عتبہ اور امیمہ بنت سعد بن وہب اور صفوان بن امیہ بھی دو عورتوں کو لے کر نکلا۔ اسی طرح عکرمہ بن ابی جہل اپنی بیوی ام حکیم کو لے کر نکلا اور طلحہ بن ابی طلحہ عمرو بن العاص بھی اسی طرح نکلے۔ اسی طرح حضرت مصعب بن عمیر کی والدہ خناس بنت مالک اور ان کے علاوہ بہت سی عورتیں نکلیں۔ مشرکین مدینہ بہت ہی پہلے پہنچے یہاں تک کہ ان کا ہراول دستہ تو مدینے کے بہت ہی قریب آ چکا تھا۔ مسلمان گھبرا گئے اور رات بھر مسلح ہو کر مدینہ کا پہرہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت فرمائی۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچا دے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی جان و مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت مجلس شوریٰ منعقد فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اہم معاملے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ منافقین سے بھی جو ظاہراً مسلمان تھے بلکہ ان کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول سے بھی مشورہ لیتے تھے تاکہ ایک مضبوط اور اجتماعی طور پر طے شدہ امر کو اختیار کر سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب فرمایا کہ (مدینہ سے) باہر نکل کر

مشرکین سے قتال کیا جائے یا مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کی جائے۔ جو لوگ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تو ان میں سے بعض اٹھے اور کہنے لگے کہ باہر نکل کر لڑیں گے لیکن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض کبار صحابہ کی یہ رائے نہ تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ شریف میں داخل ہوئے تاکہ میدان احد کی طرف نکلنے کے لئے تیار ہوں تو جن کی رائے نکلنے کی تھی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہی کی رائے بہتر ہے (آپ ہماری رائے کا خیال نہ فرمایئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی نبی ہتھیار پہن کر مسلح ہو جائے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ہتھیار اتار دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کی جمعیت لے کر نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قبیلہ بنو خزرج کا منافق عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین بھی نکلا۔ اس منافق کی رائے بھی مدینہ ہی میں ٹھہرنے کی تھی۔ یہ اپنی جماعت سے کہنے لگا۔ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں چھوڑ کر لونڈوں کی بات مانی ہے۔ ہم کس طرح ان کے ساتھ ہو کر لڑیں۔ پھر ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ جس کی تعداد ایک تہائی کے قریب تھی۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام ان کے اور ان کی منافقین جماعت کے سامنے آئے وہ چاہتے تھے کہ وہ دوبارہ لشکر سے مل جائیں اور تفرق و تشتت پیدا کر کے قوم کی ذلت کا سبب نہ بنیں اور ان سے کہنے لگے میں تمہیں اللہ اس کے دین اور اس کے نبی کے ساتھ معاہدے کی یاددہانی کرواتا ہوں اور تمہاری ان کے حق میں اس ذمہ داری کو یاد دلاتا ہوں جو تم نے ان کے لئے قبول کی تھی۔ تم ان کی اسی طرح نصرت حمایت اور مدافعت کرو گے جس طرح اپنی اور اپنے بال بچوں کی کرتے ہو۔

عبداللہ بن ابی نے کہا کہ میرے خیال میں تو ان میں کوئی لڑائی نہیں ہوگی! اے ابو جابر میں تو تمہیں بھی تاکیداً کہتا ہوں کہ تم بھی چلے آؤ" کیونکہ عقلمند تو سب ہی لوٹ آئے۔ ہم تو مدینہ ہی میں ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ میں نے رائے دی تھی مگر انہوں نے ہماری مخالفت کر کے لونڈوں کی غلامی کو ترجیح دی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو حرام نے دوبارہ ابن ابی سے گفتگو کی اور ذمہ داری یاد دلاتے ہوئے

کہا کہ ''تیرا ناس ہو تو مدینہ ہی میں کیوں نہ پڑا رہا تا کہ جس نے ٹھہرنا ہوتا وہیں ٹھہر جاتا۔''
(یعنی اب نکل کر واپس مدینہ جانا باعث عار و ذلت ہے) لیکن رئیس المنافقین نے مسلمانوں کے ساتھ نکلنے اور ان کے ساتھ ہو کر لڑنے سے انکار کر دیا اور اپنے متبعین سمیت مدینہ میں داخل ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام جب ان سے مایوس ہوئے تو اپنی وہ بات فرمائی جو مشہور ہے۔
ترجمہ: اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دور کرے۔ اللہ تو اپنے نبی اور مومنین کو تمہاری مدد سے مستغنی فرما دیں گے منافقین کے قائد ابن ابی کے نکلتے ہی یہ آیت نازل ہوئی۔
ترجمہ: اور تا کہ ان لوگوں کو بھی دیکھ لیں، جنہوں نے نفاق کا برتاؤ کیا اور ان سے یوں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑنا یا دشمنوں کا دفاع بن جانا۔۔۔۔۔۔ہم کوئی ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے۔ یہ منافقین اس روز کفر سے نزدیک تر ہو گئے۔ بہ نسبت اس حالت کے کہ وہ ایمان سے نزدیک تھے۔ یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔
اب مسلمانوں کا لشکر منافقین کے شائبے سے بھی پاک ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام دوڑے ہوئے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ ملے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت لڑائی کے لئے صفوں کو مرتب فرما رہے تھے۔ آ کر اپنی قوم بنو سلمہ کی صفوں میں جڑ گئے اور پہلی صفوں کے اگلے حصہ میں کھڑے ہوئے۔ یوں لگتا تھا کہ جنت انہیں نظر آ رہی ہے۔ اور یہ اس کے لئے تیار ہیں۔ جونہی لڑائی شروع ہوئی پوری قوت و تندہی سے لڑنے لگے۔ مشرکین کے ایک بہادر سفیان بن عبدالشمس سلمی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ سفیان نے ان پر تلوار سے حملہ کیا جو ان کے چہرے پر لگی۔ شدید زخمی ہو کر گرے اور شہید ہو گئے۔ جنگ احد میں مسلمانوں کے شہداء میں سے پہلے شہید یہی تھے۔ جس چیز کے متمنی و مشتاق تھے اور جس کا معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلہ عقبہ میں اپنی قوم انصار کے ساتھ مل کر کیا تھا۔ یعنی جنت کا اس کو پا لیا ان کے قریب ہی صحابہ کرام کی ایک جماعت شہید ہوئی جس کی تعداد ستر کے قریب تھی۔ جن میں سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب مصعب بن عمیرؓ اور حضرت عبداللہؓ کے بہنوئی عمرو بن الجموح اور لیلہ عقبہ کے ایک اور نقیب سعد بن ربیع بھی ہیں۔ (جنت کی بشارت پانے والے صحابہ)

سیدنا عمرو بن ثابت عرف اصیرم رضی اللہ عنہ

جنگ احد' اختتام کو پہنچی۔ مسلمان چل پھر کر اپنے آدمیوں کو ڈھونڈ رہے تھے' انصار کا ایک خاندان بنو عبدالاشھل' اپنے شہیدوں کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک شخص کے پاس رک گئے۔ وہ زخموں سے چور تھا مگر زندگی کی کچھ رمق اس میں باقی تھی۔ بولے ارے' یہ تو عمرو بن ثابت عرف اصیرمؓ ہے یہ ادھر کیسے آ گیا؟ ہم تو اسے اس حالت میں چھوڑ آئے تھے کہ یہ اسلام سے انکاری تھا۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا: تمہیں کیا چیز یہاں لے آئی؟ قومی غیرت اس کا موجب بنی ہے یا اسلام کی رغبت؟ جواب دیا اسلام کی رغبت۔ میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا' پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑتا رہا یہاں تک کہ میرا یہ حال ہو گیا۔ جو تم دیکھ رہے ہو۔ یہ کہتے ہی وہ جاں بحق ہو گیا۔

کام تھے عشق میں بہت' پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

لوگوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

هو من اهل الجنة (مسند احمد۔ زاد المعاد ص ۲۳۶ ج ۲) (ترجمہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اس شخص کو ایک نماز پڑھنے کا بھی موقعہ نہیں ملا۔ ایمان لا کر شریک جہاد ہوئے اور راہ حق میں شہید ہو کر سیدھے بہشت میں پہنچ گئے۔

رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت عمرو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

نابینا شہید: یہ حضرت عمرو ابن ام مکتومؓ ہیں جو کسی طرح بھی راحت کے لئے اور جہاد سے بیٹھنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ انہوں نے نبوی مدرسہ کے مجاہدین شاہسواروں سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کو ہر جنگ میں لے جائیں تاکہ میں بھی مجاہدین کا اجر حاصل کروں۔ جو جنت کی صورت میں ملے گا۔ صحابہ کرامؓ نے ابن ام مکتومؓ کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ان کی بات کو قبول کیا اور آپ اب ہر میدان جہاد میں رضا الٰہی اور حصول جنت میں بڑی شجاعت اور جواں مردی سے لڑائی میں شریک ہوتے۔ یہاں ایک عجیب اور پسندیدہ سوال ذہن میں آتا ہے؟ کہ ابن ام مکتومؓ کس طرح جہاد کرتے ہیں؟

اس مرد مجاہد نے تو حد کر دی کہ مسلمانوں کا جھنڈا لڑائی میں خود اٹھاتے اور ایک دفع لڑائی کے بیچ جس وقت مسلمان جنگ قادسیہ کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت عمروؓ ابن ام مکتوم لشکر میں ساتھ تھے۔ انہوں نے ایک کشادہ اور مضبوط زرہ پہنی ہوئی تھی۔ کئی لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور وہ عینی شاہد ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ اور مکمل جنگ کی تیاری میں تھے فرماتے ہیں کہ جنگ کے دن ان کے ساتھ ایک سیاہ جھنڈا تھا اور ایک ان پر زرہ تھی۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت عمرو ابن ام مکتومؓ نے شاہسوار اور جانباز صحابہ کرام کو آواز دی اور بلند آواز میں ان سے فرمایا۔ مجھے مسلمانوں کا جھنڈا دو کیونکہ میں نابینا ہوں میں بھاگ نہیں سکتا اور مجھے دونوں فوجوں اور لشکروں کے درمیان کھڑا کرو۔

مسلمان جنگ کی سختیوں میں گھس گئے اور ابن ام مکتومؓ لڑائی کرنے والے جنگجو اور مجاہدین کے درمیان تھے۔

اللہ پاک نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ حضرت عمرو بن ام مکتومؓ بھی ان سعادت مند صحابہ کرامؓ میں سے تھے جنہوں نے عشق جہاد میں جام شہادت نوش فرمایا اور دیوان شہداء میں اپنا نام درج کروایا اور اس طرح اپنے رب حقیقی سے جا ملے اور مسلمانوں کا جھنڈا اٹھائے ہوئے اپنے رب سے کیا ہوا وعدہ بھی سچا اور پورا کر دیکھا۔ تمام تعریفات اللہ ہی کے لئے ہیں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

یہ عالی مرتبہ صحابی اور صہیب بن سنان ایک ہی وقت میں اسلام لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جن ضعیف لوگوں کو قریش نے ستایا اور طرح طرح کے دکھ دیئے انہیں میں یہ بھی شامل ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے عمار بن یاسر بن عامر بن کنانہ بن قیس المذ حجی ۔ یہ یمن کے قحطانی عربوں میں بنی عنس سے تعلق رکھتے ہیں۔

ولادت: عمار کے والد یاسر اپنے دونوں بھائیوں اور حارث اور مالک کے ساتھ اپنے چوتھے بھائی کی تلاش میں مکہ آئے تھے۔ حارث اور مالک یمن کو لوٹ گئے اور یاسر مکہ میں رہ گئے اور ابو حذیفہ بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے مخالفت کر کے ان کی ایک کنیز سے شادی کر لی جو سمیہ کے نام سے مشہور تھی۔ اسی بیوی سے عمار پیدا ہوئے اس طرح عمار بنی مخزوم کے حلیف ہیں۔

مخالفت: حلیف' پناہ لینے والے ''جار'' اور آزاد کئے ہوئے لوگ موالی میں داخل ہیں۔ جب کوئی شخص کسی جرم کے ارتکاب کی وجہ سے اپنے قبیلے سے ہٹا دیا جاتا ہے تو وہ دوسرے قبیلے میں جاملتا تھا اس طرح اس کے حقوق قائم ہو جاتے اور خود اس پر چند فرائض عائد ہوتے جن میں سے بعض یہ ہیں کہ پناہ دینے والا پناہ میں آنے والے کی حمایت کرے اور قبیلے میں اس کے رہنے کی جگہ کا پاس رکھے۔ حلیف کے لئے بھی وہی طریقہ جاری تھا جو پناہ لینے والے کے لئے معمول تھا۔

عمار بنی مخزوم سے موالات کی بدولت ان کے حلیف ہو گئے تھے۔ ان کا یہ طریقہ ایسا ہی تھا جیسا کہ فارس کے بہت سے خاندانوں نے اختیار کیا تھا جنہوں نے بلاد فارس کے عربی اقتدار میں آنے کے بعد اپنے تعلقات عرب خاندانوں سے اس لئے استوار کر لئے تھے کہ عربوں کی حمایت حاصل ہو اور ان کے شرف اور مرتبے سے نفع پہنچے۔

اسلام: اسلام ظاہر ہوا تو عمار بن یاسر سابقین اولین کی صف میں آ گئے۔ انہوں نے اور صہیب بن سنان نے ارقم بن ابی الارقم کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ عمار کہتے ہیں۔

میں دار الارقم کے دروازے پر صہیب بن سنان سے ملا اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے صہیب سے پوچھا "تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

انہوں نے کہا "اور تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

میں نے کہا "میرا ارادہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور ان کی باتیں سنوں"۔

صہیب نے کہا "میں بھی یہی چاہتا ہوں"

پھر ہم دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اسلام پیش فرمایا اور ہم اسلام لے آئے۔

ایک روایت ہے کہ سب سے پہلے جن لوگوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا وہ سات ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، بلال، خباب (ابن الارت) صہیب، عمار اور ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم۔

اسلام کی راہ میں ایذائیں

عمار بن یاسر ضعفائے اسلام میں سے ہیں جن سے مشرکین نے تمسخر کیا، ان کی عبادتوں کا مذاق اڑایا اور جنہیں اللہ کی راہ میں دکھ دیئے گئے۔ مشرکین کا طریقہ تھا کہ جب ریت خوب تپنے لگتی۔ اس وقت عمار بن یاسر، ان کے باپ اور ماں کو نکال کر مقام ابطح پر لاتے جو مکے اور منیٰ کے درمیان ایک ہموار زمین کا نام ہے اور یہاں کی شدید گرمی سے انہیں عذاب میں مبتلا کرتے۔ ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کی طرف سے ہوتا تو فرماتے "اے آل یاسر صبر کرو، تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔"

ابوجہل کا طریقہ تھا کہ جب وہ کسی صاحب مرتبہ شخص کے اسلام لانے کا حال سنتا تو اسے ڈانٹتا اور کہتا "تم نے اپنے باپ کا دین چھوڑ دیا حالانکہ تمہارا باپ تم سے بہتر ہے۔ میں تمہاری رائے کو احمقانہ ثابت کر دکھاؤں گا اور تمہارے شرف کو خاک میں ملا دوں گا۔"

اگر یہ مسلمان کوئی تاجر ہوتا تو کہتا "میں تمہاری تجارت کو بٹہ لگا دوں گا اور مال و دولت

کو تباہ کر دوں گا''۔

اگر کوئی ضعیف شخص ہوتا تو ابو جہل اس کو مارتا۔

اس کے بعد مشرکین عمار کو سزا دینے میں مبالغہ کرنے لگے۔ کبھی سیاہ پتھریلی زمین پر لٹاتے، کبھی اس کے سینے پر پتھر کی بڑی سل رکھ دیتے اور کبھی پانی میں ڈبوتے۔

یہ حقیقت ہے کہ مشرکین مسلمان کو عذاب دیتے، انہیں مارتے اور پیاسا رکھتے، یہاں تک کہ وہ سزا کی شدت سے سیدھا نہ بیٹھ سکتا، پھر اس سے کہتے اللہ نہیں، لات وعزیٰ تیرے معبود ہیں وہ (مجبوراً) ''ہاں'' کہہ دیتا۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمار بن یاسر کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا ''تمہارا کیا حال ہے؟ کیا کفار نے تمہیں پکڑ کر پانی میں غوطے دیئے ہیں اور تم نے ایسا ایسا کہا ہے؟''

پھر آپ نے فرمایا ''اگر وہ پھر ایسا کریں تو جیسا پہلے تم کہہ چکے ہو کہہ دینا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمار اور ان کے والدین کے لئے رقت طاری ہو جاتی تھی۔ جس وقت انہیں عذاب دیا جا رہا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے گزرتے تو ان پر رحم کھاتے، ان کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے اور انہیں جنت کی بشارت دیتے، یہاں تک کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ آل یاسر کو بخش دے اور تو بخش ہی چکا ہے''۔

والد اور والدہ کی شہادت

یاسر اس عذاب کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور انتقال کر گئے۔ ان کی بیوی سمیہ سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ ابو جہل کو سخت سست کہہ بیٹھیں۔ اس نے انہیں نیزہ مار دیا جس سے وہ ہلاک ہو گئیں۔ یہ اسلام میں شہید ہونے والی پہلی عورت تھیں۔ اس طرح اسلام کی نصرت اور عرب میں اسلام کی سربلندی کے لئے جیسے اور مسلمانوں نے طرح طرح کے عذاب اٹھائے آل یاسر کو بھی ان کا سامنا کرنا پڑا۔

غزوات اور سریات میں شرکت

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ غزوات اور سریات میں شرکت کر چکے تھے اور انہیں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معرکوں میں حاضری کا موقع ملا۔ایک روایت میں ہے کہ یہ بدر،احد اور خندق میں شریک ہوئے اور بیعت الرضوان میں بھی موجود تھے جس میں مسلمانوں نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی جو مکے سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ بیعت اس خبر کے مشہور ہونے پر کی گئی تھی کہ قریش نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں اسی بیعت کی تعریف فرمائی ہے۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم، فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحا قریباً و مغانم کثیرۃ یاخذونھا و کان اللہ عزیزاً حکیماً

(اے پیغمبر) جب مسلمان (ایک کیکر کے) درخت کے تلے تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے تھے خدا (یہ حال دیکھ کر ضرور) ان مسلمانوں سے خوش ہوا اور اس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا اور ان کو اطمینان (قلب) عنایت کیا اور (اس کے) بدلے میں ان کو سردست (خیبر کی) فتح دی اور (فتح کے علاوہ) بہت سی غنیمتیں جن پر ان لوگوں نے جا قبضہ کیا اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

غزوہ ذات الرقاع کا ایک واقعہ

غزوہ ذات الرقاع میں بھی عمار کا بڑا حصہ رہا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴ ہجری میں بنی محارب اور بنی ثعلبہ کے قصد سے روانہ ہوئے جب اس غزوہ سے واپس ہونے لگے تو ایک مسلمان نے مشرکین میں سے کسی شخص کی عورت کو کنیز بنالیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس ہونے کے بعد اس کا شوہر جو پہلے موجود نہ تھا آیا۔اس واقعہ کا علم ہونے پر اس نے قسم کھائی کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کا خون نہ بہالے واپس نہ ہوگا۔

اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر ایک جگہ مقیم ہوئے اور فرمایا ''ج رات ہماری پاسبانی کون کرے گا؟''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مہاجرین میں سے طلب فرمایا۔ یہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے اور ایک شخص کو انصار میں سے بلایا یہ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تھے۔ان

دونوں نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حاضر ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم دونوں غار کے دہانے پر رہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے وادی کے ایک غار میں پڑاؤ ڈالا تھا۔ جب عمار رضی اللہ عنہ اور عباد رضی اللہ عنہ غار کے دہانے پر گئے تو عباد نے عمار سے کہا ''تم میری پاسبانی رات کے کس حصے میں پسند کرتے ہو؟ اول شب میں یا آخر شب میں؟''

عمار رضی اللہ عنہ نے کہا ''رات کے ابتدائی حصے میں''۔

چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ لیٹ کر سو گئے اور عباد رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ وہ شخص (عورت کا شوہر) آیا اور اس نے عباد رضی اللہ عنہ کے تیر مارا' جب عمار رضی اللہ عنہ نے عباد رضی اللہ عنہ کے جسم سے خون بہتا دیکھا تو کہا ''سبحان اللہ' تم نے اس کے پہلے ہی تیر پر مجھے کیوں نہ جگا دیا؟''

عباد رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں ایک سورۃ پڑھنے میں مشغول تھا میں نے نہ چاہا کہ اسے ختم کرنے سے پہلے موقوف کر دوں۔ جب اس نے مجھ پر کئی تیر مارے تو میں نے رکوع کیا اور تمہیں آگاہ کر دیا۔ (اس شخص نے عباد رضی اللہ عنہ کے تین تیر مارے' پہلے اور دوسرے تیر پر انہوں نے نماز موقوف نہ کی تیسرا تیر لگنے پر انہوں نے رکوع و سجدہ سے فارغ ہو کر سلام پھیرا اور اپنے مہاجر ساتھی کو جگایا۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد دوم بیان غزوہ ذات الرقاع)

خدا کی قسم' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زین (ثغر ا) کے جس تسمے کی حفاظت کا حکم دیا تھا اگر مجھے اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو سورت کو ختم کرنے سے پہلے میری زندگی کا رشتہ (یعنی خواہ جان) ہی کیوں نہ چلی جاتی نماز موقوف نہ کرتا''۔

غزوۂ تبوک میں عمار رضی اللہ عنہ کی خدمات

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے تھے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ ہجری میں مسلمانوں کو رومیوں سے لڑنے کے لئے بلایا اور لشکر کے ساتھ شام کے راستے پر چلے لیکن منافقین نے مسلمانوں کو رومیوں کی لڑائی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ انہوں نے مسلمانوں میں دہشت پیدا کرنے کے لئے آپس میں کہا

کیا تم بنو اصغر کے بہادروں کی لڑائی ایسی ہی سمجھتے ہو جیسے عرب آپس میں ایک دوسرے

سے لڑتے ہیں۔ بخدا ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ کل تم رسیوں میں جکڑے ہوئے نظر آ ؤ گے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمار بن یاسر پر اعتماد تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ "مسلمانوں میں شامل ہو کر ان کی رائے معلوم کریں"۔

عمار رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور انہیں ان کی اس رائے سے ہٹایا اس کے بعد وہ اس معاملے میں عمار رضی اللہ عنہ کی سعی کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت کی۔

چونکہ عمار رضی اللہ عنہ ایمان کے سچے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص رکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر مضبوطی سے قائم تھے اس کے علاوہ دین کی نصرت میں ان کی خوب آزمائش ہو چکی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر بڑا بھروسہ تھا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے خون کا مطالبہ کیا تو عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار ہو گئے اور واقعہ جمل میں شریک ہونے کے بعد معرکہ صفین میں بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس موقع پر انہوں نے خوب بہادری دکھائی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس موقع پر ان کا اتباع اس طرح کرتے تھے گویا عمار رضی اللہ عنہ ان کے سردار ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر اپنی موت کا قرب محسوس ہو چکا تھا۔ ایسے میں انہوں نے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص سے کہا "ہاشم کیا تم جنت سے بھاگتے ہو؟ جنت تلوار کے نیچے ہے۔ آج میں اپنے دوستوں سے' محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملوں گا۔ خدا کی قسم اگر وہ ہمیں لڑتے لڑتے ہجر کے درہ کوہ تک بھی پسپا کر دیں تب بھی میں یہی جانوں گا کہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ غلط راستے پر ہیں۔"

(پھر) عمار نے کہا "مجھے گھونٹ بھر دودھ لا دو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا دنیا کی چیزوں میں دودھ کا گھونٹ تیرا آخری مشروب ہوگا"۔

(یہ کہہ کر) انہوں نے دودھ پی لیا اور لڑنے لگے یہاں تک کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔

اس وقت ان کی عمر چورانوے سال تھی (ایک روایت سے تیرانوے سال کے تھے اور ایک روایت کے مطابق اکیانوے سال کے) جب ان پر (مہلک) وار ہوا تو انہوں نے کہا "مجھے میرے انہی کپڑوں میں دفن کرنا کیونکہ میں برسر پیکار ہوں (یعنی لڑائی کی حالت میں شہید ہو رہا ہوں)۔"

یہ واقعہ ماہ ربیع الاول ۳۷ ہجری کا ہے۔ انہیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انہیں کے کپڑوں میں دفن کر دیا اور غسل نہیں دیا۔ اہل کوفہ راوی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ شہید کے بارے میں اہل کوفہ کا مذہب یہی ہے کہ اسے غسل دیئے بغیر اس کے جنازے کی نماز پڑھی جاتی ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں زندگی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔

"جنت تین آدمیوں کی منتظر ہے اور بے قراری سے اس وقت کا انتظار کر رہی ہے جب وہ اس میں داخل ہوں گے ایک عمار دوسرے علی اور تیسرے سلمان فارسی!"

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے مکی زندگی کا دور ابتلاء بھی دیکھا اور مظالم کے سامنے استقامت سے ڈٹے رہے۔ پھر اسلام کا دور عروج بھی ان کی آنکھوں کے سامنے آیا۔

وہ ایک عاجز و انکسار بندے کی طرح سادہ زندگی گزارتے رہے۔
اس کے بعد مسلمانوں کا دور فتن بھی انہوں نے دیکھا اور اس میں
خلیفہ راشد کا ساتھ دیا۔ اسی دور میں انہیں شہادت بھی نصیب ہوگئی۔
اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور ہر مسلمان کو ان کے نقش قدم پر
چلنے کی سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو عتبہ بن غزوان سے ان کی برادری قائم کی تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار ہاتھ میں لے کر کہا اس کا حق کون ادا کرتا ہے۔ ابودجانہ بولے میں ادا کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تلوار عنایت فرمائی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے دریافت کیا اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ مسلمان کو نہ مارنا اور کافر سے نہ بھاگنا۔

حضرت ابودجانہؓ نے حسب معمول سر پر سرخ پٹی باندھی اور تنتے اکڑتے صفوں کے درمیان آ کر کھڑے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چال اگرچہ خدا کو ناپسند ہے لیکن ایسے موقع پر کچھ حرج نہیں۔

معرکہ کارزار میں نہایت پامردی سے مقابلہ کیا اور بہت سے کافر قتل کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں بہت سے زخم کھائے لیکن میدان سے نہ ہٹے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس جانبازی سے نہایت خوش ہوئے مکان تشریف لائے تو حضرت فاطمہؓ سے فرمایا میری تلوار دھوڈالو۔ حضرت علیؓ نے بھی آ کر یہی خواہش کی اور کہا کہ آج میں خوب لڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر تم خوب لڑے تو سہل بن حنیف اور ابودجانہ بھی خوب لڑے۔

غرض تمام معرکوں میں ان کی شرکت نمایاں تھی۔ مصنف استیعاب لکھتے ہیں۔

غزوات نبویؐ میں ان کو ممتاز درجہ حاصل ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جنگ یمامہ میں نہایت جانبازی دکھائی مسیلمہ کذاب سے جو مدعی نبوت تھا' مقابلہ تھا۔ وہ اپنے باغ کے اندر سے لڑ رہا تھا۔ مسلمان گھسنا چاہتے تھے لیکن دیوار حائل تھی۔ ابودجانہ تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے۔ اس کے بعد کہا مسلمانو! مجھ کو ادھر پھینک دو۔ اس ترکیب سے اگرچہ دیوار پھاند گئے لیکن پاؤں ٹوٹ گیا' تاہم وہ مشرکین سے دروازہ روکے کھڑے رہے اور جب تک مسلمان باغ میں داخل نہ ہو گئے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

مسلمان اندر پہنچ کر جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ گو ابودجانہؓ کا پاؤں ٹوٹ چکا تھا۔ تاہم وہ مسیلمہ کو مارنے کے لئے بڑھے اور آخر خود بھی شہید ہو گئے۔

حضرت ابوعمرہ رضی اللہ عنہ

بیعت عقبہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

بدر' احد اور تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی' بدر یا احد میں اپنے بھائیوں کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فی کس ایک حصہ اور گھوڑے کو دو حصے مرحمت فرمائے۔

معرکہ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ ایک روایت کہ اس جنگ میں ایک لاکھ درہم سے اعانت بھی کی تھی۔ میدان میں پہنچے تو بایں ہمہ پیرانہ سالی ۳ تیر چلائے۔ اور پھر خود روزہ کی حالت میں جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت خنیس رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت عبداللہ بن حذافہ کی استقامت

حضرت عبداللہ بن قیس بن سعد بن سہم کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا' ان کی والدہ کا نام تمیمہ بنت حرثان تھا۔ عبداللہ حضرت خنیس کے بھائی تھے۔ اور حضرت خنیس حضرت عمر فاروق کے داماد تھے۔ اور انہوں نے غزوۂ بدر میں شہادت پائی تھی۔ حضرت عبداللہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے۔ انہوں نے کافی پہلے اسلام قبول کیا تھا اور حبشہ کی طرف کی جانے والی دوسری ہجرت میں شامل تھے۔ انہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ کی کمان بھی سونپی تھی نیز انہیں رسول پاکؐ کا گرامی نامہ کسریٰ کے نام لے کر جانے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ کسریٰ نے گرامی نامہ چاک کر دیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللهم مزق ملكه" اے اللہ اس کی بادشاہی کو پاش پاش کر دے" اور ویسا ہی ہوا۔

حضرت عبداللہ غزوۂ خیبر کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے' آخری حج میں بھی شامل تھے' انہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ والوں میں اس حکم کی منادی کا کام سپرد کیا تھا کہ "ان دنوں میں کوئی شخص روزہ نہ رکھے"۔

حضرت عبداللہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد تھے۔

حضرت عبداللہ نے سرزمین شام کے معرکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ معرکہ قیساریہ میں رومیوں کی قید میں آ گئے شاہ روم نے ان سے کہا کہ "عیسائی ہو جاؤ تو تمہیں اپنی بادشاہت میں شریک کر لوں گا"۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا' اس پر انہیں سولی کا حکم دیا گیا اور تیر مارے گئے مگر انہوں نے صبر سے کام لیا' سولی سے اتار دیئے گئے پھر شاہ روم نے ایک دیگ میں پانی گرم کروایا اور انہیں اس میں پھینک دینے کا آرڈر دیا' جب شاہ روم کے آدمی انہیں ساتھ لے کر اس طرف جا رہے تھے تو یہ رو پڑے' انہوں نے سمجھا کہ شاید اب رائے بدل گئی ہو کہ "اب یہ رو پڑا ہے"۔ دوبارہ بادشاہ کے ہاں پیش کیے گئے اس نے پوچھا کہ "اب عیسائی ہوتے ہو؟" انہوں نے کہا کہ "میں ڈر کر نہیں رویا بلکہ مجھے تو اس وجہ سے رونا آیا کہ میری صرف ایک جان

ہے جس کے ساتھ اللہ کی راہ میں یہ سلوک کیا جارہا ہے کاش کہ میری اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم پر بال ہیں تو میں ان سب کو اللہ کی راہ میں پیش کردیتا"۔ اس جواب سے شاہ روم بہت متاثر ہوئے اور رہائی کا حکم دیا اور کہا کہ "میرے سر کو چوم لو تو پھر چھوڑ دوں گا"۔ انہوں نے جواب دیا کہ "یہ نہیں ہوسکتا"۔ پھر کہا کہ "عیسائی ہو جاؤ میں اپنی بیٹی سے تمہارا نکاح کردوں گا اور اپنی بادشاہی میں شریک کرلوں گا"۔ انہوں نے اس پر بھی معذرت کردی، شاہ روم نے کہا کہ میرے سر کو چوم لو تو تمہیں اور تمہارے ساتھ دوسرے اسی مسلمانوں کو چھوڑ دوں گا"۔ اس پر انہوں نے حامی بھرلی اور شاہ روم کے سر پر بوسہ دے دیا اور اپنے ساتھ اسی مسلمانوں کو بھی رہا کروالیا۔ جب یہ حضرت عمر فاروقؓ کے ہاں پہنچے تو حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ان کے سر پہ بوسہ دیا مسلمان ان سے ازراہ مذاق کہتے تھے کہ "آپ نے اس بادشاہ کے سر پہ بوسہ دیا" یہ ان کو جواب دیتے کہ "اس ایک بوسہ کے عوض اللہ نے اسی مسلمانوں کو رہائی دلائی۔

عمرو بن العاص کی کمان میں فتح مصر میں بھی موجود تھے، جب عمرو نے فسطاط کو فتح کیا تو عبداللہ ابن حذافہ کو "عین شمس" پہ مامور کیا، انہوں نے جاکر عین شمس پر قبضہ کرلیا۔

اسکندریہ کی فتح کے بعد عمرو بن العاص نے وہاں عبداللہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا، اور خود فسطاط کی راہ لی، اس دوران شاہ روم نے اپنے ایک قائد کو فوج دے کر بھیجا تا کہ وہ اسکندریہ پر دوبارہ قبضہ کرلے مگر مسلمانوں کے جوابی حملے سے انہیں منہ کی کھانی پڑی۔

حضرت عبداللہ بڑے مضبوط ایمان وعقیدہ کے مالک تھے۔ وہ بڑے عقلمند اور سمجھدار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کسریٰ کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔

قید کے دوران اپنے عقیدے کی خاطر انہوں نے مثالی صبر وضبط سے کام لیا، شاہ روم کے وعدہ وعید سے وہ ہرگز متاثر نہ ہوئے اور استقامت کا ثبوت دیا۔ بالآخر انہیں تکلیف دینے والے ہار گئے اور انہیں اللہ نے رہائی بخشی، اس سے ان کا ایمان وعقیدہ اور مضبوط ہو گیا وہ بڑے خوش طبع، شریف النفس، مہمان نواز، بہادر، دلیر اور غیرت مند تھے، حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ان کا مصر میں وصال ہوا۔

تاریخ انہیں عین شمس مصر کے فاتح کی حیثیت سے یاد رکھے گی۔ اور ان کے مثالی صبر سے مجاہدین اسلام کا حوصلہ بلند ہوتا رہے گا۔ (اللہ ان سے راضی ہو)

سولہ سالہ شہید
عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
(نامور مسلم سپہ سالار)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہونے سے پہلے دیکھا کہ وہ چھپتے پھر رہے تھے۔ میں نے کہا اے میرے بھائی تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ مجھے ڈر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ لیں گے اور مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس فرمادیں گے اور میں اللہ کے راستہ میں نکلنا چاہتا ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمادے۔ چنانچہ جب ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس فرمادیا جس پر وہ رونے لگے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔ حضرت سعد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عمیر چھوٹے تھے اس لئے میں نے ان کی تلوار کے تسمے میں گرہیں باندھی تھیں اور وہ سولہ سال کی عمر میں شہید ہوگئے۔

عبداللہ بن غالب کی شہادت کیلئے بے تابی

ابونعیم اصفہانی' ابوحامد بن جبلہ ابوعباس ثقفی عبداللہ بن ابی زیادہ محمد بن الحارث' سیار' جعفر' مالک بن دینار کہتے ہیں ۔ واقعہ زاویہ میں عبداللہ بن غالب کہنے لگے میں یہ ایسا معاملہ دیکھ رہا ہوں جس پر مجھے صبر نہیں ہو رہا۔ ہمارے ساتھ جنت کی طرف چلو سوانہوں نے تلوار کا نیام توڑ ڈالا آگے بڑھے زوردار حملہ کیا حتیٰ کہ شہادت سے سرفراز ہو گئے اور ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔

ابونعیم اصفہانی' ابوبکر بن مالک' عبداللہ بن احمد' عبیداللہ بن عمر قواریری' جعفر بن سلیمان' ابوعیسیٰ کہتے ہیں واقعہ زاویہ میں میں نے عبداللہ بن غالب کو دیکھا کہ انہوں نے پانی مانگا اور اپنے سر پر انڈیل دیا۔ آپ روزے کی حالت میں تھے اور سخت گرم دن تھا ان کے ارد گرد ان کے تلامذہ اور مریدین تھے۔ پھر انہوں نے تلوار کا نیام توڑا اور کہا ہمارے ساتھ جنت کی طرف چلو۔

عبدالملک بن مہلب نے آواز دی کہ اے ابوفراس! تو صاحب ایمان ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے اس کی طرف چنداں توجہ نہ کی آگے بڑھے تلوار سے پے در پے وار کئے اور بالآخر شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ جب انہیں دفن کیا ان کی قبر سے خوشبو پھوٹ پڑی۔ لوگ مشک سمجھ کر اس مٹی کو اپنے کپڑوں پر لگاتے تھے۔

سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو اسلم اللہ پاک ان کو صحیح سالم رکھے اور قبیلہ غفار اللہ ان کی مغفرت فرمائے پھر فرمایا یہ بات صرف میں نے نہیں کی بلکہ اللہ پاک فرما رہے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

مسند احمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کا نام خاص کر کے جب ان کے لئے استغفار اور رحمت کی دعا کرتے تو وہ جنگ میں ضرور شہید ہوتے تھے اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے جب یہ دعا سنی تو کہنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم اب ان سے نفع نہیں اٹھائیں گے؟ اور وہ شہید ہو جائیں گے؟

اسلامی لشکر مسلسل چلتا رہا خیبر کی طرف اور حضرت عامر اشعار سنا سنا کر جوش دلا رہے تھے۔ آخر رات کے وقت خیبر پہنچ کر خیبر کے قلعہ کا چاروں طرف سے محاصرہ کیا۔ یہودیوں نے قلعہ سے نکل کر صف بندی کی اور مسلمانوں نے اپنے لشکر کو مرتب کیا۔ مسلمانوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا شروع کیا اور یہود کے سردار مرحب تلوار لٹکائے ہوئے ہتھیار سے لیس بہادر تجربہ کار مقابلے کے لئے نکلا۔

جس وقت لڑائیاں شعلے بھڑکانے لگیں: اس وقت حضرت عامرؓ ان کے سامنے آئے اور کہا میں عامر بن اکوع ہوں خیبر مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ رعب والا بہادر موت سے نڈر۔ دونوں طرف سے تلواریں چلیں مرحب کی تلوار حضرت عامرؓ کی ڈھال پر پڑی اور حضرت عامرؓ نے نیچے ہو کر ان پر حملہ کیا تو وہ تلوار ان کو ہی لگی کیونکہ تلوار بہت چھوٹی تھی جس سے ان کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اسی سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۳۰، ۵۳۳)

اور مرحب کو حضرت علیؓ نے مارا جو تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

خیبر کی طرف داخل ہونے والی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہ جھنڈا کل ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اس سے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتا ہے۔ لوگ ساری رات آپس میں باتیں کرتے رہے کہ کس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھنڈا دیں گے جب صبح ہوئی تو تمام صحابہ کرامؓ اس امید سے کہ مجھے جھنڈا ملے اور یہ سعادت مجھے حاصل ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی بن ابی طالبؓ کہاں ہیں؟

لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آنکھ میں درد ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو بلا کے لاؤ۔ حضرت علیؓ تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھ پر لگایا اور ان کے لئے دعا کی تو وہ ایسی ٹھیک ہوگئی گویا کہ کبھی اس میں درد بھی نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا تو حضرت علیؓ نے فرمایا یا رسول اللہ میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ وہ اسلام نہ لائیں اور ہماری طرح نہ ہو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی ترتیب سے چلتے رہنا جب ان کے میدان میں پہنچو تو ان کو اولاً اسلام کی دعوت دو اور ان کو اللہ کے حقوق بتاؤ۔ اللہ کی قسم اے علی تیری وجہ سے ایک آدمی بھی ہدایت پر آجائے تو یہ تیرے لئے آخرت میں کافی ہے عرب کے سرخ اونٹوں سے۔

مرحب نکلا یہ شعر پڑھتے ہوئے میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام مرحب رکھا ہتھیار بند بہادر اور تجربہ کار جس وقت لڑائیاں شعلے بھڑکاتی ہیں۔

حضرت علیؓ ان کے مقابلہ میں نکلے اور فرما رہے تھے میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا میں جنگل کے شیروں کی طرح خوفناک ہوں۔

اور مرحب کو ایک ہی وار سے جہنم رسید کر دیا اور اس پر ہی فتح ہوگئی۔ جنگ خیبر ختم ہونے کے بعد اور حضرت عامر بن اکوعؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کو اللہ پاک نے فتح نصیب فرمائی اور مسلمان واپس آنے لگے تو ان مجاہدین میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ بھی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے جب ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو غمگین

پریشان اور خاموش پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تجھے کیا ہوا؟

تو حضرت سلمہؓ نے کہا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت عامرؓ کے تمام اعمال ضائع ہو گئے کیونکہ ان کو ان کی ہی تلوار نے قتل کیا ہے اور یہ خودکشی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کس نے کہا ہے؟ تو حضرت سلمہ نے کہا فلاں فلاں چند صحابہ کرامؓ کے نام بتائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے غلطی کی ہے۔ ان کے لئے تو دو اجر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو ملاتے ہوئے فرمایا یہ بہت کم عرب اس پر چلتے ہیں۔

اور ابن سعدؓ کی روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے خطا کی ہے جس نے اس طرح کہا ہے بیشک ان کے لئے دو اجر ہیں وہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے اور وہ جنت کے تالابوں میں مچھلی کی طرح تیر رہے ہیں۔

یہ سن کر حضرت سلمہ بن اکوعؓ بہت خوش ہوئے اور یقین کر لیا کہ حضرت عامر مجاہد شہسوار بہادر دلیر جنت کے باغات میں اور نہروں میں ہیں اور بیٹھک میں بیٹھے ہیں اس بادشاہ کے پاس جس کا سب پر قبضہ ہے۔

حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زبردست شہسوار ہیں اللہ پاک ان پر رحمت نازل فرمائے بیشک سچ اور ثابت ہے کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ

شہید یمامہ: حضرت عباد بن بشرؓ پیدا ہی جہاد اور شاہسواری کے لئے ہوئے تھے۔ اسلام لانے کے شروع دن سے لے کر آخری دن تک زندگی کا ایک لحظہ اپنی مرضی سے نہیں گزارا۔ یہ حضرت عباد بن بشرؓ اللہ رب العزت کے لشکر کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ہے۔ جھوٹا' کذاب' مدعی نبوت مسیلمہ بن حبیب کو جہنم رسید کرنے کے لئے جنگ یمامہ میں شروع ہوئی اور لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھے اور بہادروں کے دل اڑنے اور نکلنے لگے شجاعت اور بہادری کی تلوار نے بڑا کام دکھایا اور اس دن حضرت عباد بن بشرؓ نے بنوحنیفہ کے مرتدین کے ساتھ بڑی دلیری اور شجاعت سے لڑائی کی اس دن ان جیسی لڑائی نہیں دیکھی گئی۔ کہا گیا ہے کہ اس دن بیس سے زیادہ آدمیوں کو قتل کیا اور ان کو جہنم رسید کیا۔ اور اس قدر زور سے تلوار چلائی کہ کئی مرتبہ تلوار مڑ گئی جس کو اپنے گھٹنوں سے سیدھا کیا اور وہیں سے دوبارہ قتال شروع کر دیا۔ حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ میں نے جنگ یمامہ میں حضرت عباد بن بشرؓ کو دیکھا کہ ان کی طرف بنوحنیفہ کا ایک موٹا طاقتور آدمی مثل اونٹ اور بیل کی طرح آگے بڑھا اور کہا اے میرے انصاری بھائی تم ہمیں بھی ان لوگوں کی طرح خیال کرتے ہو جن سے تم نے حجاز عرب میں لڑائی کی۔ اب پتہ چلے گا کہ تمہارا واسطہ کس سے ہوا ہے۔ حضرت عباد بن بشرؓ آگے بڑھے باوجود اس کے کہ آپ بہت ہی زیادہ زخمی تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا اور حضرت عبادؓ نے ایک ہی وار اور حملہ سے ان کے پاؤں کی دونوں پنڈلیاں کاٹ دیں۔ اور پھر اس سے درگزر کرتے ہوئے اس کو اسی حال میں چھوڑ دیا کہ وہ بڑی مشقت سے اپنے گھٹنوں کے بل اٹھے۔ لیکن اس نے آواز دی کہ اے انصاری مجھے قتل کر دے حضرت عبادؓ

واپس ہوئے اوران کوقتل کر دیا۔

پھر ایک دوسرا مقابلہ کے لئے آیا تو حضرت عبادؓ نے اس پر ایک ہی وار کر کے جہنم رسید کر دیا۔ جب بنوحنیفہ نے اس کو دیکھا تو سب نے مل کر حملہ کر دیا اور شہید کر دیا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ انکی شہادت کی گواہی دیتے ہیں۔ حضرت عباد بن بشرؓ کے لئے اوران کی آواز کو ہمارے لئے نقل فرماتے ہیں کہ وہ اس دن چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ اپنی تلواروں کے نمدہ توڑ دو اور تلواروں کو دوبارہ نیام میں نہ ڈالو اور ہمارے لئے راستہ چھوڑ دو۔ ہمارے لئے راستہ چھوڑ دو۔ تو چار سو انصاری صحابہ کرامؓ نے ان کا راستہ چھوڑ دیا کوئی ایک بھی ان کے سامنے نہ آیا تو حضرت عباد بن بشرؓ ابودجانہؓ اور براء بن مالکؓ سب سے آگے بڑھے اور لڑائی کرتے کرتے مسیلمہ کے باغ کے دروازے تک پہنچ گئے اور وہاں سخت لڑائی کی۔ اور عبادؓ شہید ہو گئے ان کے چہرے پر بہت زیادہ زخم آئے تو وہ پہچانے نہیں جا رہے تھے ان کے جسم کی دوسری نشانیوں سے وہ پہچانے گئے۔

حضرت عبادؓ ہمیشہ مسلمانوں کے دلوں میں رہیں گے۔ یہ صحابہ کرامؓ کے بیٹوں میں سے ایک ہیں۔ حضرت عبادؓ بن عبداللہؓ بن زبیر قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میرے والد نے میرا نام عباد صرف حضرت عباد بن بشرؓ کی بہادری کی وجہ سے رکھا۔

حضرت عبادؓ کی ایک حدیث ہے اے جماعت انصار تم لوگ شعار ہو اور باقی لوگ۔ حضرت عبادؓ اپنی زندگی کے چوالیس یا پینتالیس سال گزار کر اپنے رب کے وعدہ کو پورا کرتے ہوئے اور اللہ کی رضاء کو حاصل کرتے ہوئے اللہ کے راستہ میں شہادت حاصل کی۔ اللہ پاک ان سے راضی ہو گئے اور ہم سب قیامت کے روز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ ان شاء اللہ

عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول کی شہادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ کی تعریف فرماتے تھے اوران کا اکرام کرتے تھے اورانداز ہ فرماتے تھے شاہسواری کے میدان میں ان کے کارناموں کا۔اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کا۔اور اللہ کی اطاعت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق مرتدین کے جہاد کے لئے مسلمانوں کو جمع فرما رہے تھے تو حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ ان شاہسواروں کی جماعت میں تھے جنہوں نے داعی اعلاء کلمۃ اللہ کی آواز پر خوشی سے لبیک کہی۔اور سرزمین یمامہ کی جانب اللہ کی تلوار خالد بن ولید کے ساتھ چل رہے ہیں اور زندوں کے تمغہ کے ساتھ اللہ پاک کے ہاں ایک مقام حاصل کیا اور شہادت کا تاج اور تمغہ حاصل کیا اور شہید ہو گئے۔

ابن قدامہ مقدسی نے اپنی کتاب ''الاستبصار'' میں لکھا ہے۔حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ کو اللہ پاک نے کامل ایمان نصیب فرمایا اور جہاد کی توفیق نصیب فرمائی۔اوران کو شہادت کی مہر سے نوازا کس قدر اچھا ہے خاتمہ اور کس قدر اچھا اور مبارک ہے یہ شہید۔اللہ ان سے راضی ہوں اور ہمیں اور انہیں جنت میں داخلہ عطا فرمائیں۔

ایک سیاہ فام حبشی غلام رضی اللہ عنہ

خیبر کی فتح، تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، یہاں کئی چھوٹے بڑے قلعے تھے جن میں یہودی چھپ کر مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کر رہے تھے۔ قلعہ قموص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس روز تک محاصرہ جاری رکھا۔ ایک سیاہ فام حبشی غلام جو اپنے سردار کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اس نے اہل قلعہ کی سرگرمیاں دیکھیں تو ان سے پوچھا کیا پروگرام ہے؟ جواب ملا کہ یہ جو نبوت کا مدعی بنا ہوا ہے اس سے لڑائی کرنی ہے۔ اس غلام کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس طرف کے حالات بھی معلوم کرے۔ ادھر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہتے ہیں کہ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ فرمایا میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔

کہا: اگر میں ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا۔ فرمایا

فلک الجنة ان مت علی ذلک

(زاد المعاد ص ۳۲۹ ج ۲) (اگر تیری وفات ایمان پر ہوئی، تو تجھے جنت ملے گی۔)

اس نے کہا یہ بکریاں تو میرے پاس امانت ہیں ان کا کیا بنے گا؟ فرمایا ان پر کنکریاں پھینک کر انہیں روانہ کر دو اللہ تعالیٰ تیری اس امانت کو مالک کے پاس پہنچا دیں گے۔ اس نے ایسا کیا۔ بکریاں مالک کے گھر پہنچ گئیں تو وہ سمجھ گیا کہ غلام، مسلمان ہو چکا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر وعظ فرمایا۔ مسلمانوں کو جہاد کے لئے ابھارا۔ قتال کا بازار گرم ہوا تو شہید ہونے والوں میں وہ غلام بھی شامل تھا۔ مسلمان اسے اٹھا کر اپنے کیمپ میں لے آئے اور اسے خیمے کے اندر لٹا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمے کے اندر جھانک کر دیکھا تو نگاہ اس غلام پر پڑی۔ فرمایا: اللہ نے اس غلام کو بڑی عزت بخشی ہے۔ اس کو اللہ کے آگے سر نیاز جھکانے کا موقعہ نہیں ملا، پہلے ہی شہید ہو کر اس نے منزل کو پالیا۔ میں نے اس کے سرہانے دو حوریں دیکھیں۔ (زاد المعاد) فوا ھا لہ۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت فراس بن نضر رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... فراس نام، والد کا نام نضر تھا، نسب نامہ یہ ہے فراس بن نضر بن حارث ابن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبد دار بن قصی، ماں کا نام زینب تھا، ننہالی شجرہ یہ ہے زینب بنت بناش بن زرارہ بن اسد بن عمرو بن تمیم تمیمی۔

اسلام و ہجرت۔ مکہ میں ابتداء میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔

شہادت...... ان کی مدنی زندگی کے حالات کچھ نہیں معلوم، حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام کی لڑائیوں میں شریک ہوئے اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ یرموک۔ میں جام شہادت پیا۔ (سیر الصحابہ جلد دوم)

حضرت مصعب بن عمیرؓ کی شہادت

حضرت مصعب بن عمیرؓ اسلام لانے سے پہلے بڑے ناز میں پلے ہوئے اور مالدار لڑکوں میں تھے۔ ان کے باپ ان کے لئے دو دو سو درہم کا جوڑا خرید کر پہناتے تھے نوعمر تھے بہت زیادہ ناز و نعمت میں پرورش پاتے تھے۔ اسلام کے شروع ہی زمانے میں گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے اور اسی حالت میں رہتے۔ کسی نے ان کے گھر والوں کو بھی خبر کر دی۔ انہوں نے ان کو باندھ کر قید کر دیا۔ کچھ روز اسی حالت میں گزرے اور جب موقع ملا تو چھپ کر بھاگ گئے اور جو لوگ حبشہ کی ہجرت کر رہے تھے ان کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے وہاں سے مدینہ واپس آ کر مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی اور زہد و فقر کی زندگی بسر کرنے لگے اور ایسی تنگی کی حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ حضرت مصعبؓ سامنے سے گزرے۔ ان کے پاس صرف ایک چادر تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور ایک جگہ بجائے کپڑے کے چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس حالت اور پہلی حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ غزوۂ احد میں مہاجرین کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ جب مسلمان نہایت پریشانی کی حالت میں منتشر ہو رہے تھے تو یہ جمے ہوئے کھڑے تھے۔ ایک کافر ان کے قریب آیا اور تلوار سے ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جائے اور مسلمانوں کو گویا کھلی شکست ہو جائے۔ انہوں نے فوراً علم دوسرے ہاتھ میں لے لیا اس نے دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ ڈالا۔ انہوں نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر سینہ سے جھنڈے کو چمٹا لیا کہ گرے نہیں۔ اس نے ان کے تیر مارا جس سے وہ شہید ہو گئے مگر زندگی میں جھنڈے کو گرنے نہ دیا۔ اس کے بعد جھنڈا گرا جس کو فوراً دوسرے صحابیؓ نے اٹھا لیا جب ان کو دفن کرنے کی نوبت آئی تو صرف ایک چادر ان کے پاس تھی جو پورے بدن پر نہیں آتی تھی۔ اگر سر کی طرف سے ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کی جاتی تو سر کھل جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چادر کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اذخر کے پتے ڈال دیئے جائیں۔ (قرۃ اصابہ) (حکایات صحابہؓ)

حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت مرثد رضی اللہ عنہ شہدائے یوم الرجیع میں شامل ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل مختصراً یہ کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک وفد آیا۔ اس وفد میں قبائل عضل قارہ اور لحیان کے افراد شامل تھے۔ وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں اسلام کی تعلیم دینے کے لئے کچھ معلمین بھیجے جائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ صحابہ کو بھیجا ان چھ مبغلین کو وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ لیکن اچانک مقام رجیع پر پہنچ کر انہوں نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم پر حملہ کر دیا۔ بے خبری کے عالم میں دشمن کے اچانک حملہ کے باوجود ان چھ جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے بددل ہونے کی بجائے دشمن کا مقابلہ کیا۔ ان میں سے تین صحابی حضرت مرثد ابی مرثد' عاصم بن ثابت اور خالد بن بکیر رضی اللہ عنہم اجمعین جام شہادت نوش کر گئے اور تین صحابی حضرت خبیب بن عدی' زید بن دثنہ اور عبداللہ ابن طارق رضی اللہ عنہم گرفتار کر لئے گئے جنہیں ان غداروں نے مکہ لے جا کر قریش مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ قریش مکہ نے ان کو شہید کر دیا۔

حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بندۂ مومن کی زندگی اول سے آخر تک جدوجہد اور سعی ومحنت کی زندگی ہے اس کی زندگی کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے اور اسی نصب العین کی خاطر وہ دنیا اور اس کی تمام لذتوں اور نفس کی تمام خواہشات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ پھر یہ نصب العین اختیار کرنے کے بعد کسی مرحلہ پر اس کے دل میں غیر اللہ کا خوف پیدا نہیں ہو سکتا۔

وہ موت کے مقابلہ پر اپنی ہمت نہیں ہارتا۔ موت کی آنکھ میں آنکھیں ڈال سکتا ہے۔ باطل سے مصالحت اس کی فطرت کے بالکل خلاف ہوتی ہے۔ روشنی کے مینار ہمیں بتاتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں دنیوی لذائذ اور نفسانی خواہشات کے طوفان اس وقت تک موجزن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہم اپنے اصل نصب العین اور مسلمان ہونے کو اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ کر دیں۔ غیر اللہ کا خوف اور باطل کے مقابلہ میں بزدلی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب دل سے خدا کا خوف نکال دیا جائے۔

مالک بن سنان خدری رضی اللہ عنہ

حضرت مالک بن سنانؓ ان انصار صحابہ میں سے ہیں جو ہجرت نبویؐ سے پہلے مدینہ منورہ میں اسلام قبول کر چکے تھے حضرت مالکؓ کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے چنانچہ اگلے سال ۳ھ میں غزوہ احد میں بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے لڑائی کا آغاز ہوا تو حضرت مالکؓ سر بکف ہو کر لڑے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر زخم آیا تو حضرت مالکؓ نے آگے بڑھ کر خون پونچھا اور ادب کے خیال سے زمین پر پھینکنے کی بجائے اسے چوس کر نگل لیا یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس کے خون میں میرا خون شامل ہو گیا ہے تو وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے''۔ اس کے بعد دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ آپ رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند ہیں۔

حضرت مجزاۃ بن ثور سدوسی رضی اللہ عنہ

یہ اللہ کے وہ بہادر اور جیالے سپاہی ہیں جو معرکہ قادسیہ سے ظفریاب و فتح مند ہو کر واپس لوٹے ہیں۔ جنگ کے گرد وغبار کو اپنے اوپر سے جھاڑتے ہوئے اللہ کی نصرت و تائید پر اظہار مسرت کر رہے ہیں۔ اپنے شہید ہونے والے بھائیوں کو عطا ہونے والے زبردست اجر وثواب پر مسرور ہیں اور اگلے کسی ایسے ہی معرکہ کے لئے سراپا شوق و انتظار میں ہیں جو اپنے حسن و جمال اور ہیبت وجلال میں معرکہ قادسیہ کے مثل ہو۔ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ جہاد کے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم آ جائے تا کہ وہ کسریٰ کی سلطنت اور ایرانی شہنشائیت کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر پھینک دیں اور ان مبارک وفرخندہ فال لوگوں کو زیادہ دیر تک انتظار کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔

حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لڑائیوں میں ایسی غیر معمولی شجاعت و مردانگی کا مظاہرہ کیا کہ اس کو دیکھ کر دوست اور دشمن بحر حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے۔ انہوں نے انفرادی جنگ میں دشمن کے ایک سو بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور دشمنوں کے دلوں میں ایسی ہیبت طاری کر دی کہ ایرانی سپاہی لرزہ براندام ہو جاتے اور ان کے ان کارناموں پر مسلمانوں کے سر فخر سے اونچے ہو جاتے۔ ان کے ان کارناموں کو دیکھ کر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر مجاہدین میں ان کی شمولیت کے کیوں اتنا زیادہ خواہشمند تھے۔

آخری جنگ میں مسلمانوں نے ایرانیوں پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ ایرانی اس کے مقابلے میں تاب نہ لا سکے اور خندق کے اوپر بنے ہوئے پل کو مسلمانوں کے لئے خالی چھوڑ کر خود شہر کے اندر پناہ گزین ہو گئے اور اپنے پیچھے شہر کے مضبوط قلعے کا پھاٹک بند کر دیا۔

اس صبر طویل کے بعد مسلمان اب جن حالات کا سامنا کر رہے تھے وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت صبر آزما تھے۔ ایرانی مسلمانوں کے اوپر برجوں سے پیہم تیروں کی بارش کر رہے تھے اور وہ فصیلوں کے اوپر سے لوہے کی زنجیریں لٹکاتے جن کے سروں پر آنکس لگے ہوتے تھے۔ جو آگ میں تپانے کی وجہ سے سرخ انگاروں کی طرح دہک رہے ہوتے۔ جب کوئی مسلمان فصیل کے

قریب پہنچنے یا اس پر چڑھنے کی کوشش کرتا تو ایرانی اسے انہیں دہکتے ہوئے انکسوں میں پھنسا کر اوپر کھینچ لیتے اور اس کا جسم جل جاتا۔ بدن کا گوشت گر جاتا اور اس طرح اس کا کام تمام ہو جاتا۔

مسلمان سخت کرب والم میں مبتلا تھے۔ وہ نہایت خشوع وخضوع اور انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پریشانیوں کو دور فرمائے اور دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے۔ اسی اثناء میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تستر کی اس عظیم الشان فصیل کو عبور کرنے کی تدابیر پر غور کر رہے تھے اور اس سے قریب قریب مایوس ہو چکے تھے کہ اچانک ان کے سامنے ایک تیر آ کر گرا جوان کی طرف فصیل کے اوپر سے پھینکا گیا تھا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دیکھا۔ اس میں کاغذ کا ایک پرزہ بندھا ہوا تھا۔ جس میں یہ پیغام تھا۔

''مسلمانو! میں تم لوگوں پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے اپنی جان اپنے مال اپنے اہل و عیال اور اپنے متبعین کے لئے امان طلب کر رہا ہوں۔ اس کے بدلے میں تم لوگوں کو ایک ایسے خفیہ راستے کی نشانی دہی کر دوں گا جس سے گزر کر تم لوگ شہر میں داخل ہو سکتے ہو''۔

جواب میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کاغذ پر امان کی تحریر لکھی اور اسے تیر کے ذریعے واپس اس کے پاس پھینک دیا۔ اس شخص کو مسلمانوں کی طرف سے دیئے ہوئے امان پر پورا اطمینان ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مسلمان اپنے وعدے کے کتنے سچے اور عہد کے کتنے پکے ہوتے ہیں۔ وہ تاریکی کے پردے میں خاموشی سے ان کے پاس آیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پوری حقیقت بتا دی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور پوری بات ان کے گوش گزار کر کے فرمایا کہ۔

''آپ اپنے قبیلے سے ایک ایسا آدمی مجھے دیجئے جو صاحب عقل وفہم ہونے کے علاوہ تیرنے کے فن میں بھی مہارت رکھتا ہو''۔

حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''اس کے لئے میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ اس کے لئے تیار ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ خدا آپ کا حامی وناصر ہو۔''

اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ وہ راستے کو اچھی طرح اپنے ذہن میں مستحضر کر لیں۔ دروازہ کی جگہ کو خوب پہچان لیں۔ ہرمزان کی قیام گاہ اور اس کی شخصیت کو ٹھیک سے ذہن نشین کر لیں اور اس کے علاوہ اپنی طرف سے کوئی اور اقدام نہ کریں۔

حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایرانی رہبر کے ساتھ تاریکی میں روانہ ہوئے اور اس زیرزمین سرنگ میں داخل ہوئے جو دریا اور شہر کے درمیان بنائی گئی تھی۔ سرنگ کہیں کہیں اتنی کشادہ تھی کہ پانی میں کھڑے ہو کر چلنا ممکن ہوتا اور کہیں کہیں اتنی تنگ تھی کہ اس میں سے تیر کر گزرنا پڑتا کہیں کہیں شاخ در شاخ کہیں ٹیڑھی میڑھی اور کہیں بالکل سیدھی تھی۔ اس طرح چلتے ہوئے وہ اس جگہ پر پہنچ گئے جہاں سے شہر میں داخل ہونے کا راستہ نکلتا تھا۔ ایرانی رہبر نے انہیں اپنے بھائی کے قاتل ہرمزان کو دکھایا اور اس کی جگہ کی بھی نشاندہی کی جہاں وہ قیام پذیر تھا۔ جب حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرمزان کو دیکھا تو ان کے جی میں آیا کہ اس کے حلق میں ایک تیر مار کر اسے ہلاک کر دوں مگر فوراً ہی انہیں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ نصیحت یاد آ گئی کہ وہاں کوئی اور اقدام نہ کرنا۔ انہوں نے فوراً اپنی اس خواہش پر لگام لگائی اور طلوع فجر سے پہلے اسلامی کیمپ میں واپس آ گئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین سو ایسے جانبازوں کو تیار کیا جو شجاعت و ثاقب قدمی میں یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ تیراکی میں بھی ماہر تھے۔ حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا قائد مقرر کیا اور انہیں رخصت کرتے ہوئے کچھ نصیحتیں فرمائیں اور شہر پر لشکر مجاہدین کے حملہ آور ہونے کے لئے ان کی تکبیر کو "شعار" قرار دیا۔

حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جہاں تک ممکن ہو وہ ہلکے پھلکے کپڑے پہن لیں کہ پانی میں بھیگنے سے ان کا وزن زیادہ نہ ہو جائے اور انہیں تاکید کر دی کہ اپنے ساتھ تلوار کے علاوہ دوسرا کوئی اسلحہ نہ رکھیں۔ انہوں نے یہ بھی تاکید کر دی کہ سب لوگ اپنی اپنی تلواروں کو اپنے کپڑوں کے نیچے جسم کے ساتھ باندھ لیں۔ پھر ایک تہائی رات گزرنے کے بعد انہیں اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے جانباز تقریباً دو گھنٹے تک اسی خطرناک سرنگ کے دشوار گزار مراحل سے نبرد آزما رہے۔ کبھی وہ ان دشواریوں پر غالب آ

جاتے اور کبھی وہ انہیں زیر کر لیتیں۔ جب یہ لوگ سرنگ کے اس آخری سرے پر پہنچے جو شہر میں داخل ہونے والے راستے سے متصل تھا تو حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ سرنگ ان کے دوسوبیس جانبازوں کونگل گئی ہے اور ان میں سے صرف اسی آدمی بچے ہیں۔

حضرت مجزاۃ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے شہر کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اپنی تلواریں بے نیام کرلیں اور قلعہ کے پہرہ داروں پر ٹوٹ پڑے اور چشم زدن میں انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر وہ لوگ دروازوں کی طرف جھپٹے اور انہیں کھولتے ہوئے زور سے تکبیر کی آواز بلند کی۔ دروازوں کے باہر سے مسلمانوں نے ان کی تکبیروں کا جواب دیا اور صبح ہوتے ہوئے انہوں نے شہر پر ایک زوردار حملہ کر دیا۔ پھر ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان ایک ایسی ہلاکت خیز اور گھمسان کی جنگ چھڑ گئی جس کی مثال جنگوں کی تاریخ میں بہت کم گزری ہوگی۔

دوران جنگ حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر ہرمزان پر پڑی۔ وہ میدان جنگ میں ایک جگہ کھڑا ہو کر اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور تلوار لے کر جھپٹ پڑے لیکن پھر لڑنے والوں کی بھیڑ میں وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ نظر آیا۔ حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیزی سے اس کی طرف لپکے اور اس پر حملہ کر دیا۔ حضرت مجزاۃ رضی اللہ عنہ اور ہرمزان دونوں نے اپنی تلواروں سے ایک ساتھ ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ مگر بدقسمتی سے حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وار چوک گیا اور ہرمزان کا وار ٹھیک اپنے نشانے پر پڑا۔ حضرت مجزاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے اور دولت شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد بھی مسلمانوں نے لڑائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت سے نوازا اور ہرمزان کو گرفتار کر لیا گیا۔

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد مسلمانوں کی ایک جماعت اس شان سے روانہ ہوئی کہ ان کے آگے آگے ہرمزان تھا۔ اس نے سر پر اس کا ہیروں سے مرصع تاج تھا اور اس کے کندھے پر زردوزی سے مزین اس کی خوبصورت اور بیش قیمت چادر پڑی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ فتح کی بشارت سنانے والے خلیفہ کے لئے ان کے جانباز اور بہادر شہسوار حضرت مجزاۃ بن ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اندوہناک خبر بھی لئے جا رہے تھے۔ (روشن ستارے)

معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی شہادت

عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم معاذ بن عمرو بن الجموح سے روایت کرتے ہیں کہ میں ابوجہل کی تاک میں تھا جب موقع پڑا تو اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ ابوجہل کی ٹانگ کٹ گئی۔

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے (جو فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے) باپ کی حمایت میں معاذ کے شانہ پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا لیکن تسمہ لگا رہا ہاتھ بیکار ہو کر لٹک گیا مگر سبحان اللہ۔

معاذ شام تک اسی حالت میں لڑتے رہے۔ جب ہاتھ کے لٹکنے سے تکلیف زیادہ ہونے لگی تو ہاتھ کو قدم کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا کہ وہ تسمہ علیحدہ ہو گیا۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے مگر معوذ بن عفراء ابوجہل سے فارغ ہو کر لڑائی میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

حضرت معاذ قد آور خوبرو اور رنگ کے گورے تھے۔ ان کے دانت بڑے چمک دار تھے۔ طبیعت کے بڑے فیاض تھے داد و دہش میں گھر کی پوری پونجی ختم کر دی۔ اکثر مقروض رہتے تھے مجاہد بھی زبردست تھے بدر اور بعد کے غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے ان کا طغرائے امتیاز ان کا علمی مقام تھا' اسی لئے حضرت عمرؓ ان کے بارے میں فرماتے تھے۔

عجزت النساء ان یلدن مثل معاذ ولولا معاذ لھلک عمر

عورتیں عاجز آ چکی ہیں کہ معاذ جیسا بچہ جن دیں اور اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر کو بڑی مشکل پیش آتی۔

اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خود عہد نبوت میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح (والی شام) کی وفات کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر شام روانہ کیا' مگر وہاں جو وبائی بیماری پھوٹی ہوئی تھی اسی کا شکار حضرت معاذ بھی ہوئے جو بیمار ہو کر فوت ہو گئے یوں انہوں نے شہید آخرت کا رتبہ بھی حاصل کر لیا۔ یہ ۱۸ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت عمرؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یحشر یوم القیامة بین یدی العلماء نبذة (مسند احمد)

معاذ قیامت کے روز ایک تیر پھینکنے کا فاصلہ علماء سے آگے آگے رہیں گے۔)

رضی اللہ عنہ وارضاہ

سیدنا مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ

حضرت مبشر بن عبدالمنذ رؓ انصاری صحابی ہیں۔ اپنے بھائی ابولبابہ انصاریؓ کے ساتھ جنگ بدر میں شامل ہوئے تھے اور شہادت کے بلند رتبہ پر فائز ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ مشہور صحابی حضرت جابرؓ کے والد ہیں وہ کہتے ہیں کہ جنگ احد سے پہلے میں نے خواب میں مبشر بن عبدالمنذ رؓ کو دیکھا وہ مجھ سے کہتے ہیں چند روز میں تم ہمارے پاس آ جاؤ گے؟ میں نے پوچھا تم کہاں ہو؟ کہا۔

فی الجنة نسرح حیث نشاء

(بہشت میں ہوں اور جہاں ہمارا دل چاہتا ہے پھرتے رہتے ہیں)

میں نے کہا تم تو بدر کے روز شہید ہو گئے تھے۔ کہاں ہاں پھر مجھے زندگی عطا کر دی گئی۔ میں نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو جابر!

هذا الشهادة یا اباجابر

(یہ تمہارے لئے شہادت کی خوشخبری ہے)

احد کی لڑائی میں سب سے پہلے جام شہادت نوش کرنیوالے یہی عبداللہ تھے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ

نام ونسب: عبداللہ نام ہے۔ مجذر لقب۔ قبیلہ بلی سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے مجذر بن زیاد ابن عمرو بن اخرم بن عمارہ بن مالک بن عمرو بن تیشرہ بن شنو بن قشر بن تیم بن عودمناہ ابن باح بن تیم بن اراسہ بن عامر بن عبیدہ بن غنیل بن قران بن بلی۔

اسلام: ہجرت کے بعد اسلام لائے۔

غزوات: غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ ابوالبختری مکہ میں ایک نہایت رحمدل اور نیک نفس شخص تھے قیام مکہ کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ہاتھوں جو تکلیفیں پہنچتیں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سینہ سپر ہوتا۔ بنوہاشم کے مقاطعہ کا عہد نامہ لکھ کر کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا۔ اس کو اتروانے میں ابوالبختری کا خاص حصہ تھا۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں صحابہ کو تاکید کردی تھی کہ اس کو پانا تو قتل نہ کرنا۔

حضرت مجذرؓ میدان میں آئے تو اس سے سامنا ہوگیا۔ اونٹ پر سوار تھا پیچھے ایک دوسرا شخص بھی بیٹھا تھا جو اس کے مال متاع کا نگران تھا۔ مجذرؓ نے کہا کہ تمہارے قتل کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کی ہے لیکن دوسرے شخص کے لئے کوئی ہدایت نہیں فرمائی ہے۔ اس لئے اس کو تو کسی طرح نہ چھوڑوں گا۔ ابوالبختری بولا یہ تو میرے لئے بڑے شرم کی بات ہوگی کہ اس کو تو قتل کرادوں اور خود زندہ رہوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ قریش کی عورتیں طعنہ دیں گی کہ بڑی ہوس تھی کہ ساتھی کو قتل کرادیا اور خود نہ مرگیا۔

غرض اونٹ سے اترا اور داد شجاعت دیتے ہوئے جان دی۔ حضرت مجذر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور قسم کھا کر کہا کہ اس کو لانا چاہتا تھا لیکن وہ لڑائی کے سوا کسی چیز پر راضی نہ ہوا۔

وفات۔ بدر کے بعد احد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ ایام جاہلیت میں انہوں نے سوید بن صامت کو قتل کیا تھا۔ جس سے جنگ بعاث کی نوبت آئی تھی۔ فریقین کے مسلمان ہوجانے کے بعد اگرچہ معاملہ رفت وگذشت ہوگیا تھا لیکن سوید کے بیٹے حارث کے دل میں مسلمان ہونے کے بعد ان کی طرف سے غبار تھا۔ اس نے موقع پا

کران کو باپ کے عوض قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔

۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو دوبارہ مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذرؓ کے عوض اس کے قتل کا حکم دیا۔ (سیر انصار حصہ دوم)

حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ

نام و نسب: معن نام ہے۔ قبیلہ بلی سے ہیں۔ عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ معن بن عدی بن الجد بن عجلان۔ حضرت عاصمؓ بن عدی کا حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ معنؓ انہیں کے بھائی تھے۔

اسلام: عقبہ ثانیہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

غزوات: حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی حضرت زیدؓ سے مواخاۃ ہوئی۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو صحابہؓ کہنے لگے کہ کاش ہم آپ کے سامنے مر جاتے اور یہ وقت نہ دیکھتے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کن بلاؤں اور مصیبتوں کا سامنا ہو۔

حضرت معنؓ نے سنا تو کہا "مجھے اس کی آرزو نہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں میں نے آپ کی تصدیق کی تھی وفات کے بعد بھی آپ کی اسی طرح تصدیق کروں۔

سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے جن دو صالح شخصوں سے ملنے کا ذکر کیا ہے ان میں ایک یہ بھی تھے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ کو انصار کے ارادہ سے آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ آپ لوگ وہاں نہ جائیں بلکہ اپنی جگہ پر رہ کر فیصلہ کریں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں حضرت خالدؓ مرتدین کی مہم پر روانہ ہوئے تو یہ بھی ہمراہ تھے وہاں سے دو سو سوار لے کر مرتدین کی دیکھ بھال کے لئے یمامہ آئے۔

وفات: مسیلمہ سے جنگ چھڑی تو اس میں جام شہادت سے سیراب ہوئے۔

اولاد: مادی یادگار کوئی نہیں چھوڑی۔ البتہ روحانی یادگاریں بہت ہیں اور اب تک زندہ ہیں۔

حضرت مخریق رضی اللہ عنہ

نام ونسب: مخریق نام ہے۔ قبیلہ نضیر سے نسبی تعلق تھا۔ آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔

اسلام: اسلام قبول کرنے کے متعلق کتب رجال وسیر میں صرف اتنا مذکور ہے۔

"کان خیراً عالما فامن بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم"

"نہایت صالح اور عالم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے"۔

غزوۂ احد میں شرکت اور شہادت

غزوۂ احد پیش آیا تو حضرت مخریقؓ یہود مدینہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر طرح مدد کرنی چاہئے جبکہ تمہیں یہ علم ہے کہ ان کی مدد تم پر ضروری ہے۔ یہود نے کہا آج یوم سبت (سنیچر) ہے۔ ہم کیسے تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ فرمایا سبت وغیرہ کیا چیز ہے؟ فوراً تلوار ہاتھ میں لی اور سر بکف خدمت نبی میں حاضر ہوئے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر پامردی سے لڑے اور شہادت پائی۔ (سیر الصحابہؓ (جلد ششم)

عام جنگ میں مسلم بن عوسجہ کی شہادت

ابھی تک لڑائی کا انداز یہ تھا کہ ایک ایک شخص ایک ایک کے مقابل میں نکلتا تھا۔ مگر شامی لشکر سے جو نکلا وہ بچ کر نہ گیا۔ اس لئے عمر بن حجاج پکارا۔

لوگو! جن سے تم لڑ رہے ہو یہ سب اپنی جانوں پر کھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے آئندہ کوئی شخص تنہا ان کے مقابلہ میں نہ جائے۔ ان کی تعداد تو اتنی کم ہے کہ اگر تم لوگ ان کو صرف پتھروں سے مارو تو بھی ان کا کام تمام ہو جائے گا۔ کوفہ والو! اطاعت اور جماعت کی پوری پابندی کرو۔ اس شخصؓ کے قتل میں کسی شک وشبہ اور تذبذب کی راہ نہ دو۔ جو دین سے بھاگا ہے اور جس نے امام کی مخالفت کی ہے۔

عمر بن سعد کو بھی عمرو بن حجاج کی یہ رائے پسند آئی۔ چنانچہ اس نے فرداً فرداً مبارزت سے روک دیا اور عام جنگ کا آغاز ہو گیا۔

عمر بن حجاج میمنہ کو لے کر حضرت حسینؓ پر حملہ آور ہوا۔ تھوڑی دیر تک آپس میں کشمکش جاری رہی۔ اس معرکہ میں مشہور جان نثار مسلم بن عوسجہ اسدی شہید ہوئے۔ غبار چھٹا تو لاشہ نظر پڑا۔ حضرت حسینؓ قریب تشریف لے گئے۔ کچھ کچھ جان باقی تھی۔ فرمایا مسلم تم پر خدا رحم کرے۔

فمنهم من قضى نحبه و منهم من ينتظر و مابدلوا تبديلا

حضرت حسینؓ کے بعد حبیب مظہر نے آ کر جنت کی بشارت دی اور کہا اگر مجھ کو یہ یقین نہ ہوتا کہ میں عنقریب تمہارے پاس پہنچوں گا تو تم سے وصیت کرنے کی درخواست کرتا اور اسے پوری کرتا۔ مسلم میں بقدر رمق جان باقی تھی۔ حضرت حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے صرف ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے لئے جان دے دینا۔ یہ وصیت کر کے محبوب آقا کے سامنے جان دے دی۔ کہ

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہان نیاز مندے — کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

مسلم کی موت پر شامی فوج میں بڑی خوشی ہوئی۔

مسعود بن حارثہ
اور انس بن ہلال اسمری رضی اللہ عنہ کی شہادت

کہتے ہیں کہ جب غبار بلند ہوا تو مثنیٰ ٹھہر گئے مگر جب غبار دور ہوا تو لوگوں نے یہ دیکھا کہ مشرکین کا قلب فناء ہو گیا ہے۔ اور بازوؤں کے دستوں نے ایک دوسرے کو ہلا ڈالا ہے۔ مگر یہ دیکھ کر کہ مثنیٰ نے دشمن کے قلب کو پسپا کر کے اس کا خاتمہ کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے میمنے اور میسرے کے دستے دشمنوں پر اور شیر دل ہو گئے اور انہوں نے عجمیوں کے منہ پھیر دیئے۔ مثنیٰ اور قلب کے لوگ ان کے لئے نصرت کی دعائیں کرنے لگے۔ مثنیٰ نے ان کے پاس ایک جوش دلانے والے کو بھیجا اور یہ کہلا بھیجا کہ مثنیٰ کہتے ہیں کہ ایسے نمایاں کارنامے تمہارے ہی جیسے انجام دیتے ہیں تم اللہ کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ آخر کار ان لوگوں نے دشمنوں کو شکست دی۔ مثنیٰ فوراً پل کی طرف گئے اور ان کا راستہ روک لیا اس کی وجہ سے عجمی فرات کے بالائی اور زیریں کنارے پر پریشان ہو گئے اور مسلمانوں نے ان کو اپنی تلواروں سے کاٹ کاٹ کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ عرب و عجم کی کسی لڑائی کی بوسیدہ ہڈیاں اتنے عرصے تک باقی نہیں رہی تھیں جیسی کہ اس جنگ کی باقی رہی ہیں۔

مسعود بن حارثہ کی زخمی لاش میدان جنگ میں سے اٹھا کر لائی گئی وہ شکست سے پہلے ہی بچھڑ گئے تھے۔ اس وجہ سے ان کے لوگوں میں کمزوری پیدا ہونے لگی۔ یہ کمزوری دیکھ کر مسعود جو اس وقت زخموں سے چور تھے نے کہا اے بکر بن وائل کے بہادرو اپنے جھنڈے کو بلند کرو اللہ تم کو بلندی عطا کرے گا۔ میرے گر جانے سے تم کو ہراساں نہ ہونا چاہئے۔ اس روز انس بن ہلال النمری نے بھی بڑے زور سے جنگ کی تھی یہاں تک کہ اپنی جان دے دی۔ مثنیٰ نے انس و مسعود کی لاشیں ایک ساتھ رکھوائی تھیں۔ قرط بن جماع العبدی بھی بڑے زور شور سے لڑے تھے۔ متعدد نیزے اور تلواریں ان کے ہاتھ میں ٹوٹیں۔ انہوں نے شہر براز کو جو ایران کا بڑا رئیس تھا اور مہران کے سواروں کا افسر تھا قتل کیا۔

حضرت المثنیٰ بن حارثہ الشیبانی رضی اللہ عنہ

آپ عرب کے مشہور قبیلے شیبان سے تعلق رکھتے تھے' والد کا نام حارثہ تھا۔ نامور سپہ سالار اور قائد تھے انہی کی توجہ دلانے سے اسلامی لشکر نے عراق پر فوج کشی کی اور پھر اسلامی فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

اپنی قوم کے وفد کے ساتھ ۹ھ میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ وہ اگر چہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے مگر انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جہاد کی سعادت نہ مل سکی۔ وہ مرتے دم تک اسلام پر ڈٹے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب بعض عرب قبائل ربیعہ وغیرہ مرتد ہو گئے تو بحرین میں علاء بن الحضرمی کے لکھنے پر ان کی سرکوبی کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

قطیف اور ہجر کے جن لوگوں نے مرتدوں کا ساتھ دیا تھا انہیں بھی سبق سکھایا۔

مثنیٰ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ مجھے اپنے قبیلے کا امیر مقرر فرما دیجئے تاکہ میں ایرانیوں کے خلاف جہاد کر سکوں۔ مثنیٰ سواد کے علاقے پر برابر حملے کرتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنے بھائی مسعود کو امداد کے لئے حضرت ابوبکر کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت ابوبکر نے ان کی امداد کے لئے حضرت خالد بن الولید کو کمانڈر ان چیف بنا کر بھیجا اور مثنیٰ کو ان کی کمان میں لڑنے کو کہا جسے انہوں نے بخوشی تسلیم کر لیا۔ حضرت خالد یمامہ سے دس ہزار مجاہدین اسلام کے ساتھ عراق کے لئے روانہ ہوئے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ مدینہ منورہ سے عراق روانہ ہوئے۔

عراق میں وہ دشمن کے خلاف لڑائی جانے والی تمام جنگوں میں حضرت خالد کی کمان میں بڑی دلیری اور بہادری سے لڑے اور کبھی ان کے حکم پر خود بھی کمان کی۔

حضرت خالد ان کی بے حد قدر کرتے تھے اور ان پر پورا اعتماد کیا کرتے تھے۔ حضرت خالد نے انہیں سوق بغداد پر حملے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے مقابلے میں آنے والوں کو شکست فاش دی۔

اسی اثناء میں حضرت ابوبکر کے حکم پر حضرت خالد کو شام میں روم کے خلاف لڑنے کی ذمہ داری سونپی گئی انہوں نے نصف فوج کے ہمراہ شام کی راہ لی اور بقیہ فوج کی قیادت حضرت مثنی کے سپرد کرتے ہوئے انہیں خدا حافظ کہا۔ اب مثنیٰ کے پاس فوج کم تھی ایرانی سپہ سالار ہرمز جاذویہ بڑی تعداد کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا' بابل کے آس پاس بڑی سخت جنگ ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ مزید کمک کی خاطر وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاں مدینہ منورہ پہنچے انہیں بستر مرگ پر ہی حال احوال کہہ سنایا۔

اس کے باوجود حضرت صدیقؓ نے انہیں خوش آمدید کہا اور بڑی توجہ سے ان کی بات سنی اور کہا کہ حضرت عمر کو بلا لاؤ۔ حضرت عمرؓ کے آنے پر انہیں وصیت کی کہ ان کی امداد میں ہرگز تاخیر نہ کی جائے اور اگر شام میں فتح ہوئی تو ان لشکروں کو ان کی امداد کے لئے بھیجا جائے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی وصیت پر پورا عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ اتنے میں حضرت صدیق کا وصال ہو گیا۔

اور حضرت عمرؓ نے بار خلافت اٹھایا' انہوں نے لوگوں کو ایران پر حملے کے لئے توجہ دلائی مگر مسلمانوں کو ہمت نہ پڑتی تھی چوتھے روز حضرت عمرؓ کی دعوت پر جس مجاہد نے لبیک کہی وہ حضرت ابوعبید ثقفی تھے۔ حضرت عمر نے عراقی مہم کے لئے انہی کو کمانڈر ان چیف مقرر کر دیا۔ حضرت مثنیٰ کے حیرہ پہنچنے کے بعد ابوعبید بھی ایک ماہ بعد جا پہنچے۔ ایرانی فوج نمارق میں اکٹھی ہوئی' یہاں رسالے کی کمانڈ حضرت مثنیٰ کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے داد شجاعت دی اور ایرانی فوج کو شکست ہوئی اور ایرانی فوج کا سپہ سالار جابان گرفتار کر لیا گیا واسط کے قریب سقاطیہ کے مقام پر دوسری جنگ ہوئی اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب فرمایا اب ابوعبیدؓ نے کسکر میں کیمپ کیا اور مثنیٰ کو باروسما بھیجا۔ یہ وہاں بھی

غالب رہے۔ اس کے بعد ابو عبید حیرہ پہنچے اور یہاں معرکہ جسر میں ہاتھیوں نے عرب گھوڑوں کے لئے ایک مسئلہ بنا دیا اور پل کو عبور کرنے بھی نہ پائے تھے کہ ایرانیوں کے زور دار حملے کی تاب نہ لا سکے اور پیچھے دریا تھا مسلمانوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا ابو عبید اور کئی نامور بہادروں نے جام شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد قیادت حضرت مثنیٰ کے حصے میں آئی۔ انہوں نے زوردار آواز لگائی کہ مسلمانو! ہمت سے کام لو اور سکون کے ساتھ پل سے گزر جاؤ میں دشمن کے سامنے رہوں گا۔ مثنیٰ آخر تک دشمن سے لڑتے رہے اور وہ آخری آدمی تھے جنہوں نے پل عبور کیا ایرانیوں کا سارا زور ان پر تھا اور یہ سخت زخمی بھی ہوئے بقیہ فوج کو بچالانے میں کامیاب ہوگئے۔ مدینہ منورہ سے بھی کمک مانگی اور قریبی عرب قبائل کو بھی جہاد پر ابھارا۔ اب بویب کے مقام پر اسلامی لشکر جمع ہوگیا مہران کی قیادت میں بویب کے مقام پر بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ ادھر اسلامی لشکر کی کمان حضرت مثنیٰ کر رہے تھے انہوں نے ایرانی فوج کو تقریباً تباہ کر کے اس طرح جنگ جسر کا بدلہ لے لیا' پھر وہ ذی قار میں چلے آئے یہیں وہ ۱۴ھ میں معرکہ جسر کے زخم سے شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ حضرت سعد اور ان کا لشکر تو ان سے نہ مل سکا البتہ انہوں نے ان کے لئے فوجی لحاظ سے اہم وصیتیں چھوڑیں جنہیں عمل میں لانے سے حضرت سعدؓ کو ہر جگہ کامیابی ہوئی۔ یہ بھی انہی کی وصیت تھی کہ ایرانیوں سے زوردار مقابلہ میدان قادسیہ میں ہوا۔

مثنیٰ جہاں ممتاز صاحب سیف اور سپہ سالار تھے وہاں صاحب قلم اور بڑے درجے کے شاعر بھی تھے مگر ان کی شاعری کا موضوع خالص جہاد تھا۔ بحیثیت انسان وہ بہت بہادر' نڈر اور دلیر تھے وہ مضبوط ایمان وعقیدہ کے مالک تھے۔ ان میں تقریباً وہ تمام قائدانہ صفات موجود تھیں جو حضرت خالد بن الولید میں تھیں' شجاعت و بہادری میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ حملہ کرنے میں پیش پیش اور جنگی چال کے تحت اگر پیچھے ہٹنے کی نوبت آئی تو سب سے اخیر میں وہ عراق کی سرزمین کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔

ایرانیوں پر حملے میں بڑی جری تھے' انہوں نے ہی تو مسلمانوں کو عراق پر حملے کی

طرف مائل کیا تھا ان میں ضبط و اطاعت کا مادہ بھی بے مثال تھا وہ اپنے سینئرز کے احکام کو پوری طرح نافذ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے عہد صدیقی میں حضرت خالد کی کمان میں اور عہد فاروقی میں ابوعبید کی کمان میں نہایت اخلاص کے ساتھ کام کیا۔ دراصل وہ اپنے لئے نہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کام کرتے تھے۔

ان کی قائدانہ صفات حضرت خالد بن الولید کی صفات سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں کسی بھی معرکہ میں ناکامی نہیں ہوئی۔

تاریخی لحاظ سے وہ کبھی تو بحرین کے مرتد قبائل کے خلاف علاء الحضرمی کی معیت میں جہاد کرتے ہوئے دیکھائی دیتے ہیں اور کبھی ایرانیوں سے نبرد آزما انہوں نے عربوں کا مورال بلند کرنے اور ایرانیوں کا مورال تباہ کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ عراق میں ان کے کارنامے دراصل بعد کی فتوحات کا پیش خیمہ تھے۔ اور معرکہ بویب دراصل معرکہ قادسیہ کی تمہید تھا۔ جو حقیقۃً ایرانی شہنشاہیت کی تباہی اور اسلام کی نشر و اشاعت کا اعلان تھا۔

آخری بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عقیدے کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کر کے شہادت پائی اور یہ جنگ جسر کے اس زخم سے ہوئی جو انہیں مسلمان سپاہ کو بچالاتے ہوئے لگا تھا اور بڑا کاری تھا۔

وہ ہر ملک اور مقام کے سپہ سالاروں کے لئے ایک عمدہ مثال اور باعث فخر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجے اور بڑھائیں۔ امین۔

غزوہ موتہ

شہداء کرام

اس غزوہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے
جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

۲۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۳۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

۴۔ مسعود بن اوس رضی اللہ عنہ

۵۔ وہب بن سعد رضی اللہ عنہ

۶۔ عباد بن قیس رضی اللہ عنہ

۷۔ حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ

۸۔ سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

۹۔ ابوکلیب رضی اللہ عنہ بن عمرو بن زید

۱۰۔ جابر رضی اللہ عنہ بن عمرو بن زید

۱۱۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن سعد بن حارث

۱۲۔ عامر رضی اللہ عنہ بن سعد بن حارث

سیدنا ہشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ
ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے واقعات

حضرت ابوحذیفہؓ نے بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔ اور ہر آن کو اللہ کے راستہ میں شہادت کی تمنا رہتی تھی۔ حضرت ابوحذیفہؓ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے اور حدود اللہ کے محافظ شاہسواروں اور مجاہدین میں ان کا ایک مقام اور مرتبہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت ان سے بہت خوش تھے۔ حضرت ابوحذیفہؓ خلافت راشدہ کے زمانہ میں بھی بڑی قدر اور عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جنگ یمامہ میں اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ کے ساتھ جہاد کی نیت سے سید الامراء اور سرداروں کے امیر، پہلوانوں کے رئیس ابوسلیمان خالد بن ولیدؓ جن کے بارے میں حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس قدر بھلا ہے خالد بن ولید اللہ کی تلوار جس کو اللہ پاک نے منافقین اور مشرکین پر مسلط کیا ہے۔

حضرت ابوحذیفہؓ بنی حنیفہ کے قتال کے ارادہ سے یمامہ کی طرف نکلے۔

جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے اپنے جھوٹے مفتری قائد مسیلمہ کے ساتھ۔

جب لڑائی شروع ہو گئی تو مسلمان شاہسواروں نے آپس میں آواز دی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے قتال کرو۔

تو صحابہ کرامؓ نے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کرنا شروع کر دی اور

کہنے لگے اے سورۃ البقرہ والے آج سارا جادو ختم ہو جائے گا۔ اے اہل قرآن آج قرآن پاک کو اپنے کارناموں سے مزین کرو اور میدان جنگ کے اندر گھس گئے آخر کار شہید ہوئے ان کے ساتھ ان کے غلام حضرت سالمؓ تھے کہا گیا ہے کہ یہ غلام آقا لڑائی کے میدان میں اس طرح پائے گئے کہ ایک کا سر دوسرے کے قدموں میں تھا۔ اور دونوں میدان جنگ میں شہید پڑے تھے۔

سن ۱۲ ہجری میں حضرت ابو حذیفہؓ شہید ہوئے۔ ترپن سال کی زندگی گزارنے کے بعد جو انہوں نے اللہ پاک کے اوامر کے مطابق گزاری۔ اور میدان جہاد اور قتال میں اللہ پاک حضرت حذیفہؓ سے راضی ہو گئے اور ان کو بھی خوش کر دیا کہ اپنی رحمت میں چھپا لیا۔

حضرت نعیم النحام رضی اللہ عنہ

نام ونسب: نعیم نام، نحام لقب، نسب نامہ یہ ہے، نعیم بن عبداللہ بن اسید بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب عدوی قرشی، نحام کے لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جنت میں نعیم کی ''نحمہ'' یعنی آواز سنی اسی وقت سے نحام ان کا لقب ہو گیا۔

اسلام: نعیم نے اس وقت توحید کی دعوت پر لبیک کہا جب کل ۹ یا ۱۰ بندگان خدا نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ بھی اس وقت تک کفر کی تاریکی میں محصور تھے، لیکن اس زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں شدید ترین جرم تھا، اس لیے عرصہ تک اسلام کا اعلان نہ کر سکے، ہجرت کے اذن کے بعد جب مسلمانوں کے لیے بیت الامن مدینہ کا دروازہ کھلا تو انہوں نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا، مگر بنی عدی کی جن بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری کرتے تھے، انہوں نے التجا کی کہ ہم کو چھوڑ کر نہ جایئے، جس مذہب میں دل چاہے رہیے مگر جانے کا قصد نہ کیجئے آپ سے کوئی شخص تعرض نہیں کر سکتا، پہلے ہم سب کی جانیں قربان ہو جائیں گی، اس وقت آپ کو کوئی گزند پہنچ سکے گا، اس مجبوری کی بنا پر ابتدا میں ہجرت کا شرف حاصل نہ ہو سکا لیکن یتیموں اور بیواؤں کی پرورش خود ایسی فضلیت ہے، جس کے مقابلہ میں ہجرت کی تاخیر چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔

ہجرت ۶ھ میں اپنے چالیس اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گلے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا نعیم تمہارا قبیلہ

تمہارے حق میں میرے قبیلہ سے بہتر تھا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا قبیلہ بہتر تھا، فرمایا یہ کیسے؟ میرے قبیلہ نے تو مجھ کو نکال دیا، مگر تمہارے قبیلہ نے تم کو ٹھہرائے رکھا، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی قوم نے آپ کو ہجرت پر آمادہ کیا اور میری قوم نے مجھ کو اس شرف سے محروم رکھا۔

غزوات: مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

وفات: بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں اجنادین کے معرکہ میں شہادت پائی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ھ میں یرموک میں شہید ہوئے۔

اولاد: وفات کے بعد اولاد ذکور میں ابراہیم اور اناث میں امہ چھوڑیں، اوّل الذکر زینب بنت حنظلہ کے بطن سے تھے اور ثانی الذکر عاتکہ بنت حذیفہ کے بطن سے تھیں۔

عام حالات: نہایت فیاض، رحم دل، یتیموں کا ملجا، بیواؤں کا ماویٰ اور غریبوں کے مددگار تھے، بنی عدی میں یتیموں اور بیواؤں کے علاوہ اور جس قدر فقراء تھے، ان سب کو مہینہ مہینہ کر کے کھانا کھلاتے تھے۔ (سیر الصحابہ جلد دوم)

حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت مکہ کے لوگوں کو دی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کردی، بت پرستی میں رچے بسے آزاد طبیعت عربوں کے لئے ایک اللہ کی عبادت اپنے آباؤ اجداد کے رواج و رسوم کے خلاف معلوم ہوئی۔ اس لئے سب بڑے بڑے سردار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ، اُمیہ بن خلف وغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو مٹا ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ان میں ایک ستائیس سالہ نوجوان بھی تھا۔ بڑا لمبا چوڑا۔ جوشیلا انسان، غصہ سے ہر وقت سرخ رہنے والا، اپنی بات کو طاقت کے زور پر لوگوں سے منوانے والا۔ ایسی کڑک دار آواز میں بولتا کہ لوگوں کے دل دہل جاتے، تقریر کرنے کھڑا ہوتا تو فصاحت و بلاغت سے لوگوں کو عاجز کر دیتا۔ ہر وقت غصہ ناک پر اور ہاتھ تلوار پر رہتا تھا۔ چند دن وہ بھی اور لوگوں کی طرح غریب و کمزور مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا رہا مگر اسلام کا سورج جب کسی طرح بلند ہونے سے نہ رکا تو اس نوجوان نے ایک خطرناک فیصلہ کیا، تلوار ہاتھ میں لی اور گھر سے نکل پڑا۔

اسی طرح ننگی تلوار لے کر جاتے دیکھا تو لوگ سمجھ گئے کہ آج پھر کسی کی خیر نہیں کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایسے ظالم انسان کو ٹوکے، لیکن اس کے خاندان میں ہی ایک نوجوان...... نعیمؓ بن عبداللہ...... بڑے حق پسند، بیباک اور بے خوف تھے اسلام ان کے دل میں گھر کر چکا تھا مگر انہوں نے کسی کو بتایا نہیں تھا کہ وہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں۔ انہوں نے اس طرح برہنہ تلوار لے کر اس ظالم کو گھر سے نکلتے دیکھا تو ان کا ماتھا ٹھنکا۔ پوچھا

''ابن خطاب! خیر تو ہے کہاں جاتے ہو؟''

چہرے پر غصہ کی سرخی اور لہجے میں تشدد کی کڑواہٹ لئے جواب دیا۔ ''ابی طالب کے بھتیجے نے قریش میں لادینی کا فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ آج اس فتنہ کو ختم کرنے جا رہا ہوں۔''

''اس تلوار سے؟''

''ہاں اس تلوار سے آج یہ محمد کے سر کو (معاذ اللہ) تن سے جدا کر دے گی۔'' ابنِ خطاب نے تلوار اونچی کرتے ہوئے کہا۔

حضرت نعیم نے کہا ''واللہ عمر! تمہارے نفس نے تمہیں دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو گے تو کیا اس کے خاندان بنی عبد مناف کے لوگ تم کو زمین پر چلنے پھرنے کے لئے زندہ چھوڑ دیں گے؟ ہمارے خاندان بنی عدی کی ان کے سامنے کیا بساط ہے؟''

اس بات نے عمر بن خطاب کا پارہ اور چڑھا دیا' بولے ''مجھے لگتا ہے نعیم تو بھی بے دین ہو گیا ہے' شاید تو نے بھی اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔ لا پہلے تیری ہی گردن مارتا ہوں۔''

ایک لمحہ کے لئے حضرت نعیم کو لگا کہ عمر ان کی گردن اڑا دے گا مگر ایمان کی تقویت نے کوئی خوف چہرے پر نہیں آنے دیا' انہوں نے بڑی جرأت سے کہا ''میاں عمر! گھر کی خبر لو گھر کی۔ دوسروں کے لئے تلوار اٹھائے پھرتے ہو اور تمہارے اپنے گھر ایمان کے ترانے گونج رہے ہیں۔''

''میرے گھر میں! کس کی مجال جو میرے گھر میں ایسا کرے'' عمر کا غصہ حیرت میں بدل چکا تھا۔

''جی آپ کے گھر میں۔ آپ کے بہنوئی سعیدؓ بن زید اور آپ کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب کبھی کے مسلمان ہو چکے ہیں۔'' حضرت نعیم نے گویا عمر بن خطاب پر بجلی گرا دی۔

عمر جوش غضب سے بیقرار سیدھے بہنوئی کے گھر پہنچے۔ دیکھا کہ واقعی وہاں قرآن کی صدائے دل نواز گونج رہی ہے۔ پہلے مار پیٹ ہوئی۔ پھر بحث و تکرار ہوئی اور آخر قرآن کی برچھی سینہ میں ایسی چبھی کہ تاریکی کے سب پردے پھٹتے چلے گئے۔ خود ہی پکار اٹھے ''بے شک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔'' (خلفائے راشدین ص ۹۵)

حضرت النعمان بن مقرن المزنی رضی اللہ عنہ

حضرت النعمان رضی اللہ عنہ مقرن کے نامور فرزند تھے ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ مضر سے تھا۔ ان کے دس بھائی اور بھی تھے اور ان سب کا شمار بھی جلیل القدر مجاہدین اور صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں قرآن پاک آیت

ومن الاعراب من یؤمن باللہ والیوم الأخر (التوبہ: ۹۹)

نازل ہوئی جس میں ان کے ایمان وعمل کی تعریف کی گئی ہے۔

رجب ۵ ھ میں حضرت النعمانؓ اپنے قبیلہ مزنیہ کے چار سو سواروں کے ساتھ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ ان سواروں میں ان کے اپنے بھائی میں شامل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمان میں غزوہ خندق اور اس کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ فتح مکہ کے وقت اپنے قبیلہ مزنیہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا اور مزنیہ کے ایک ہزار تین افراد اس میں شامل تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق کے عہدِ خلافت میں بڑی بہادری کے ساتھ مرتدین کے خلاف لڑے، جبس وذبیان اور دیگر قبائل عرب کی سرکوبی میں پیش پیش رہے۔ حضرت النعمان اور ان کے بھائیوں کا مرتدوں کے خلاف لڑی جانے والی لڑائیوں اور استحکام خلافت میں بڑا اہم حصہ ہے۔

جنگ قادسیہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں لڑے، گرد کے پاس جو اسلامی سفارت بھیجی گئی تھی اس کے بھی سربراہ یہی تھے۔

جب یہ سفارت کسریٰ کے پاس مدائن پہنچی تو یزدگرد کے زیادہ تر سوالوں کا جواب اور نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں دین کی دعوت دینے والے بزرگ یہی تھے، اگرچہ یزدگرد کو ان کی

کھری کھری باتیں اچھی نہیں لگیں مگر کسریٰ اور اس کے آدمی ان کی جرأت و بیباکی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہاں تک کہ کسریٰ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ عرب میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ تم سوال و جواب میں بھی ان کے مقابلے کے نہیں ہو، مجھے یوں لگتا ہے کہ یا تو یہ لوگ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں گے یا پھر اس کے لئے جان دے دیں گے۔

جنگ قادسیہ میں بڑی آزمائشوں سے گزرے اور جب اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی تو حضرت عمرؓ کو یہ خوشخبری دینے حضرت النعمان ہی گئے تھے۔ شکست کے بعد گرد نے باقی ملک چھان مارا، اپنے ملک کے دفاع اور نقصان کی تلافی کے لئے لوگوں کو خوب ابھارا اور اہواز میں مسلمانوں کے خلاف ایک بہت بڑی فوج تیار کر لی، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو لکھا گیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ "النعمان کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لشکر فوراً روانہ کریں۔ جو ھرمزان کے قریب ٹھہرے اور اپنا مشن پورا کرے۔" (ابن اثیر)

حضرت النعمان اپنے لوگوں کو لے کر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے اور ہرمزان کے لشکر کا رام ہرمز میں مقابلہ کر کے انہیں شکست دی اور شہر فتح کر لیا، ہرمزان نے شکست کے بعد تستر میں پناہ لی، حضرت النعمان نے کوفی فوج کے ہمراہ تستر کی راہ لی۔

حضرت عمرؓ کے ارشاد پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور سترہ بن ابی رھم فوج کے ساتھ ان کی امداد کے لئے آ پہنچے، یہ آگے بڑھتے ہوئے نہاوند جا پہنچے۔

ہرمزان نے گرد کو لکھا کہ جب تک آپ کی سربراہی میں ہم سب مل کر مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کریں گے کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ اس پر یزدگرد نے حامی بھر لی اور ڈیڑھ لاکھ فوج مقابلہ کے لئے اکٹھی کر لی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کو اس عظیم لشکر کے بارے میں اطلاع دی، حضرت عمرؓ اس لشکر کی کمان کے لئے بذات خود آنا چاہتے تھے۔ مگر حضرت علی اور دیگر اصحاب شوریٰ کے مشورہ سے خود مدینہ ہی میں رہے اور حضرت النعمان بن مقرن کو اس مہم کی قیادت سونپی، حضرت النعمان کو حضرت سعد کے لشکر کا والی مقرر کر دیا تھا۔ جسے وہ پسند نہیں کرتے تھے اور انہوں نے حضرت عمر کو لکھا بھی تھا کہ وہ "والی" کے بجائے "غازی" کو بہرحال ترجیح دیتے ہیں۔" اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے

کہ عجمیوں نے نہاوند میں ایک بڑی فوج جمع کر رکھی ہے۔ جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو آپ مع اپنی فوج کے اللہ کا نام لے کر اور اسی کے بھروسہ پر چل پڑیں۔ فوج کے آرام اور انکے حقوق کی ادائیگی کا پورا خیال رکھیں۔ ایک مسلمان مجاہد میرے ہاں بہت ہی قیمتی ہے۔"

اس خط کے ساتھ ہی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور دیگر سب قائدین کو حضرت النعمان کی امداد کے لئے لکھا چنانچہ اسلامی فوجیں نہاوند کے ایک شہر ماہ ودنیار میں جمع ہوتی گئیں اور دیگر قائدین کو یہ بھی لکھا کہ جب تم سب اکٹھے ہو جاؤ تو تمہارے امیر حضرت النعمان ہوں گے۔ نیز اہواز کے سپہ سالاروں کو ہدایت کی کہ نہاوند کے اصل مقابلہ سے پہلے ایرانی سپاہ پر ضربیں لگائیں تا کہ اس وقت تک کمزور ہو جائے۔

حضرت النعمان اپنی فوج لے کر نہاوند کی طرف چل پڑے اس کی دائیں بازو پر الاشعث بن قیس کندی اور بائیں پر حضرت مغیرہ بن شعبہ تھے۔ شہر کے قریب دونوں فوجوں کا سامنا ہوا اور دو دن کی سخت لڑائی کے بعد حضرت النعمان نے اپنے خاص لوگوں کے مشورہ سے ایک جنگی چال چلی کہ پہلے قعقاع بن عمرو اپنے رسالہ کے ساتھ دشمن پر سخت حملہ کریں اور پھر دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتے آئیں۔ اس طرح تمام ایرانی سپاہ ان کا تعاقب کرتے ہوئے اپنے قلعوں سے اس طرف نکل آئے گی اور پھر مسلمان مجاہدوں کو دادِ شجاعت دینے اور دشمن کو زیر کرنے کا پورا موقع مل جائے گا۔

حضرت النعمان موقع کی تلاش میں تھے، جب ان کا سارا لشکر سامنے آ گیا تو نعرہ تکبیر کی گونج میں اپنے لشکر سے یوں مخاطب ہوئے میرے ساتھ رہو، میں تمہارے ساتھ رہوں۔

اللھم اعزدینک وانصرعبادک واجعل النعمان اول شھید الیوم علی اعزاز دینک ونصرعبادک

اے اللہ اپنے دین کو غلبہ عطا کر، اپنے بندوں کی نصرت فرما، اپنے دین کے غلبہ اور سربلندی اور اپنے بندوں کی نصرت کے لئے نعمان کو آج پہلا شہید ہونے کی سعادت عطا فرما۔"

بڑی سخت لڑائی ہوئی اور کشتوں کے پشتے لگ گئے، حضرت النعمان کا گھوڑا خون میں پھسل گیا جس سے وہ گر گئے اور انہیں کافی زخم بھی لگ چکے تھے۔ ان کے بھائی نعیم نے

حسب وصیت ان کے ہاتھ سے جھنڈا لے کر چپکے سے حضرت حذیفہ بن الیمان کو دے دیا اور لشکر کو مطلق خبر نہ ہونے دی تا کہ ان کے مورال میں کسی طرح کی کمی نہ آجائے۔ رات گئے ایرانی سپاہ پسپا ہوئی۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور کم لوگ ان میں سے بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو سکے۔ فتح کے بعد مجاہدین اسلام اپنے قائد کو دیکھنے لگے تو ان کے دوسرے بھائی معقل نے انہیں بتایا کہ تمہارے قائد نعمان یہ ہیں۔ جن کی اللہ نے فتح دے کر اور شہادت سے سرفراز کر کے آنکھیں ٹھنڈی کی ہیں۔"

ایرانی سپاہ کو شکست دے کر مسلمان مجاہد نہاوند میں داخل ہو گئے اسے فتح الفتوح (Victory of Victories) بھی کہا گیا ہے۔

ادھر حضرت عمرؓ کو اس جنگ کی بڑی فکر تھی اور وہ نتیجہ کی سخت انتظار میں تھے کہ نہاوند سے قاصد نے آ کر فتح کی بشارت سنائی جس پر حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ النعمان کے بارے میں پوچھا تو قاصد نے بتایا کہ کس طرح خون میں ان کا گھوڑا پھسل کر گر پڑا جس سے انہوں نے شہادت پائی۔ اس دوسری خبر نے حضرت عمرؓ کو ہلا کر رکھ دیا، انہوں نے انا اللہ پڑھا اور رو پڑے ان کا تاثر یہ تھا کہ جیسے النعمان سے بڑھ کر انہیں اور کوئی محبوب نہیں۔

حضرت النعمان اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ چار سو سواروں کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ میں مزنیہ کا علم ان کے ہاتھ میں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ان کے معتمد اور وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے معتمد رہے یہاں تک کہ ۲۱ھ میں نہاوند میں شہادت پائی۔ ان کی قبر وہاں اسفند بان میں ہے۔ وہ ایک سچے مومن تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھ حدیثیں روایت کی ہیں۔ وہ بڑے پیارے آدمی تھے اسی لیے سب ان سے پیار کرتے تھے۔

جنرل محمود شیت خطاب لکھتے ہیں۔

وہ صحیح معنوں میں ایک مجاہد اور قائد تھے۔ انہیں بس جہاد سے ہی غرض تھی وہ ہمیشہ میدان جہاد کی پہلی صفوں میں رہ کر دادِ شجاعت دیتے تھے اور اپنے ذاتی عمل اور شجاعت سے ماتحت عملہ کے لئے مثال بنتے تھے۔ وہ اپنے لوگوں سے بہت زیادہ مشورہ کیا کرتے، جنگ کا نقشہ بھی

محنت سے تیار کرتے۔ان میں تمام قائدانہ صفات موجود تھیں۔آخری وقت میں جب انہیں ان کے بھائی نے فتح کی خوشخبری سنائی تو الحمدللہ پڑھ کر حضرت عمر کو اس کی اطلاع کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔انہیں اس وقت بھی اپنی جان کی پروانہ تھی۔

تاریخ حضرت النعمان جیسے سپہ سالار کو ان کے کام کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے گی۔ انہوں نے مرتدین کے خلاف حضرت خالد بن الولید کی کمان میں اور ایرانیوں کے خلاف حضرت سعد بن ابی وقاص کی کمان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آخر میں نہاوند کی فتح کا سہرا بھی ان کے سر رہا اور اس سے بھی بڑا اعزاز وہ ہے جو انہیں شہادت کی صورت میں حاصل ہوا۔

اسلامی فتوحات میں نہاوند کی فتح نہایت ہی اہم ہے۔جس طرح قادسیہ کی فتح نے مسلمانوں پر عراق کے دروازے کھول دیئے تھے اسی طرح نہاوند کی فتح نے پورے ایران کے دروازے کھول دیئے۔اسی وجہ سے مورخ اسے فتح الفتوح کا نام دیتے ہیں۔

حضرت النعمان نے جان دے کر یہ فتح حاصل کی اسی لیے تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ رہے گا، اگر وہ جان بچا کر نہاوند کو کھو دیتے تو تاریخ انہیں فراموش کر دیتی۔اس عظیم قائد سے یہ سبق سیکھنے کی کس قدر ضرورت ہے۔

اللہ ان سے راضی ہو اور ان کے درجے اور بلند ہوں۔(آمین)(کاروان جنت)

تین نا معلوم الاسماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مشکوۃ شریف ہی میں مسند احمد سے ایک واقعہ منقول ہے کہ بنو عذرہ (ایک قبیلہ کا نام ہے) کے تین آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا۔ ان کے اخراجات کون برداشت کرتا ہے؟ حضرت طلحہؓ نے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں...... چنانچہ وہ تینوں ان کے پاس رہتے تھے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دستہ روانہ فرمایا تو ان میں سے ایک چلا گیا اور وہاں جا کر شہید ہوگیا۔ کچھ روز بعد دوسرا دستہ روانہ فرمایا تو دوسرا چلا گیا، (اتفاق کی بات) وہ بھی شہید ہوگیا۔ پھر تیسرا آدمی بیمار ہوکر فوت گیا۔ حضرت طلحہؓ کہتے ہیں میں نے ان تینوں کو بہشت میں دیکھا اور اس طرح دیکھا کہ جو شخص بستر پر فوت ہوا تھا وہ سب سے آگے تھا اس کے بعد وہ جو بعد میں شہید ہوا تھا اور پھر وہ جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا۔ مجھے اس سے بڑی حیرت ہوئی تو میں نے اس کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں کون سی بات عجیب معلوم ہوئی؟ جس مسلمان کو اسلام میں زیادہ عمر مل جائے، اس سے بہتر اللہ کے نزدیک کوئی نہیں ہوسکتا کیونکہ اسے تو زیادہ عرصہ تسبیح، تکبیر اور تہلیل (اور اس طرح کی دوسری قولی اور فعلی عبادات کا) موقعہ مل گیا۔ (مشکوۃ شریف ص ۴۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ کے خواب کی تصدیق وتوثیق فرمادی تو ان تینوں حضرات کا فرق مراتب کے ساتھ جنتی ہونا حتمی ہوگیا۔

رضی اللہ عنہم وارضاھم

دو اور نامعلوم الاسماء صحابہ رضی اللہ عنہما

مذکورہ دو حدیثیں مشکوۃ شریف کے باب **استحباب المال و طول العمر للطاعة** میں درج ہیں۔ ملا علی قاری شارح مشکوۃ نے دو اور حضرات کا قصہ مسند احمد سے نقل کیا ہے جو اس طرح ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو قضاعہ کے دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے پھر اتفاق کی بات کہ ان دو میں سے ایک تو شہید ہو گیا اور دوسرا ایک سال بعد تک زندہ رہا۔ حضرت طلحہؓ کہتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا ان میں سے جو بعد میں فوت ہوا تھا وہ پہلے بہشت میں داخل ہوا اور جو پہلے شہید ہو گیا تھا وہ بعد میں داخل ہوا۔ مجھے اس سے تعجب ہوا تو صبح کو میں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دیکھو جو بعد میں فوت ہوا اس نے ایک ماہ رمضان کے روزے رکھے چھ ہزار رکعت نماز فرض اور اتنی رکعت سنت (اور نفل) نماز پڑھی، پھر اگر وہ بہشت میں پہلے داخل ہوا تو تعجب کس بات کا؟ (مرقاۃ المفاتیح ص ۳۴۳ ج ۱۰)

رضی اللہ عنہما وارضاھما

سیدنا نعمان بن قوقل رضی اللہ عنہ

مسلم شریف (ص۳۲ ج۲) میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نعمان بن قوقلؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضور! یہ فرمایئے کہ اگر میں فرض نماز کی پابندی کروں رمضان کے روزے رکھوں' حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانوں' تو کیا میں بہشت میں پہنچ جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں...... حضرات صحابہؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ آخرت کے طلب گار تھے۔ قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کے حصول کے لئے فکر مند رہتے تھے اس لئے حدیث قدسی انا عند ظن عبدی بی کے مطابق ادھر سے بھی رحمت ورافت کا برتاؤ ہوتا تھا۔

حضرت نعمانؓ بدری تو تھے ہی احد کے روز انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! آج اس وقت تک سورج کو غروب نہ کرنا جب تک میں لنگڑاتا ہوا بہشت میں نہ پہنچ جاؤں۔ (آپ ایک ٹانگ سے لنگڑاتے تھے) چنانچہ ان کی درخواست نے شرف قبول حاصل کیا۔ اسی روز وہ شہید ہو گئے۔ صحیح بخاری ص ۳۹۶ میں ہے کہ ان کے قاتل بھی بعد میں اسلام لے آئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے اسے بہشت میں دیکھا جبکہ اس کی لنگڑاہٹ ختم ہو چکی تھی۔ (اسد الغابہ)

رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ کی احد میں شہادت

حضرت وہب بن قابوسؓ ایک صحابی ہیں جو کسی وقت میں مسلمان ہوئے تھے اور اپنے گھر کسی گاؤں میں رہتے تھے۔ بکریاں چراتے تھے۔ اپنے بھتیجے کے ساتھ ایک رسی میں بکریاں باندھے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے؟ معلوم ہوا کہ احد کی لڑائی پر گئے ہوئے ہیں۔ بکریوں کو وہیں چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ اتنے میں ایک جماعت کفار کی حملہ کرتی ہوئی آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوان کو منتشر کر دے وہ جنت میں میرا ساتھی ہے۔ حضرت وہبؓ نے زور سے تلوار چلانی شروع کی اور سب کو ہٹا دیا۔ دوسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش آئی۔ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی خوشخبری دی۔ اس کا سننا تھا کہ تلوار لے کر کفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور شہادت پائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے وہبؓ جیسی دلیری اور بہادری کسی کی بھی کسی لڑائی میں نہیں دیکھی اور وہب کے شہید ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ وہب کے سرہانے کھڑے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تم سے راضی ہو میں تم سے راضی ہوں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے دفن فرمایا باوجودیکہ اس لڑائی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زخمی تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ مجھے کسی کے عمل پر بھی اتنا رشک نہیں آیا جتنا وہبؓ کے۔ (حکایات صحابہؓ)

حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ

نام ونسب: وہب نام، والد کا نام سعد تھا، نسب نامہ یہ ہے، وہب بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔

اسلام وہجرت: زمانہ اسلام متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا لیکن سرزمین مکہ ہی میں اسلام لائے، اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو اور سوید بن عمرو کو رشتہ اخوت میں منسلک کردیا۔

غزوات: مدینہ آنے کے بعد احد، خندق اور حدیبیہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

شہادت

غزوہ موتہ ۸ھ میں حق مذہب ادا کرتے ہوئے، شہید ہوئے، ان کے اسلامی بھائی سوید جنہوں نے زندگی میں رفاقت کی تھی، موت میں بھی ساتھ دیا، چنانچہ وہ بھی اس جنگ میں شہید ہوئے، شہادت کے وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔ (سیر الصحابہؓ جلد دوم)

یحییٰ بن زید رضی اللہ عنہ کی شہادت

۱۲۵ھ ہی میں یحییٰ بن زید کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یحییٰ اپنے والد زید بن علی کی شہادت کے بعد خراسان چلے آئے تھے اور بلخ میں اپنے ایک متوسل حریش بن عمر کے ہاں مقیم تھے۔ یوسف ابن عمر والی عراق نے حاکم خراسان نصر بن سیار کو لکھا کہ یحییٰ کو گرفتار کر لو۔ نصر نے حریش کو طلب کر کے یحییٰ کی سپردگی کا مطالبہ کیا۔ حریش نے لاعلمی ظاہر کی۔ مگر جب نصر نے سختی کی تو حریش کے بیٹے نے یحییٰ کا پتہ بتا دیا اور نصر نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ولید کو یحییٰ کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو اس نے نصر کو لکھا کہ یحییٰ کو گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ انہیں خراسان سے شام بھیج دو۔

نصر نے یحییٰ کو دو ہزار درہم دے کر انہیں شام روانہ ہونے کی ہدایت کی۔ یحییٰ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ابھی وہ بیہق ہی پہنچے تھے کہ انہیں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ان کے ساتھ دھوکہ نہ کیا جائے چنانچہ وہ نیشاپور لوٹ گئے اور وہاں خروج کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حاکم نیشاپور عمرو بن زرارہ نے نصر کو کل حالات سے مطلع کیا۔ نصر نے اسے مقابلہ کا حکم دیا۔ عمرو دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ یحییٰ کے مقابلے کے لئے نکلا۔ یحییٰ نے اپنے ساتھیوں سے اسے شکست دے دی۔ عمرو بن زرارہ لڑائی میں کام آیا۔ نصر کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے سالم بن احوفہ کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا۔ جوز جان میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ سخت خوں ریز جنگ ہوئی۔ اتفاقاً ایک تیر یحییٰ کی پیشانی پر آ کر لگا۔ یحییٰ شہید ہوئے اور انکی لاش جوز جان میں منظر عام پر لٹکا دی گئی۔

حضرت یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب: یزید نام، والد کا نام زمعہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب ابن اسد بن عبدالعزیٰ قریشی اسدی، ماں کا نام قریبہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، قریبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم، قریبہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی بہن تھیں، یزید کا خاندان زمانہ جاہلیت سے مشورہ کے عہدہ جلیل کا حامل چلا آتا تھا اور ظہور اسلام کے وقت یہ اس پر فائز تھے۔

اسلام وہجرت: دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔

غزوات وشہادت: مدینہ آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر جہاد میں شریک ہوتے رہے، غزوہ طائف میں بھی آپ کے ساتھ تھے، اتفاق سے میدان جنگ میں ان کا گھوڑا بھڑک کر بھاگا، انہوں نے پکڑ کر شہید کر دیا، کوئی اولاد نہ تھی۔ (سیر الصحابہؓ جلد دوم)

شہدائے خیر القرون

حضرت ربیع بن صبیح رحمہ اللہ (تابعی)

شجاعت و بہادری: حضرت ربیع بن صبیحؒ اپنے لائق فخر استاذ امام حسن بصریؒ کی طرح علم و فضل کے ساتھ شجاعت، مجاہدہ اور اسلامی حمیت میں بھی مفقود النظیر تھے، بصرہ کے قریب ابادان نامی ایک مقام ان کی عملی سرگرمیوں کا مرکز تھا جہاں اس زمانہ میں اولیاء اللہ کی ایک بڑی جماعت عملی دنیا آباد کئے ہوئے تھی۔ ربیع بن صبیحؒ کی مجاہدانہ حیثیت کے بارے میں امام شافعیؒ کی یہ شہادت گزر چکی کہ۔

کان ربیع بن صبیح رجلا غزاء "ربیع بن صبیح بہت بڑے غازی تھے۔"

"ربیع نے اہل بصرہ سے چندہ کر کے ابادان کی قلعہ بندی کی اور اس کی مرابطت کی خدمت انجام دی"۔

جنگ ہندوستان میں شرکت: عہد بنی عباس میں جب مہدی اورنگ خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے عرب تاجروں کی شکایت پہ ہندوستان پر فوج کشی کا ارادہ کیا، اس جنگ کی تفصیلات طبری اور ابن کثیر وغیرہ مورخین نے اپنی کتابوں میں دی ہیں۔

خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب کی قیادت میں ایک جنگی بیڑہ آلات حرب اور اسلحوں سے لیس کر کے ہندوستان روانہ کیا جو ۱۶۰ ہجری میں باربد (جو بھاڑ بھڑوت کی تعریب ہے) پہنچا، بھاڑ بھڑوت صوبہ گجرات میں ضلع بھڑوچ سے سات میل جنوب میں ایک پکی بندرگاہ تھی، اس فوج میں ایک ہزار سے زائد رضا کار بھی شوق جہاد میں شریک تھے۔ محققین کے بیان کے مطابق والنٹیرس کی اس کثیر جماعت کے افسر اعلیٰ ربیع بن صبیح تھے۔

بہر حال اس فوج نے بھاڑ بھڑوت پہنچنے کے دوسرے ہی دن جنگ شروع کر دی۔ گجراتیوں نے شہر میں گھس کر پھاٹک بند کر لئے اسلامی فوج نے اس سختی سے محاصرہ کر لیا کہ وہ لوگ عاجز آ گئے مجاہدین اسلام نے بزور شہر میں داخل ہو کر گجراتیوں سے دوبدو شدید جنگ کی اور بالآخر انہیں فتح ونصرت نصیب ہوئی' دشمنوں کے تمام آدمی کام آئے اور مجاہدین میں سے بیس سے کچھ زائد نے جام شہادت نوش کیا۔

اس جنگ میں ربیع بن صبیح نے اپنے زیر قیادت رضا کاروں میں جہاد کا جوش اور ولولہ پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا' اسی جوش اور جذبہ شہادت کا نتیجہ تھا کہ مجاہدین کے سیل رواں اور ان کے پر جوش حملوں کے سامنے آنے والی طاقت چور چور ہو گئی۔

وفات: بھاڑ بھڑوت کی فتح کے بعد اسلامی فوج نے واپسی کے لئے رخت سفر باندھا' لیکن اسی زمانہ میں سمندر میں طغیانی آ گئی اس لئے مجاہدین کی فوری واپسی ممکن نہ ہو سکی اور انہیں سمندر پر سکون ہونے تک مجبوراً وہیں قیام کرنا پڑا۔ سوء اتفاق سے عین اسی وقت "حمام قر" نام کی ایک وبا پھوٹ پڑی۔ یہ مہلک مرض منہ میں ہوتا تھا اور ایسا زہریلا تھا کہ جلد ہی موت کے آغوش میں پہنچا دیتا تھا چنانچہ اس بیماری سے ایک ہزار مجاہدین لقمہ اجل بن گئے۔ عام محققین کے بیان کے مطابق انہی شہید ہونے والوں میں حضرت ربیع بن صبیح بھی تھے۔ (سیر صحابہ)

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی شہادت

سعید بن جبیر مشہور تابعی ہیں اور بڑے علماء میں سے ہیں۔ حکومت اور بالخصوص حجاج کو ان سے بغض و عداوت تھی اور چونکہ مقابلہ کیا تھا اس لئے عداوت کا ہونا بھی ضروری تھا۔ مقابلہ میں حجاج ان کو گرفتار نہ کر سکا۔ یہ شکست کے بعد چھپ کر مکہ مکرمہ چلے گئے حکومت نے اپنے ایک خاص آدمی کو مکہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلا لیا۔ اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا جس کے اخیر میں عبدالملک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم بھی سنایا کہ جو شخص سعید بن جبیر کو ٹھکانا دے اس کی خیر نہیں اس کے بعد اس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں بھی وہ ملے گا اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کے گھر کو نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو ڈھاؤں گا۔ غرض بڑی دقت سے مکہ کے حاکم نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس

بھیج دیا۔ اس کو غصہ نکالنے اور ان کو قتل کرنے کا موقع مل گیا۔ سامنے بلایا اور پوچھا۔

حجاج: تیرا نام کیا ہے؟

سعید: میرا نام سعید ہے۔

حجاج: کس کا بیٹا ہے؟

سعید: جبیر کا بیٹا ہوں (سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنی اصلاح کی ہوئی چیز) اگر چہ ناموں میں معنی اکثر مقصود نہیں ہوتے لیکن حجاج کو ان کے نام کا اچھے معنی والا ہونا پسند نہیں آیا۔ اس لئے کہا۔ نہیں، تو شقی بن کسیر ہے (شقی کہتے ہیں بد بخت کو اور کسیر ٹوٹی ہوئی چیز)

سعید: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج: تو بھی بد بخت اور تیری ماں بھی بد بخت۔

سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور ہے (یعنی علام الغیوب)

حجاج: دیکھ میں اب تجھے موت کے گھاٹ اتارتا ہوں۔

سعید: تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا۔

حجاج: اب میں تجھ کو زندگی کے بدلہ کیسا جہنم رسید کرتا ہوں۔

سعید: اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنا لیتا۔

سعید: تیری اللہ پر جرات اور اللہ تعالیٰ کے تجھ پر علم سے۔

حجاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کی۔ پھر جلاد سے خطاب کر کے کہا۔ میرے سامنے اس کی گردن اڑاؤ۔

سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ نماز پڑھی پھر قبلہ رخ ہو کر

انی وجہت وجھی للذی فطر السموٰت والارض حنیفاً وماانا من المشرکین

پڑھا یعنی میں نے اپنا منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان زمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر ادھر متوجہ ہوا اور نہیں ہوں مشرکین میں سے۔

حجاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو کہ انہوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا چنانچہ فوراً پھیر دیا گیا۔

سعید: **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ. الکافی بالسرائر** جدھر تم منہ پھیرو ادھر بھی

خدا ہے جو بھیدوں کو جاننے والا ہے۔

حجاج: اوندھا ڈال دو (یعنی زمین کی طرف منہ کردو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

سعید: ۔منها خلقنكم و فيها نعيدكم و منها نخرجكم تارةً اخرىٰ ہم نے زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ اٹھائیں گے۔

حجاج: اس کو قتل کردو۔

سعید: میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں۔ اشهد ان لا الله الا الله وحده لاشريک له واشهد ان محمدا عبده و رسوله تو اس کو محفوظ رکھنا۔ جب میں تجھ سے قیامت کے دن ملوں گا تو لے لوں گا۔ اس کے بعد وہ شہید کر دیئے گئے۔ انا لله و انا اليه راجعون

جرات و بہادری کی دلیل

ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون بہت زیادہ نکلا جس سے حجاج کو بھی حیرت ہوئی۔ اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ ان کا دل نہایت مطمئن تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا۔ اس لئے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا۔ بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے ان کا خون پہلے ہی خشک ہوجاتا ہے۔ (علمائے سلف کتاب الامامت والسیاست)

فائدہ:۔ اس قصہ کے سوال کے جواب میں کتب میں کمی زیادتی بھی ہے اور بھی بعض سوالات جواب نقل کئے گئے۔ ہمیں تو نمونہ ہی دکھانا تھا۔ اس لئے اسی پر اکتفا کیا گیا۔ تابعین کے اس قسم کے قصے بہت زیادہ ہیں۔ امام اعظمؒ امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ حضرات اسی حق گوئی کی وجہ سے ہمیشہ مشقتیں برداشت فرماتے رہے۔ لیکن حق کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

حجاج: میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔

سعید: اللہ پر کوئی بھی جرات نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کرلے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔

حجاج: میں کیوں جرات نہیں کرسکتا حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تو باغیوں کی جماعت کے ساتھ ہے۔

سعید: میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں

ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

حجاج: ہم جو کچھ امیر المومنین کے لئے جمع کرتے ہیں۔ اس کو تو کیسا سمجھتا ہے۔

سعید: میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا۔ حجاج نے سونا چاندی کپڑے وغیرہ منگا کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔

سعید:۔ یہ اچھی چیزیں ہیں اگر اپنی شرط کے موافق ہوں۔

حجاج: شرط کیا ہے؟

سعید: یہ کہ تو ان سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن امن پیدا کرنے والی ہوں۔ ورنہ ہر دودھ پلانے والی دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔

حجاج: ہم نے جو جمع کیا یہ اچھی چیز نہیں۔

سعید: تو نے جمع کیا تو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔

حجاج: کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

سعید: میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اللہ پسند کرے۔

حجاج: تیرے لئے ہلاکت ہو۔

سعید: ہلاکت اس شخص کے لئے جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دیا جائے۔

حجاج: (دق ہو کر) بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں۔

سعید: جس طرح سے قتل ہونا اپنے لئے پسند ہو۔

حجاج: کیا تجھے معاف کر دوں۔

سعید: معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے۔ تیرا معاف کرنا کوئی بھی چیز نہیں۔ حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ سعید باہر لائے گئے اور ہنسے۔ حجاج کو اس کی اطلاع دی گئی۔ پھر بلایا اور پوچھا۔

حجاج: تو کیوں ہنسا۔

حجاج: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے۔

سعید: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔

حجاج: خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے۔
سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں۔ ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔
حجاج: میں ان کو برا کہتا ہوں یا اچھا۔
سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے۔
حجاج: ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے۔
سعید: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے کہ ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔
حجاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا۔
سعید: اس کو وہی جانتا ہے جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔
حجاج: حضرت علی جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔
سعید: اگر میں جنت یا جہنم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں تو بتا سکتا ہوں۔
حجاج: میں قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا۔
سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع کیا جاؤں۔
حجاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا۔
سعید: میں نے جھوٹ بھی نہیں کہا۔
حجاج: تو کبھی ہنستا کیوں نہیں۔
سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہو اور قیامت میں اس کو جانا ہو اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔
حجاج: میں تو ہنستا ہوں۔
سعید: اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقے میں ہم کو بنایا ہے۔
حجاج: میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔
سعید: میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔

عمر بن عتبہ تابعی کی شہادت کے مختلف واقعات

ابی شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہی بزرگوں میں مستجاب الدعوۃ عمرو بن عتبہ بن فرقد بھی ہیں۔

ہمیں احمد بن جعفر بن حمدان نے عبداللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ' احمد بن ابراہیم دورقی' وہب بن جریر عن ابیہ' ابراہیم بن علقمہ کی سند سے بیان کیا کہ۔

ہم جہاد کے لئے نکلے ہمارے ساتھ مسروق' عمرو بن عتبہ اور معضد تھے۔ جب ہم ماسبذان پہنچے تو وہاں کے امیر عتبہ بن فرقد تھے۔ ان کے بیٹے عمرو بن عتبہ نے ہم سے کہا کہ اگر تم لوگ ان (والد صاحب) کے پاس گئے تو تمہارے لئے کھانا وغیرہ تیار کریں گے اور ہوسکتا ہے اس طرح کسی پر ظلم ہو جائے لیکن اگر تم چاہو تو ہم اس درخت کے سائے میں رک جاتے ہیں اور اپنا بچا ہوا کھانا کھا کر اپنا کام کرتے ہیں چنانچہ جب ہم جہاد کے میدان میں پہنچے تو عمرو بن عتبہ نے ایک سفید جبہ کاٹا اور اس کو پہنا پھر فرمایا کہ خدا کی قسم اگر میرا خون اس جبہ پر بہے تو بہت اچھا ہوگا۔ چنانچہ انہیں تیر لگا تو میں نے دیکھا کہ جبہ پر جس جگہ انہوں نے ہاتھ رکھا تھا وہیں خون بہہ رہا تھا۔ چنانچہ ان کی شہادت ہوگئی۔

شہادت کا واقعہ دوسری طرح

ہمیں ابوبکر بن مالک نے عبداللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ کی سند سے عبدالرحمٰن بن زید سے بیان کیا ہم ایک لشکر میں نکلے جس میں علقمہ' یزید بن معاویہ' عمرو بن عتبہ' معضد عجلی عمرو بن عتبہ نکلے ان پر ایک نیا سفید جبہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس پر خون کتنا اچھے بہے گا۔ پھر انہیں ایک پتھر لگا جس سے زخم ہوگیا اور خون بہنے لگا اور ان کی شہادت ہوگئی اور ہم نے ان کو دفن کیا۔

عمرو بن عتبہ کی تین دعائیں

ہمیں احمد بن جعفر بن مالک نے عبداللہ بن احمد بن حنبل' احمد بن ابراہیم' علی بن اسحاق' عبداللہ (ابن المبارک) فضیل بن عیاض' اعمش کی سند سے بیان کیا کہ

عمرو بن عتبہ فرماتے تھے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگیں اس نے مجھے دو دے دیں اور میں تیسری کا انتظار کر رہا ہوں میں نے اس سے مانگا کہ مجھے دنیا کا خوب حصہ دے دے چنانچہ اب فکر نہیں کہ کتنا مال آ رہا ہے کیا جا رہا ہے اور میں نے اس سے نماز پڑھنے پر قوت مانگی جو اس نے عطا کر دی۔ اور میں نے اس سے شہادت مانگی تھی چنانچہ میں امید لگائے بیٹھا ہوں۔

شہادت کا واقعہ

ہمیں ابوبکر بن مالک نے عبداللہ بن احمد' احمد بن ابراہیم علی بن اسحاق عبداللہ (ابن المبارک) عیسیٰ بن عمرو بن عمروالسدی کی سند سے بیان کیا کہ

عمرو بن عتبہ کے چچازاد بھائی کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک خوبصورت چراگاہ میں اترے تو عمرو بن عتبہ نے کہا کہ یہ چراگاہ کتنی خوبصورت ہے اور اب کتنا اچھا ہو گا کہ ایک منادی آواز دے کہ اے اللہ کے لشکر سوار ہو جاؤ چنانچہ ایک شخص نکلے گا اور پہلے حملہ آور دستے میں ہو گا اسے زخم لگے گا اور اسے لایا جائے گا اور شہادت کے بعد یہیں دفن کیا جائے گا۔ چنانچہ فوراً ہی ایک منادی نے آواز لگائی اے اللہ کے لشکر سوار ہو جاؤ کہا عمرو کو میرے پاس لاؤ عمرو کو میرے پاس لاؤ۔ یہ کہہ کر اس نے کسی کو بھیجا مگر وہ انہیں پا نہ سکا اور عمرو شہید ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ عمرو کو اس جگہ میں دفن کیا گیا اور عتبہ اس دن لوگوں کے پاس تھا۔

راوی سدی کے علاوہ دوسرے روات کہتے ہیں کہ عمرو کو زخم لگا تو وہ کہنے لگے واللہ تو بہت چھوٹا ہے۔ مجھے میری جگہ میں لے چلو حتیٰ کہ میں وہاں کچھ وقت گزار لوں اگر بچ جاؤں تو لے جانا چنانچہ ان کی شہادت وہیں ہو گئی۔

(حلیۃ الاولیاء)

حضرت احمد بن نصر رحمہ اللہ کی شہادت

خلیفہ مامون اور معتصم باللہ کے دور خلافت میں ''خلق قرآن'' کے مسئلہ نے بہت شدت اختیار کی۔ یہ ایک فلسفیانہ مسئلہ تھا کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے یا اللہ کا کلام۔ ۲۲۷ھ ۸۴۲ء میں واثق باللہ خلیفہ ہوا تو وہ بھی اپنے باپ دادا کے عقیدے پر قائم رہا کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے اس لئے اس کو بھی اور مخلوق کی طرح فنا ہو جانا ہے لیکن اولیاء اللہ اور محدثین اس عقیدے کے خلاف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ واثق نے اس عقیدے کو منوانے کے لئے بڑے بڑے علماء اور محدثین کو سخت سزائیں دیں واثق اسلامی عقیدے کے خلاف یہ بھی نہیں مانتا تھا کہ قیامت کے دن اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے مشرف کرے گا۔

اس وقت ایک بلند مرتبہ بزرگ حضرت احمد بن نصر تھے۔ یہ دولت عباسیہ کے مشہور نقیب مالک بن ہیثم کے پوتے اور امام مالک کے شاگرد تھے۔ یہ اہلسنت کے عقیدے پر بڑے مستحکم تھے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی بات پسند نہیں کرتے تھے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان کا مقصد حیات تھا۔ جب واثق باللہ کو شیعیت اور عجمی فلسفیانہ عقائد سے متاثر ہوتے دیکھا تو انہوں نے اپنی جان کے پرواہ کئے بغیر خلیفہ واثق باللہ کی مخالفت شروع کی۔ وہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ کی ذراسی خفگی ان کی موت کا سبب بن سکتی ہے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایسی موت انسان کو ابدی زندگی بخشتی ہے۔

آہ! غافل! موت کا راز نہاں کچھ اور ہے!
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے! (اقبالؒ)

وہ برسر عام واثق باللہ کو کافر ملحد اور سور کہنے لگے لوگوں نے انہیں سلطان کے عتاب سے ڈرایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا ان کے معتقدوں میں، ابوہارون السراج اور ابوطالب نے باقاعدہ ایک تحریک شروع کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر حضرت احمد بن نصر کی بیعت

لی اور یہ طے کیا کہ ایسے ملحد بادشاہ سے نجات پانے کے لئے ایک مقرر رات کو تمام بغداد میں علم بغاوت بلند کر کے حکومت کا تختہ پلٹ دیا جائے مگر اس پروگرام کا خلیفہ کو پہلے ہی سے پتہ چل گیا حضرت احمدؒ بن نصر اور ان کے بہت سے معتقدین گرفتار کر لئے گئے۔ ان کو خلیفہ واثق باللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ واثق نے حضرت احمد کو قتل کرنے کیلئے کچھ بہانہ تلاش کرنا چاہا اس لئے اس نے عالموں کی مجلس منعقد کر کے بہت سے سوالات ان سے پوچھے۔

خلیفہ نے پوچھا کہ ''قرآن کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟''

حضرت احمدؒ بن نصر نے جواب دیا ''قرآن اللہ کا کلام ہے اور احمد بن نصر پاک صاف ہو کر قتل ہونے کے لئے تیار ہو کر آیا ہے''

واثق نے پوچھا ''کیا قرآن مخلوق نہیں ہے''

حضرت احمدؒ نے پھر وہی جواب دیا۔

"القران کلام الله غیر مخلوق"

''یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے اس کی مخلوق ہرگز نہیں ہے۔''

واثق نے اگلا سوال کیا ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنا دیدار کرائے گا؟ تمہارا کیا خیال ہے؟''

انہوں نے کہا ''امیر المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے صاف آسمان پر (بغیر بادلوں کے) چودھویں کا چاند دیکھتے ہو۔ میں اس حدیث میں پورا یقین رکھتا ہوں۔''

اسحٰق بن ابراہیم نے ٹوکا ''احمد! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

جواب دیا وہی کہہ رہا ہوں جو آپ نے مجھ سے کہنے کو کہا''

اسحاق بن ابراہیم اس جواب سے بہت بوکھلائے کہا ''میں نے تم سے ایسا کہنے کے لئے کب کہا تھا؟''

''تم نے مجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مشورہ دیا تھا اور خلیفہ کو نصیحت کرنے اور نیک مشورہ دینے کو کہا تھا۔ میری نصیحت اور مشورہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کچھ کہا جائے نہ کیا جائے''

واثق کو جب یقین ہو گیا کہ احمد بن نصر خلق قرآن اور رویت باری تعالیٰ میں اس کے

عقیدے کے بالکل خلاف ہیں تو اس نے درباریوں کی رائے لی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ درباریوں میں سے اکثر چاپلوس اور خودغرض لوگ تھے جو بادشاہ کے مقصد کو سمجھ رہے تھے اس لئے اکثر نے ان کو قتل کا مشورہ دیا۔

ابوعبداللہ ارمنی نے کہا "امیرالمومنین! اس کو قتل کر کے اس کا خون مجھے پلایئے۔ قاضی ابن داؤد نے کہا "امیرالمومنین! یہ کافر ہوگیا ہے یا اس کے دماغ میں فتور آ گیا ہے اس سے توبہ کرایئے۔"

واثق باللہ ان کے قتل کا ارادہ کئے ہی بیٹھا تھا۔ حضرت احمد بن نصر بھی نہا دھو کر گھر سے قتل ہونے کی تیاری سے ہی نکلے تھے چنانچہ یہی فیصلہ ہوا ان کو قتل کیا جائے۔ واثق نے اسی مجلس میں اپنے ہاتھ سے حضرت احمدؒ بن نصر کا سر قلم کیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے صاحب عزیمت بزرگ کی قبر انوار رحمت سے معمور رکھے۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا! نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا!

شہادت کے بعد سر سے تلاوت قرآن کی آواز

جعفر بن محمد صائغ کا بیان ہے کہ میری آنکھیں پھوٹ جائیں اور میرے کان بہرے ہو جائیں اگر میں غلط کہوں، میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا کہ جس وقت احمد بن نصرؒ شہید کیے گئے برابر ان کے سر سے لا الہ الا اللہ کی آواز آتی رہی۔ شہادت کے بعد سر مبارک، تن سے جدا کیا گیا اور لاش لٹکا دی گئی اور سر کو بغداد بھیج دیا گیا جو مدت تک شہر کے مشرقی حصے میں پھر مغربی حصے میں آویزاں رکھا گیا۔ علامہ ابن جوزیؒ نے ابراہیم بن اسمٰعیل کا بیان لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی کہ احمد بن نصرؒ کے سر سے قرآنی آیات کی تلاوت سنی جاتی ہے تو میں رات کو وہاں پہنچا اور سر کے قریب کان لگا کر سنتا رہا حالانکہ چاروں طرف پہریدار موجود تھے۔ جب رات کا سناٹا ہوا تو ان کے سر نے تلاوت شروع کی اور یہ آیات پڑھیں: الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون الخ

(اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے)

حضرت یعقوب بن سکیت رحمہ اللہ کی شہادت

۲۳۲ھ ۸۴۶ء میں خلیفہ متوکل علی اللہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے پیشرو تینوں خلفاء مامون، معتصم اور واثق کے غیر اسلامی عقائد کو ترک کر کے کتاب وسنت کے احیاء اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت کی طرف پوری طرح توجہ دی۔ خلق قرآن اور رویت باری کے مسائل پر تمام بحثیں موقوف کرادیں لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ اس میں ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ خلیفہ عبداللہ بن سفاح اور منصور کی طرح یہ بھی بنوعلیؓ سے بڑی عداوت رکھتا تھا بہت سے عباسی خلیفہ یہ خوف کھاتے تھے کہ اگر اولاد علی رضی اللہ عنہ کو دبا کر نہ رکھا گیا تو وہ ان کی خلافت کا اسی طرح تختہ الٹ دیں گے جس طرح بنوعباس نے بنوامیہ کا الٹا تھا۔

متوکل کو حضرت علیؓ کی اولاد کے ساتھ سخت نفرت و دشمنی تھی۔ وہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو خود تو برا کہتا ہی تھا اگر کسی سے ان کی تعریف سن لیتا تھا تو اس کا بھی جانی دشمن بن جاتا تھا۔

اس کو کسی نے بتایا کہ اس کے دونوں لڑکوں معتز اور موید کے استاد یعقوبؒ بن سکیت بھی حضرت علیؓ اور ان کی آل سے بہت محبت کرتے ہیں۔ خلیفہ کو اس پر بہت غصہ آیا۔ جب یعقوبؒ بن سکیت ان دونوں لڑکوں کو درس دے رہے تھے تو خلیفہ نے ان سے سوال کیا ”کیوں شیخ آپ ان دونوں لڑکوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا حسنؓ و حسینؓ سے۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ کے عتاب کی پرواہ کئے بغیر جواب دیا ”امیر المومنین! میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت قنبر کو بھی ان دونوں سے بہتر سمجھتا ہوں۔“ متوکل ان کے اس جواب سے اتنا ناخوش ہوا کہ اسی وقت ترک غلاموں کو حکم دیا کہ ”اس کو روند کر مار ڈالو“۔ چنانچہ ان کو اسی وقت شہید کر ڈالا گیا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی)

ضغاطر الاسقف الشہید

نام ونسب: ضغاطر نام روم اصلی وطن تھا مذہباً عیسائی تھے ہرقل کے خاص معتمد اور مشیر اور قوم کے بڑے پادری تھے۔

اسلام: ہرقل شہنشاہ روم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیۃ الکلبی کے ذریعہ نامۂ اسلام بھیجا تو ہرقل نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً نبی ہیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اسلام قبول کیا تو اہل ملک مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے پھر اس نے حضرت دحیہؓ کو ضغاطر الاسقف کے پاس بھیجا کہ وہ کیا رائے دیتے ہیں حضرت دحیہؓ ان کے پاس آئے تو انھوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور فرمایا لعرفتہ باسمۃ ووصفتہ (ہم ان کے نام اور ان کے صفات سے واقف ہیں) پھر وہ اندر گئے اپنا مخصوص لباس اتارا اور سفید لباس پہن کر باہر واپس آئے اور اسی وقت اہل روم کے پاس گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کی سچائی کا اعلان کیا۔ یہ اعلان کرنا تھا کہ چاروں طرف سے ان کی قوم نے ان پر نرغہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا۔

''خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را''

بعض روایتوں میں ہے کہ ہرقل سے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا اس پر ہرقل نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو میں اتباع حق سے بھاگ نہیں سکتا۔ (اصابہ ذکر ضغاطر)

بی بی رحمت بنت ابراہیم کا تیس سال تک دنیاوی آب وغذا سے بے نیاز رہنا اور

شہیدانِ ملت کی قدر ومنزلت،

جنت کی غذا کا عجیب وغریب اثر

عیسیٰ ابن محمد عیسیٰ طہمانی مروزی متوفی ۲۹۲ھ سے ابن سبکی نے اپنے طبقات کبریٰ میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی کو شہر خوارزم کے ایک گاؤں طویل ہزار و نیف میں ایک عورت کے متعلق بتایا گیا کہ وہ مدت سے قطعی غذا یا پانی سے بے نیاز ہے، جب کہ ان کا گزر وہاں ۲۳۸ھ میں ہوا تھا۔ پھر ۲۴۲ھ میں وہاں پہنچے۔ اس وقت بھی وہ نیک بی بی

موجود تھیں۔ مگر اپنی کم عمری کی وجہ سے پوری طرح حالات کا جائزہ نہ لے سکے۔

پھر ۲۵۲ھ میں جب خوارزم پہنچے تب تک وہ موجود تھیں اور ان کی خبر اچھی طرح ہر خاص وعام تک پہنچ چکی تھی اور ہر خورد وکلاں سے ان کی خبر اچھی طرح معلوم کی جاسکتی تھی۔ وہاں کے لوگوں نے تجربہ کے طور پر مہینہ دو مہینے کسی گھر میں مقفل کر کے دیکھا اور نگہبانی بھی کی۔ مگر واقعہ کی صداقت میں ذرہ برابر فرق نہیں پایا۔ گھر میں کہیں پیشاب و پاخانہ کا اثر بھی نہ ملا۔

بہر حال جب مجھ کو بھی یقین ہو گیا تو میں نے براہ راست ملاقات کر کے ان کی زبانی حالات معلوم کرنے کی ٹھانی۔ تلاش کرتا ہوا اس قریہ میں پہنچا جہاں ان کے موجود ہونے کی اطلاع دی گئی تھی مگر وہاں نہ ملیں۔ مگر میں گاؤں گاؤں قریہ قریہ تلاش کرتا ہوا بالآخر ان کو پالینے میں کامیاب ہو گیا۔

دیکھا کہ ایک عورت پستہ قامت، چھریرہ بدن، سرخ وسپید چہرہ والی پوری قوت سے پیدل چل رہی ہے، چونکہ میں سواری پر تھا۔ میں نے سواری پیش کی۔ اس نے عذر کر دیا اور میرے ساتھ پیدل ہی چلتی رہی۔ میں نے ان کے حالات کی تفصیل چاہی اور حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔

عیسیٰ محمد:۔ کرم فرما کر آپ اپنا نام اور پوری پوری حقیقت ذرا تفصیل سے بیان فرمایئے۔

عورت:۔ میرا نام رحمت دختر ابراہیم ہے۔ میرا شوہر ایک نجار (بڑھئی) تھا۔ روزی کا ذریعہ روزانہ کی مزدوری تھی اور کئی بچے تھے، سب کی پرورش اسی پیشہ کے ذریعے ہوتی تھی اور دوسرا ذریعہ معاش نہ تھا اور غربت کی وجہ سے کچھ پس انداز بھی نہ کر سکتی تھی۔ بدقسمتی سے ایک ترک بادشاہ اقطع نے میرے گاؤں کے بہت سارے لوگوں کو قتل کرایا چنانچہ کوئی گھر ایسا نہ بچا جس میں کوئی قتل سے بچا ہو۔ چنانچہ میرا شوہر بھی قتل کر دیا گیا۔

جب میرے سامنے شوہر کی لاش لائی گئی تو میرے رنج وغم کی کوئی انتہا نہ رہی۔ پڑوس کی عورتیں میرے غم میں شریک ہو کر گریہ وزاری میں مصروف ہو گئیں۔

میری دنیا تاریک ہو گئی جس طرح ایک نوجوان کثیر الاولاد عورت اپنے شوہر کی وفات پر ماتم کر سکتی ہے میں بھی کرتی رہی۔

جب بچوں پر بھوک کا غلبہ ہوا، سب رونے لگے اور مجھ سے روٹی مانگنے لگے۔ اس وقت مجھے اور بھی رنج ہوا کہ یا اللہ! اب ان کی زندگی کا سہارا تو ختم ہو گیا۔ اب میں کیا

کروں۔ کیا کھلاؤں، کہاں سے لاؤں، کچھ پس انداز بھی نہیں ہے۔

اسی اثناء میں مغرب کی اذان ہوگئی۔ جلدی جلدی نماز پڑھی اور بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہوکر نہایت عجز وانکساری سے دعا کی کہ بارالٰہا! تو ان بچوں کو صبر کی توفیق عطا فرما اور ان کی یتیمی پر رحم فرما۔

اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی۔ معلوم ہوا کہ میں ایک سنگلاخ زمین پر پہنچ گئی ہوں اور اپنے شوہر کو تلاش کر رہی ہوں۔ ایک آواز آئی اے عورت (اخذی ذات الیمین) داہنی طرف کو جا۔ میں داہنی جانب مڑ گئی۔ اب ایسی سرزمین پر پہنچی جو نہایت سرسبز وشاداب ہے۔ نہریں بہہ رہی ہیں، اونچے اونچے محلات کھڑے ہیں۔ میں نے ایسی جگہ کبھی نہ دیکھی تھی اور نہ اس کی پوری تعریف کر سکتی ہوں۔ اسی سرسبز وشاداب زمین پر ایک جگہ بہت سے لوگوں کو دیکھا جو حلقہ باندھ کر سنہرے کپڑے پہن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے چہروں پر انوارِ الٰہی کی تابانی جلوہ باری کر رہی ہوں۔ ان کے سامنے دستر خوان ہے جس میں انواع واقسام کی غذائیں عمدہ عمدہ چنی ہوئی ہیں۔ مَیں ایک ایک چہرہ کو بغور دیکھتی جاتی ہوں اور اپنے شوہر کو تلاش کر رہی ہوں۔

اچانک آواز آئی یا رحمت! یا رحمت! مَیں آواز کی طرف مڑی تو میرا شوہر دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ وہ اپنے شہید بھائیوں کے درمیان میں دستر خوان پر بیٹھے کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر اپنے رفقاء سے فرمانے لگے۔ یہ عورت بہت مایوس ہوگئی ہے اور کئی دن سے بھوکی ہے۔ اگر آپ حضرات اجازت دے دیں تو اس کو کچھ دے دوں، سب نے بخوشی اجازت دے دی۔

میرے شوہر نے مجھے روٹی کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایا جو بہت سفید اور نہایت لذیذ، شہد وشکر سے زیادہ میٹھی اور مکھن سے زیادہ نرم تھی۔ میں نے اسے لے کر کھالیا۔ لوگوں نے کہا جاؤ اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کھانے پینے کی حاجت قطعی باقی نہ رہے گی، جب تک کہ تم زندہ رہوگی۔ جب اس خواب سے بیدار ہوئی تو میں اچھی طرح شکم سیر تھی۔ اس دن سے آج تک مجھے کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہی۔ (اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے)

فتح بیت المقدس اور مسلمانوں کا قتل عام

فتح بیت المقدس کے بعد عیسائیوں کے مظالم مسلمانوں پر نا قابل فراموش:

جب ۱۰۹۹ء بمطابق ۴۹۱ھ میں یروشلم پر عیسائیوں نے فتح پائی تو مغلوب مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ جو ظالمانہ حسرت ناک جگر دوز اور زہر شگاف سلوک انہوں نے کیا۔ تہذیب و شائستگی آج تک اس پر آنسو بہا رہی ہے۔ یہ دردناک کیفیت عیسائی اور مسلمان مورخوں نے صلیبی جنگوں کے ضمن میں بالوضاحت لکھی ہے یہاں ہم ایک فرانسیسی مصنف میچاؤ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

"گلی کوچوں گھروں اور مسجدوں و خانقاہوں میں جہاں جہاں مسلمان نظر آئے ان کا قتل عام شروع ہو گیا جب عیسائی مسجد عمر پر قابض ہو گئے تو دیکھا کہ وہ مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے، عیسائی سوار اور پیادے اس میں داخل ہو گئے۔ اس مہیب ہنگامہ کے درمیان سوائے گریہ وزاری اور موت کی چیخوں کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا"۔

ریمنڈی دی اگلیس کا یہ چشم دید بیان ہے کہ مسجد کے اندر اور صحن میں عیسائی سواروں کے گھوڑے خون میں گھٹنوں تک ڈوبے ہوئے تھے اور یروشلم کے گلی کوچے اور معبد بے گور و کفن لاشوں سے اَٹے پڑے تھے۔ اس قتلِ عام سے جو مسلمان بچ رہے ان کی نسبت تیسرے دن کی کونسل نے موت کا فتویٰ دے دیا ہے۔ میچاؤ لکھتا ہے:

"جب مسلمانوں کو اس فتویٰ کا علم ہوا تو بعضوں نے شہر پناہ سے کود کر موت سے بچنے کی ناکام کوشش کی۔ کئی اجل گرفتہ گروہ در گروہ محلوں اور میناروں خاص کر مسجدوں میں جا گھسے لیکن عیسائیوں نے ان کو کہیں بھی پناہ نہ لینے دی۔ لاشوں کے ڈھیر ہر جگہ نظر آ رہے تھے جو مسلمان بچ رہے تھے ان کو حکم ہوا کہ بازاروں اور گلیوں میں لاشوں کے جو انبار ہیں ان کو خندقیں کھود کر دفن کریں تاکہ راستے صاف ہوں اور وبائی بیماری نہ پیدا ہو جائے۔ مسلمان روتے تھے اور لاشوں کو اُٹھا اٹھا کر باہر لے جاتے تھے۔ یہ خون ریزی برابر ایک ہفتہ تک جاری رہی"۔

مشرقی اور لاطینی مؤرخ مسلمان مقتولوں کی تعداد بیان کرنے میں متفق ہیں کہ ستر ہزار سے زیادہ مسلمان قتل کئے گئے۔ لوٹ مار مکانوں اور مسجدوں پر زبردستی قبضہ اس غارت گری کے علاوہ تھا۔

شجرۂ طریقت وجہاد

عصرِ حاضر میں جہاد فی سبیل اللہ کی روایت اللہ تعالیٰ نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سے دوبارہ زندہ کی جسے آپ کے سلسلۂ طریقت وجہاد کے مردانِ سیف وقلم نے آج تک جاری رکھا ہے۔ مختصر نقشہ حسب ذیل ہے:

آزادی ہند کے شہداء

ٹیپو سلطان شہید رحمہ اللہ

۱۷۹۹ء ولزلی نے اس بہانے سے کہ سلطان فرانس سے خط و کتابت کر رہا ہے جنگ شروع کردی جس طرح کارنوالس نے ریڈ کو سازشیں کرنے کیلئے مقرر کیا تھا، ولزلی نے بھی اسی مقصد سے ایک کمیشن مقرر کیا۔ یہ سازشیں اس قت بھی اتنی کامیاب ہوئیں کہ صرف دو ماہ کے عرصہ میں سرنگاپٹم کا محاصرہ ہوگیا۔ ۴ مئی کو قلعہ پر فوج کشی ہوئی اور اسی شام کو سلطان شہید ہوگیا۔

اس کی شہادت کے ساتھ ہی نہ صرف سلطنت خداداد کا خاتمہ ہوگیا، بلکہ ہندوستان کی آزادی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ تاریخ عالم کے مؤرخوں نے اپنی کتاب میں اس فدائے آزادی کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے:

"اس کی لاش مقتولوں کے انبار میں پائی گئی۔ جواہرات اور لباس کا کچھ حصہ نکال لیا گیا تھا۔ مگر تعویز جو وہ ہمیشہ باندھے رکھتا تھا، ابھی اس کے بازو پر بندھی ہوئی تھی۔ اس کو تین گولیاں لگی تھیں۔ دو جسم پر اور ایک کنپٹی پر۔ مگر چہرہ بگڑا نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بالکل اطمینان کی نیند سو رہا ہے۔ جسم ابھی گرم تھا اور ایک لحظہ کیلئے کرنل جو وہاں حاضر تھا، خیال کیا کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔ مگر وہ نبض جواب تک ہندوستان کی آزادی کیلئے دھڑک رہی تھی، ساکن و صامت ہو چکی تھی"۔ (ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ: جلد ۲۲ ص ۱۱۶)

سلطان منذر کی تخت نشینی اور شہادت

سلطان محمد نے سنہ ۲۷۳ھ بمطابق ۸۸۶ء میں انتقال کیا، اور اسی سال المنذر تخت نشین ہوا، اس کا زمانہ بھی سرحدی لڑائیوں میں گزرا۔ دلیر ایسا تھا کہ جنگ میں اپنی جان تک کی پروانہ کرتا تھا۔ المنذر سنہ ۲۷۵ھ کی جنگ میں مارا گیا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمہ اللہ

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمہ اللہ شاہی خاندان سے تھے اور عالمگیر بادشاہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام مرزا جانی تھا اور مرزا صاحب کا نام جانِ جاناں عالمگیر نے رکھا تھا۔ ان کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ دہلی میں نجف خان رافضی کا تسلط تھا اور رافضی اس وقت زور شور پر تھے۔ اتفاق سے دو رافضی مرزا صاحب کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ شیخین ؓ کی نسبت کیا کہتے ہیں؟ مرزا صاحب نے فرمایا میرا کیا منہ ہے کہ میں ان کی نسبت کچھ کہہ سکوں ان کی نسبت تو خدا فرماتا ہے (السابقون الاولون الخ) اس پر انہوں نے کہا کہ وہ نزول آیت کے وقت بیشک ایسے ہی تھے اسلئے خدا نے ایسا فرمادیا اور بعد کو ان کی حالت بدل گئی اور اس معاملہ میں خدا کو بداء ہوا ہے اس پر مرزا صاحب نے فرمایا کہ ایسے خدا کو میں نہیں مانتا جس کو یہ بھی خبر نہ ہو کہ شیخین نعوذ باللہ مرتد ہو جائیں گے اور وہ ان کو خوشنودی کا بھی پروانہ دیدے اور اُن سے جنت کا بھی وعدہ کر لے۔ ایسا خدا رافضیوں کا خدا ہے۔ اس پر انہوں نے بندوق مار دی جو مرزا صاحب کے سینہ میں لگی۔ بندوق ایسے انداز سے لگی کہ مرزا صاہب کا فوراً انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ سخت زخمی ہو گئے۔ شاہِ عالم کو جب علم ہوا تو عیادت کیلئے آئے اور پوچھا مرزا صاحب کیسا مزاج ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بندوق لگی ہے سو اس کی تو چنداں تکلیف نہیں، کیونکہ یہ سینہ پہلے ہی سے چھلنی تھا ہاں بندوق چونکہ قریب سے لگی ہے اسلئے کچھ بارود اندر چلی گئی ہے اور اس کی بو سے دماغ سخت پریشان ہے۔

یعقوب خان خورجوی اور ابو بکر خورجوی بیان فرماتے تھے کہ مرزا صاحب نے اس حادثہ سے چار پانچ ہی روز پہلے یہ غزل لکھی تھی۔

بلوحِ تربت من یافتند از غیب تحریرے   کہ ایں مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

اور یہ شعر آپ کی تربت پر علیحدہ کندہ بھی ہے۔ (حکایات اولیاء)

شہادت کے بعد آپ کے تکیہ کے نیچے سے یہ شعر لکھا ہوا ملا۔

؎ لوگ کہتے ہیں کہ مرزا مر گیا   وہ تو لیکن اپنے اصلی گھر گیا

مولوی سید نصیر الدین کی شہادت

مولوی سید نصیر الدین ایک دیندار اور مجاہد شخص تھے۔ ان کی منصوبہ بندی اور جہاد کی خاطر حکمت عملی بڑی واضح اور نتیجہ خیز ہوتی تھی۔ ذہین اس قدر تھے کہ انہوں نے جس بھی علاقے کا رخ کرنا ہوتا تھا اس کے بارے میں مختلف ذرائع سے کئی طرح کی ضروری اور مفید معلومات ضرور حاصل کر لیتے تھے۔ ان میں قائدانہ صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ مولوی سید نصیر الدین حضرت سید ناصر الدین تھانیسری کی اولاد میں سے تھے اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ ننھیالی رشتے کی وجہ سے دہلی میں تربیت پائی لیکن ابتداء میں تحصیل علم کی طرف چنداں توجہ نہ دی''۔ پھر کچھ ہی عرصے کے بعد ان کے دل میں خاص جوش پیدا ہوا تو وہ تھوڑی ہی مدت میں ایک ممتاز علم بن گئے۔ مولوی سید نصیر الدین نے ہندوستان کے متعدد مشہور شہروں اور یورپ کی سیاحت کی اور پھر فریضہ حج بھی ادا کیا۔ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا طریق ٹھہرایا اور مسلمانوں کی مدد اور اعانت کی خاطر کئی مقامات پر دشمن سے نبرد آزما ہوئے۔ بالآخر انہوں نے اسی تگ وتاز میں شہادت پائی۔ (ماخوذ اکابرین تحریک پاکستان)

حافظ محمد مصطفیٰ صاحب رحمہ اللہ

آپ حضرت مفتی صاحبؒ کے احفاد میں سے تھے، ۱۲۴۳ھ میں جناب حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کے قافلہ مجاہدین کے ہمرکاب سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

شیخ شہاب الدین رحمہ اللہ کی شہادت

بادشاہ محمد تغلق (۷۲۵تا۷۵۲) کو کچھ مورخوں نے بڑا قاتل وخونی لکھا ہے۔ ضیاء الدین برنی نے اس کو ظالم اور سفاک حکمراں بتایا ہے جو معصوم مسلمانوں کو قتل کیا کرتا تھا۔ اس نے قنوج اور برن میں جو کارروائی کی اس کو برنی نے انسانوں کا شکار بتایا ہے۔ وہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ عقیف الدین کاشانی، شیخ ہودا، شیخ شمس الدین، شیخ علی حیدری وغیرہ لوگوں کو ان کے قصور سے زیادہ سزائیں دی گئیں لیکن قتل وخونریزی جیسی ان بھاری سزاؤں کے باوجود اس کے زمانے میں ایسے لوگ بھی موجود رہے جن کی زبان تیغ صفت اس کے خلاف بند نہ ہوئی شیخ شہاب الدینؒ نے اس کو اعلانیہ ظالم کہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلم بادشاہ کو ظالم کہنا اس کو نالائق کہنے کے مترادف تھا۔ اس لئے کہ اسلام میں ظالم حاکم کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جس حکومت میں مذہبی طبقہ کے اثرات زیادہ ہوں وہاں اس الزام کے بعد بادشاہوں کو حکومت کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ شیخ شہاب الدینؒ اس بات سے ناواقف نہیں تھے کہ بادشاہ کو ظالم کہنے پر ان کو کتنی بڑی سزا مل سکتی ہے۔

ہوا بھی یہی کہ بادشاہ کو ظالم کہنے کے جرم میں ان کو ماخوذ کرلیا گیا۔ سلطان محمد تغلق نے شیخ شہاب الدینؒ سے اس کی تحقیق کی تو انہوں نے برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ انہوں نے بادشاہ کو نہ صرف ظالم کہا ہے بلکہ حقیقت میں وہ ظالم ہے۔ بادشاہ نے کہا "تم اس الزام سے رجوع کرو اور معافی مانگو ورنہ تم کو سخت سزا دی جائے گی۔" شیخ نے انتہائی جرأت سے جواب دیا "میں نے جو بات کہی ہے وہ حقیقت ہے اور اس سے رجوع کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" سلطان محمد تغلق نے ان کو صدر جہاں کے حوالے کر کے کہا کہ ان سے اس الزام کا ثبوت لیا جائے ورنہ بادشاہ پر جھوٹا الزام لگانے کے جرم میں قتل کردیا جائے چنانچہ شیخ کو اپنی اس حق گوئی کی بدولت جام شہادت پینا پڑا۔ (ہسٹری آف دی قرونہ ٹرکس پروفیسر ایشوری پرسا)

شیخ علائی کی حق گوئی اور شہادت

سلیم شاہ سوری کا دور اسلام کی زبوں حالی کا تھا۔ بادشاہ بے عمل اور مغرور تھا۔ عوام میں بدعت وخام اعتقادی کا عام دور دورہ تھا۔ اسی زمانے میں ایک بزرگ شیخ علائی پیدا ہوئے۔ یہ بنگال کے پیرزادے تھے۔ انہوں نے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا اور تجدید واصلاح میں سرگرم ہوئے۔ سلیم شاہ ایک جاہ پرست اور خودغرض عالم مخدوم الملک کے ہاتھوں میں کھیلتا تھا۔ وہ بادشاہ کے یہاں کسی دوسرے عالم کی دال نہیں گلنے دیتا تھا۔

ایک حق گو بزرگ عبداللہ خاں نیازی کی پٹائی اور ملک بدر کرائے جانے کے بعد وہ شیخ علائی کے پیچھے پڑا۔ اس نے سلیم شاہ کے کان بھر کر شیخ علائی کو دربار میں طلب کرایا۔ شیخ علائی دربار میں آئے تو وہی شان بے نیازی تھی۔ جو ایک حق پرست کی ہونی چاہیے نہ آپ نے دربار کی غیر اسلامی رسوم کا لحاظ کیا اور نہ ہی بادشاہ کو غیر معمولی اہمیت دی۔ جب شیخ کے سامنے عمدہ ولذیذ کھانا شاہی خوان سے پیش ہوا تو انہوں نے اظہار ملامت کیا۔

انہوں نے دربار میں ایک تقریر کی جس میں تمام برے رسوم اور بدعات کو بیان کیا۔ بادشاہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ آخرت کا عبرتناک نقشہ کھینچا اور صالح اعمال کی دعوت دی اور علمائے سو کی پول کھولی لیکن مخدوم الملک جیسے دنیا پرست عالم پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے چالاکی اور منطقی باتوں سے شیخ کو ملحد ثابت کرنے کی کوشش کی، سلیم شاہ نے ان کی جانچ کا کام مخدوم الملک کے ہی سپرد کر دیا۔ اس کوان سے دشمنی نکالنے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ اس نے اللہ کے اس بے باک مجاہد کو اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ شہید ہو گئے۔ پھر ان کی نعش کو ہاتھی کے پیر میں باندھ کر تمام شہر میں تشہیر کرائی۔ یہاں تک کہ نعش کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (آئینہ تاریخ جلد دوم ص ۷۲)

تقسیم برصغیر اور ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام

یوں تو دنیا میں ہزاروں انقلاب آئے اور آتے رہیں گے اور دنیا اسی طرح بنتی اور بگڑتی رہے گی' مگر ایسا انقلاب! تباہ کن اور خونریز انقلاب۔ جیسا کہ ہندوستان میں آیا' تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ مانا کہ روس اور فرانس کے انقلاب کچھ کم تباہ کن نہ تھے مگر ہندوستان کے اس خونی انقلاب کی نوعیت فرانس اور روس کے انقلابات سے مختلف ہے۔ وہاں کی رعایا نے بلا امتیاز مذہب و ملت متحد ہو کر اس زمانے کے ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور جانی و مالی قربانیاں دے کر کامیاب و کامران ہوئے' اس کے برعکس برصغیر ہند میں دو غلام قوموں میں سے ایک قوم نے دوسری قوم کو برباد کیا' اپنی سنگ دلی اور سفاکی کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ سر بازار گلی گلی کوچہ کوچہ اور گھروں میں گھس گھس کر عورتوں مردوں اور معصوم بچوں کا وحشیانہ قتل عام کیا۔ بچوں کی ٹانگیں چیر ڈالیں عورتوں کو مادر زاد برہنہ کر کے سر بازار گھمایا ان کو مار مار کر نچایا اور بالآخر قتل کر دیا۔ جوان لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی ان کو جبراً مذہب تبدیل کرنے اور زبردستی بیوی بننے پر آمادہ کیا گیا' شریف لڑکیوں سے رقاصہ کا کام لیا گیا اور ان کے پر درد نوحوں سے اپنی محفل رقص و سرود کی رونق بڑھائی گئی۔ یہ مظلوم قوم کون تھی؟ مسلمان...... اور ظلم و استبداد' قتل و غارت گری کرنے والی بے درد وحشی قوم کون تھی؟ ہندو اور سکھ...... !ہندوؤں اور سکھوں کی وحشت پسند جماعتیں راشٹریہ سوئم' سیوک سنگ' مہا سبھا اور سکھوں کا اکالی دل یا اکال سینا۔ اگست ۴۷ء میں انگریز کی عطا کی ہوئی آزادی کے نشہ میں چور ہندوؤں اور سکھوں نے اپنی نوزائیدہ

حکومت کی فوج اور پولیس کی مدد سے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ نہتے اور بے بس مسلمانوں کا جس بے دردی اور درندگی کے ساتھ قتل عام کیا اس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ بالخصوص اور تاریخ عالم بالعموم پیش نہیں کر سکتی۔

مسٹر رائف جو ڈیلی میل لندن کا نمائندہ تھا اس کی زبان سے بھی چشم دید حالات کی چند جھلکیاں سنتے جایئے وہ لکھتا ہے ''میری کہانی کو وہی لوگ سن سکتے ہیں جو بہت بڑا دل گردہ رکھتے ہیں' میری کہانی گذشتہ جمعہ کے روز مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۴۷ء سے شروع ہوتی ہے' جب میں کراچی سے ''نمبر ۷ اپ ٹرین'' پر سوار ہو کر براہ لاہور عازم سفر دہلی ہوا۔ لاہور تک مجھے سفا کی اور قصابی کا کوئی منظر نظر نہ آیا اور نہ میں نے کوئی لاش دیکھی اسی دن لاہور میں ایک خون سے رنگین ٹرین (نمبر ۱۵ اپ) پہنچی تھی' جس کے سینکڑوں مسلمان مسافروں کو ریاست پٹیالہ میں واقع بٹھنڈہ جنکشن پر بے دریغ قتل کیا گیا' اس گاڑی پر سے صرف ۸ مسلمان اتارے گئے' جو بری طرح مجروح ہو چکے تھے یہ گاڑی ۹ ڈبوں پر مشتمل تھی جس پر ایک ہزار مسافر بآسانی سوار ہو سکتے تھے (جبکہ ان دنوں چھت پر بھی لوگ سفر کرتے تھے انجن ڈرائیور اور گارڈ نے بتایا کہ اس ٹرین کو بٹھنڈہ جنکشن (ریاست پٹیالہ) کے پہلے سرے پر کسی نے خطرے کی زنجیر کھینچ کر ٹھہرا لیا اور ٹرین کے رکنے کی دیر تھی کہ چاروں طرف سے سکھوں کے دل بادل اس پر ٹوٹ پڑے اور ٹرین کے مسافروں کو کرپانوں' نیزوں اور بھالوں سے قتل کرنے لگے' اس ٹرین پر صرف مسلمان پناہ گزین سوار تھے جو لاہور جانا چاہتے تھے لیکن ۹ کے سوا سب کو قتل کر دیا گیا۔''

''ہماری گاڑی ۱۰ گھنٹوں کی تاخیر کے بعد اتوار کی صبح ۶ بجے لاہور سے دہلی کی طرف روانہ ہوئی' پاکستان کی سرحد عبور کرنے کے بعد میں نے جا بجا ایسے مناظر دیکھے جو زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ پناہ ڈھونڈنے والے مسلمانوں کو ہر جگہ وہی کچھ پیش آ چکا ہے جو بٹھنڈہ میں گزرا لیکن ان مناظر پر کچھ گھناؤنے اضافے بھی ہو چکے تھے گدھوں کے غول ہر گاؤں کے قریب ریلوے لائن کے نزدیک اکٹھے ہو رہے تھے' کتے انسانی نعشوں کو بھنبھوڑ کر کھا رہے تھے۔''

''ہماری ٹرین سے ذرا فاصلے پر انسانی لاشوں کا ایک ڈھیر نظر آ رہا تھا' میرے دیکھتے دیکھتے پولیس کے دو سپاہی وہاں مزید لاشوں سے لدی ہوئی بیل گاڑی لائے جو اس ڈھیر پر پھینک دی گئی۔

لاشوں کے اس ڈھیر کے اوپر ایک انسان ابھی زندہ پڑا کراہ رہا تھا۔ پولیس کے سپاہیوں نے اسے دیکھا لیکن وہ لاشیں ڈھیر پر پھینک کر چلتے بنے۔ سسکتے اور کراہتے انسان کو وہیں چھوڑ گئے"۔

"ایک بوڑھا مسلمان کسان خاک وخون میں غلطاں اس ڈھیر سے تھوڑے فاصلے پر پڑا دم توڑ رہا تھا' اس کے گلے سے خون جاری تھا' اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے تھے اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں زمین پر ایک کتا اور درخت پر ایک گدھ اس کی موت کے انتظار میں اسے بے تابی کے ساتھ گھور رہے تھے۔"

"بھٹنڈہ کے قیام میں ہم نے جو آخری نظارہ دیکھا وہ پہلے نظاروں سے کہیں زیادہ گھناؤنا تھا۔ جونہی ہماری گاڑی چلی ہم نے دیکھا کہ چار سکھ مسلمان لڑکیوں کو بے دردی سے زدوکوب کر رہے ہیں' ان میں سے ایک دو کو ذبح بھی کر چکے ہیں"۔

"غیر جانبدار مبصرین کا خیال ہے کہ ۵ لاکھ سے ۱۰ لاکھ مسلمان قتل و غارت گری کی لپیٹ میں آ کر گڑھوں' نالیوں' کنوؤں' کھیتوں اور دریاؤں کی نذر ہو چکے ہیں یا ان کی نعشیں جنگلی جانوروں' کتوں اور گدھوں کی خوراک بن چکی ہیں۔ ۵۰ ہزار کے قریب مسلمان لڑکیاں اغوا کر لی گئیں۔ اربوں روپے کی جائیداد تباہ کر دی گئی"۔

مولانا عبدالجلیل کوئلی رحمہ اللہ

مولانا عبدالجلیل کوئلی، ۱۲۲۵ھ - ۱۲۷۶ھ، علی گڑھ کے رہنے والے، عالم محدث اور صاحب مناقب وفضائل بزرگ تھے۔ حدیث شاہ اسحٰق سے پڑھی اور پورے طور پر اس میں انہماک کیا، سید صاحبؒ سے بیعت تھے اور تمام عمر آپ کے طریقہ پر قائم رہے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں شہید ہوئے۔ (نزہہ)

حاجی عبدالرحیم شہید رحمہ اللہ

حاجی عبدالرحیم سہارنپوری حسینی افغانی تھے، طریقہ قادریہ میں

شاہ رحم علی القمیصی الساڈھوری

اور طریقہ چشتیہ میں شاہ عبدالباری امروہی سے بیعت تھے۔

پھر سید صاحب سے بیعت ہوئے، "سیرۃ سید احمد شہید میں آپکا ذکر آیا ہے۔

میاں جی نور محمد جھنجھانوی

(شیخ حضرۃ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ) کے شیخ تھے۔

سفر جہاد میں سید صاحبؒ کے ہمرکاب تھے، شہادت سے سرفراز ہوئے۔

مولوی محمد حسن شہید رحمہ اللہ

سید صاحب کے نہایت معتمد اور لشکر کے ممتاز علما میں سے تھے۔
مولوی سید جعفر علی منظورہ میں لکھتے ہیں۔ "مولانا محمد اسمٰعیل و مولوی محمد حسن رامپوری بجائے وزیر آنجناب بودند" (ص ۷۵۰)
دوسری جگہ لکھتے ہیں " مولوی محمد حسن رامپوری کہ در خاکساری و عجز وعلم وحلم وقابلیت بعد مولانا محمد اسمٰعیل نظیر خود نداشتند" (ص ۷۷۰)
آپ ہی نے مولوی سید محبوب علی صاحب دہلوی کو مسکت جواب دیا اور قتال و جہاد کا فرق سمجھایا۔ رامپور منھیاراں کے رہنے والے تھے، پھولڑہ کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ (منظورہ)

شیخ غلام علی رحمہ اللہ رئیس اعظم الہ آباد

حضرت شیخ غلام علی صاحبؒ قصبہ مہرونڈہ میں پیدا ہوئے اور بعد شہادت یہیں مدفون ہوئے۔ شیخ صاحب کا مکان جو کوٹ گڑھی کے نام سے مشہور تھا بطور ایک مضبوط قلعہ کے تھا وہ بالکل مسمار ہو چکا ہے۔ صرف ایک پختہ حمام باقی ہے۔ جہاد پنجاب کے موقع پر روپیہ کی فراہمی اور مجاہدین کی روانگی کا انتظام شیخ صاحب کے متعلق تھا۔ خبر رسانی و آمد ورفت میں موجودہ آسانیاں نہ ہونے کے باوجود اورنگ آباد، ڈھاکہ جیسے دور دراز مقامات سے شیخ صاحب کے تعلقات قائم تھے، روپیہ واسلحہ میں جو کمی ہوئی تھی، جس طرح ہوتا تھا وہ اپنے پاس سے پوری کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی کل دولت، علاقہ، مکان، مسکونہ تک اس جہاد میں قربان کر دیا، جزاہ اللہ خیر الجزا گڈھی جس میں نہایت عالیشان پختہ مکانات تھے۔ ایک لاکھ روپیہ قرض میں مکفول تھی۔ شہادت کے کچھ عرصہ کے بعد الہ آباد سے مہاجن آیا اور جس قدر لکڑیاں وغیرہ تھیں کھدوا کر الہ آباد لے گیا اور گڑھی کو ایک کھنڈیل کی صورت میں چھوڑ گیا۔ خیریت یہ ہوئی کہ گڑھی کے نیچے جس قدر فیل خانے واصطبل تھے وہ بار کفالت سے محفوظ تھے، ان کی اولاد نے انہی میں سکونت اختیار کی، جائیداد کا بیشتر وہی حصہ ان کی اولاد میں باقی رہا جو عورتوں کے نام تھا۔

الہ آباد میں پندرہ روز تک شیخ غلام علی نے سارے قافلہ کی دعوت کی۔ شیخ صاحب ایک ہزار روپیہ روزانہ دعوت قافلہ پر خرچ کر کے عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر کھلاتے تھے۔ وہ کھانا بھی اس کثرت سے آتا تھا کہ صدہا مساکین الہ آباد کے پندرہ روز تک قافلہ کے ساتھ ہی کھاتے رہے، الہ آباد تک پہنچنے میں تعداد مردمانِ قافلہ کی سات سو (۷۰۰) ہو گئی تھی، شیخ

غلام علی صاحب نے تیرہ عدد خیمے اور ہر ایک حاجی کے واسطے ایک ایک جوڑہ پارچہ احرام اور ہر ایک اہل قافلہ کے واسطے ایک ایک روپیہ نقد اور حضرت کے قرابت داروں کے واسطے دس دس روپیہ نقد اور خود حضرت کے واسطے چار ہزار پانچ سو روپیہ نقد نذر کیے۔

شیخ صاحب کے تقویٰ وطہارت کے متعلق لکھنا غیر ضروری ہے یہی کافی ہے کہ حضرت سید صاحب کے مخلص مریدین میں سے تھے۔ مرید ہونے کے بعد انہوں نے ہمیشہ موٹا کپڑا استعمال کیا اور بغیر بستر بچھائے کھلی چارپائی اور چھوٹی چارپائی پر کہ پیر نہ پھیلائے جاسکیں، سونے لگے، بعد ختم جہاد پنجاب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ شوق شہادت میں ہر وقت سرشار نظر آتے تھے۔ بار بار اس کا ذکر فرماتے تھے۔ ایک روز کہنے لگے کہ تمنا پوری ہونے کا وقت آ گیا۔ کفار کی چند منظم جماعتیں جو ہمہ وقت شیخ صاحب کی تاک میں رہتی تھیں جب مقابلہ ہوا مغلوب ہوئیں۔ جس دن شہادت ہوئی ہے ہاتھی منگوایا اور فیلبان کو ساتھ لے کر خلاف معمول تنہا روانہ ہوئے۔ الٰہ آباد بنارس کے مابین کفار سے معرکہ ہوا۔ پہلے فیلبان پھر آپ شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ہاتھی لاش لے کر روانہ ہوا۔ گڑھی کے پھاٹک پر آ کر چیخا۔ سب پہنچ گئے۔ لاش اتاری گئی۔ ہاتھی بھی اسی وقت اسی جگہ مر گیا۔ گڈھی کے متصل پھلواری قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔ قریب ہی ہاتھی بھی ایک کھیت میں دفن ہے۔ آپ کی قبر پر نہ عمارت ہے نہ چاروں طرف کوئی احاطہ ہے۔ خام قبر سطح زمین سے کسی قدر بلند درخت نیم سے متصل پچھم کی طرف واقع ہے۔

(کاروان جنت)

حضرت حافظ محمد ضامن شہید رحمہ اللہ

شیخ طریقت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کے ارشد خلفاء میں سے تھے، شاملی کے معرکہ جہاد ۱۸۵۷ء میں شہید ہوئے، مزاج میں اخفائے حال اور ظرافت کا مادہ تھا، خانقاہ تھانہ بھون جو مسجد پیر محمدؒ میں واقع ہے اور ایک وقت میں وہ ''دوکانِ معرفت'' کہلاتی تھی، وہاں حضرت حاجی صاحبؒ، حضرت حافظ صاحبؒ اور حضرت مولانا شیخ محمد تھانویؒ یہ تینوں بزرگ ایک وقت میں جمع رہتے تھے، حافظ صاحب شہیدؒ کو حقہ نوشی کا شوق تھا، خانقاہ کے باہر کبھی حقہ نوش فرماتے ہوئے کوئی ملاقات کے لئے آتا تو ظرافتِ طبع کی رُو سے فرمایا کرتے بھائی اگر بیعت ہونا ہے تو حاجی صاحبؒ کے پاس جاؤ، وہ اندر بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہے تو مولانا شیخ محمدؒ سے پوچھو اور حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جاؤ۔

۱۸۵۷ء کے معرکہ جہاد کا حال اور پیر و مرشد کا واقعہ شہادت حکیم محمد ضیاء الدینؒ نے بھی مصلحتہً بہت ہی مجمل اور مختصر طور پر لکھا ہے، جی چاہتا تھا، کہ حکیم صاحب ۱۸۵۷ء کے معرکہ کو ذرا تفصیل سے لکھتے، مگر اس زمانے کی مجبوری کا آج کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

حضرت حافظ صاحب شہیدؒ مرید بہت کم فرمایا کرتے تھے، حکیم محمد ضیاء الدین صاحب رام پوریؒ بہ سفارش حضرت حاجی صاحب شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے تھے، اور بیعت ہونے کے بعد وادی سلوک میں ابھی گامزن ہی تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہوگیا، چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں۔

''یہ خبر نہ تھی کہ پردہ غیب سے کچھ اور ظاہر ہوا چاہتا ہے اسی توقع اور کشاکش

میں تھا کہ ناگاہ گردش ایام اور شامت افعال اس شکستہ حال سے یہ صورت پیش آئی کہ دفعتہً جہاں میں ایک شورِنشور پیدا ہوا، ہنگامہ قتل و غارت کا چار طرف سے ایسا گرم ہوا کہ شاید کبھی نہ ہوا ہوگا اور جو لوگ دیندار اور جری تھے غیرتِ اسلام سے اکثر شہید ہو کر سُوئے دار البقاء رحلت فرما ہوئے یا خانہ ویران ہو کر اور بدراہی اس ملک کی دیکھ کر بیت اللہ شریف یا کسی اور دار السلام کو تشریف لے گئے''

معرکہ شاملی میں حضرت حافظ صاحب کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''چنانچہ حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ و نور اللہ مرقدہ و قدس سرہ نے بھی ضرور دنیائے دنیہ کا کچھ خیال نہ فرمایا کہ ہمت چست باندھ کر امر حق پر جان و مال قربان کیا اور ذوق و شوق دیدارِ الٰہی میں ایسے مست ہوئے کہ کسی طرح کا تردد نہ ہوا اور تمنائے شربتِ شہادت و جام کوثر میں ہماری بے کسی کا بھی کچھ خیال نہ فرمایا سبحان اللہ کیا ہمت مرداں مددِ خدا کا تماشہ دکھلا کر مردانہ اور مشتاقانہ چوبیسویں محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کو برسرِ معرکہ ہو کر جامِ شہادت نوش فرمایا، واہ کیا خوب دادِ ہمت لے گئے اور داغ حسرت دے گئے۔

شہدائے افغانستان

مولانا ارشاد احمد شہید رحمہ اللہ

۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جب برادر ملک افغانستان پر روس نے بے پناہ فوجی طاقت کے ساتھ یورش کی تو دنیا یہی سمجھ رہی تھی کہ کمیونزم کا یہ سرخ سیلاب جو وسط ایشیاء کی اسلامی ریاستوں اور تاشقند، سمرقند اور بخارا کو تاراج کرتا ہوا افغانستان میں داخل ہوا ہے، یہاں سے بھی اسلامی اقدار و شعائر کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائے گا اور اس کا اگلا نشانہ پاکستان ہوگا لیکن افغانستان کے غیور مسلمان انتہائی بے سروسامانی میں، محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اور شوق شہادت سے سرشار ہو کر اس طوفان سے ٹکرا گئے اور یہی جہاد افغانستان کا باقاعدہ آغاز تھا کہ ؎

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس وقت فیصل آباد کے مولانا ارشاد احمد صاحبؒ کراچی میں درس نظامی کے آخری سال یعنی ''دورہ حدیث'' میں زیر تعلیم تھے، عمر کا بیسواں سال تھا، جہاد کا شوق بچپن ہی سے موجزن تھا، موقع غنیمت جان کر افغانستان جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ دو اور طالب علم (مولانا) سیف اللہ اختر اور (مولانا) عبدالصمد سیال بھی جو مرحلہ عالیہ کے سال اول میں زیر تعلیم تھے جہاد کے لئے کمربستہ ہو گئے اور تینوں بغیر کسی کو بتائے ۱۸ فروری ۱۹۸۰ء کو بے

سر و سامانی میں کراچی سے نکل کھڑے ہوئے۔

میں راہ شوق میں منت کش رہبر نہیں ہوتا مرے داغ جگر کافی ہیں میری رہنمائی کو

مولانا ارشاد احمد صاحب عمر اور علم میں بڑے تھے، دونوں ساتھیوں نے سنت کے مطابق ان کو اپنا امیر مقرر کر لیا۔ اس طرح یہ تینوں مجاہدوں پر مشتمل جماعت وجود میں آئی۔ الخ

زندگی کا آخری معرکہ

عیدالفطر کے بعد جب دینی مدارس اور جامعات کے طلبہ، سالانہ تعطیلات محاذ پر گزار کر حسب معمول اپنے اپنے تعلیمی اداروں میں واپس جانے کے لئے پاکستان کا رخ کر رہے تھے تو کچھ طلبہ نے امیر موصوف سے اصرار کیا کہ ہم واپسی سے قبل آپ کے دوش بدوش ایک اور معرکہ میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اس وقت یہ حضرات صوبہ "پکتیکا" میں "ارغون" کے محاذ پر تھے، مگر یہاں دشمن پر حملہ کرنے کے اس وقت مواقع نہ تھے، طلبہ کے اصرار پر امیر موصوف صوبہ پکتیکا ہی کے ایک اور محاذ پر "شرنہ" کے افغان کمانڈر مولانا فریدالدین صاحب کے پاس گئے جو مجاہدین کی کسی اور تنظیم کی طرف سے برسر پیکار تھے۔ امیر موصوف نے ان سے مل کر انہی کے علاقے میں شہر "شرنہ" کی ایک روسی چھاؤنی پر حملہ کا منصوبہ تیار کیا اور مہم پر روانگی کے لئے ۶ شوال ۱۴۰۵ھ (۲۵ جون ۱۹۸۵ء) کی شام مقرر ہوگئی۔ دشمن کی جس چھاؤنی پر حملہ کا منصوبہ بنایا گیا تھا وہ یہاں سے کم از کم ۵ گھنٹے کی مسافت پر تھی، راستہ پہاڑی، کچا اور سخت دشوار گزار تھا۔ راستہ میں جن جن مقامات سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ تھا وہاں کچھ پہرے داروں کو دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے اور برموقع کارروائی کے لئے مامور کر دیا گیا۔

بے سر و سامانی

مگر کوئی ایسی گاڑی دستیاب نہیں ہو رہی تھی جس میں مجاہدین اپنے اسلحہ سمیت اس مہم پر روانہ ہو سکیں۔ روانگی کچھ غیر یقینی سی ہوگئی تو جن پہرے داروں کو راستہ کے پر خطر مقامات پر مقرر کیا گیا تھا انہیں یہ ہدایت بھی دینی پڑی کہ وہ ان مقامات پر رات کے صرف ۱۰ بجے تک رہیں، اس وقت تک ہم وہاں سے نہ گزریں تو وہ اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس چلے

جائیں اور سمجھ لیں کہ حملہ کا منصوبہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔

بالآخر ایک ٹریکٹر اور اس کے پیچھے بندھی ہوئی ایک ٹرالی کسی طرح مل گئی اور پروگرام کے مطابق ۶ شوال کو نماز عصر کے بعد ۴۵ مجاہدین کا دستہ وہاں کے ایک افغان کمانڈر مولانا عید محمد صاحب کی قیادت میں ٹرالی میں روانہ ہو گیا، اس دستے میں محاذ ''شرنہ'' کے کئی افغان مجاہدین بھی شامل تھے۔ مغرب کی نماز راستہ میں ادا کر کے سفر جاری رکھا گیا، پروگرام یہ تھا کہ رت کے ۱۱ بجے تک ''شرنہ'' کے قریب پہنچ کر حالات کا جائزہ لیں گے اور صبح صادق کے فوراً بعد نماز فجر پڑھ کر چھاؤنی پر حملہ کر دیا جائے گا۔

تقدیر کا فیصلہ

ہوا یوں کہ مجاہدین کا یہ دستہ راستے کی غیر معمولی خرابی اور صعوبتوں کے باعث ان مقامات سے رات کے دس بجے تک نہ گزر سکا جہاں پہریدار مقرر کئے گئے تھے، وہ طے شدہ قرارداد کے مطابق دس بجے کے بعد وہاں سے ہٹ گئے اور یہ سمجھ کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس چلے گئے کہ حملہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔ ادھر دشمن کو مجاہدین کے دستہ کی مخبری ہو گئی تھی، اس نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی چھاؤنی سے کافی دور آگے آکر راستہ کے دونوں طرف کی پہاڑیوں پر پوزیشن سنبھال لی، اور اپنی پشت پر بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک کھڑے کر دیئے۔ پہریداروں کے ہٹ جانے کے باعث یہ مقام اس کو خالی مل گیا تھا۔ رات کے تقریباً ۱۱ بجے جیسے ہی مجاہدین کی ٹرالی وہاں پہنچی، دشمن نے تین طرف سے محاصرہ کر کے اچانک حملہ کر دیا۔ اس محاذ پر چھ سال میں یہ پہلا موقع تھا کہ دشمن نے خود آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی جرأت کی تھی، جاسوسوں کی بروقت مخبری نے اس کو حوصلہ دے دیا تھا۔ تاریکی میں مجاہدین کو حملہ کی خبر اس وقت ہوئی جب دشمن کا پہلا گرینیڈ (دستی بم) اس ٹریکٹر پر آکر پھٹا جس سے یہ ٹرالی بندھی ہوئی تھی، ٹریکٹر میں آگ لگی تو دشمن کو اپنا ہدف صاف نظر آ گیا۔

ٹرالی پر گولوں، دستی بموں اور گولیوں کی بارش شروع ہو گئی، کچھ مجاہدین ٹرالی سے چھلانگ لگا کر پوزیشن لینے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے ٹرالی کی آڑ سے جوابی فائرنگ

شروع کردی، گولوں اور بموں کی خوفناک آوازوں سے سارے پہاڑ لرزہ براندام تھے، انہی آوازوں میں کچھ سرفروشوں کا نعرہ "اللّٰہ اکبر" بھی گونج رہا تھا۔

مولانا ارشاد احمد صاحب بھی ان جانبازوں میں شامل تھے جو ٹرالی سے اترنے میں کامیاب ہوگئے تھے مگر ان کو گولیوں کی باڑھ لگ چکی تھی، جس کے بعد وہ کسی نہ کسی طرح چند قدم دشمن کی طرف کلاشنکوف چلاتے ہوئے بڑھے مگر جسم کا خون بہت بہہ چکا تھا بڑھنے کی سکت نہ رہی تو دشمن کی طرف پوزیشن لے کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور "اللہ اکبر" کا نعرہ لگا لگا کر فائر کرتے رہے۔ اب ان کے نعرہ تکبیر کے ساتھ "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا کلمہ بھی سنائی دے رہا تھا، پھر یہ آواز بیٹھتے بیٹھتے خاموش ہوگئی۔ اس کلمہ پر جان دینے والا مجاہد اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا۔ شہادت کے وقت عمر ۲۶ سال اور ۲۰ دن تھی اور شادی کو صرف ۴ ماہ ہوئے تھے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن   نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اس وقت جنگ کی صورت حال یہ تھی کہ جو مجاہدین دشمن کی اندھادھند فائرنگ کی وجہ سے فوراً ٹرالی سے نہ کود سکے وہ اسی میں گھرے رہ گئے۔ جس میں لگی ہوئی آگ دم بدم بڑھ رہی تھی، کچھ مجاہد ٹرالی کے اردگرد زخمی پڑے تھے، کچھ جانباز ٹرالی کے اندر اور اس کے اردگرد جام شہادت نوش کر چکے تھے اور جن کو موقع مل گیا تھا، وہ بپھرے ہوئے شیروں کی طرح "فتح یا شہادت" کی جنگ لڑ رہے تھے۔ اس مہم کے افغان امیر مولانا عید محمد صاحب اور دارالعلوم کراچی کے طالب علم مولوی عبدالحلیم سلمہ گولوں اور گولیوں کی بارش میں زخمی ساتھیوں کو کندھے پر اٹھا اٹھا کر محفوظ مقامات پر پہنچانے لگے اور بحمداللہ سلامت رہے۔

تائید غیبی

اسی دوران اس بارود نے آگ پکڑ لی جو ٹرالی میں رکھا ہوا تھا، وہ پھٹنا شروع ہوا اس کے خوفناک دھماکوں نے ایک نئی قیامت برپا کردی لیکن جس ذات باری تعالیٰ کی خاطر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس نے انہیں دھماکوں کو نصرت کا سامان بنا دیا کہ ٹرالی میں رکھے ہوئے راکٹ لانچروں میں سے ایک راکٹ کو قدرت کے غیبی نظام نے اس طرح چلایا کہ اس کے پچھلے حصے

میں آگ لگی۔ جس کے باعث راکٹ تیزی سے نکل کر سیدھا دشمن کی طرف بڑھا اور چشم زدن میں خوفناک دھماکے کے ساتھ ایک ٹینک تباہ کر دیا۔ ساتھ ہی ٹرالی میں جلتے بارود سے جو دھماکے ہو رہے تھے ان سے دشمن یہ سمجھ کر کہ مجاہدین کو تازہ کمک پہنچ گئی ہے میدان چھوڑ بھاگا۔

اس معرکہ میں دشمن کے تقریباً ۳۵ فوجی جہنم رسید ہوئے اور ۲۲ مجاہدین شہادت سے سرفراز ہوئے۔

کچھ دیر بعد مجاہدین کی ایک اور جماعت وہاں پہنچ گئی جو شہدا کو قریبی گاؤں لے گئی اور زخمیوں کو اونٹوں وغیرہ پر گاؤں پہنچایا۔ وہاں کے تقریباً اڑھائی ہزار مسلمانوں نے جمع ہو کر شہداء کی نماز جنازہ پڑھی۔ دشمن کے گن شپ ہیلی کاپٹر اس وقت بھی بلندی پر منڈلا رہے تھے مگر اللہ جل شانہ نے ان کو ایسا اندھا کیا کہ اس بڑے مجمع کو نہ دیکھ سکے۔

مولانا ارشاد احمد صاحب نے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ "جب میں شہید ہو جاؤں تو لاش گھر نہ لے جانا، ہو سکے تو میدان جنگ کے آس پاس ہی دفن کر دینا۔"

ان کی وصیت اور مقامی مسلمانوں کے اصرار پر شہر "شرنہ" کے قریب ہی گاؤں "کوٹ ودال" میں سب شہیدوں کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را پر اسرار

جنرل اختر عبدالرحمٰن شہید کی شہادت کا واقعہ

یہاں اس رپورٹ کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ جہاد افغانستان کے حوالے سے جنرل اختر عبدالرحمٰن کی شخصیت کتنی اہم تھی اور صدر ضیاء کے ساتھ انہیں بھی راستے سے ہٹانے کے لئے اس جان لیوا سفر میں کس طرح شامل کیا گیا؟ جان بیرن لکھتا ہے کہ: ''جنرل اختر عبدالرحمٰن کو صدر ضیاء الحق کا جانشین کہا جاتا تھا۔ افغان صورت حال، جنگی اسٹریٹیجی اور وہاں ہونے والی جنگ کو جنرل ضیاء اور اختر عبدالرحمٰن سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا تھا۔ جنرل ضیاء الحق نے ایک پرائیویٹ محفل میں ایک مرتبہ باچشم نم جنرل اختر سے جولائی ۱۹۸۸ء میں کہا تھا'' آپ نے ایک معجزہ کر دکھایا ہے میں بھلا آپ کی اس کارگزاری کا کیا صلہ دے سکتا ہوں صرف اور صرف اللہ رب العزت آپ کو اس کی جزا دے گا۔'' اس بات میں یقیناً کوئی شک نہیں ہے کہ جنرل ضیاء الحق اور جنرل اختر عبدالرحمٰن نے افغانستان میں روس کی شکست کو ایک معجزے کی طرح رونما کیا تھا اور اگر روس کو اس جنگ سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا تو پھر ان دونوں حضرات کو راستے سے ہٹانا انتہائی ضروری تھا۔

۱۹۷۹ء میں افغانستان میں ننگی روسی جارحیت کے بعد جنرل ضیاء نے جنرل اختر کو حکم دیا تھا کہ اس جنگ میں بھرپور طریقے پر مزاحمت کی جائے، سیکریٹ کیمپ قائم کئے جائیں خفیہ سپلائی لائنز کے جال بچھا دیئے جائیں مجاہدین کے لئے ٹریننگ کیمپ کھولے جائیں اور تن من دھن کی بازی لگا کر ہر قیمت پر روسی افواج کا مقابلہ کیا جائے، افغانستان کے سات جماعتی اتحاد کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کیا جائے اور گوریلا مزاحمتی جتھوں (مجاہدین) کی ہر طرح مدد کی جائے۔ جلد ہی امریکہ سے سپلائی لائنز کو ہتھیار فراہم کئے جانے کو ایک مربوط اور منظم نظام کے ذریعہ منسلک کر دیا گیا۔ جنرل اختر نے اپنی ذہانت سے مجاہدین کی جنگ کو ایک زبردست حملہ آور قوت میں تبدیل کر دیا اور اس جنگ میں روسی بری طرح ذبح کئے جانے لگے۔''

''جان بیرن'' آگے تین چار پیراگراف کے بعد لکھتا ہے کہ:''جنرل اختر کا (امریکی ٹینکوں کے) اس مظاہرے میں (جو بہاولپور میں ہوا) شرکت کا کوئی پروگرام نہیں تھا مگر ۱۶اگست کو ان کے ایک نائب نے انہیں چند ایسی عجیب وغریب باتیں بتائیں جن کا صدر ضیاء کو بتایا جانا ضروری تھا، صدر ضیاء سے اس سلسلہ میں بات کی گئی تو انہوں نے جنرل اختر کو اپنے ساتھ سفر کی دعوت دی اور کہا اس دوران تم سے ان باتوں پر بھی گفتگو کر لی جائے گی، چنانچہ جنرل اختر کا بھی صدارتی طیارے میں جانا طے ہو گیا۔''

چاروں پوسٹوں سے فائرنگ کی آوازیں بند ہوئیں تو بارودی سرنگوں میں پھنسے ہوئے زخمی ساتھیوں نے جواب تک انتہائی صبر کے ساتھ اس لئے خاموش پڑے تھے کہ باقی مجاہدین کی کارروائیوں میں خلل نہ آئے۔ آوازیں دے کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ عبدالکریم ندیم اور بختیار حسین نے آوازیں سنیں تو ایک اور ساتھی کو قیدیوں کے پاس چھوڑ کر اس طرف روانہ ہوئے۔

یہاں دیکھا تو مولانا عبدالقیوم جوریزرو دستہ کے قائد تھے اور ابوبکر جو بڑی مشین گن کے دستہ کے امیر تھے یہ دونوں بھی زخمی پڑے تھے اور کمانڈر زبیر کے دستہ سے جا ملنے کی کوشش میں بارودی سرنگوں سے زخمی ہوئے تھے۔ انہیں اٹھانے کی کوشش میں ایک اور بارودی سرنگ پھٹ گئی جس سے عبدالکریم اور بختیار بھی زخمی ہو کر گر پڑے اور ابوبکر دوبارہ زخمی ہو گئے ان کے پورے جسم پر شدید زخم آئے۔ اتنے میں کمانڈر زبیر آ گئے زخمیوں نے انہیں بارودی سرنگوں کے قریب آنے سے روکا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ گئے اور زخمیوں کو اٹھانے کی کارروائی منظّم انداز میں شروع ہوئی جس میں قیدی فوجیوں سے بھی مدد لی گئی۔

رحمت اللہ بنگلہ دیشی جو کمانڈر زبیر کے دستہ میں بارودی سرنگوں کی باڑھ میں سب سے پہلے زخمی ہو کر گرے تھے ان کے پاؤں میں بارودی سرنگوں کا تار پھنسا ہوا تھا، انہیں اٹھانے کی کوشش میں وہ ہلا تو بیک وقت دو بارودی سرنگیں اور پھٹ پڑیں اس حادثہ سے جہاں عدیل، بختیار اور دو قیدی فوجی شدید زخمی ہوئے ایک المناک سانحہ یہ ہوا کہ رحمت اللہ دوبارہ زخمی ہو کر شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ یہ غریب الوطن جانباز آج کے معرکے کا واحد شہید ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

پہلا شہید

قاری عبدالرشید کوثر کہتے ہیں کہ ''میں ظہیر صاحب کے ساتھ تھا وہ ایم ایم 82 توپ سے جو کندھے پر رکھ کر چلائی جاتی ہے' لگاتار فائر کر رہے تھے۔ ان کے قریب ہی ہم چھ ساتھی کلاشنکوفوں سے فائرنگ کر رہے تھے' تینوں حملہ آور دستے ہمارے فائر کے سائے میں آئے بڑھتے گئے' اچانک ایک زبردست دھماکے سے ہمارے ساتھی عبدالستار بلوچ' جن کا تعلق خضدار (بلوچستان) سے تھا' شدید زخمی ہو گئے ان کا پاؤں بارودی سرنگ پر آ گیا تھا۔ ساتھ ہی ان کو ایک گولہ بھی آ کر لگا اور وہ آدھ گھنٹہ بعد شہید ہو گئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک گولی ہمارے ساتھی گل زیب کو لگی ان کا پیٹ کٹ گیا وہ وہیں گر پڑے۔ ظہیر صاحب نے یہ حال دیکھا تو فوراً زخمیوں اور باقی ساتھیوں کو واپس برساتی نالے (لوغاٹھ) پہنچایا۔ وہاں طارق صدیقی صاحب نے فوری طبی امداد دی۔ ظہیر صاحب ہمیں لے کر پھر میدان کارزار میں پہنچ گئے۔

قاری نعمت اللہ جو ایک حملہ آور دستے کے امیر تھے' کہتے ہیں کہ ''اس قرارگاہ پر جو جنگ ہوئی وہ ہمیں کبھی نہ بھولے گی۔ یہ ناقابل فراموش معرکہ تھا' یہاں ہمارا مقابلہ فوج سے زیادہ افغان ملیشیا سے تھا جو کٹر کمیونسٹ اور سخت جنگجو تھے' کمانڈر فاروقی صاحب نے یہ بات ہمیں پہلے ہی بتا دی تھی' چنانچہ ساتھی اس خطرناک معرکے کے لئے ذہنی طور پر خوب تیار ہو کر نکلے تھے کئی ساتھی زخمی ہوئے لیکن جب بھی کوئی اٹھانے آیا' زخمی نے یہی جواب دیا کہ ''آگے بڑھو' میری فکر نہ کرو''۔

جب ہم قرارگاہ کے قریب پہنچے تو آگے راستے میں ایک ٹیلہ تھا' وہاں سے بارش کی طرح فائر آ رہا تھا۔ میں نے ساتھیوں سے کہا ''اللہ کا نام لے کر ٹیلے سے آگے بھاگ نکلو جو گریں وہیں پڑے رہیں باقی آگے پہنچیں''۔

وقار جہلمی نے یہ سنتے ہی ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا اور قرارگاہ کی طرف دوڑ لگا دی' انہیں دیکھ کر باقی بھی دوڑ پڑے۔ اللہ پاک نے سب کو محفوظ رکھا' ٹیلے کو پار کر کے ہم قرارگاہ تک جا پہنچے۔

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور موت کیا شے ہے؟ فقط عالم معنی کا سفر

دوسرا شہید

حزب اللہ صاحب کا بیان ہے کہ "اس جنگ میں اکثر ساتھی رات سے بھوکے پیاسے تھے جنگ کے لئے عموماً مرکز سے کچھ کھا پی کر نکلتے ہیں مگر اس رات ہم تین بجے نکلے تو جس گروپ کے پاس کھجوریں تھیں وہ کہیں پیچھے رہ گیا پھر دن بھر پانی کی بھی ایک بوند نہ مل سکی۔ ساری جنگ اس حالت میں لڑی گئی۔

فتح کے بعد قرارگاہ سے کھانے کی بہت چیزیں ملیں پانی کا ایک ڈرم بھرا رکھا تھا۔ سب پیاسے تھے کچھ ساتھی کہیں سے چینی لے آئے جگ میں شربت بنا کر پی ہی رہے تھے کہ ایک اوپر پوسٹ سے اچانک ٹینک کا گولہ ہمارے درمیان آ کر خوفناک دھماکے سے پھٹا غلام سرور، عدیل اور اسماعیل زخمی ہو گئے اور ہمارے ایک ساتھی عبدالرحمان جو ٹوبہ ٹیک سنگھ سے تعلق رکھتے تھے جام شہادت نوش کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ گولے کا ایک پرچہ عدیل کی بائیں کلائی کی دونوں ہڈیوں کو چکنا چور کرتا ہوا آر پار ہو گیا۔

قاری نعمت اللہ جروار اپنے زخمی ہونے کا واقعہ سناتے ہیں کہ "میں زخمی ساتھیوں کو اٹھا کر نیچے لا رہا تھا کہ کمانڈر فاروقی صاحب نے جو خود بھی زخمی تھے، مجھے ہدایت کی کہ "آپ قرارگاہ جائیں کہیں اور زخمی یا شہید ساتھی وہاں نہ رہ گئے ہوں"۔

میں جس راستے سے آیا تھا اسی سے واپس ہو گیا، یہاں ہر طرف بارودی سرنگیں بچھی ہوئی تھیں ان کے تار کاٹ کاٹ کر اپنا راستہ بناتا جا رہا تھا کہ ایک بارودی سرنگ نظر آئی اس سے بچ کر ایک دو قدم ہی چلا تھا کہ زبردست دھماکہ ہوا میں سمجھا کوئی گولہ آ کر پھٹا ہے کیونکہ اس وقت دشمن کی ایک اور پوسٹ سے گولہ باری ہو رہی تھی مگر ہوا یہ تھا کہ اس سرنگ کا زمین میں چھپا ہوا تار میری ایڑی میں گھسا اور سرنگ پھٹ گئی۔ میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی وہاں کا گوشت بھی اڑ گیا تھا۔

یہاں کوئی ساتھی نہ تھا، میں نے مخصوص علامتی فائر کئے سنتے ہی کچھ ساتھی آئے اور مجھے اٹھا کر لے گئے۔ رات نو بجے کے بعد تک ساتھی قرارگاہ سے زخمیوں کو اٹھا کر لاتے رہے۔ ہمارے ۱۹ مجاہد زخمی اور دو شہید ہوئے تھے۔

جن دو پوسٹوں پر مولانا پیر محمد اور ان کے ساتھیوں نے حملہ کیا تھا، وہ بھی فتح ہو چکی تھیں۔ جب رات کو ہم سب اپنے مرکز آنے لگے تو دشمن کے طیارے آ گئے اور شدید بمباری کی لیکن اللہ نے سب کو بچا لیا۔

مجدد جہاد حضرت مولانا ارشاد احمد شہید رحمہ اللہ کی ایک جھلک اور مولانا مسعود کشمیری شہید رحمہ اللہ

دسمبر ۱۹۷۹ء میں کمیونسٹ فوجوں نے افغانستان پر دھاوا بولا تو لیلائے شہادت کا متمنی یہ مجنوں اپنی منزل کو قریب دیکھ کر بے سروسامانی کے باوجود اپنے دو ساتھیوں سمیت باڑی (خوست) کے قریب افغان مجاہدین سے آملا۔ جہاد کے مراحل بڑے کٹھن ہوتے ہیں ہم سفروں نے اکتا کر واپسی کی اجازت چاہی تو ایک لمحہ اداسی کا آیا' لیکن سنبھل گیا۔ بجھے دل سے دونوں کو رخصت کیا چند دنوں بعد واعدوا لھم مااستطعتم من قوۃ کے حکم پر عمل کے لئے پاکستان کے دینی مدارس کا اس امید پر چکر لگایا کہ سالانہ امتحان قریب ہیں احقر سمیت نو افراد تیار ہوئے ابتداء شمالی وزیرستان کے ایک قبرستان میں ڈیرا لگایا مولانا ارشاد احمد شہید رحمہ اللہ نے احقر کو ساتھ لے کر متعدد بار پشاور میں افغان لیڈروں سے ملاقاتیں کیں۔ مفتی محمود رحمہ اللہ کو ذریعہ اعتماد ٹھہرایا۔ آخر مولانا نصر اللہ منصور شہید رحمہ اللہ سے باضابطہ اجازت نامہ لے کر جنوبی وزیرستان کے راستے کئی دن کے پیدل سفر کے بعد ارگون کے قریب مولانا ارسلان رحمانی کے جہادی دستے سے وابستہ ہوگئے۔ مولانا ارشاد احمد کا جہادی نام سیف اللہ تھا۔ دبلا جسم اور دراز قد' دل میں مسلمانوں کا درد اور چہرے پر فکر و ہوشمندی کا ملا جلا تاثر' خود پسندی و خودنمائی سے کوسوں دور فنافی الجہاد۔ ساتھیوں نے آغاز سفر میں ان کو امیر مقرر کیا تھا۔ لیکن اس نے کبھی اپنی امارت کو جتلایا نہیں۔ اپنے مقصد میں سنجیدگی کے باوجود خوش مزاج تھے۔ کسی سے ناراض نہ ہوتے معاملات میں صاف اور کھرے اپنی جیب سے رفقاء کو اس شرط پر قرضہ دیتے کہ اگر شہید ہوجاؤ تو معاف۔

صفائی معاملات کا قصہ ڈاکٹر عبیدالرحمٰن (گوجرہ) نے سنایا' فیصل آباد میں مولانا کو موٹر سائیکل کی ضرورت پیش آئی تو ڈاکٹر صاحب نے ایک دوست سے عاریتاً لے کر دے دی' چند گھنٹوں کے بعد واپس دے گئے۔ کچھ دنوں بعد موٹر سائیکل کے مالک نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا ''وہ مولوی صاحب دوبارہ موٹر سائیکل لینے نہیں آئیں گے؟ حیرانی سے اس سوال کی وجہ پوچھی تو مذکورہ دوست نے ہنس کر بتایا کہ مولانا نے تھوڑی دیر موٹر سائیکل

استعمال کر کے اس کی ٹینکی پٹرول سے بھروادی' آج ہمیں پھر پٹرول کی ضرورت ہے۔

ابتدائے جہاد میں حالات بڑے کٹھن تھے' مولانا جن افراد کو جہاد کی دعوت دے کر لاتے ان میں اکثر دل چھوڑ بیٹھتے' لیکن مولانا شہید استقامت کا پہاڑ تھے ہمت نہیں ہاری' فرصت کے اوقات میں پاکستان جاتے کچھ لوگ تیار ہو جاتے ان کو لے کر پھر مجاہدین کے ہمراہ سرگرم عمل رہتے۔ مسلسل محنت سے لوگ جڑتے گئے قافلہ بنتا گیا۔ بے باک نڈر اور باصلاحیت افراد اس قافلے میں شامل ہوتے رہے۔ مولانا شہید ہر باصلاحیت ساتھی کو آگے بڑھاتے خود پیچھے رہتے' حالانکہ عملاً وہ سب سے آگے اور جہاد میں سب سے اول تھے مولانا اس وقت ارض جہاد پر آئے جب پاکستان میں اس کا تصور بھی نہ تھا۔ پاکستان سے جانے والے سب مجاہد بالواسطہ یا بلاواسطہ انہیں کے خوشہ چین ہیں۔ مولانا نے کسی لمحے حوصلہ نہ چھوڑا۔ ارگون قلعہ کے پہلے محاصرہ میں تمام سفر پیدل تھا' مولانا بیمار ہو گئے پیچش کی شکایت تھی قافلے کے ساتھ چلتے دائیں بائیں جا کر تقاضہ پورا کرتے پھر بھاگ کر ساتھیوں سے مل جاتے مگر تکلیف کی وجہ سے مجاہدین کو نہیں روکا۔

مولانا شہید کے سامنے فقط روسی افواج کو نکالنا ہی نہیں تھا بلکہ پوری دنیا میں غلبہ اسلام مقصود تھا۔ اس لئے ساتھیوں کو منظم کیا' جماعت بنائی ان میں ایمان تقویٰ اور جہاد کی اسپرٹ پیدا کی وہ خود بھی نام و نمود سے دور تھے اوروں سے بھی اس کی توقع رکھتے تھے۔ (اس امید پر پورا نہ اترنے والوں نے نام و نمود اور جماعتوں ہی کو مقصود بنالیا)۔ وہ جذبہ شہادت سے ہمیشہ سرشار رہتے تھے اس لئے جلد ہی وصل محبوب کی گھڑی آن پہنچی۔ ۸۵ء میں اپنے رفقاء کے ہمراہ ایک جگہ حملہ کے ارادے سے روانہ ہوئے شرانہ کے مقام دشمن کی زد میں آ گئے گولے برسنے شروع ہوئے تو ٹرالی میں آگ لگ گئی مولانا کود کر آئے اور دشمن کی طرف فائر شروع کر دیا۔

پیٹ میں گولیوں کا برسٹ لگا تو اسی حال میں نعرہ بلند کرتے ہوئے آگے لپکے' کلاشنکوف مضبوطی سے تھامی ہوئی تھی۔ بالآخر گر گئے اور جلد ہی اسکے پاس پہنچ گئے جس کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے زندگی وقف کی تھی۔ وصیت کے مطابق شرانہ میں ہی اس جہاد کے متوالے کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۱۹۸۵ء کے بعد جہاد سے وابستہ ہونے والے افراد کی اکثریت تو مولانا کی شخصیت سے ناواقف ہو گی۔ لیکن جاننے والے بھی بھلانے کی کوششوں میں مصروف ہیں تاکہ ان کی خلافت بلافصل ثابت ہو جائے۔ وہ اپنی زندگی میں ان چیزوں سے بالاتر تھے بلکہ بلندترین۔

قاری امیر احمد شہید گلگتی

شہادت سے ایک سال قبل 1984ء میں جب دارالعلوم کی سالانہ تعطیلات ہوئیں تو والدین سے اجازت پہلے سے لے رکھی تھی، یہاں سے سیدھے افغانستان جا کر شریک جہاد ہوئے اور تعطیلات ختم ہونے سے پہلے وہیں سے چند روز کیلئے اپنے گھر گلگت بھی گئے۔ کراچی واپسی کے وقت والدین سے آئندہ سال (تعطیلات میں) پھر جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی تو والد صاحب نے فرمایا: ''ایک مرتبہ تم جہاد میں حصہ لے چکے ہو، حافظ قاری بھی ہو چکے ہو، مزید تعلیم میں مشغول رہو، یہی تحصیل علم بھی بذات خود جہاد ہے''۔

بیٹے نے ادب سے عرض کیا: ''جہاد افغانستان میں ہمیں جن حالات و واقعات کا مشاہدہ ہوا ہے ان کی موجودگی میں خاموش تماشائی بن کر بیٹھ رہنا، غیرت ایمانی کیخلاف ہوگا، وہاں ماؤں بہنوں کی عصمتیں لٹ گئیں، مساجد اور مدارس کو مویشی خانہ بنادیا گیا، آبادیاں ویران اور فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔''

والد صاحب نے ان کا جذبہ دیکھ کر دوبارہ جہاد میں شرکت کی اجازت دیدی، مگر ماں نے کہا: ''بیٹا! ہمارا بھی تم پر حق ہے، سال بھر آنکھوں سے دور رہتے ہو، ہم تمہارے آنے پر خوشی مناتے ہیں، کم از کم تعطیلات تو ہمارے ساتھ گذار لیا کرو''۔

عظیم بیٹے نے لجاجت سے کہا: ''پیاری امی! میں نے دنیا کی چند روزہ خوشیاں آخرت کی دائمی خوشیوں پر قربان کر دی ہیں'' اب دنیا کی خوشیوں کی توقعات میرے ساتھ وابستہ نہ رکھیں۔ ان شاء اللہ آخرت میں ہم سب کو دائمی خوشیاں ملیں گی''۔

ماں کی مامتا نے بھی اجازت دیدی۔

چنانچہ اگلے سال تعطیلات میں دوبارہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ارغون کے محاذ پر پہنچ گئے اور ۶ شوال ۱۴۰۵ھ کو ''شرنہ'' کے خون ریز معرکے میں جام شہادت نوش کیا۔ لیکن

جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں   آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں

(پرسرار)

حافظ محمد عبداللہ شہید گلگتی

حاجی عبدالخالق صاحب کے یہ ہونہار فرزند 1964ء کو گلگت میں پیدا ہوئے، مقامی سکول میں چوتھی جماعت تک پڑھنے کے بعد سکول کے ماحول سے دل اچاٹ ہوگیا، اور دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوا، مگر اس کے مواقع میسر نہ آئے کچھ زمانہ تبلیغی جماعت میں لگایا، ان کے والد صاحب کا بیان ہے کہ "میں نے ان کو ہدایت کردی تھی کہ 3 سال سے پہلے گھر نہ آنا چنانچہ 3 سال تک تعطیل کا زمانہ تبلیغ میں لگاتے رہے، 3 سال بعد 1986ء میں گھر آنا تھا لیکن 1985ء کی تعطیلات سے پہلے انہوں نے ایک خط میں لکھا کہ: "میری تمنا ہے کہ روزِ قیامت سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ملاقات حاصل کروں اس لئے آپ مجھے جہادِ افغانستان میں شرکت کی اجازت دیدیں"۔

میں نے تعطیلات میں محاذ پر جانے کی اجازت دیدی"۔ چنانچہ یہ بھی تعطیلات میں ارغون کے محاذ پر چلے گئے اور ۶ شوال کو شرنہ کے خون ریز معرکے میں اپنے امیر کے ساتھ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

" وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ، بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ، فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ "

" جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کردیئے گئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق ملتا ہے وہ ان نعمتوں سے خوش ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں"۔ (سورۃ آلِ عمران: ۱۶۹ تا ۱۷۰)

عبدالواحد شہید ایرانی رحمہ اللہ

ایران کے سنی خاندان کے یہ فرزند، علم دین کی پیاس لے کر پاکستان آئے،، دینی تعلیم کے حصول کے بعد ذہن میں یہ بات راسخ تھی کہ مسلم قوم کو جہاد کے بغیر عزت نہیں مل سکتی۔ ۱۴۰۵ھ کی سالانہ تعطیلات میں ارغون کے محاذ پر مصروف جہاد رہے، اور شرنہ کے معرکہ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت کی عظمتوں سے سرفراز ہوئے۔

سردیٔ مرقد سے بھی افسردہ ہوسکتا نہیں — خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں

(پرسرار)

عبدالرحمٰن شہید افغانی رحمہ اللہ

یہ محمد اعظم صاحب زکریانی کے فرزند ہیں، افغانستان کے علاقے ''رستاق'' صوبہ تخار میں پیدا ہوئے ان کے بعض اہل خاندان اور رشتہ داروں کو ظالم روسی فوج نے شہید کر دیا تھا، یہ اس وقت بچے تھے، خاندان سے بچھڑ گئے، کسی نہ کسی طرح مہاجرین کے قافلہ میں شامل ہو کر پیدل چلتے ہوئے پاکستان پہنچے پاکستان میں دینی تعلیم کے حصول کے بعد جہاد کا جذبہ لئے ارغون کے محاذ پر جا کر نمایاں کارنامے انجام دیئے، کئی روسیوں کو جہنم رسید کیا اور تعطیلات کے آخر میں ''شرنہ'' کے محاذ پر دلیری سے لڑتے ہوئے شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ اس وقت عمر کا بیسواں سال تھا۔

۶ شوال ۱۴۰۵ھ کی شام کو جب زندگی کے اس آخری معرکہ کیلئے روانہ ہو رہے تھے، اسی روز پاکستان آنے والے کسی ساتھی کو ایک خط دیا جو میرے بیٹے مولوی محمد زبیر عثمانی سلمہ کے نام تھا، یہ دونوں ہم جماعت تھے وہ خط اس وقت میرے سامنے ہے اس میں لکھا ہے کہ:

''بندہ ناچیز کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں تاکہ اللہ مجھ کو اور باقی ساتھیوں کو جہاد مقدس کی راہ میں استقامت اور صبر و ہمت عطا فرمائیں اور اپنی راہ میں قبول فرمائیں اور تمام مسلمانوں کو اس راستہ میں نکلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ کو بھی اس لئے کہ اس کے بعد زندگی گذارنا بدون جہاد مشکل ہے۔ جہاد ''ذروۃ سنام الدین'' اسی وقت بن سکتا ہے جب ہم اس دین کی حفاظت کیلئے پوری اپنی جان و مال قربان کر دیں...... آخر کو مرنا ہے پھر کیوں شہید ہو کر نہ مریں؟'' ''وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ''

یہ خط ان کی شہادت کے بعد وصول ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ مگر

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

(پرسرار)

محمد اقبال گلگتی

عبدالرحمٰن صاحب کے یہ فرزند گلگت میں پیدا ہوئے۔ عینی تعلیم کے حصول کے بعد طبیعت میں نفاست ونزاکت مگر دل جذبہ جہاد سے معمور تھا۔ ۱۴۰۵ھ کی تعطیلات میں جبکہ تعلیم کا مرحلہ ''مرحلہ ثانویہ خاصہ'' مکمل کر چکے تھے اور عمر ۲۰ سال تھی ارغون کے محاذ پر مصروف جہاد رہے اور ۶ شوال کے معرکہ ''شرنہ'' میں اپنے امیر کے ساتھ شہادت پا کر ایثار وقربانی کی مثال قائم کر گئے۔

زندگانی تھی، تری مہتاب سے تابندہ تر خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مولوی محمد سلیم شہید برمی رحمہ اللہ

عبدالہادی صاحب کے یہ سعادت مند صاحبزادے ۱۹۶۱ء میں ملک برما میں پیدا ہوئے، وہیں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی اور مسلمانوں پر وہاں کی سوشلسٹ حکومت کے مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے، جن میں لاکھوں مسلمان اپنا دین اور عزت بچانے کیلئے ہجرت پر مجبور ہو گئے۔

ان کی طبیعت میں ظرافت تھی، محاذ پر عین اس وقت بھی جبکہ آگ اور گولوں کی بارش ہو رہی تھی، مجاہدین ان کے مزاحیہ چٹکلوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے۔ ایک مرتبہ انہیں تین رفقاء کے ساتھ گشت کی ڈیوٹی پر بھیجا گیا، واپسی میں یہ چاروں راستہ بھول گئے ایک ساتھی نے مشورہ دیا ''مقررہ قاعدہ کے مطابق ۳ فائر کرو، ہمارے ساتھی ان کی آواز سن کر جوابی فائر کریں گے اس سے ہمیں سمت کا اندازہ ہو جائے گا''۔ دوسرے ساتھی نے کہا ''فائر کیسے کریں؟ ہم دشمن کی چوکی کے بالکل قریب ہیں۔'' سلیم بولے: ''آہستہ سے فائر کرو کہ دشمن نہ سن سکے''۔

۱۴۰۵ھ کے شرنہ کے معرکہ میں شدید زخمی ہو گئے ان کو پاکستان لانے کیلئے ایک اونٹ پر باندھ دیا گیا کہ بیٹھنے پر قادر نہ تھے، دوسرے زخمی ساتھیوں کو بھی اسی طرح اونٹوں پر باندھنا پڑا......

ابتدائی طبی امداد بھی دور دور میسر نہ تھی، جوان خون مسلسل بہتا رہا یہاں تک کہ راستہ ہی میں اپنے

مالک حقیقی سے جا ملے۔ "شرنہ" کے قریب ایک افغانی گاؤں "موش خیل" میں لاش پہنچائی گئی۔

یہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ پچھلے گاؤں "کوٹ دال" کے لوگ آ گئے اور "موش خیل" کے باشندوں سے کہا کہ ہم اس شہید کو بھی اپنے گاؤں لے جانا چاہتے ہیں تا کہ جہاں ان کے امیر اور دیگر شہداء کو رکھا گیا ہے اسی قبرستان میں ان کو بھی رکھا جائے۔ موش خیل والے کسی طرح تیار نہ ہوئے ان کا کہنا تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت ہمیں بخشی ہے ہم ان کو اپنی بستی میں رکھیں گے"۔ بحث وتکرار کے بعد بالآخر جب ان کو "موش خیل" ہی میں سپرد خاک کیا جا رہا تھا تو گاؤں والوں کی آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آنسو اس پردیسی شہید کو نذرانہ عقیدت پیش کر رہے تھے۔

سر خاک شہیدے، برگہائے لالہ می پاشم کہ خونش بانہال مت ماساز گار آمد

(پرسرار)

دو شہیدوں کا باپ

ڈیرہ اسماعیل خان سے جو تین مجاہد ہمارے قافلے میں شامل ہوئے تھے ان میں ایک "تونسہ شریف"، ضلع ڈیرہ غازی خان کے تقریباً ستر سالہ بزرگ عالم دین جناب مولانا شمشیر علی صاحب جرّار تھے، بڑے شوق اور جذبے سے محاذ پر جا رہے تھے ان کے انداز سے محسوس ہوتا تھا کہ پہلے بھی اس محاذ پر آ چکے ہیں ...... ساتھیوں نے بتایا کہ ان کے تین صاحبزادوں میں سے دو اسی محاذ پر ایک ایک سال کے وقفہ سے شہید ہو چکے ہیں، تیسرا جو سب سے چھوٹا...... اور اب اکلوتا بیٹا ہے۔

منجھلے صاحبزادے "نعیم اللہ ساجد شہید" جنہوں نے سکول کی آٹھویں جماعت پاس کرنے کے بعد صرف ڈیڑھ سال میں پورا قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر جامعہ فاروقیہ کراچی میں درس نظامی کے سال چہارم تک ہر سال اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہوتے رہے، سندھی، پشتو، سرائیکی، اردو اور فارسی زبانیں جانتے تھے، عربی کی تعلیم بھی چار سال کی ہو چکی تھی۔ ۱۴۰۵ھ میں سال چہارم کے وفاق المدارس کے امتحان میں پورے پاکستان کے طلباء میں تیسری پوزیشن حاصل کی، لیکن نتیجہ آنے سے پہلے ہی ۲ شوال ۱۴۰۵ھ کو "شرنہ" کے اس

خونی معرکے میں اپنے امیر کے ساتھ شہادت کے انعام سے سرفراز ہوگئے۔

بڑے صاحبزادے ''مولانا خالد سیف اللہ جروار شہید'' حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم دین تھے، بی اے، ایل ایل بی کا امتحان بھی پاس کیا، جہاد کے عملی میدان میں کئی بار شریک ہوئے اور کراچی میں ''حرکۃ الجہاد الاسلامی'' کے دفتر میں بھی بڑی مخلصانہ خدمات انجام دیتے رہے۔ ناچیز سے اس سلسلے میں کئی بار ملاقات ہوئی۔ اپنے چھوٹے بھائی (نعیم اللہ ساجد) کی شہادت کے اگلے سال محاذ پر آئے تو ۱۴ جولائی ۱۹۸۶ء کو ''ارغون'' کے علاقے ''خرگوش'' کے قریب ایک زبردست معرکہ ہوا، دو بجے جبکہ میدان کارزار گرم تھا، مجاہدین نے وقفہ وقفہ سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں کر کے نمازِ ظہر ادا کی، دو منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ دشمن کے گولے سے ایک مجاہد زخمی ہوگیا، سیف اللہ خالد اسے اٹھانے کیلئے مورچے سے نکلے، مگر اسے لپک کر کسی دوسرے ساتھی نے اٹھالیا، سیف اللہ خالد اپنے مورچے کی طرف مڑنے کو تھے کہ ٹینک کا ایک اور گولہ آیا، جس سے وہ اسی وقت شہید ہوگئے، آبائی گاؤں ''دبستی جت والا'' تحصیل تونسہ شریف لاکر سپرد خاک کیئے گئے۔ (پر سرار)

دار العلوم کراچی کے شہید طلبہ

مجاہدین افغانستان سالہا سال سے جس جوانمردی اور شجاعت کے ساتھ دنیا کی ایک بڑی مادی طاقت کا مقابلہ کر رہے ہیں، وہ دنیا بھر کیلئے حیرت انگیز ہے۔ یہ جہاد ہماری سرحد کے بالکل کنارے ہو رہا ہے۔ اور ایک رائے کے مطابق مجاہدین کی یہ قربانیاں صرف افغانستان کیلئے نہیں بلکہ پاکستان کے تحفظ کیلئے بھی یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں عوام کو اس جہاد کی اہمیت کا احساس نہیں، اور اس سلسلے میں عوام کے اندر وہ جذبہ اور جوش و خروش نظر نہیں آتا جو ہونا چاہیے۔

لیکن بے حسی کے اس عالم میں کچھ سعید روحیں ایسی بھی ہیں جو نہ صرف اس جہاد سے قلبی وابستگی رکھتی ہیں بلکہ اس میں عملاً حصہ لیکر اس کیلئے اپنے جان و مال کا نذرانہ پیش کرتی رہتی ہیں۔

پچھلے دنوں دار العلوم کراچی کے تقریباً بیس طلباء بھی جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر کسی نہ کسی

کی کارروائی کے بغیر اپنے طور پر اس جہاد میں عملاً شریک ہوئے۔اور بفضلہٖ تعالیٰ انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کردیا کہ بسم اللہ کے گنبد میں رہنے والے یہ بوریہ نشین جب سرفروشی اور جاں سپاری پر کمرہ باندھ لیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لے سکتے ہیں۔انہوں نے بہت مختصر مدت میں جنگ کی تربیت حاصل کی اور بحمداللہ جہاد میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

اب اطلاع ملی ہے کہ ان میں سے چھ طلبہ ایک شدید معرکے کے دوران شہید ہوگئے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اطلاع کے مطابق ان چھ طلباء کے نام یہ ہیں:

۱۔امیر احمد ۲۔محمد سلیم ۔۳۔عبدالرحمٰن ۔۴۔محمد عبداللہ۔۵۔محمد اقبال۔۶۔عبدالواحد

یہ سب دارالعلوم کے بڑے ہونہار طالب علم تھے،اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ بیتاب انہیں اپنی چھٹیوں کے دوران میدان جنگ تک لے گیا، وہاں انہوں نے جس عزیمت واستقامت کے ساتھ خالص اللہ کیلئے جان دی، وہ ہم سب کیلئے لائق رشک بھی ہے اور قابل فخر بھی۔انہوں نے گولوں کی شدید بارش میں بھی نہ صرف یہ کہ دشمن کو پشت نہیں دکھائی بلکہ آخر وقت تک شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے اور شہادت کی موت کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ان میں سے بعض طلبہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ جاتے وقت اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ ہمارے لئے دعا کرنا کہ ہمیں شہادت نصیب ہو۔

فلست ابالی حین أقتل مسلما علی أیّ جنب کان، للہ مصرعی
وذٰلک فی ذات الالٰہ وان یّشاء سارک علی اَوصال شلو ممزّع

(نقوش رفتگان)

حافظ عبدالغفار رحمہ اللہ کی شہادت

حافظ عبدالغفار شہید انتہائی نیک سیرت، خوش اخلاق، باکردار و باوقار نوجوان تھے وہ جامعہ خیر المدارس کے شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد شریف کشمیری نور اللہ مرقدہٗ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد مسعود شہیدؒ کی دعوت پر ۱۹۸۹ء سے عملی جہاد میں مصروف تھے۔ آپ کا شماران مجاہدین میں ہوتا تھا جنہوں نے روسی بربریت کے خلاف استقامت وقربانی اورحق کیلئے جاں نثاری کی سنہری داستانیں رقم کیں۔ حافظ عبدالغفار شہیدؒ روسیوں کے خلاف ایک معرکہ میں خوست کے محاذ پر شدید زخمی بھی ہوئے مگر تندرست ہونے کے بعد پھر فریضہ جہاد کی بجا آوری میں مصروف ہوگئے۔ افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلاء کے بعد آپ تحریک طالبان سے وابستہ ہوگئے تھے اور ہر سال چار ماہ طالبان کی ہدایات کے مطابق محاذ پر گزارتے تھے۔ اب بھی تقریباً ساڑھے تین ماہ سے محاذ جنگ پر تھے اور قندوز اور طالقان کی فتح میں عملاً شریک تھے۔ اب مزار کی طرف پیش قدمی جاری تھی کہ ۲۸/ جمادی الاخریٰ بروز بدھ جس وقت حافظ عبدالغفار اگلے مورچوں پر اپنے مجاہد ساتھیوں کی خدمت کیلئے دستر خوان بچھا رہے تھے، توپ کا ایک گولہ قریب آکر پھٹا، جس سے آپ شدید زخمی ہوگئے۔ اس حالت میں آپ تقریباً ۲۵ منٹ زندہ رہے۔ کسی قسم کی گفتگو نہیں کی، مگر ہونٹوں کی مسلسل حرکت سے معلوم ہوتا تھا کہ قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر و تسبیح میں مشغول ہیں۔ اسی کیفیت میں روح عالم بالا کی طرف پرواز کرگئی۔ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ حافظ عبدالغفار شہید کی شہادت کو قبول فرمائیں اور انہیں شہداء وصدیقین کی رفاقت اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں۔ پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازیں۔

آمین ثم آمین۔ (شعبان ۱۴۲۱ھ) (مسافران آخرت)

شہدائے ناموس رسالت

غازی عبدالرشید شہید (یو۔پی)

شردھانند کے ایک چیلے نے ''جڑ پٹ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام، خاص کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت لوط، حضرت ایوب، حضرت اسحاق علیہم السلام کی شان میں اس قدر سخت گستاخیاں بالکل عریاں الفاظ میں کی گئی تھیں کہ اس خباثت کا تصور بھی مشکل ہے۔ ''جڑ پٹ'' میرے دفتر ''ریاست'' میں ریویو کے لئے آئی تھی اور دل پر پتھر رکھ کر اسے ایک نظر دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ شردھانند کا کلیجہ اس قدر سخت اشتعال انگیزیوں پر بھی ٹھنڈا نہ ہوا اور اس نے خاندانِ مغلیہ کی بے گناہ شہزادیوں کے خلاف فحش ڈرامے لکھنے کی تحریک سارے ملک میں شروع کر دی۔ چنانچہ اس نوعیت کے کئی ڈرامے اردو، ہندی میں لکھے گئے۔ شہزادی زینت آراء بیگم کے متعلق ایک ڈرامہ ''اخبار'' اور ''ریاست'' میں میری نظر سے گذرا ہے جس میں اس پاکدامن شہزادی کو انتہائی بد چلن عورت کے روپ میں پیش کیا گیا تھا۔ بعد میں جب آریہ سماجیوں نے اس ناپاک ڈرامے کو سٹیج پر پیش کرنے کی کوشش کی تو کئی شہروں میں ہنگامے بھی ہوئے۔

مسلمانوں کے سینے میں بھی دل تھا۔ وہ غلامانِ بارگاہ رسالت کی شانِ اقدس و اعلیٰ میں شرمناک گستاخیوں، انبیائے کرام علیہم السلام پر پر خباثت حملے، قرآن مجید کی آیتوں کا مذاق اور بے گناہ مغل شہزادیوں کے خلاف فحش ڈرامے جو سب کچھ شردھانند کی قیادت میں شردھانند کے اشارے سے ہو رہا تھا، کب تک برداشت کرتے۔ ضبط وصبر کی آخر حد ہوتی ہے جس سے آگے بڑھنے کا نام بے غیرتی ہے۔ قاضی عبدالرشید مرحوم پیشہ کے لحاظ سے

خوش نویس تھے۔ لمبا قد، چھریرا جسم، گندمی رنگ، لمبا چہرہ، کرتہ پاجامہ، ترکی ٹوپی، یہ ان کی عام پوشاک تھی۔ شردھانند کے زمانہ قتل کے قریب اخبار ''ریاست'' میں فرائض کتابت انجام دیتے تھے۔ دفتر کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں تھا، گلی میں دروازہ اور سپلینڈ روڈ کے سامنے برآمدہ۔ قید علائق سے آزاد ہونیکے باعث میں ''ریاست'' کے دفتر ہی میں دن رات رہتا تھا، قاضی صاحب کی نشست میری میز کے قریب تھی۔ دفتر میں آریہ سماجیوں کے جو اخبارات و رسائل اور دیگر پمفلٹ اور ڈرافٹ وغیرہ تبادلہ و ریویو کی غرض سے دفتر میں آتے رہتے تھے، وہ بہت غور اور سنجیدگی سے پڑھتے رہتے تھے۔ نماز کے بہت پابند تھے، دفتر کے اوقات میں ظہر و عصر کی نمازیں ہمیشہ دریبہ کی مسجد میں جماعت سے ادا کرتے تھے اور آریہ سماجیوں کی نجس و ناپاک حرکتوں سے ان کے جذبات بے انتہا مجروح ہو چکے تھے۔

واقعہ قتل سے تین چار دن پیشتر قاضی عبدالرشید مرحوم بہت گم صم رہتے تھے۔ کام میں دل نہ لگتا تھا، جب تک جی چاہتا کتابت کرتے اور جب چاہتے تو برآمدے میں بچھے ہوئے کھرے پلنگ پڑے رہتے تھے۔ ریاست کے پروپرائیٹر دیوان سنگھ ان دنوں نابھہ کے معزول آنجہانی مہاراجہ پردھن سنگھ کے کسی سیاسی و ذاتی کام سے دو ہفتوں کیلئے شملہ گئے ہوئے تھے۔ دفتر کے انتظامات درست رکھنے اور اخبار کو بروقت نکالنے کی ساری ذمہ داری میرے اور سردار گنجن سنگھ مینجر کے ذمے تھے۔ قاضی عبدالرشید مرحوم کو میں نے ان کی بے توجہی پر ایک دو مرتبہ ٹوکا لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔

جمعرات 23 دسمبر کو اخبار کی آخری کاپی پریس بھیجنے کیلئے جوڑی جا رہی تھی۔ دفتر کا وقت 9 بجے مقرر تھا۔ دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور منشی قاضی عبدالرشید کا پتہ نہ تھا۔ چند اشتہاروں کے چربے اور مسودے انہی کے پاس تھے۔ قاضی صاحب کے اس قدر دیر سے آنے پر ہیڈ کاتب منشی نذیر حسین میرٹھی نے اعتراض کیا تو جھلا کر جواب دیا۔ ''چولہے میں گئی تمہاری کاپی''۔ یہ کہہ کر کام کرنے کی بجائے برآمدے میں پلنگ پر لیٹ رہے۔ میں نے

اعتراض کیا، کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے سردار گجن سنگھ منیجر سے شکایت کی۔ ان کے اصرار پر برہم ہو گئے۔ بولے، مجھے نوکری کی پرواہ نہیں، لکھ دو اپنے سردار کو میں کام نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر پلنگ سے اٹھے، قلمدان بغل میں دبایا اور چل دیئے۔ چار پانچ بجے سہ پہر کے درمیان دریبہ کے ہندو علاقے میں سنسنی اور بے چینی سی محسوس ہوئی، سامنے سڑک پر ایک دو زخمی بھی گزرے۔ اس زمانے میں خبر رسانی کے ذرائع بہت محدود تھے۔ شہر میں ٹیلی فون تک کم تعداد میں تھے۔ ساڑھے پانچ بجے شام کے درمیان روزنامہ ''تیج'' کا ضمیمہ شائع ہوا جس میں شردھانند کے قتل کی تفصیلات کے ساتھ قاضی عبدالرشید کی تصویر بھی تھی کہ ہتھکڑیاں پہنے پولیس کی حراست میں کھڑے تھے اور جسم پر چادر ہے۔ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ قاضی صاحب مرحوم اسی چادر میں پستول چھپا کر شردھانند کے دفتر گئے تھے اور اسے گولی کا نشانہ بنا دیا تھا۔

قاضی صاحب نے عدالت میں اقبال جرم کیا۔ 15 مارچ 1926ء کو سیشن کورٹ سے پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ سیف الدین کچلو نے سیشن کورٹ میں کسی معاوضہ کے بغیر پیروی کرنے کے علاوہ لاہور ہائی کورٹ میں اپیل بھی دائر کی مگر مسترد ہو گئی اور جولائی 1927ء کے آخری ہفتے یا اگست کے اوائل میں غازی عبدالرشید نے دلی سنٹرل جیل میں پھانسی کے تختے پر جام شہادت نوش کیا۔

غازی محمد حنیف شہید رحمہ اللہ

غازی محمد حنیف شہیدؒ نے اپنی بے مثال وفاؤں کا باب مسلم ریاستی دارالحکومت ''بھوپال'' میں رقم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ وسط ہند کے اس تہذیبی شہر میں ایک گرلز ہائی سکول کی انگریز ہیڈ مسٹریس نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت مدرسہ کی صفائی کے بہانے قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق ایک خاکروب کے ہاتھوں کوڑے میں ڈلوائے اور جب اس پر احتجاج کیا گیا تو اس بدزبان و بدنصیب عورت نے قرآن پاک' دین متین اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا اور اشتعال انگیز الفاظ کہے۔

بھوپال کے ایک غیرت مند نوجوان محمد حنیف نے جو پیشے کے اعتبار سے قصاب تھے' انگریز عورت کو راستے میں روک لیا اور اس سے کہا کہ وہ اپنی اس ناپاک جسارت اور شیطانی حرکت پر شہر کے مسلمانوں سے معافی مانگے اور اعلان توبہ کرے۔ حکومت کے نشہ میں چور اس بنت ابلیس نے یہ مطالبہ ٹھکرا دیا اور مجاہد ملت کے ہاتھوں انجام کو پہنچی۔ غازی محمد حنیف اس غلط کار عورت کو کیفر کردار تک پہنچا کر تھانے میں حاضر ہو گئے۔ اقبال فعل کیا اور تمام عدالتوں میں اعتراف حقیقت بیان فرمائی۔ کچھ عرصہ جیل میں گزرا' مقدمہ کی سماعت ہوئی اور محمد حنیف غازی کو پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔

(شہیدان ناموس رسالتؐ ۴۴۲)

مولانا شمس الدین شہید رحمہ اللہ

حضرت مولانا شمس الدین شہیدؒ 1945ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد محمد زاہد فورٹ سنڈیمن کے نامور عالم دین شمار کئے جاتے ہیں۔ مولانا شمس الدین شہیدؒ نے میٹرک کے بعد مختلف دینی مدارس میں دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک اور مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ العالی سرفہرست ہیں۔ دورہ حدیث 1969ء میں مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے کیا۔ جس وقت مولانا شمس الدینؒ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں تعلیم مکمل کررہے تھے۔ چند نوجوان مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں جمع ہوئے تا کہ اس امر پر غور کیا جائے کہ ملک میں اسلامی نظام کے لئے عملی جدوجہد کی جائے۔ کافی غور وخوض کے بعد جمعیت طلبا اسلام کا قیام عمل میں لایا گیا اور ملک کے دوسرے صوبوں میں کنویز مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس میں جب صوبہ بلوچستان کا نام آیا تو وہ اس مدرسہ کا نوجوان طالب علم جس کی پیشانی سے عزم وہمت کے سوتے پھوٹ رہے تھے' کھڑا ہوا اور کہا کہ بلوچستان کی ذمہ داری میں اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ ان کی اس پیشکش کو قبول کرلیا گیا اور اس نوجوان کو بلوچستان کا پہلا کنویز مقرر کردیا۔ یہ وہ نوجوان تھا جو بعد میں "شمس الدین شہیدؒ" کے نام سے تاریخ بلوچستان میں جگمگا رہا ہے۔

مولانا شمس الدین شہیدؒ نے جن محاذوں پر خاص طور پر کام کیا۔ ان میں ایک محاذ مرزائیت کا بھی ہے۔ انہوں نے جمعیت طلبا اسلام کے جیالوں سے مل کر بلوچستان سے مرزائیت کا جنازہ نکال دیا تھا۔ 1973ء میں جب قادیانیوں نے انتہائی دجل وفریب کے ساتھ قرآن پاک کے معنی ومفہوم میں ملحدانہ تحریف کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے بطور خاص شائع کئے تو مولانا کی غیرت ایمانی جوش میں آئی۔ آپ نے مطالبہ کیا کہ قرآن شریف کے تحریف شدہ نسخے کو فوراً ضبط کیا جائے اور قادیانیوں کو فوراً یہاں سے نکال دیا جائے۔ حکام نے اسے معمولی بات سمجھ کر ٹالنے کی کوشش کی۔ اس ناپاک حرکت پر فورٹ سنڈیمن کے غیور مسلمان سراپا احتجاج بن گئے۔ عوام نے اپنے عقائد کی کھلم کھلا توہین کے

خلاف احتجاج کے لئے 15 جولائی 1973 کو ایک مقامی پارک میں جلسہ عام کا اعلان کر دیا۔عوام عملی کارروائی کرنے پر زور دے رہے تھے۔اس دوران ایک قادیانی مسلمانوں کے جوش اور غضب کا نشانہ بنا اور جہنم رسید ہوا۔اس موقع پر مولانا شمس الدین شہیدؒ مولانا محمد خان شیرانی اور صاحبزادہ نورالحق سمیت 36 سرکردہ حضرات رضا کارانہ طور پر گرفتاری کے لئے پیش ہوئے اور کئی راتیں تھانے میں گزاریں۔

کوئٹہ سے ژوب آتے ہوئے بگٹی کے مقام پر مولانا شمس الدین مردہ پائے گئے۔ملک گل حسن کے پٹرول کی گاڑی اس وقت وہاں سے گزر رہی تھی۔انہوں نے ژوب اطلاع کردی کہ مولوی صاحب موٹر میں مردہ پڑے ہیں،کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے۔لوگ وہاں گئے اور انہیں ژوب لے آئے۔یوں بھٹو حکومت کی شرارت پر 13 مارچ 1974ء کو مولانا شمس الدین نے جام شہادت نوش کرلیا۔گھر لانے پر سب گھر والوں،عزیز واقارب اور دوستوں نے انہیں شہید ہونے پر مبارکباد دی۔14 مارچ 1974ء کو ہزاروں اشکبار آنکھوں نے انہیں رخصت کیا۔انہیں دفن کرنے کے بعد ان کی قبر پر پھولوں کی بارش ہوئی،ان کے خون سے عطر کی خوشبو آرہی تھی۔

(شہیدان ناموسِ رسالتؐ ۲۴۶)

غازی علم الدین شہید رحمہ اللہ

زندگی میں امن اور چین سے گزر رہی تھی۔ بڑے بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ اب علم الدین کی باری تھی، چنانچہ ماموں کی بیٹی سے منگنی ہو گئی۔ شادی کی طرف پہلا قدم تھا۔

علم الدین کو گھر اور کام سے سروکار تھا۔ ''اس وقت انہیں یہ بھی علم نہ تھا کہ گندی ذہنیت کے شیطان صفت راجپال نامی بدبخت نے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ایک دل آزار کتاب (رنگیلا رسول) شائع کر کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔'' وہ سیدھے سادھے مسلمان یعنی انسان تھے۔

باہر جو طوفان برپا تھا اس کی خبر نہ تھی۔ ایک روز حسب معمول کام پر گئے ہوئے تھے، غروب آفتاب کے بعد گھر واپس جا رہے تھے تو دلی دروازے میں لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا۔ ایک جوان کو تقریر کرتے دیکھا تو رکے، کچھ سنتے رہے، لیکن ان کے پلے کوئی بات نہ پڑی۔ قریب کھڑے ایک صاحب سے انہوں نے دریافت کیا کہ انہوں نے علم الدین کو بتایا کہ راجپال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کتاب چھاپی ہے، اس کے خلاف تقریریں ہو رہی ہیں۔

وہ دیر تک تقریر سنتے رہے۔ پھر ایک مقرر آئے جو پنجابی زبان میں تقریر کرنے لگے، یہ علم الدین کی اپنی زبان تھی جس کی تربیت گھر سے ملی تھی، اردو کی تعلیم مدرسے سے ملتی تھی، مدرسے وہ گئے ہی نہیں۔ پنجابی تقریر اچھی طرح ان کی سمجھ میں آئی جس کا ماحصل یہ تھا کہ راجپال نے کتاب چھاپی ہے جس میں ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے اور نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں۔ راجپال واجب القتل ہے، اس سے اس شر انگیز حرکت کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔

علم الدین کی زندگی کے تیور ہی بدل گئے، پڑھے لکھے نہ تھے، سیدھے سادھے مسلمان تھے اور کچھ نہ سہی کلمہ تو انہیں آتا تھا، یہی بہت بڑا سرمایہ حیا تھا ان کے لئے کلمے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک سانس میں لیتے تھے۔ یہی دو سہارے، دو محور تھے ان کی سوچ کے۔

جب جہاد باللسان اور جہاد بالقلم سے کام نہ بنے تو پھر جہاد بالسیف ہی سے قضیہ نمٹتا ہے۔ علم الدین بے چارے کے اس سلسلہ میں لسان اور قلم کہاں سے آئے؟ تقریر کر سکتے نہ لکھ پڑھ سکتے لیکن ان کے ہاتھ میں وہ خوبی تھی جس نے جہاد بالسیف کا راستہ ہموار کیا، آسان کیا، اس کے پیچھے وہ شدید اور گراں قدر جذبہ تھا جو شر کو مٹانے کے لئے حرکت میں آیا۔ انہوں نے راجپال کو اس کی شرارت بلکہ شر انگیزی کی سزا دینے ضروری سمجھا۔

دلی دروازے کے باغ سے آتش نوا مقرروں کی تقریریں سن کر دیر سے گھر آئے تو طالع مند (والد) نے پوچھا، دیر سے کیوں آئے ہو؟ تو انہوں نے جلسے کی ساری کارروائی بیان کی۔ راجپال کی حرکت کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ جلسے میں اسے واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ طالع مند بھی سیدھے سادھے کلمہ گو تھے۔ ہر مسلمان کی طرح انہیں بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی گوارا نہ تھی۔ انہوں نے ابھی اس بات کی تائید کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کرنے والے بد اندیش کو واصل جہنم کرنا چاہئے۔

یوں علم الدین کو گویا گھر سے بھی اجازت مل گئی اور دشمن کا کام تمام کرنے کے خیال کو تقویت پہنچی۔ علم الدین کے دل میں جو بھانبڑ مچا تھا اس کی خبر کسی کو نہ تھی۔ وہ اپنے دوست شیدے سے ملتے، راجپال اور اس کی کتاب کا ذکر کرتے، ان دنوں کوچہ و بازار میں ہر جگہ یہی موضع زیر بحث آتا۔ جہاں دو بندے اکٹھے ہوئے، راجپال کی حرکت پر تبادلہ خیال شروع ہو گیا۔ فرنگی کی جانبداری، مجرم کو کھلی چھٹی دینے اور مسلمانوں کو جبر و تشدد کا نشانہ بنانے کا تذکرہ ہوتا۔ مسلمانوں کی تاریخی رواداری اور غیر مسلم ہمسائیوں سے حسن سلوک کی باتیں ہوتیں۔ رات دن یہی ہوتا باقی تمام موضوع اس موضوع میں دب کر رہ گئے۔ ذکر اللہ اور ذکر محمد کو اولیت حاصل نہ ہو تو اور کس موضوع کو ہو؟ شیدا اچھا لڑکا تھا لیکن ایک بھلے آدمی نے طالع مند کے دل میں شک بٹھا دیا کہ وہ آوارہ ہے، علم الدین کی اس سے دوستی ٹھیک نہیں۔ طالع مند نے بیٹے کو سمجھایا لیکن بات نہ بنی۔ علم الدین کا یہی ایک نوجوان مزاج آشنا تھا، اسی کے ساتھ علم الدین گھومتے پھرتے۔

پتہ نہ چل رہا تھا کہ راجپال کون ہے؟ کہاں ہے دکان اس کی؟ کیا حلیہ ہے اس کا؟ انجام کار علم الدین کو شیدے کے ایک دوست سے معلوم ہوا کہ شاتم رسول ہسپتال روڈ پر

دکان کرتا ہے۔ طالع مند کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ علم الدین کو کیا ہو گیا ہے، کام پر با قاعدہ نہیں جاتا، کھانے کا بھی ناغہ کر لیتا ہے۔ کیا عجب کہ علم الدین کے روز و شب کے معمولات میں جو بے قاعدگی آئی ہے اس کا سبب شیدا ہو، جس کے باپ کی نسبت خبر ملی کہ وہ جواری ہے اور اپنی دکان جوئے میں ہار چکا ہے۔

طالع مند کی طبیعت غصیلی تھی۔ علم الدین جب دیر سے گھر آئے اور طالع مند کو پتہ چلا کہ شیدے لوفر کے ساتھ پھرتے رہے ہیں، تو وہ غصہ سے لال پیلے ہو گئے۔ باپ کے سامنے جوان بیٹا خاموش سر جھکائے کھڑا رہا۔ باپ کا ادب بھی تھا، ڈر بھی تھا۔ باپ نے انہیں پکڑ کر دھکیلا اور کہا، چلا جا اس لوفر کے پاس۔ بڑے بھائی محمد دین کو اپنے چھوٹے بھائی سے بڑا پیار تھا۔ فوراً بیچ بچاؤ کے لئے آئے اور باپ کو منا لیا۔ بھائی اندر لے گیا اور ناصحانہ درس دیا۔ اونچ نیچ سمجھائی، بری صحبت سے بچنے کو کہا۔

علم الدین کو اپنی ذات پر یقین تھا اور جانتے تھے کہ وہ بری صحبت کے شکار نہیں، شیدے کے حوالے سے بری صحبت کا سن کر آبدیدہ بھی ہوئے اور برہم بھی وہ پوری طرح واضح نہیں کر سکتے۔ ان کے دل میں جو بھانبڑ مچا تھا اس کا وہ کیسے ذکر کرتے؟ موت اور زندگی کا سوال تھا، انہوں نے سر پر کفن باندھ لیا تھا لیکن کسی کو نظر نہ آ رہا تھا، اپنے ارادے کا خفیف سا اشارہ بھی کسی کو نہ دے سکتے تھے۔ مبادا کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے اور وہ شک کی بھول بھلیوں میں جا پہنچیں۔ البتہ اب اتنا ضرور ہو گیا کہ گھر میں راجپال کے قتل کی بات عام انداز میں ہونے لگی، اس گفتگو میں طالع مند اور علم الدین شریک ہوتے۔ یہ کوئی اچھنبے کی بات نہ تھی، گھر گھر اس کا چرچا تھا۔

لوگوں کے دلوں میں آگ بھڑک اٹھی تھی، ادھر باہر بھی آگ بھڑک رہی تھی۔ مسلمانوں کے لیڈر، رہنما سیاسی اور مذہبی خطیب پوری قوت سے کہہ رہے تھے کہ زبان دراز راج پال کو عبرت ناک سزا دی جائے تاکہ ایسا فتنہ پھر کبھی سر نہ اٹھائے۔ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بڑی رقت انگیز تقریر کی۔ دفعہ 144 کا نفاذ تھا جس کی رُو سے کسی نوع کا جلسہ، اجتماع نہیں ہو سکتا تھا لیکن مسلمانوں کا ایک فقید المثال اجتماع بیرون دہلی دروازہ درگاہ شاہ محمد غوثؒ کے احاطہ میں منعقد ہوا۔ وہاں اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے ناموسِ رسالت پر جو تقریر کی وہ اتنی دل گداز تھی کہ سامعین پر رقت طاری ہوگئی، کچھ لوگ تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ شاہ جیؒ نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آج آپ لوگ جناب فخر رسل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کو برقرار رکھنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آج جنس انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرہ میں ہے۔ آج اس جلیل المرتبت کا ناموس معرض خطر میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔'' اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا احمد سعید دہلویؒ بھی موجود تھے۔ شاہ جی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''آج مفتی کفایت اللہؒ اور احمد سعیدؒ کے دروازے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ اور اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ کھڑی آواز دے رہی ہیں۔ ہم تمہاری مائیں ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔ ارے دیکھو! کہیں اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ دروازہ پر تو کھڑی نہیں'' یہ الفاظ دل کی گہرائیوں سے اس جوش اور ولولہ کے ساتھ ابل پڑے کہ سامعین کی نظریں معاً دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور ہر طرف آہ وبکا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ پھر اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''تمہاری محبتوں کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہوئے لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج گنبد خضریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہؓ اور عائشہؓ پریشان ہیں۔ بتاؤ، تمہارے دلوں میں اُمہات المومنین کے لئے کوئی جگہ ہے؟ آج اُمّ المومنین عائشہؓ تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ وہی عائشہؓ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''حمیرا'' کہہ کر پکارا کرتے تھے، جنہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ یاد رکھو کہ اگر تم نے خدیجہؓ اور عائشہؓ کے لئے جانیں دے دیں تو یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں۔''

شاہ صاحبؒ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا: ''جب تک ایک مسلمان زندہ ہے ناموس رسالتؐ پر حملہ کرنے والے چین سے نہیں رہ سکتے۔ پولیس جھوٹی، حکومت کوڑھی اور ڈپٹی کمشنر نااہل ہے۔ وہ ہندو اخبارات کی ہرزہ سرائی تو روک نہیں سکتا لیکن علمائے کرام کی تقریریں روکنا چاہتا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ دفعہ 144 کے یہیں پرخچے اڑا دیئے جائیں۔

میں دفعہ 144 کو اپنے جوتے کی نوک تلے مسل کر بتادوں گا۔"

پڑا فلک کو دل جلوں سے کام نہیں جلا کر راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

داغ کا یہ شعر شاہ جیؒ نے کچھ اس انداز سے پڑھا کہ لوگ بے قابو ہو گئے۔ اس تقریر نے سارے شہر میں آگ لگادی۔ لاہور میں بدنام زمانہ کتاب' اس کے مصنف اور ناشر کے خلاف جابجا جلسے ہونے لگے۔ انہی دنوں انجمن خدام الدین نے شیرانوالہ دروازہ میں راجپال کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔

سارا ماحول شعلوں سے بھرپور ہو گیا۔ ملک کے طول وعرض میں احتجاجی جلسے ہونے اور جلوس نکلنے لگے تھے۔ آخر ایک مردِ غازی اٹھا اور اس نے ایک صبح راجپال کی دکان پر جا کر چاقو سے حملہ کیا۔ تیس برس کا یہ مجاہد اندرون یکی دروازے کا شیر فروش خدا بخش اکو جہاں تھا۔ راجپال زخمی تو ہوا لیکن اس کی جان بچ گئی۔ یہ خبر ہند کی حدود سے باہر جا چکی تھی چنانچہ افغانستان کے عبدالعزیز نامی غیور تاجر نے راجپال پر حملہ کیا لیکن انہیں پہچاننے میں غلطی ہوئی۔ غازی نے اپنی دانست میں مہاشہ راجپال پر حملہ کیا اور اس کو جہنم واصل کیا لیکن وہ سوامی ستیا نند تھا۔

اب غازی علم الدین حرکت میں آئے۔ ان کا رویہ والدین کے لئے تشویش ناک تھا' علم الدین کے کام میں بے قاعدگی اور طبیعت میں بے کلی آ گئی تھی' اکھڑپن آ گیا تھا' رویئے میں۔ طالع مند نے علم الدین کے بارے میں سوچا' اس اکھڑپن کا ایک ہی علاج ہے کہ اس کا بیاہ کر دیا جائے۔ ماں باپ کو اولاد کی پریشانی کے سلسلے میں یہی نسخہ یاد ہے' سب اسی کو آزماتے ہیں۔ طالع مند نے فیصلہ کر لیا کہ علم الدین کو جلد ہی سلسلہ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے گا۔

ادھر علم الدین کی حالت ہی اور تھی' ایک رات اس نے خواب میں دیکھا' ایک بزرگ ملے اور انہوں نے کہا علم الدین ابھی تک سو رہے ہو' تمہارے نبی کی شان کے خلاف دشمن کارروائیوں میں لگے ہیں' اٹھو جلدی کرو' علم الدین ہڑبڑا کر اٹھے' ان کا تمام جسم پسینے میں شرابور تھا' پھر آنکھ نہ لگی۔ منہ اندھیرے میں اٹھے اوزار سنبھالے اور سیدھے شیدے کے گھر پہنچے۔ شیدے کو لیا اور بھاٹی دروازہ کی طرف چلے گئے۔ ایک جگہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ عجیب بات ہے کہ علم الدین نے خواب دیکھا تھا تو ویسا ہی خواب شیدے نے رات کو دیکھا

تھا۔ دونوں ہی کو بزرگ نے راجپال کا صفایا کرنے کو کہا' دونوں پریشان ہوئے۔ کون یہ کام کرے' کون نہ کرے' دیر تک بحث چلتی رہی۔ دونوں ہی یہ کام کرنا چاہتے تھے لیکن ان میں کوئی فیصلہ نہ ہو رہا تھا' دونوں ہی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے آخر قرار پایا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ اس پر رضامند ہو گئے۔ دو مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی' دونوں مرتبہ علم الدین کے نام کی پرچی نکلی۔ شیدے نے اصرار کیا کہ تیسری بار پھر قرعہ اندازی کی جائے۔

پرچی نکالنے والا اجنبی لڑکا حیران تھا کہ یہ دونوں جوان کیا کر رہے ہیں۔ آخری تیسری بار علم الدین رضامند ہو گئے۔ اب پھر انہی کا نام نکلا۔ اب شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ علم الدین مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے۔ قرعہ فال انہی کے نام نکلا' وہی باہمی فیصلے سے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کرنے پر مامور ہوئے۔ پھر دونوں وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

گھر والوں کو خبر ہی نہ ہوئی کہ علم الدین نے کیا فیصلہ کیا ہے' ان کے اندر کب سے طوفان انہیں بے چین کر رہا ہے اور اس کا منطقی انجام کیا ہوگا؟ ان کی زندگی میں جو بے ترتیبی آئی ہے اس کا کیا سبب ہے؟ ایک مرتبہ پھر خواب میں آ کر بزرگ نے اشارہ کیا۔ علم الدین! اٹھو جلدی کرو' دیر کی تو کوئی اور بازی لے جائے گا۔ ارادہ تو کر ہی چکے تھے مکرر خواب میں بزرگ کو دیکھا تو ارادہ اور بھی مضبوط ہو گیا۔ آخری بار اپنے دوست شیدے سے ملنے گئے' اسے اپنی چھتری اور گھڑی یادگار کے طور پر دی۔ گھر آئے' رات گئے تک جاگتے رہے' نیند کیسے آتی؟ وہ تو زندگی کے سب سے بڑے مشن کی تکمیل کی بابت سوچ رہے تھے' اس کے علاوہ اب کوئی دوسرا خیال پاس بھی پھٹک نہ سکتا تھا۔ اگلی صبح گھر سے نکلے' گمٹی بازار کی طرف گئے اور آتمارام نامی کباڑیئے کی دکان پر پہنچے جہاں چھریوں کا ڈھیر لگا تھا۔ وہاں سے انہوں نے اپنے مطلب کی چھری لے لی اور چل دیئے۔ اب "نغمہ بیش از تار" ہو گیا۔ روح بے قابو ہو گئی۔

انارکلی میں ہسپتال روڈ پر عشرت پبلشنگ ہاؤس کے سامنے ہی راجپال کا دفتر تھا۔ معلوم ہوا کہ راجپال ابھی نہیں آیا' آتا ہے تو پولیس اس کی حفاظت کے لئے آ جاتی ہے۔ اتنے میں راجپال کار پر آیا' کھوکھے والے نے بتایا' کار سے نکلنے والا راجپال ہے' اسی نے کتاب چھاپی ہے۔

راجپال ہردوار سے واپس آیا تھا۔ دفتر میں جا کر اپنی کرسی پر بیٹھا اور پولیس کو اپنی آمد کی خبر

دینے کے لئے ٹیلیفون کرنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ علم الدین دفتر کے اندر داخل ہوئے' اس وقت راجپال کے دو ملازم وہاں موجود تھے۔ کدارناتھ پچھلے کمرے میں کتابیں رکھ رہا تھا' جب کہ بھگت رام راجپال کے پاس ہی کھڑا تھا۔ راجپال نے درمیانہ قد کے گندمی رنگ والے جوان کو اندر داخل ہوتے دیکھ لیا لیکن وہ سوچ بھی نہ سکا کہ موت اس کے اتنے قریب آ چکی ہے......

پل جھپکنے میں چھری نکالی...... ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور پھر راجپال کے جگر پر جا لگا...... چھری کا پھل سینے میں اتر چکا تھا۔ ایک ہی وار اتنا کارگر ثابت ہوا کہ راجپال کے منہ سے صرف ہائے کی آواز نکلی اور وہ اوندھے منہ زمین پر جا پڑا۔ علم الدین الٹے قدموں باہر دوڑے۔ کدارناتھ اور بھگت رام نے باہر نکل کر شور مچایا...... پکڑو...... پکڑو...... مار گیا...... مار گیا...... مار گیا۔

راجپال کے قتل کی خبر آناً فاناً شہر میں پھیل گئی۔ پوسٹ مارٹم ہوا تو کئی ہزار ہندو ہسپتال پہنچ گئے اور آریا سماجی "ہندو دھرم کی جے...... ویدک دھرم کی جے" کے نعرے سنائی دینے لگے۔

امرت دھارا کے موجد پنڈت ٹھاکر دت وشرما' رائے بہادر بدری داس اور پرمانند کا وفد ڈپٹی کمشنر سے ملا اور راجپال کی ارتھی کو ہندو محلوں میں سے لے جانے کی درخواست کی لیکن ڈپٹی کمشنر نہ مانا۔ کیسے مانتا؟ اس کی منشاء کے عین مطابق' حسب ضرورت ہندو مسلم اتحاد درہم برہم ہونے کی صورت پیدا ہو گئی تھی' وہ کسی کو اس حد کے آگے کیونکر جانے دیتا۔ اگلا مرحلہ تصادم کا تھا جس سے امن قائم نہ رہتا۔ فرنگی کو اس سے نقصان پہنچتا چنانچہ جب لوگ زبردستی کرنے اور ارتھی کا جلوس نکالنے پر تل گئے تو پولیس کو لاٹھی چارج کا حکم ملا۔ پنجاب پولیس امن قائم کرنے کا بڑا تجربہ رکھتی ہے۔ پولیس نے لٹھ برسائے اور وہ لٹھم لٹھا ہوئی کہ توبہ ہی بھلی۔

علم الدین کے گھر والوں کو علم ہوا تو وہ حیران ضرور ہوئے لیکن انہیں یہ پتہ چل گیا کہ ان کے چشم و چراغ نے کیسا زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہے اور ان کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔

پولیس نے بغرض حفاظت ان کے گھر پر پڑاؤ ڈال لیا اور ہجوم کو ہٹا دیا۔ اب کوئی ان کے گھر میں جا نہ سکتا تھا' وہ بھی گھر سے باہر نہ آ سکتے تھے۔ شیدا باہر رہ کر انہیں ضرورت کی چیزیں پہنچانے لگا۔ طالع مند کو قرعہ اندازی کا علم ہوا تو شیدے کے بارے میں سارے شکوک وشبہات رفع ہو گئے۔ پھر اس نے جس لگن سے خدمت کی اس سے اس نے ان کا دل موہ لیا۔

مسلمان اب چاہتے تھے کہ حکومت غازی علم الدین کے اقدام کو درست سمجھے کیونکہ انہوں نے بجا طور پر اپنے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی گوارا نہیں کی۔ ان کا دل مجروح ہوا جس کے نتیجے میں بد باطن راجپال کا خاتمہ کیا' علم الدین اپنے فعل میں حق بجانب تھے۔ غازی علم الدین کی بے گناہی میں نہ صرف ہند بلکہ افغانستان تک بھی آوازیں اٹھنے لگیں اور علم الدین کی بریت پر زور دیا جانے لگا۔

ادھر آریا سماج والے چلا رہے تھے کہ مسلمان ان کے فرائض منصبی میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ انہیں اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے لئے کھلی چھٹی دی جائے۔ وہ دل آزار تقریریں کرتے اور اشتعال انگیز کتابیں کھلم کھلا چھاپتے رہیں۔ مسلمان چپ چاپ یہ سب کچھ دیکھتے رہیں اور ان سے باز پرس نہ کریں۔ فرنگی تماشا دیکھ رہا تھا اور طوفان بدتمیزی کو روک نہ رہا تھا۔

دونوں طرف آگ کے شعلے پھیل رہے تھے' نتیجہ واضح تھا' بالآخر دونوں قوموں کے رہنماؤں اور اخبار والوں نے سد باب کی تدبیر کی۔

اس طرح ہندو مسلم کشیدگی میں کمی آئی اور توجہ اس امر پر دی جانے لگی کہ عدالت انصاف سے کام لے۔ آخر عدالت کا دروازہ کھلا اور غازی علم الدین کی قسمت کے فیصلے کی نوبت آئی۔ سب کی نظریں ایک نقطے پر جمع ہو گئیں۔ 10 اپریل کو پہلی پیشی ہوئی' غازی علم الدین کی طرف سے کوئی وکیل پیش نہ ہوا' کیسی تعجب کی بات ہے کہ اس سے پہلے بھی یہی صورت تھی۔ مردِ غازی خدا بخش کو یہاں پر راجپال پر قاتلانہ حملہ کرنے کے الزام میں مقدمہ چلا تو انہیں کوئی وکیل میسر نہ آیا۔ اسی طرح افغانستان کے تاجر غازی عبدالعزیز بھی راجپال پر قاتلانہ حملے کے لئے الزام میں وکیل کے بغیر ہی عدالت میں پیش ہوئے۔

بہر حال تین مرتبہ ایسا ہوا۔ بعد ازاں غازی علم الدین کی طرف سے چوٹی کے وکیل پیش ہوئے۔ بعد ازاں خواجہ فیروز الدین بیرسٹر نے یہ مقدمہ لے لیا۔ ان کے معاون ڈاکٹر اے آر خالد تھے' فرخ حسین بیرسٹر تو پہلے سے شامل تھے' ان میں مسٹر سلیم اور دیگر وکلاء بھی شامل ہو گئے۔ وکلاء نے جرح کی اور صفائی میں دلائل پیش کیے لیکن یہاں دلائل سننے والا اور انہیں درخورِ اعتناء

کرنے والا کون تھا؟ عدالت طوفان میل کی طرح مقدمے کی سماعت کرنے اور فیصلہ سنانے کے لئے بے چین تھی۔ صفائی کے وکلاء کی کوئی بات مانی نہ گئی' کوئی دلیل قبول نہ کی گئی اور 22 مئی کو سزائے موت سنادی۔ فرخ حسین بیرسٹر بمبئی گئے اور ہندوستان کے ذہین ترین نوجوان وکیل محمد علی جناح سے ملے تاکہ وہ ہائیکورٹ میں غازی علم الدین کی اپیل کی پیروی کریں۔

جناح صاحب مان گئے۔ اس وقت ہائی کورٹ کی صورت یہ تھی کہ سر شادی لال چیف جسٹس تھے۔ جسٹس میاں شاہ دین ہمایوں جو شادی لال سے سینئر تھے۔ انتقال کر چکے تھے۔ ان کے پوتے میاں منظر بشیر کے بقول میاں شاہ دین کے نام سے مال روڈ (شاہراہِ قائداعظم محمد علی جناحؒ) پر شاہ دین بلڈنگ تعمیر ہوئی۔ قریب ہی 23 لارنس روڈ پر وہ کوٹھی ہے جہاں شاہ دین ہمایوں کے فرزند ارجمند میاں بشیر احمد رہے اور قائداعظم تحریک پاکستان کے دوران قیام فرماتے تھے۔

میں شاہد ین کی بے وقت موت کے باعث جونیئر سر شادی لال کو چیف جسٹس بننے کا موقع مل گیا جس کی وجہ سے غازی علم الدین کے مقدمے میں عام عدالت سے لے کر ہائیکورٹ تک میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔ ایک ہی راگ الا پا جا رہا تھا۔ راجپال نے جو فتنہ کھڑا کیا' دنیا بھر کے مسلمانوں کی دل آزاری کی' وہ درست ہے۔ غازی علم الدین نے شاتم رسولؐ کو قتل کیا' وہ لائق گردن زنی ہے۔ ہائیکورٹ میں سماعت ہوئی۔ قائداعظم محمد علی نے دفاع میں دو نکات پیش کئے:

ا: راجپال نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے' بدزبانی کی ہے۔ ملزم کے ذہنی جذبات کو ٹھیس پہنچائی گئی جس سے غصے میں آ کر اس نے راجپال پر حملہ کیا۔ جرم اس پر ٹھونسا گیا ہے۔

۲: ملزم کی عمر انیس اور بیس سال کے قریب ہے۔ وہ سزائے موت سے مستثنیٰ ہے۔

(بحوالہ مقدمہ امیر بنام کراؤن نمبر 954 سال 1922ء)

لیکن فرنگی اور سر شادی لال کی موجودگی میں غازی علم الدین کو کیسے بخشا جا سکتا تھا۔

29-07-07 کو سزائے موت دی گئی اور بزبان حال یوں کہہ رہے تھے ڈراتا ہے ہمیں دار و رسن سے کیوں ارے ناداں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں سولی پہ چڑھنا عین ایمان ہے۔

گمنام عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں ایک عورت اپنے بیٹے کی بارات لے کر دلی دروازہ کی جانب آرہی تھی۔ سامنے سے تڑتڑ کی آواز آئی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے لئے لوگ سینہ تانے، بٹن کھول کر گولیاں کھا رہے ہیں تو برات کو معذرت کر کے رخصت کر دیا۔ بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیٹا! آج کے دن کے لئے میں نے تمہیں جنا تھا۔ جاؤ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان ہو کر دودھ بخشوا جاؤ۔ میں تمہاری شادی اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کروں گی اور تمہاری بارات میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو کروں گی۔ جاؤ پروانہ وار شہید ہو جاؤ تاکہ میں فخر کر سکوں کہ میں بھی شہید کی ماں ہوں۔ بیٹا ایسا سعادت مند تھا کہ تحریک میں ماں کے حکم پر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے لئے شہید ہو گیا۔ جب لاش لائی گئی تو گولی کا کوئی نشان پشت پر نہ تھا۔ سب سینہ پر گولیاں کھائیں۔ تحریک ختم نبوت میں ایک طالب علم کتابیں ہاتھ میں لئے کالج جا رہا تھا۔ سامنے تحریک کے لوگوں پر گولیاں چل رہی تھیں۔ کتابیں رکھ کر جلوس کی طرف بڑھا کسی نے پوچھا یہ کیا؟ جواب میں کہا کہ آج تک پڑھتا رہا ہوں آج عمل کرنے جا رہا ہوں۔ جاتے ہی ران پر گولی لگی۔ پولیس والے نے آ کر اٹھایا تو شیر کی طرح گرجدار آواز میں کہا کہ ظالم گولی ران پر کیوں ماری ہے؟ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو دل میں ہے۔ یہاں دل پر گولی مار تاکہ قلب و جگر کو سکون ملے۔ (شہیدان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم)

فرحمة الله رحمة واسعة (شہیدان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جان سے پیارے ہیں نادانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں فدا کرتے ہیں۔ (شمع رسالت)

غازی عامر شہید چیمہ

ناموس رسالت کا تحفظ اور عشق و محبت رسول دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ امت صدیوں سے اپنی جانوں کے نذرانے دیکر ناموس رسالت کا تحفظ کرتی چلی آرہی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے گستاخان رسول کو جہنم رسید کر کے امت کیلئے راہ عمل متعین کر دی۔ یہود و نصاریٰ ''قوم رسول ہاشمی'' کے دلوں سے عشق و وفا کو نکالنے اور ان کی غیرت ایمانی کو ختم کرنے کی صدیوں سے ترکیبیں کرتے چلے آرہے ہیں۔

گزشتہ صدی میں یہود و نصاریٰ نے ایک منصوبہ کے تحت گستاخی رسالت کو ہوا دی۔ تو شیر بیشہ حریت، قائد تحریک ختم نبوت، امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ میدان میں آئے اور اپنے خطاب سے مسلمانوں کو ایک سبق دیا کہ ''سننے والے کان نہ رہیں یا بھونکنے والی زبان''۔ چنانچہ غازی علم دین شہیدؒ غازی عبدالقیومؒ غازی عبدالرشید، حاجی مانک میدان عمل میں آئے اور انہوں نے گستاخان رسول کو جہنم رسید کر کے اہانت رسول کے سیلاب کے مقابلہ میں بند باندھنے کی کوشش کی۔

گزشتہ سال (۲۰۰۵ء) کے آخر اور رواں سال (۲۰۰۶ء) کے اوائل میں ڈنمارک، ناروے، سویڈن، فرانس اور جرمن کے بیسیوں اخبارات پے در پے سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت ''روشن خیال اور اعتدال پسند'' صحافیوں کے بغض و عناد کا کھلم کھلا اظہار، دل و دماغ میں بھری ہوئی گندگی کا ابال مسلمانان عالم کی بے بسی، تلملاہٹ اور بے چینی، کوئی دھاڑیں مار کر رو دیا، کسی نے چھپ چھپ کر آنسو بہائے۔ کسی نے گستاخ ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا۔ کسی کا سینہ مسلمان سپاہیوں کی گولیوں سے چھلنی ہو گیا کوئی حوالہ زنداں ہوا اور ہزاروں تھے جنہوں نے مناسب موقع کی تلاش میں چپ سادھ لی۔ اٹھائیس سالہ عامر چیمہ بھی ان ہزاروں میں سے ایک تھا۔ وہ ایم ایس سی کرنے کیلئے جرمنی گیا تھا۔ روشن مستقبل اس کے سامنے تھا۔ دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی! مگر اس نے اس جہاں کے مستقبل پر ترجیح دی۔ اس نے جب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے دیکھے ہوں گے، ضرور تڑپا ہوگا،

پھوٹ پھوٹ کر رویا ہوگا۔ بے قراری میں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوں گے۔ کئی راتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی ہوں گی' کھانا حلق سے بمشکل اترتا ہوگا۔ تین سراپا انتظار بہنوں کی جوانی اور والدین کا بڑھاپا سوالیہ نشان بن کر سامنے آیا ہوگا۔ جوان کے ادھورے خوابوں اور جرمنی کے کوچہ و بازار کی مادی چکا چوند نے بھی اقدام سے باز رکھنا چاہا ہوگا۔ پھر کشتگان عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان افروز داستانیں یاد آئی ہوں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خواب میں چہرہ انورِ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگئی ہو اور محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا ہو عامر! کیا میری توہین کے باوجود پوری امت چین کی نیند سوتی رہے گی؟ کوئی نہیں جو میری ناموس پر جان کی بازی لگا دے اور پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرے؟

قوم ہاشمی اپنی ترکیب میں دوسری اقوام سے بالکل الگ ہے۔ دوسری قومیں انبیاء علیہم السلام کی توہین استہزاء اور ایذا کو گوارا کر لیتی ہیں لیکن یہ قوم گوارا نہیں کرتی۔ جہاں تک سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے' امت اسلامیہ آپ کی ذات ہی سے نہیں' آپ کے شہر و مسکن' اس کے گلی کوچوں' آپ کی سواری' آپ کے اصحابؓ آپ کی ازواجؓ اور آپ کے نام و نسب سے بھی بے پناہ محبت رکھتی ہے۔ صرف اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مسلمانوں کی محبت کو دیکھنا ہو تو یہ پہلو پیش نظر رکھئے کہ وہ اپنی اولاد کیلئے سب سے زیادہ اس نام کا انتخاب کرتے ہیں۔ ایسوں کی بھی کمی نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ بیٹے عطا کئے اور انہوں نے سب کا نام محمد رکھ دیا۔ ہمارے قریب کے زمانے میں عالم اسلام کی معروف حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کے برادر بزرگ ڈاکٹر عبدالعلی رحمہ اللہ کی چار اولادیں تھیں سب کے نام آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام پر تھے۔

عامر نذیر چیمہ شہید کا نام تو ''عاشق النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' نہ تھا لیکن اس کا دل عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے یقیناً معمور تھا۔ یہ عشق ہی تھا جس نے عامر چیمہ شہید کیلئے اپنی گستاخی کے مرتکب ایڈیٹر کا بھیجا آتشیں اسلحہ سے اڑا دیتا لیکن اسے صرف ایک خنجر میسر آسکا۔ وہ یہ خنجر لے کر ہی جرمن اخبار ''ڈیولٹ'' کے ایڈیٹر پر حملہ آور ہوگیا۔ ایڈیٹر زخمی ہوگیا اور عامر چیمہ گرفتار کرلیا گیا۔ شہادت سے قبل وہ ۵۵ دن تک جیل میں رہا۔ کوئی نہیں جانتا

ان ۵۵ دنوں میں اس پر کیا گزری۔ اب اس کی شہادت کو خودکشی کا رنگ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ جس نوجوان نے حصول مغفرت وشفاعت کیلئے اپنی جان خطرے میں ڈالا ہو وہ خودکشی جیسے حرام عمل کا ارتکاب کرے۔ غیروں سے شکوہ کیا کرنا اپنوں کا حال یہ ہے کہ وہ شہید ناز کی تدفین کا انتظام اس انداز میں کر رہے ہیں کہ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کم سے کم شریک ہوسکیں۔ یقین ہے کہ اگر کسی جیالے نے ارباب اقتدار میں سے کسی کی خاطر جان قربان کی ہوتی تو اس کا جنازہ عامر کے جنازے سے زیادہ دھوم دھام سے اٹھایا جاتا مگر وہ شخصیت جو مدینہ منورہ میں محو استراحت ہونے کے باوجود پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کر رہی ہے اس کے عاشق کا جنازہ اخفا کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حکمرانوں کی حرکتیں اور کوششیں اپنی جگہ پر لیکن جہاں تک قوم کا تعلق ہے تو اس کے دل غازی عامر کے والدین کے ساتھ دھڑک رہے ہیں۔

پوری قوم سلام کرتی ہے ان والدین کو جن کی تربیت نے اپنے نونہال کے رگ وریشہ میں عشق رسالت کا نور بھر دیا۔ ان بہنوں کو جن کا اکلوتا بھائی ناموس رسالت پر قربان ہوگیا۔ وہ اس کی شہادت پر فخر اور خوشی محسوس کرتی ہیں۔ ان ہاتھوں کو جو ایک گستاخ کو کیفر کردار تک پہنچانے کیلئے حرکت میں آئے اس جسد خاکی کو جسے شہادت کی خلعت فاخرہ پہننا نصیب ہوئی۔ اس خاندان کو جس کے ایک فرد نے سرفروشی کے فسانوں میں ایک خوبصورت اضافہ کر دیا اور اسلام اس صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کی محبت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے اور جن کی عظمت پر کٹ مرنے کو آج بھی ہر مسلمان بہت بڑی سعادت سمجھتا ہے۔

بقول حضرت ماہر القادریؒ

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں — بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں
سلام اس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا — مسلمان کا یہی ایمان یہی مقصد یہی شیوا

(ایمان افروز واقعات)

شہدائے ناموس رسالت....اسلام آباد

شیطان رشدی کی کتاب جیسے ہی لندن کی مارکیٹ میں فروخت کے لئے پہنچی تو وہاں کے مسلمانوں نے فوری طور پر اس کا نوٹس لیا اور انہوں نے اس کے خلاف احتجاجی مظاہرے شروع کردیئے۔

29 نومبر 1988ء کو لندن میں اسلامی ملکوں کے سفیروں کا اجلاس ہوا جس میں پاکستان، کویت اور صومالیہ کے سفیروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ذمہ یہ کام سونپا گیا کہ وہ حکومت برطانیہ سے سفارتی سطح پر مذاکرات کر کے اس کتاب کی فروخت پر پابندی عائد کرائے۔

28 جنوری 1989ء کو لندن میں برطانیہ کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے کئی لاکھ مسلمانوں نے اپنے شدید غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے ایک بہت بڑا مشتعل مگر منظم جلوس نکالا جو برطانیہ کی تاریخ میں سب سے بڑا مظاہرہ تھا۔ جس میں نہ صرف اس شیطانی کتاب کو ضبط کرنے کا مطالبہ کیا گیا بلکہ اس کے مصنف کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ بھی کیا گیا اور مسلم ایکشن فرنٹ The Muslim Action Front کی تشکیل بھی عمل میں آئی تاکہ ان مطالبات کی تکمیل کے لئے عملی اقدام کئے جائیں۔ ان مظاہروں اور اس کتاب کے مندرجات کا نوٹس لیتے ہوئے پوپ نے بھی ویٹی کن سٹی میں اس کتاب کی اشاعت، خرید اور فروخت کو ممنوع قرار دیا۔

اس کتاب کے اقتباسات جب منظر عام پر آئے تو مسلمان سراپا اضطراب بن گئے۔ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے دل ودماغ، زبان وقلم اور رگ وپے سے اس شیطانی کتاب اور اس کے شیطان مصنف کے خلاف غم وغصہ کا لاوا ابلنے لگا جس کے ہولناک نتائج کا اندازہ کرتے ہوئے ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں نے اس کتاب کی فوری ضبطی کا حکم دیا جس پر بلا تاخیر عمل درآمد ہوا۔ پاک وہند کے علاوہ ملائیشیا، جنوبی افریقہ، مصر سوڈان اور سعودی عرب کی حکومتوں نے بھی اس کتاب کو قابل ضبطی قرار دیا لیکن یہ کارروائی بھی مسلمانوں کے لئے وجہ تسلی نہ ہوسکی اور اس کے خلاف شدید ردعمل کے طور پر ہندوستان،

پاکستان، بنگلہ دیش کے طول و عرض میں مظاہروں اور احتجاج کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ برطانیہ اور امریکہ میں اس کتاب کی اشاعت روک دی جائے اور اس کتاب کے خبیث مصنف کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ امریکہ میں بھی اس بے ہودہ اور شیطانی کتاب کے مصنف اور اس کے ناشروں کے خلاف نہ صرف وہاں کے مقیم مسلمانوں نے کھل کر احتجاج کیا بلکہ بعض مقامات پر جن دکانوں میں یہ کتاب فروخت ہورہی تھی، انہیں بھی نذرِ آتش کرنے کی کوشش کی گئی۔ امریکہ میں یہودی لابی کے غیر معمولی کنٹرول کے باوجود غیر متعصب، غیر تعلیم یافتہ طبقہ نے بھی وہاں کے کثیر الاشاعت اخبارات، جرائد اور رسائل میں اس کی مذمت کی۔ چنانچہ 19 جنوری 1989ء کو روزنامہ نیویارک ٹائمز اور اس کے بعد واشنگٹن ٹائمز نے اس کتاب کے خلاف تبصرے شائع کئے اور لکھا کہ یہ کتاب نہ صرف سطحی اور گھٹیا ہے بلکہ شر انگیز بھی ہے۔ اس بات سے اہل یورپ اور امریکہ ہی نہیں بلکہ ساری دنیا واقف ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک انسانی اقدارِ اعلیٰ کا سرچشمہ ذاتِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جن کے نام و ناموس کا تحفظ ان کی اپنی ذات، جان و مال اور ملک وقوم سب سے بڑھ کر ہے۔ مسلمان ملک وقوم اس کی حفظ و پاسبانی اس لئے کرتے ہیں کہ ان دونوں کا تعلق براہ راست اس ذاتِ گرامی سے ہے جو انہیں ہر چیز سے عزیز تر ہے۔

یوں تو شیطانی کتاب نے دنیا کے تمام مسلمانوں کے جذبات کو سخت مجروح کیا تھا لیکن ایران اور اسلامیان پاک و ہند ایک نہایت ہی اذیت ناک کرب و ابتلا سے گزر رہے تھے۔ پاکستان کے بزرگ سیاستدان نوابزادہ نصر اللہ خان خبیث رشدی کی اس کمینہ حرکت پر تڑپ اٹھے۔ 7 فروری 1989ء کو ان کی تحریک استحقاق پر قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر "شیطانی خرافات" اور اس کے مصنف کے خلاف قراردادِ مذمت منظور کی اور یہ تجویز پاس کی کہ پاکستانی حکومت برطانیہ اور امریکہ سے اس کتاب کی ضبطی اور اس کی اشاعت رکوانے کے لئے سفارتی سطح پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے۔

ان ہی دنوں میں مجلس تحفظ ناموسِ رسالتؐ کے سرگرم اراکین اور قائدین نوابزادہ نصر اللہ خان، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا کوثر نیازی، میجر (ریٹائرڈ) محمد امین منہاس، مولانا قاری عبدالعزیز جلالی، مولانا محمد عبداللہ اور دیگر دردمند کارکنوں کا اجتماع ہوا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکومتِ امریکہ کو مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ

کرنے اور اسلامی ملکوں کو اس صورتحال سے واقف کرانے کے لئے اراکین اسمبلی، دانشوروں اور معروف دینی اور سماجی شخصیتوں کی رہنمائی میں ایک پرامن احتجاجی مظاہرہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مجلس نے ایک پروگرام بنایا کہ اسلام آباد میں ایک پرامن جلوس امریکن سنٹر تک جائے گا جس کی وساطت سے حکومتِ امریکہ کو اسلامیان پاکستان میں اس کتاب کی اشاعت سے پیدا ہونے والے اندوہ ناک اضطراب اور گہری تشویش سے آگاہ کیا جائے گا اور اس سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ اس فحش کتاب کی اشاعت اور فروخت پر پابندی عائد کرے جو ساری دنیا میں مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق یہ جلوس حکومت پاکستان سے اجازت حاصل کرنے کے بعد 12 فروری 1989ء کو لال مسجد آبپارہ سے نکل کر بلیو ایریا امریکن سنٹر کے قریب پہنچا تو وہاں پر متعین پولیس نے مرکزی حکومت کی ہدایات پر شرکائے جلوس کو امریکن سنٹر میں داخل ہو کر اپنے مطالبات پہنچانے سے روکنے کے لئے درمیان میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ بالآخر حکومت اور انتظامیہ کی بے تدبیری اور سہل انگاری کی وجہ سے پولیس نے نہتے، معصوم شہریوں پر اندھا دھند فائرنگ کی جس کے نتیجہ میں سمن زارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سات نونہال خونِ شہادت سے رنگین قبا ہوئے جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

۱- نوجوان طالب علم ظفر اقبال فرزند مرزا سلطان محمد پرنسپل قندیل انسٹی ٹیوٹ راولپنڈی
۲- جواں سال طالب علم حافظ نوید عالم فرزند مظفر خان ساکن ایبٹ آباد
۳- جواں سال طالب علم نور الہدیٰ فرزند محمد شعیب سواتی
۴- جواں سال طالب علم محمد شاہد فرزند محمد یونس سکنہ راولپنڈی
۵- شیر دل نوجوان حق نواز فرزند عظیم اللہ ساکن مانسہرہ
۶- جان نثار نوجوان محمد ارشد فرزند محمد صادق ساکن اٹک
۷- جانباز نوجوان محمد فاروق فرزند عبداللہ خان ساکن راولپنڈی

ان کے علاوہ بے شمار جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فائرنگ سے زخمی اور مضروب ہوئے۔ یہ قافلہ بلا کشانِ محبت لال مسجد سے روانہ ہوا تھا اور سینوں پر گولیاں کھا کر ساری ملت کو سرخرو کیا۔ ان میں سے کسی کی پشت پر ایک خراش تک نہیں پائی گئی۔ ان معصوم نوجوانوں کی شہادت کی خبر سارے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ (ایمان افروز واقعات)

غازی حاجی محمد مانک شہید رحمہ اللہ

مولانا لال حسین اختر صاحب کی اس رائے پر کہ: میں مرزا قادیانی کے کذب پر مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔ قادیانی مبلغ کا خبث باطن آشکارا ہوگیا۔ غلاظت کے اس ڈھیر کی یاوہ گوئیاں سننے سے پہلے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر استغفر اللہ کا وِرد کرتے رہیں۔ ظلمتِ شب کے دروغ باف پرستار نے یوں بکواس کی: "اگر تم مرزا صاحب کے کاذب وملعون اور مردود و گمراہ ہونے پر اظہارِ خیال کرنا چاہتے ہو تو میں آپ کے رسولؐ .... ہونے پر بحث کروں گا۔"

ابلیس قادیان کے اس حرامی بیٹے کی ناپاک جسارت پر اہل ایمان، آتش غضب میں بھڑک اٹھے۔ یہ اتنا کاری زخم تھا کہ ہر ایک کا کلیجہ چھلنی ہوگیا۔ لوگ چاہتے تھے کہ اسے یہیں سرگ باش کر دیا جائے مگر بعض ایسی الجھنیں پیش آئیں کہ اس نے راہِ فرار اختیار کر لی اور غضبناک مسلمان کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

جو فلسفہ لکھا نہ گیا ہو خونِ جگر سے   یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار

قادیانی مذکورہ دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے انتہائی ذی اثر تھا، اس کے پاس مال وزر کی کمی نہ تھی۔ مختلف اوقات میں سندھ کی صوبائی کابینہ کے کئی وزراء سے اس کی صاحت سلامت رہی۔ وہ اپنے متبذل مقاصد کی تکمیل کے لئے بے دریغ سرمایہ لٹایا کرتا۔ جانے اس نے کتنے اور کس طرح کے گھناؤنے کاروبار رچائے رکھے۔ یہ حقیقت تو ہر ایک پر طشت ازبام ہے کہ بے غیرت قادیانی عبدالحق نے کئی مجبور لڑکیوں کو جسم فروشی کے دھندے پر لگا رکھا تھا اور وہ اس کاروبار سے ہمیشہ ذاتی فائدے بھی اٹھاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام اس کے ابلیسانہ ہتھکنڈوں سے گھبراتے۔

محولہ بالا ملعون ومردود کے اثر ورسوخ کی ادنیٰ سی مثال ملاحظہ کریں۔ اس کے اشارے پر ایک غیور مسلمان کو موضع کروندی ضلع خیرپور میں اینٹیں مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ قصور یہ تھا کہ وہ ان کا مہرہ بننے پر رضامند نہ ہوسکا۔ جب اس گناہ ولرزہ خیز قتل کی خبر پھیلی تو کوئی شخص میت اٹھالانے کو تیار نہ تھا۔ تھانہ میں رپورٹ درج کروانا اور مقدمے کی پیروی تو دور کی بات ہے۔

الغرض حاجی محمد مانک صاحب ان دنوں بلوچستان میں تبلیغی دورے پر تھے۔ لوٹ کر آئے تو آپ کی سن رسیدہ والدہ محترمہ نے روتے ہوئے کہا:

''بیٹا! میں آپ کو دودھ معاف نہ کروں گی کہ آپ کے ہوتے ہوئے ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمارے ملجاء وماویٰ، ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جناب میں گالیاں بکتے ہیں۔''

ان کے استفسار پر بوڑھی ماں نے پورا واقعہ کہہ سنایا۔ موصوف آٹھویں حج کی تیاری میں مصروف تھے۔ یہ دردناک حادثہ سن کر آپ نے اس کا پروگرام منسوخ کر دیا۔ دراصل اماں حضور کی ملتجی نگاہیں پوچھ رہی تھی کہ میرے لخت جگر! دربارِ حبیب ﷺ میں کیا چہرہ لے کر جاؤ گے۔ جس کی فتنہ انگیزیوں سے خواب گاہ نبی ﷺ پر لرزہ طاری ہے اور پیارے آقا ﷺ کی تربت انور شق ہو جاتی ہے، وہ بے غیرت تو تمہارے سامنے دندناتا پھر رہا ہے۔ اگر تم اپنے وطن میں ناموسِ رسالت ﷺ کا تحفظ نہیں کر سکتے تو پھر مدینہ منورہ میں حاضری کا کیا مقصد؟

میں یہی سوال پوری قوم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارشِ رحمت کے چھینٹوں نے جامہ بشریت میں لطف وکرم کے رنگ بھرے اور جن کی چارہ سازیوں نے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ملا دیا۔ اس نورِ مجسم کی عزت خطرے میں ہو تو ہمارا زندہ رہنا بے غیرتی نہیں تو اور کیا ہے؟ واللہ، آپ رنجیدہ نہ ہوں تو اے مسلمانو! ان بے روح سجدوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ دربار نبوت ﷺ سے تعلق خاطر قائم نہ رہے تو یہ بے سرور عبادت بھی ایک ناقابل برداشت بوجھ ہے۔ الغرض جناب غازی صاحب نے کرب میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں عرض کیا: ''اماں! میں وہ مسلمان نہیں ہوں جو ظاہری عبادات کو ہی منزل مقصود سمجھ بیٹھے۔ میرے کریم ﷺ ہر وقت میری دستگیری فرماتے ہیں۔ جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے، اپنے پیا کے ہر نقشِ قدم کو لہو کے قطروں سے تابناک بناتا رہوں گا۔ شمع رسالت کا پروانہ زندہ ہو تو واقعی شاتم نبی کی کوئی علامت قائم نہیں رہ سکتی۔ میں آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ میں انشاء اللہ بہت جلد اس قادیانی دشمنِ رسول کی بوٹیاں جنگلی سوروں سے نچوا دوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ غازی عبدالقیوم شہید رحمہ اللہ کی روح بے چین ہے۔ آخر نتھو رام کی معنوی اولاد ہمیں کب تک کچوکے لگاتی رہے گی؟ پس آپ اللہ تعالیٰ کے حضور میری کامیابی کے لئے دعا

فرمادیں کہ میری جدوجہد کو بارگاہِ رسالت مآبؐ میں قبولیت کی سند عطا ہوجائے۔"

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور رستے میں جو کھڑا تھا، وہ کہسار ہٹ گیا

54 سالہ ایک شخص کا کلیجہ رنج والم کی آگ سے کباب ہو چکا ہے۔ آنکھوں میں خشک آنسو اور سینے میں شورِ قیامت۔ اس کے دن بے سکون اور راتیں حسرت انگیز ہیں۔ اس کی معنی خیز لب بستگی بھی طرزِ فغاں ہے اور مفہوم انگیز گویائی کوئی ایک نوحہ۔ معلوم ہوا اس پیکر حیرت اور مجسمہ غیرت کا نام الحاج غازی محمد مانکؒ ہے۔ ان کی وجہ غم بیان ہوئی کہ ناموسِ رسالتؐ پر ناروا حملے ہو رہے ہیں۔ کریم آقاؐ کا کوئی دشمن زندہ ہو تو غلام کا عہدِ وفا کسی طور پر معتبر نہیں ہوسکتا۔ میں مرزائی شاتم رسول عبدالحق کو.......... ابدی ذلتوں کا مرکز بنا کر یہ فرض کفایہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

بالآخر آپ ملتِ مصطفویؐ کو درسِ حریت دے گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے عوام الناس سے مردود قادیانی کی ناپاک جسارت کا تفصیلی واقعہ سنا، پھر اس پر علمائے کرام کی مہر تصدیق ثبت ہوئی۔ پس اب ظالم کو گستاخیوں کا مزہ چکھانا باقی تھا۔

چونکہ گستاخ قادیانی عبدالحق مذکور مسلمانوں کے متوقع جوش وخروش کی وجہ سے چوکنا ہو چکا تھا لہٰذا حاجی محمد مانک صاحبؒ کئی روز تک غور و خوض کرتے رہے کہ اس بے غیرت کو کس طرح تہ تیغ کیا جائے۔ آخر وہ ایک فیصلہ کر چکے اور پروگرام کو عملی جامہ پہنچانے کے لئے آپ ۷ رمضان المبارک ۲۱ دسمبر ۱۹۶۶ء کو عبدالحق تک پہنچے۔

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ مرزائی مبلغ عبدالحق ایک مدت سے آپ کو جانتا تھا۔ وہ مختلف اوقات میں الحاج محمد مانک صاحبؒ سے کئی بار ملا۔ اس کی شروع سے سازش تھی کہ آپ کسی طرح رام ہوں۔ بوقتِ ملاقات وہ احمدیت کی خوبیاں گنواتا۔ ایک مرتبہ اس نے آپ کو ربوہ چلنے کی پیشکش بھی کی۔ شیطانی ٹولے کی سازش یہ تھی کہ آپ کے بیعت ہوجانے کی صورت میں جماعت کے وارے نیارے ہوجائیں گے۔

غازی محمد مانک صاحبؒ اس قادیانی مردود عبدالحق کو اپنے پنجرے تک لانے میں کیسے کامیاب ہوئے؟ انہوں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کون سا لائحہ عمل

اختیار کیا؟ واردات کی رات کہاں بسر ہوئی؟ میرے خیال میں یہ ایک غیر ضروری حصہ ہے۔ اس پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے ذرا آگے بڑھتے ہیں۔ الغرض امر واقعہ یہ ہے کہ دہن دراز گستاخ ایک تنومند نوجوان تھا جب کہ محافظ ناموس رسالتؐ بوجہ کہولت کمزور و ناتواں اور اس معاملے میں رازداری بھی بہر حال لازم تھی۔ ان اسباب کے پیش نظر انہوں نے سوچا کہ کسی نہ کسی طرح بدزبان ملعون کو ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔ ظاہری نمود اور افسانوی شہرت ضروری نہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے۔

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہے جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلمان کی موت مر

ساتواں روز تھا۔ موت کا بھیانک سایہ لحظہ بہ لحظہ اس کمینہ فطرت درندے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تقدیر کی گرفت اسے سیر کے بہانے مقامِ مرگ پر لے پہنچی۔ اب کسی لمحہ مسلم جانباز جھپٹ کر شکار کو اپنے مضبوط پنجوں میں جکڑنے والا تھا۔ آفتابِ رحمت و استغناء مہتابِ حسن و وفا کے متوالے نے اس ارذل و اجہل علامت کو کس طرح لقمہ اجل بنایا۔ یہ بڑی دلچسپ اور راحت انگیز داستان ہے۔ مناسب ہے کہ جہاد کی کہانی خود مجاہد کی زبانی سنی جائے۔ الحاج غازی مانک صاحبؒ نے اپنے چاہنے والوں اور عزیز و اقارب کو جیل میں اس کی تفصیل بتاتے ہوئے بیان کیا کہ: ''میرے پاس ایک ریوالور تھا اور چھوٹا سا چاقو بھی۔ باغ میں پہلے تو عبدالحق قادیانی مزدوروں کے پاس آئندہ کام کے بارے میں ہدایات دینے چلا گیا۔ میں انہی سوچوں میں گم سم بیٹھا تھا کہ جانے کہاں سے آواز آئی۔ ''اے بیدار بخت! تمہیں کاہے کا انتظار ہے۔ جرأتِ ایمانی سے کام لے کر اسے بھی حوالہ آتش کیوں نہیں کر دیتے۔''

یہ سن کر میں جوش غیرت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خدا معلوم مجھ میں اچانک اس قدر پھرتی اور قوت کیسے عود کر آئی؟ میں آج تک خود بھی اس معاملے کی گتھی نہیں سلجھا سکا۔ جب وہ مکروہ صورت قادیانی گستاخِ رسول، عبدالحق مزدوروں کی طرف لوٹتے ہوئے نشانے کی زد میں پہنچ گیا تو غصہ سے میری حالت غیر تھی۔ دل چاہتا تھا کہ جلد از جلد یہ قضیہ نمٹا دوں۔ فوراً لبلبی دبا دی گئی۔ یکے بعد دیگرے آتشیں گولیاں اگلیں۔ ہر طرف اس خوفناک آواز سے سناٹا چھا گیا۔ جب فائر ختم ہو چکے تو دیکھا کہ ملعون بسلامت موجود ہے۔ غالباً گولیاں اس کے

اردگرد سے گزر گئیں۔ میں دم بخود کہ اب کیا کروں؟ دوسری طرف اس پر بدحواسی طاری تھی۔میرے یہ انداز دیکھتے ہوئے وہ مسلسل چیخ رہا تھا کہ حاجی صاحب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ ایسا کیوں کر رہے ہو؟ اللہ کے لئے مجھے نہ مارو، میں تمہارا کوئی دشمن تو نہیں .... ہمارے درمیان کچھ فاصلہ زیادہ نہ رہا۔ میری صرف ایک خواہش تھی کہ اسے بہر صورت مردہ حالت میں دیکھوں۔قلابازی کھا کر اس پر جھپٹا اور گردن دبوچ لی۔ میں نے دیکھا کہ مجھ میں بجلی کی سی تیزی آ گئی ہے۔ میں تو اسے غیبی امداد ہی کہوں گا کہ وہ باوجود ہٹا کٹا ہونے کے موت کے خوف سے کانپ رہا تھا حالانکہ ہم گتھم گتھا تھے۔ ہوا یہ کہ بدبخت گھبراہٹ کے عالم میں از خود زمین پر گر پڑا۔ موقع غنیمت جانتے ہوئے میں بہ سرعت اس کے سینے پر بیٹھ گیا۔ وہ بے حس و بے حرکت تھا، جانے کیوں اس کی قوتِ مزاحمت ختم ہو چکی تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے یہ تن مردہ ہے اور اس میں جان باقی نہیں۔ الغرض میں نے بڑے اطمینان اور حوصلے کے ساتھ جیب سے چاقو نکال کر دانتوں سے کھولا، اس کی گردن پر ٹکایا اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ جب اس کے ناپاک جسم سے سر کا بوجھ اتر چکا تو مقتول مردود کی زبان کاٹی اور پھر جبڑوں کو چیر پھاڑ دیا۔ وہ انگلی جس سے اشارہ کر کے بات چیت کیا کرتا تھا، اسے بھی پنجے، سے علیحدہ کر کے کہیں دور پھینکا۔ ساتھ ساتھ میری زبان سے بے ساختہ یہ جملے بھی ادا ہو رہے تھے کہ میری نبیﷺ کی گستاخی کرنے والوں کا حاجی مانک ہمیشہ یہ انجام کرتا رہے گا۔ ارے کتے، اب بھونکنے کی جرأت کر۔ رسول پاکﷺ کی شان اقدس میں یاوہ گوئیاں کرنے والے ذلیل کمینوں کو ہم اسی طرح ملیامیٹ کیا کرتے ہیں۔"

پگ پگ ہمارے خون کے چھینٹے اڑے تو کیا   یہ تو ہوا کہ شہر کو زیبائی مل گئی

الحاج محمد مانک صاحبؒ کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ آپ کی جرأت مندانہ جدوجہد سے ہر کس و ناکس پر عیاں ہو گیا کہ رسول عربیؐ کے چاہنے والے ابھی زندہ ہیں اور ان کے ذوقِ شہادت پر ایک دنیا گواہ ہے۔ فدائے رسولِ عربی نے ثابت کر دیا کہ زندگی وہی ہے جو سید الکونینؐ کے قدموں پر قربان ہو جائے ورنہ زندگی، زندگی نہیں موت ہے۔ آپ نوکِ خنجر سے یہ ابدی ولازوال فیصلہ لکھ گئے کہ "اس ذاتِ فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

شان میں نازیبا الفاظ تو کہا، ہم تو ان کو چوں اور گلیوں کی توہین بھی برداشت نہیں کر سکتے جن کے ذرات کو اس پیکر رفعت وعظمت کی کفش بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ایک زندگی تو کیا، ہزار بار زندگی نصیب ہو اور ہزار بار اس شہنشاہ کونین کی ناموس پر نچھاور ہو جائے تو بھی دل کی تمنا بر نہ آئے۔ جس سینے میں عشقِ رسولؐ کا سوز نہیں، وہ سینہ نہیں بدبختیوں اور تاریکیوں کا قبرستان ہے۔ جس دل میں ناموسِ محمدؐ پر مر مٹنے کی تمنا نہیں، وہ دل نہیں بوم وکرگس کا وحشت انگیز کاشانہ ہے۔

اتنا اُداس شام کا منظر کبھی نہ تھا

حاجی محمد مانک صاحب کے تمام کپڑے خون آلودہ ہو چکے تھے۔ایک نشہ تھا جس سے آپؒ جھوم جھوم گئے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ کی چاندنی کھیلنے لگی۔ آنکھوں میں خوشی سے آنسوؤں کے چراغ جل اٹھے۔ یہ حالت کیوں نہ ہوتی؟ گستاخ زبان ان کے جوتوں کی ٹھوکروں میں ہے۔ مردود قادیانی چیخ چیخ، چلا چلا اور تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہو چکا۔اس مکروہ میت کا بھیانک منظر کیا بتاؤں جیسے سڑک پر سؤر کئی روز سے مرا پڑا ہو۔اس کے منہ کا وحشت ناک نقشہ مت پوچھو۔ معلوم ہوتا تھا کوئی پاگل کتا اپنی زبان باہر نکالے بھونک بھونک کر مر گیا ہے۔ اس کے گلے میں لعنت کا طوق لٹک رہا تھا۔ ادھر غازی محمد مانک صاحبؒ کے چہرے پر ایسی بشارت جیسے موتیے کی ادھ کھلی کلی کا بانکپن، ہونٹوں پر خمار اور انکھڑیوں میں وہ مستی کہ جیسے بارش کی رُت میں بادہ خوار کو ساقی کا دستِ کرم یاد آ جائے۔

حضرت قبلہ غازی صاحبؒ نے اس عظیم فریضہ سے سرخرو ہو چکنے پر چار میل کا سفر خراماں خراماں طے کیا۔ لطف یہ ہے کہ راستے میں کسی شخص نے یہ بھی نہیں کہا کہ حاجی صاحب! کپڑوں کی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ اور نہ آپ کے تعاقب میں آنے کی کسی کو جرأت ہوئی۔

قتل کی اطلاع ذرا سے وقفے میں دور دور تک پھیل گئی۔ یہ خبر اہل ضلالت کے دلوں پر بجلی بن کر گری جبکہ کلمہ گوؤں کو مسرت وشادمانی کا سلیقہ سکھا رہی تھی۔حاجی صاحب جائے واردات سے سیدھے ''اکری'' میں اپنے گھر تشریف لائے اور والدہ محترمہ کو خوشخبری سناتے ہوئے کہا، میں نے قادیانی گستاخِ رسولؐ عبدالحق مردود کو نار جہنم میں جھونک دیا ہے، اب

تو مجھ سے خوش ہو جانا۔ یہ سنتے ہی وہ اچھل پڑیں، اپنے ہاتھوں سے دودھ کا کٹورا پلاتے ہوئے فرمایا، بیٹا! تم نے میرا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ مسئلہ عدالت میں چلا گیا وہاں حاضری ہوتی رہی۔

بالآخر 20 اپریل 1968ء کو سیشن جج نے فیصلہ صادر کیا۔ جس کی رُو سے تین سال کی قید سزا سنائی گئی۔ فاضل جج نے اپنے تاثرات میں لکھا:

''تمام گواہ احمدیہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ بادی النظر یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ موقع پر موجود نہ ہوں۔ استغاثہ میں مبینہ جزئیات وتفصیلات دماغ پر کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑتیں۔ میڈیکل آفیسر سید عرفان احمد ولد محمد محسن سکنہ فیض گنج بہ عمر 36 سال نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ پوسٹ مارٹم کے وقت بیرونی معائنہ سے میں نے درج ذیل زخم پائے۔

۱- ایک گہرا زخم "5 1/2X "3 1/2" (گردن کے سامنے کی طرف ہڈی تک آر پار)
۲- ایک گہرا زخم "1 "1/2X "1/2X" (زبان کی بائیں طرف)
۳- ایک گہرا زخم "1/4 "1/2X "1/2X" (زبان کی دائیں طرف)
۴- ایک گہرا زخم "1/4 "1/2X" (دائیں رخسار پر)
۵- ایک گہرا زخم "1/2 "1/4X "1/X" (دائیں ہاتھ پر)
۶- ایک گہرا زخم "1 "1/4X "1/X" (بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر)
۷- ایک گہرا زخم "1 1/2 "1/4X "1/2X" (دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر)

اور یہ کہ تمام زخم ایک تیز دھار آلہ سے لگائے گئے ہیں۔ لاش کے اندرونی معائنہ سے مندرجہ ذیل زخموں کا پتہ چلا۔ منہ کی اندرونی سطح اور بائیں طرف سے زبان بری طرح زخمی تھی، نسیں مکمل طور پر کٹی ہوئی ملیں۔ میں اندرونی و بیرونی معائنے سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شاید موت ڈر اور خوف سے ہوئی۔

مقدمہ کی سماعت کے دوران ہی آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ پیشی کے موقع پر عدالت میں سینکڑوں لوگ فقط اس نیت سے ٹوٹ پڑتے کہ غازی صاحب کی زیارت ہو جائے گی۔ عرصہ اسیری میں ہزاروں افراد نے آپؒ سے ملاقات کی۔ بڑے بڑے اہل نظر

آپؒ سے ملنے تشریف لائے۔ حضرت صاحبزادہ جناب محمود اسعد صاحب سجادہ نشین خانقاہ عالیہ ہالیجی شریف آپؒ کی ملاقات کو اکثر و بیشتر آیا کرتے۔ وہ فرماتے کہ غازی صاحب پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نظر کرم ہے۔ ایک وقت آئے گا جب لوگ فخر کیا کریں گے کہ میں نے ان کی زیارت کی ہے۔

اپ کے ساتھ جیل کے عملے کا سلوک بہت اچھا تھا۔ جیل خانہ کے سینئر افسروں نے انہیں ہر ممکن سہولتیں بہم پہنچائیں۔ یہ بھی سرکارِ مدینہ کا خاص کرم ہے کہ آپ جہاں جہاں بھی پہنچے، لوگوں کے دلوں میں محبت کا جذبہ پیدا ہوا۔ حکام جیل تو گہری عقیدت رکھتے تھے۔ الغرض جب سزا کی مدت پوری ہوگئی تو آپ کو بیرون سہر سے مینارہ روڈ معصوم شاہ تک ایک منظم جلوس کی سکل میں لایا گیا۔ (ایمان افروز واقعات)

مولانا سید شمس الدین شہید رحمہ اللہ

مرزائیوں نے فورٹ سنڈیمن میں محرف قرآن مجید تقسیم کیا جس کے خلاف احتجاجی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مولاناؒ نے فرمایا:

"آج آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے قرآن کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے اور ختم نبوت کو پارہ پارہ کر چکے ہیں اور اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو میرے ساتھیو! اگر ہمارا یہی حشر رہا تو لامحالہ ہم یہی کہیں گے کہ اگر ہم قیامت کے روز محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے تو لامحالہ وہ یہی کہیں گے کہ میری ناموس لُٹ رہی تھی اور قرآن پر ظلم ہو رہا تھا۔ ذرا یہ تو بتاؤ آپ حضرات کہاں تھے۔

بہرحال حضرات! میں نے یہ مصمم ارادہ کیا ہے کہ جب تک میرے جسم میں جان ہے اور میری رگوں میں ایک بھی خون کا قطرہ ہے اور جبکہ میں نے اپنے ہاتھ سے اور بیوقوفی کر کے اپنے نام کے ساتھ سید لکھا ہوا ہے تو میں اپنے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ناموس پر اس بھٹو حکومت میں ایسا مر مٹوں گا کہ وہ بھی حیران ہوگا اور ان کے کان میں یہ آواز پہنچنی چاہئے کہ بھٹو صاحب! یہاں مرزائیت کا راج نہیں چل سکتا اور یہ میں پھر واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ وہاں بلوچستان میں ہم نے ختم نبوت کی جو تحریک چلائی تھی اور ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے ناموس کی حفاظت کی جو تحریک چلائی، آج میں پھر حکومت سے کہتا ہوں کہ اس ماہ کی ۲۵ تاریخ کو میں نے پھر ایکشن کمیٹی کی میٹنگ بلائی ہے اور آج پھر جب میں یہاں سے جاؤں گا تو وہ تحریک اسی طرح چلے گی جس طرح ہم نے چلائی تھی اور جب تک بلوچستان میں مرزائیت کا نام ونشان ہم نہیں مٹائیں گے تو وہاں ہمارا آرام سے بیٹھنا حرام ہے۔"

مولانا سید شمسؒ کے عم زاد بھائی مولانا سید احمد شاہ خطیب ملٹری مسجد فورٹ سنڈیمن فرماتے ہیں، ۲۷ اپریل ۱۹۷۴ء کو دوپہر ایک بجے خواب میں مجھے مولانا سید شمس الدین شہیدؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کی شہادت کے بعد لوگوں نے بہت اشعار آپ کی یاد میں کہے ہیں۔ مولانا شہیدؒ نے کہا: میں نے بھی اشعار کہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے سنا دیں تاکہ میں لکھ لوں۔ مولانا شہیدؒ نے اپنا قلم مجھے دیا اور اشعار سنانے شروع کیے اور ابھی تین شعر پڑھے تھے کہ میں رونے لگا اور میری آنکھ کھل گئی۔

ان اشعار کا اُردو میں مفہوم یہ ہے کہ: "دنیا میں مَیں نے ایمان کو تبدیل نہیں کیا اور ارمانوں کے ساتھ چل بسا میرے والدین اور اعزہ واقرباء افسوس نہ کریں۔ میں ختم نبوت پر قربان ہوا ہوں اور حضرت درخواستی مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور دیگر قائدین جمعیۃ افسوس نہ کریں کیونکہ ظالم مجھے جمعیۃ علماء اسلام کے منشور سے ہٹا نہیں سکا۔

بھٹو حکومت نے مولانا کو گرفتار کیا۔ رہائی کے بعد مولانا شمس الدینؒ نے اپنی گرفتاری کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی۔

"وہ مجھے ۲۵ میل دُور افغانستان سرحد کی طرف والے روڈ میں لے گئے کیونکہ باقی تمام راستے ہمارے نوجوانوں نے بند کر رکھے تھے۔

وہاں ایک فوجی کیمپ میں مجھے ان کے حوالے کیا اور وہاں سے وہ لوگ آگے ۲۵ میل لے کر پہنچے۔ اس سڑک پر ہمارے جوان نہیں تھے کیونکہ یہ راستہ افغانستان کو جاتا ہے لیکن ۲۵ میل دُور ایک گاؤں میں پہنچے اور لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے گھیرا ڈال لیا۔ ان کے دو نمائندے آئے اور کہا کہ تم مولوی شمس الدینؒ کو یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔ اس لئے کہ اگر تم یہاں سے لے گئے تو یہ ہماری بے غیرتی ہوگی یا تو تم مولوی صاحب کو واپس لے جاؤ یا پھر ہم مریں گے یا تم مرو گے۔ بہر حال مجھے وہاں سے پھر فوجی چوکی میں واپس لائے اور وہاں سے مجھے بذریعہ

ہیلی کاپٹر میوند لے جایا گیا۔ میوند میں ایک فوجی کیمپ تھا۔ وہاں مجھے ان سے دُور ایک خیمہ لگا کر رکھا گیا اور چھ سے دس تک فوجی مجھ پر پہرہ دار مقرر کئے گئے۔ میوند ایک پہاڑی اور خراب علاقہ ہے اور ایسا پانی ہے جس کے پیتے ہی پیچش شروع ہو جاتے ہیں۔ بہرحال مجھے یہ کہا جاتا رہا کہ تمہیں اس وقت تک رہا نہیں کیا جائے گا جب تک تم حکومت وقت کی امداد نہ کرو اور اتنے روپے مجھے دینے پر تیار ہوئے کہ میرے پورے قبیلے کی زندگی کے لئے کافی تھے اور مجھے گورنر نے فوجیوں کے ذریعے یہاں تک کہا کہ آپ کو ہم وزارتِ اعلیٰ دینے کے لئے تیار ہیں۔ میں نے کہا میں پاکستان کی تاریخ میں اس داغ کا اضافہ نہیں کرنا چاہتا کہ ایک مجرم کو رہا کر کے وزیر اعلیٰ بنا دیا جائے۔ پھر ہائی کورٹ کے نوٹس کی بنا پر مجھے ۱۸ اگست کو رہا کر کے کوئٹہ لا کر چھوڑ دیا۔"

مولانا سید شمس الدینؒ کی گرفتاری کے دوران گورنر بگٹی نے اپنے ایلچی مولوی صالح محمد کے ذریعہ مولانا شہیدؒ کے والد محترم مولانا محمد زاہد صاحب مدظلہ، کو پیغام بھیجا کہ آپ مجھے کوئٹہ آ کر ملیں تاکہ آپ کے بیٹے کی رہائی کے بارے میں کچھ شرائط طے کی جا سکیں مگر مولانا محمد زاہد صاحب مدظلہ، نے جواب دیا کہ میں کسی قیمت پر گورنر سے ملاقات نہیں کروں گا۔

دراصل گورنر بگٹی کی خواہش یہ تھی کہ مولانا شمس الدینؒ کو اس بات کا پابند کر دیا جائے کہ وہ رہائی کے بعد تحریک ختم نبوت کی قیادت نہ کریں لیکن مولانا محمد زاہد مدظلہ نے اس دام میں آنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ عقیدے کا مسئلہ ہے اور ایسے دس شمس الدین عقیدۂ ختم نبوت پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔

آپ کو ایک سازش سے شہید کیا گیا۔ مولانا سید امام شاہ اور خان محمد زمان خان نے بتایا کہ مولانا شہیدؒ کے خون مقدس سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ اس جیسی خوشبو کسی چیز میں نہیں دیکھی کہ بعض افراد نے جن کے ہاتھوں کو خون لگ گیا تھا۔ سارا دن خون نہیں دھویا۔ یہ خوشبو لوگوں نے عام طور پر محسوس کی۔

متعدد حضرات نے راقم الحروف کو بتایا کہ جب قائدین جمعیۃ مولانا شہیدؒ کی قبر پر دعا میں مصروف تھے۔ اس وقت جلوس پر اوپر سے سفید رنگ کے پھول برس رہے تھے جو کئی لوگوں نے اٹھائے۔ بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید ہوا کے ساتھ قریبی باغ سے بادام کے درختوں کے پھول اُڑ کر آ رہے ہیں لیکن جب ان پھولوں سے موازنہ کیا تو یہ پھول باداموں کے پھولوں سے قطعی مختلف تھے۔ لوگوں نے بجا طور پر اسے شہیدؒ کی کرامت سمجھا۔

مولانا عمادالدین غوری رحمہ اللہ

مولانا عمادالدین غوریؒ ابتدائے عمر میں بڑے طاقتور اور نامی پہلوان تھے لیکن جوہر قابل تھے۔ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ایک جید عالم بن گئے۔ دین کی خدمت شروع کردی۔

ایک دن یہ سلطان محمد تغلق کے دربار میں بیٹھے تھے۔ محمد تغلق نے کہا: فیض خدا منقطع نیست چرا باید کہ فیض نبوت منقطع شود اگر حالا کسے دعویٰ پیغمبری بکند ومعجز نماید تصدیق می کندیا نے؟

(جب فیضِ خدا منقطع نہیں تو فیض نبوت کیوں منقطع ہو۔ اگر اب کوئی پیغمبری کا دعویٰ کرلے اور معجزہ دکھائے تو تصدیق کروگے یا نہیں) یہ سننا تھا کہ غیرت ایمانی جوش میں آئی اور ناموسِ ختم نبوت پر حرف آنے سے آنکھوں میں خون اتر آیا اور زبان سے نکلا:

بادشاہ گوہ مخور۔" (بادشاہ گندگی مت کھاؤ)

بادشاہ نے حکم دیا عماد کو ذبح کردو اور زبان باہر نکال ڈالو۔ آپ نے نہایت بے پروائی سے اس حکم کو سنا اور کلمہ حق کہنے پر شہید ہوگئے۔

ذوق جنوں کے واقعات شہداء ختم نبوت ۱۹۵۳ء

تحریک مقدس ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں جناب سید مظفر علی شمسی کی روایت کے مطابق سکھر جیل میں جب حضرت امیر شریعت مولانا ابوالحسنات مولانا لال حسین اختر اور دوسرے رہنماؤں کو لایا گیا تو ایسی گرمی پڑتی تھی کہ برتن میں پانی اتنا گرم ہوجاتا تھا کہ اس میں انڈا ڈال دیتے تھے تو وہ نیم برشت ہوجاتا تھا اور اگر اسی پانی کو باہر رکھ کر انڈا اس میں رکھ دیتے تھے تو انڈا پک جاتا تھا۔

شمسی صاحب کی روایت ہے کہ اس تحریک میں ایک عورت اپنے بیٹے کی براءت لے کر دہلی دروازہ کی جانب آرہی تھی سامنے سے تڑ تڑ کی آواز آئی معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کے لیے لوگ سینہ تانے بٹن کھول کر گولیاں کھارہے ہیں تو براءت کو معذرت کرکے رخصت کردیا۔ بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیٹا آج کے...... دن کے لیے میں نے تمہیں جنا تھا۔ جاؤ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان ہوکر دودھ بخشوا جاؤ۔ میں تمہاری شادی اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کروں گی اور تمہاری براءت

میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو کروں گی جاؤ پروانہ وار شہید ہو جاؤ تا کہ میں فخر کرسکوں کہ میں بھی شہید کی ماں ہوں۔ بیٹا ایسا سعادت مند تھا کہ تحریک میں ماں کے حکم پر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے لیے شہید ہو گیا۔ جب لاش لائی گئی تو گولی کا کوئی نشان پشت پر نہ تھا۔ سب سینہ پر گولیاں کھائیں۔ فرحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

تحریک ختم نبوت میں ایک طالب کتابیں ہاتھ میں لیے کالج جا رہا تھا۔ سامنے تحریک کے لوگوں پر گولیاں چل رہی تھیں۔ کتابیں رکھ کر جلوس کی طرف بڑھا کسی نے پوچھا یہ کیا۔ جواب میں کہا کہ آج تک پڑھتا رہا ہوں آج عمل کرنے جا رہا ہوں۔ جاتے ہی ران پر گولی لگی گر گیا۔ پولیس والے نے آ کر اٹھایا، تو شیر کی طرح گرجدار آواز میں کہا کہ ظالم گولی ران پر کیوں ماری ہے؟ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو دل میں ہے یہاں دل پر گولی مارو تا کہ قلب وجگر کو سکون ملے۔

مولانا عبدالستار نیازی راوی ہیں کہ اس تحریک میں جو آدمی بھی شریک ہوتا تھا یہ طے کر کے آتا تھا کہ وہ ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان دے دیگا۔ پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ لوگ لاٹھیاں کھاتے رہے۔ ایک نوجوان کے پاس حمائل شریف تھی۔ فردوس شاہ ڈی ایس پی نے ٹھوکر ماری۔ نوجوان گر گیا حمائل شریف دور جا گری اور پھٹ گئی۔ فردوس شاہ کو لوگوں نے موقع پر قتل کر دیا۔ قرآن مجید کی بیحرمتی کرنے والا اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

نیازی صاحب فرماتے ہیں کہ دہلی دروازہ کے باہر چار نوجوانوں کی ڈیوٹی تھی پولیس نے چاروں کو باری باری گولی کا نشانہ بنا دیا۔

نیازی صاحب کے بقول ہمارا ایک جلوس مال روڈ سے آ رہا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ کا ورد نعرۂ تکبیر، ختم نبوت زندہ باد کے نعرے ورد زبان تھے۔ وہاں پر زبردست فائرنگ ہوئی لیکن نوجوان سینہ کھول کھول کر سامنے آتے رہے اور جام شہادت نوش کرتے رہے۔

معلوم ہوا کہ اسی تحریک میں کرفیو لگ گیا۔ اذان کے وقت ایک مسلمان کرفیو کی خلاف ورزی کر کے آگے بڑھا مسجد میں پہنچ کر اذان دی۔ ابھی اللہ اکبر کہہ پایا تھا کہ گولی لگی ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا مسلمان آگے بڑھا۔ اس نے شھدان لا الہ الا اللہ کہا تھا کہ گولی لگی ڈھیر ہو گیا۔ تیسرا مسلمان آگے بڑھا ان کی لاشوں پر کھڑا ہو کر اشھدان محمد ارسول اللہ کہا کہ گولی لگی ڈھیر ہو گیا۔ چوتھا آدمی بڑھا تین کی لاشوں پر کھڑے ہو کر کہا حی علی الصلوٰۃ

کہ گولی لگی ڈھیر ہوگیا۔ پانچواں مسلمان بڑھا غرضیکہ باری باری نومسلمان شہید ہو گئے مگر اذان پوری کر کے چھوڑی۔ اللہ کی رحمت کنند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

مولانا تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ تحریک میں گرفتار ہو کر شاہی قلعہ لاہور لائے گئے۔ وہاں سے مہینوں بعد آپ کو اٹک جیل منتقل کر دیا گیا۔ ایک بدبخت نے آپ کے والد صاحب کو جا کر جھوٹی اطلاع دی کہ مولانا تاج محمود کے پولیس نے ہاتھ پاؤں توڑ دیے ہیں۔ اس سے آپ کے والد صاحب کو بہت فکر ہوئی پوری پوری رات وہ چارپائی پر سجدہ کی حالت میں دُعا گو رہے اللہ کی شان یہی آدمی جھوٹی خبر دینے والا خود سرگودھا روڈ پر ایک حادثہ کا شکار ہو کر دونوں ہاتھوں اور ٹانگوں سے محروم ہوگیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

تحریک ختم نبوت میں ایک مسلمان دیوانہ وار ختم نبوت زندہ باد کے لاہور کی سڑکوں پر نعرے لگا رہا تھا۔ پولیس نے پکڑ کر تھپڑ مارا۔ اِس پر اُس نے پھر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ پولیس والے نے بندوق کا بٹ مارا اور اس نے پھر نعرہ لگایا۔ وہ مارتے رہے یہ نعرہ لگاتا رہا۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا یہ زخموں سے چُور چُور پھر بھی ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتا رہا۔ اسے گاڑی سے اتارا گیا تو بھی وہ نعرہ لگاتا رہا۔ اسے فوجی عدالت میں لایا گیا اُس نے عدالت میں آتے ہی ختم نبوت کا نعرہ لگایا۔ فوجی نے کہا ایک سال سزا۔ اُس نے سال کی سزا سن کر پھر ختم نبوت کا نعرہ لگایا۔ اس نے سزا دو سال کر دی اس نے پھر نعرہ لگایا غرضیکہ فوجی سزا بڑھاتا رہا اور یہ مسلمان نعرہ ختم نبوت بلند کرتا رہا۔ فوجی عدالت جب بیس (۲۰) سال پر پہنچی دیکھا کہ بیس سال کی سزا سن کر یہ پھر بھی نعرہ سے باز نہیں آرہا تو فوجی عدالت نے کہا کہ باہر لیجا کر گولی ماردو۔ اس نے گولی کا سن کر دیوانہ وار رقص شروع کر دیا اور ساتھ ختم نبوت زندہ باد۔ ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف ترانہ سے ایمان پرور وجد آفریں کیفیت طاری کر دی۔ یہ حالت دیکھ کر عدالت نے کہا کہ رہا کر دو کہ یہ دیوانہ ہے اُس نے رہائی کا سُن کر پھر نعرہ لگایا۔ ختم نبوت زندہ باد

(قارئین کرام! میں لکھتے ہوئے نعرہ لگاتا ہوں اور آپ پڑھتے ہوئے نعرہ لگائیں۔)

ختم نبوت زندہ باد

تحریک ختم نبوت ۵۳ء میں دہلی دروازہ لاہور کے باہر صبح سے عصر تک جلوس نکلتے رہے اور دیوانہ وار سینوں پر گولیاں کھا کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر جان

قربان کرتے رہے عصر کے بعد جب جلوس نکلنے بند ہو گئے تو ایک اسی سالہ بوڑھا اپنے معصوم پانچ سالہ بچے کو اپنے کندھے پر اٹھا کر لایا۔ باپ نے ختم نبوت کا نعرہ لگایا معصوم بچے نے جو باپ سے سبق پڑھا تھا اس کے مطابق زندہ باد کہا، دو گولیاں آئیں اسی سالہ بوڑھے باپ اور پانچ سالہ معصوم بچے کے سینہ سے شائیں کر کے گزر گئیں دونوں شہید ہو گئے مگر تاریخ میں اس نئے باب کا اضافہ کر گئے کہ اگر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس پر مشکل وقت آئے تو مسلمان قوم کے اسی سالہ بوڑھے خمیدہ کمر سے لے کر پانچ سالہ معصوم بچے تک سب جان دے کر اپنے پیارے آقا کی عزت وناموس کا تحفظ کرتے ہیں۔

آغا شورش کاشمیریؒ نے فرمایا: ''ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس نے خود راقم سے بیان کیا تھا کہ ہر روز کے مظاہروں کو سمیٹنے کے لیے تشدد کی نیو اٹھا کر تحریک کو ختم کیا گیا۔

چنانچہ حکام نے اپنے سفید پوش اہل کاروں کی معرفت پولیس پر پتھراؤ کرایا۔ اس طرح پر فائرنگ کی بنیاد رکھی۔ بعض منچلے قادیانی اپنی جیپوں میں سوار ہو کر مسلمانوں پر گولیاں داغتے اور انہیں شہید کرتے رہے۔ راقم نے لاہور میں چیئرنگ کراس ہوم مال روڈ پر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ۱۵ سال سے ۲۲ سال کی عمر کے نوجوانوں کا ایک مختصر سا جلوس کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے جا رہا تھا۔ وہ ایک بے ضمیر سپرنٹنڈنٹ پولیس ڈی سی آئی ملک حبیب اللہ کے حکم پر کسی وارننگ کے بغیر فائرنگ کا ہدف بنا۔ آٹھ دس نوجوان شہید ہو گئے۔ ان کی لاشوں کو ملک صاحب نے اپنے ماتحتوں سے ٹرکوں میں اس طرح پھنکوایا جس طرح جانور شکار کیے جاتے ہیں۔ یہ نظارہ انتہائی دردناک تھا۔ لاہور چھاؤنی میں ایک قادیانی افسر نے گولیوں کی بوچھاڑ کی لیکن گولی کھانے والوں نے انتہائی استقامت اور کردار کی پختگی کا ثبوت دیا۔ ایک نوجوان ملٹری ہسپتال میں زخموں سے چور چور بے ہوش پڑا تھا۔ جب اُسے قدرے ہوش آیا تو اس نے پہلا سوال سرجن سے یہ کیا کہ میرے چہرے پر کسی خوف یا اضمحلال کے نشان تو نہیں ہیں جب اسے کہا گیا کہ نہیں تو اس کا چہرہ پرنور مسرت سے تمتما اٹھا جن لوگوں کو علماء سمیت گرفتار کر کے لاہور کے شاہی قلعہ میں تفتیش کے لیے رکھا گیا ان کے ساتھ پولیس نے اخلاق باختگی کا سلوک کیا۔ ایک انتہائی ذلیل ڈی ایس پی کو ان پر مامور کیا وہ علماء کو اس قدر فحش وفاش گالیاں دیتا اور عریاں فقرے کستا کہ ''خود خوف خدا تھرا رہا تھا'' (تحریک ختم نبوت ص ۱۳۷)

شہدائے ختم نبوت

گرفتاریاں: یہ گرفتاریاں کیا ہوئیں صوبہ میں قیامت آ گئی۔ عوام میں ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ روزنامہ آزاد میں ایک کارٹون شائع ہوا ایک مسجد ہے۔ اس کا دروازہ بند ہے۔ دروازہ کے باہر ایک بزرگ مولانا کھڑے ہیں۔ ان کے دونوں لبوں میں سوراخ کر کے ایک بہت بڑا تالا لگا ہوا دکھایا گیا تھا گویا وہ آہ نہ کر لبوں کو سی عشق ہے دل لگی نہیں ...... کی تصویر بنا کھڑا ہے۔ ان گرفتاریوں پر پورے صوبہ میں یوم احتجاج منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ پورے صوبہ میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ یوم احتجاج منایا گیا۔ یوم احتجاج کے موقع پر ملتان میں ایک زبردست جلوس نکالا گیا۔ یہ جلوس جب تھانہ کپ کے قریب پہنچا تو تھانہ والوں نے خواہ مخواہ وہم میں مبتلا ہو کر گولی چلا دی جس سے کئی آدمی شہید ہو گئے۔ پھر کیا تھا کسی شاعر نے ملتان کے شہیدوں پر نظم لکھتے ہوئے کہا۔ ملتان کے شہید و ملتان رو رہا ہے۔ اس سانحہ کے بعد ملتان میں ہڑتال ہو گئی عظیم ماتم منایا گیا۔ ۱۰۔۱۲ دن تک ملتان میں مکمل ہڑتال رہی۔ ملتان کے علی حسین گردیزی بھی دولتانہ وزارت میں ایک وزیر تھے۔ ان کی والدہ بیوی بچوں اور دوسری خاندان کی خواتین نے گردیزی صاحب کو لاہور فون کیا اور مطالبہ کیا کہ ہمارا ملتان کربلا بن چکا ہے ہمارے گھر کے اردگرد ماتم ہو رہے ہیں۔ آپ مہربانی کر کے وزارت سے استعفیٰ دے کر واپس آئیں، گردیزی صاحب نے میاں دولتانہ سے عرض کیا دولتانہ صاحب کا پتہ پہلے ہی پانی ہو رہا تھا۔ انہوں نے گردیزی صاحب سے فرمایا کہ قربان علی خاں سے کہو کہ ایکشن ختم کرے لیکن قربان علی خاں نے کہا ہرگز نہیں میں کبھی بھی اس ایکشن سے دست بردار نہیں ہو سکتا اس طرح پنجاب پولیس کا وقار خاک میں مل جائے گا۔ میں مزید گرفتاریاں کروں گا اور اس تحریک کو کچل کر دم لوں گا۔ دوسری طرف پورے صوبہ ملتان کے شہیدوں کا خون رنگ لانے لگا۔ جلسے جلوس قرار دادیں، جمعہ کے خطبوں میں شہدا کو خراج تحسین اور دولتانہ وزارت کو یزیدی حکومت ثابت کرنے کا بیان ایک طوفان بپا ہو گیا۔

۵ مارچ: اس روز پہلے سے کہیں زیادہ ظلم روا رکھا گیا اس ظلم تشدد اور بے گناہوں کے قتل عام کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام سرکاری دفاتر بند ہو گئے' سول سیکرٹریٹ کے تمام چھوٹے بڑے ملازموں نے بھی ہڑتال کر دی اور اپنے اپنے دفتروں سے باہر نکل آئے' ایشیا کی تاریخ کا یہ پہلا اور انوکھا واقعہ تھا کہ عوام کے مطالبات اور احتجاج میں کسی ملک کا صوبائی سیکرٹریٹ بند ہو گیا ہو اور اس کے چھوٹے بڑے تمام ملازمین بھی تحریک میں شریک ہو گئے ہوں' اس بات کا اعتراف میاں انور علی آئی جی پولیس نے بھی اپنی شہادت میں کیا ہے۔

لاہور کے عوام تحریک ختم نبوت کے رضا کاروں اور حضور ختم المرسلین کے شیدائیوں پر ہونے والے مظالم کو دیکھ کر صبر اور ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھے اور رسول نافرمانی کی تحریک بغاوت میں تبدیل ہوتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ لوگ اپنے گھروں سے نکل آئے اور سینے تان کر کھڑے ہو گئے۔

اب حکومت کے سامنے کوئی چارہ نہ تھا کہ عوام کے اس نئے اقدام کو ناکام کرے چنانچہ پولیس نے اپنے کرائے کے غنڈوں اور ٹاؤٹوں سے اور منی بسوں کو آگ لگوائی پولیس کی اپنی ایک گاڑی بھی جلوا دی گئی۔ کچھ مرزائیوں کی دوکانیں جلوائی گئیں اور چند دوکانیں لٹوائی گئیں۔ ان واقعات کا مقصد یہ تھا کہ فوج کو یقین دلوایا جا سکے کہ یہ تحریک کوئی دینی اور پر امن تحریک نہیں ہے۔ تاکہ فوج شرح صدر کے ساتھ طاقت استعمال کر سکے نیز پولیس کے جوان جو چار مارچ کے ظلم و تشدد پر نادم اور افسوس کناں تھے اور مزید گولی چلانے پر آمادہ نہ تھے۔ انہیں بھی مزید مظالم ڈھانے پر آمادہ کیا جا سکے۔

چنانچہ یہ اسکیم بنانے والے کامیاب ہوئے اور غنڈوں کے ان چند واقعات کے بعد پولیس نے تین دن تک بے پناہ ظلم ڈھایا اور بے گناہوں کو گولیوں اور سنگینوں سے قتل کیا۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ غنڈہ گردی' لوٹ مار' ساڑ پھونک اور توڑ پھوڑ کی یہ کارروائیاں تحریک ختم نبوت کے رضا کاروں نے کی ہوں یا عوام نے رضا کاروں پر ظلم ہوتا دیکھ کر اشتعال میں آ کر یہ سب کچھ کیا ہو لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ اگر تحریک ختم نبوت سے تعلق رکھنے والے رضا کار یا عوام ان واقعات کا ارتکاب کرتے تو وہ شروع سے لے کر آخر تک ہوتا۔ صرف ایک دن ۵ مارچ کو صبح سے دوپہر تک ان واقعات کا ہونا اور پھر بالکل بند ہو جانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ واقعات کرنے والے کسی اسکیم کے تحت ان جرائم کا ارتکاب کر رہے تھے۔ رضا کار صرف دفعہ ۱۴۴ توڑ کر گرفتاری دینا چاہتے تھے۔ وہ پہلے دن سے لے کر آخری دن تک ایسا کرتے

رہے۔ حکومت نے یا ان کی گرفتاری لی اور یا ان کی جان لے لی۔ اگر توڑ پھوڑ ساڑ پھونک اور مار دھاڑ بھی پروگرام میں شامل ہوتی تو وہ صرف ایک دن چند گھنٹے جاری رہ کر بند نہ ہو جاتی جو رضا کار کرفیو توڑتے رہے اور مارشل لاء لگ جانے کے بعد بھی توڑتے رہے۔ گرفتاری یا جان دینے کے لئے سینے تان کر جتھے نکالتے رہے اگر تشدد کے یہ واقعات بھی ان کے پروگرام میں شامل ہوتے وہ انہیں شروع سے آخر تک ہر قیمت اور ہر قربانی پر سرانجام دیتے رہتے۔

لیکن یہ صبح سے دوپہر تک کے واقعات اور صرف ایک دن کے لئے پولیس کے اپنے منظم کرائے ہوئے واقعات تھے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ پولیس اور فوج کے جوان تحریک کے رضا کاروں کو ان واقعات کا ذمہ دار قرار دے کر انہیں غنڈے سمجھ کر شرح صدر کے ساتھ گولی چلاتے رہیں اور قتل کرتے رہیں۔

چنانچہ ۴ مارچ اور ۵ مارچ کو پولیس نے شرح صدر کے ساتھ گولی چلائی۔ سنگینیں استعمال کیں۔ ریڈیو کے اعلانات میں تحریک کے رضا کاروں کو غنڈے کہا جاتا رہا پولیس کے جوان بزعم خویش غنڈوں کو قتل کرتے رہے۔

سب سے زیادہ ظلم گوالمنڈی کے علاقہ میں جہاں عبدالکریم مرزائی اے ایس آئی اور خاں بہادر سپرنٹنڈنٹ بارڈر پولیس گولی چلانے میں مصروف رہے گوالمنڈی کے قتل عام کی تحقیقات تحقیقاتی عدالت میں بھی خاص طور پر پیش ہو۔ اس قتل عام کے متعلق پندرہ چشم دید گواہ عدالت میں پیش ہوئے اور انہوں نے شہادتیں دیں حکومت نے اس واقعہ کی تفتیش انکوائری کورٹ کے علاوہ کرائی لیکن بدقسمتی کہ تفتیش کرنے والوں میں عطاء محمد نون۔ ڈی آئی جی (مرزائی) مسٹر عبدالحی مجسٹریٹ مرزائی اور ایک فوجی شامل تھے۔ فوجی افسر کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا میرا یقین ہے کہ وہ یقیناً مرزائی ہوگا اور اگر وہ مرزائی نہ بھی ہو۔ جہاں دو سول گھاگ قسم کے افسر مرزائی ہوں وہاں تیسرے فوجی افسر نے کیا کرنا تھا۔ ان تینوں افسروں نے اس سارے قتل عام کو ہی غتر بود کر دیا اور تقریباً یہی کاروائی تحقیقاتی عدالت نے بھی کی۔

۵ مارچ کے قتل عام کا دن گزر جانے کے بعد جب رات آئی تو وہ بھی گزشتہ رات کی طرح بڑی وحشت ناک اور مہیب رات تھی۔ ساری رات لوگوں نے جاگ کر گزاری اپنے مکانوں کی چھتوں سے رو بلا کے لئے اذانیں پڑھتے رہے۔

غازی عبدالرحمٰن شہید رحمہ اللہ

مانسہرہ شہر میں قیامِ پاکستان سے قبل ہندو کاروبار پر چھائے ہوئے تھے۔ ایک آدھ دکان مسلمانوں کی تھی، اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی واقعہ برصغیر میں ظاہر ہوتا۔ ہندو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے اور یوں صورتحال خاصی گڑبڑ ہوتی۔ یہاں کشمیر روڈ پر بھی ایک سکھ تھا جو انتہائی خودسر اور گستاخ تھا۔ 24 سال کا جوان تھا، اکثر مسلمانوں کے ساتھ وہ بحث مباحثہ کرتا رہتا اور بڑی رعونت سے پیش آتا۔

غازی عبدالرحمٰن شہید نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے موضع صابر شاہ نزد بفہ سے پیدل چل کر مانسہرہ تشریف لائے تھے۔

حسبِ معمول وہ جمعہ پڑھنے کے لئے گھر سے نکلے تو ان کے بھانجے سنگار خان اپنی زمین میں مال مویشی چرا رہے تھے، اس کو اپنے پاس بلایا اور سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا بیٹا! میرے لئے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے۔ سنگار خان کہنے لگے کہ میں اس وقت چونکہ چھوٹا سا تھا، اس لئے پوچھ نہ سکا کہ آپ کا کیا مقصد ہے؟ جب غازی صاحب روانہ ہونے لگے تو میں نے کہا کہ مجھے بھی ساتھ لے جائیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ غازی عبدالرحمٰن صاحب کے ہاتھ میں ہمیشہ چھوٹی سی کلہاڑی ہوتی۔ جب مانسہرہ آئے تو کشمیر روڈ پر سودا لینے کے لئے گئے جہاں سکھوں کی دکانیں تھیں۔ سکھوں کی دکان پر غازی علم الدین شہیدؒ کے واقعہ کا تذکرہ ہو رہا تھا اور سکھ تنقید کر رہے تھے۔ اس سے دو چار دن پہلے مانسہرہ میں ایک احتجاجی جلوس نکلا تھا جس میں مولوی غلام سرور صاحب نے تقریر کی اور گستاخانِ رسولؐ کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر حکومت سزا انہیں دے سکتی تو ایسے بدقماش لوگوں کا قلع قمع ہم خود کریں گے۔

جب غازی عبدالرحمٰن صاحب سکھوں کی دکان پر پہنچے تو اس نوجوان سکھ نے جوانی کے جوش میں مسلمانوں کے خلاف کچھ باتیں کیں۔ غازی عبدالرحمٰن صاحب نے کہا کہ اگر تمہارے بھائی بند ایسے واقعات کا ارتکاب نہ کریں جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہو تو ایسے حالات ہی پیدا نہ ہوں۔ اس سکھ نے کہا، جو میرے بھائی بند کرتے ہیں، میں وہی کروں گا۔ غازی صاحب نے کہا، پھر ہم تمہاری زبان گدی سے کھینچ لیں گے۔ اسی تو تکار

میں اس نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں زبان سے کوئی نازیبا لفظ کہہ دیا۔ بس پھر کیا تھا، غازی عبدالرحمٰن صاحب وہ لفظ سن کر ہوش کھو بیٹھا، اس سکھ پر لگا تار وار کئے آگے آگے وہ سکھ بھاگ رہا تھا اور پیچھے پیچھے غازی صاحب تعاقب کر رہے تھے۔ پرانے جی ٹی ایس اڈے کے قریب اس سکھ کے بھائیوں کی سوڈا واٹر کی دکانیں تھیں، وہ ان دکانوں میں داخل ہوا۔ جگت سنگھ اس کا بھائی تھا، اس نے بھی غازی صاحب کو نہ روکا۔ غازی صاحب نے مشینوں کے نیچے گھسے ہوئے سکھ پر کئی وار کئے اور شدید زخمی کر دیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر پورا بازار بند ہو گیا، بھگدڑ مچ گئی۔ غازی عبدالرحمٰن صاحب ایبٹ آباد روڈ سے نعرے لگاتا ہوا کشمیر روڈ کی طرف آیا اور خوشی سے یہی کہہ رہا تھا کہ: ”میں نے اپنے آقا کا بدلہ لے لیا۔ میں نے اپنے آقا کا بدلہ لے لیا، میں نے اپنے آقا کا بدلہ لے لیا۔“

غازی صاحب سکھ کو قتل کرنے کے بعد بھاگے نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی بات کی بلکہ بالکل پرسکون رہے۔ جب غازی عبدالرحمٰن صاحب نے اپنا بیان پولیس کو دیا تو کہا، میں نے ہوش وحواس میں اس سکھ کو جہنم رسید کیا ہے۔ اگر وہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب نہ کرتا تو میں اسے سزا نہ دیتا۔ جب کیس عدالت میں پہنچا تو تین چار وکیل غازی عبدالرحمٰن صاحب کے دفاع میں پیش ہوئے۔ وکلاء نے کہا غازی صاحب آپ کہہ دیں کہ میں اتنا مشتعل تھا کہ مجھے کوئی ہوش نہ تھا، ہم آپ کو بچالیں گے لیکن غازی عبدالرحمٰن نے کہا، میں جھوٹ بول کر اپنا ثواب ضائع نہیں کرنا چاہتا چنانچہ عدالت نے غازی عبدالرحمٰن صاحب کو پھانسی کی سزا سنادی۔

وکلاء نے غازی عبدالرحمٰن سے کہا، کیا ہم ہائی کورٹ میں اپیل کریں؟ غازی صاحب نے صاف کہہ دیا، میں اب اپیل نہیں کروں گا، اس جان کی پرواہ نہیں ہے چنانچہ غازی عبدالرحمٰن صاحب کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ جب پھانسی کے بعد اس پروانے کی لاش صابر شاہ لائی گئی تو بھیر کنڈے سے صابر شاہ تک راستہ کے دونوں کناروں پر عوام کا جم غفیر تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ برصغیر کے تمام مسلمان آج مانسہرہ کی سرزمین پر جمع ہو گئے ہیں۔ نہایت تزک واحتشام سے غازی عبدالرحمٰن شہید کو سپرد خاک کیا گیا۔ آج وہ صابر شاہ کے بڑے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔ بقول شاعر ؎

ہم نے دیکھی تھی ادا کل تیرے دیوانے کی دھجیاں لئے بیٹھا تھا گریبانوں کی

(شہیدان ناموس رسالتؐ ۱۹۸)

غازی امیر احمد شہید رحمہ اللہ
غازی عبداللہ شہید رحمہ اللہ

ابھی وہ جوان تھا، اس کی آرزوئیں بھی جوان تھیں اور امنگیں بھی جوان تھیں۔ دنیا کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے مواقع بھی اسے میسر تھے اور دنیا اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی بھی تھی لیکن وہ مردِ مؤمن تھا اور اس کی غیرت ایمانی محبت رسولؐ کے مقابلے میں دنیا کی ہر چیز کو پرکاہ سمجھتی تھی۔ وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا پر قربان ہونا چاہتا تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کے دل میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ اب اس سے دست کش ہونا اس کے بس سے بھی باہر تھا۔ وہ اس محبت کو بڑی فراخدلی کے ساتھ اپنے دل میں بسائے ہوئے تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری سانس تک اس محبت کی پرورش کرتے رہنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی زندگی کی ساری پونجی اسی محبت کی نذر کر دے۔

اس نے کسی دار العلوم سے دستارِ فضلیت حاصل نہیں کی تھی، کسی شیخ الحدیث کی بارگاہِ علم وفضل میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا بھی کوئی موقع اسے میسر نہیں آیا تھا۔ کسی بحر العلوم سے اس کا کوئی رشتہ بھی نہیں تھا کہ کم از کم اسی نسبت پر وہ فخر کر سکتا۔ اس کی پیشانی پر سجدوں کو کوئی ٹریڈ مارک نہیں تھا۔ کم از کم یہی ہوتا کہ اس کے کرتہ کا دامن اس کے ٹخنوں کی بلائیں لیتا ہوتا تو اتفاق سے یہ بات بھی نہ تھی۔ اس نامہ اعمال بیوہ کی مانگ کی طرح صاف اور سپاٹ تھا۔ افشاں سے بھی محروم، سیندور سے بھی بے نیاز۔ اس کی عملی زندگی مفلس کی جیب کی طرح خالی تھی، نہ کھنکتے ہوئے سکے تھے نہ بجتی ہوئی ریزگاریاں۔ اس کی عملی وجاہت لاوارث میت کی طرح بے گوروکفن تھی اور اس کا خاندانی وقار ایک دھوپ تھی جو سورج کے ساتھ رخصت ہو چکی تھی لیکن اس کے پاس ایک ڈگری تھی وہ یہ کہ وہ مسلمان تھا اور اس کی تحویل میں محبت رسولؐ نام کی ایک دولت تھی جس کو بڑی احتیاط سے اس نے اپنے نہاں خانہ دل میں چھپا رکھا تھا۔ اس محبت کو وہ ہر قسم کے دنیوی صلاح وفلاح کا ضامن سمجھتا تھا اور اِسی کو اُخری نجات کا ذریعہ۔

امیر احمد کے دل میں ایمان کی جو چنگاری دبی ہوئی تھی، وہ وقت کے ساتھ ساتھ شعلہ جوالہ بنتی گئی۔ امیر احمد اپنے خونِ جگر سے اس شجرِ محبت کو سینچتا رہا۔ قلب کے انتہائی خلوص اور دل کی شدید سچائی کے ساتھ اس کی امید کا مرکز تنہا ایک ذاتِ رسالت تھی۔ وہ اپنے دل میں اسی ذات شریف کے لئے والہانہ جذبہ رکھتا تھا۔ اس کی جبین نیاز میں ہزاروں سجدے اسی ایک چوکھٹ کے لئے تڑپا کرتے تھے۔ اس کی آنکھیں اسی کے صحیفہ رخ کا نظارۂ جمال کرنا چاہتی تھیں۔ اس کی بس ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ ایک شمع نبوت پر پروانہ وار قربان ہو جائے۔ کسی طرح اس کا نام بھی اس محبوبِ دلنواز کے عاشقوں کی فہرست میں مندرج ہو جائے۔ کسی طرح وہ بھی ان کی ایک نگاہِ لطف کا استحقاق حاصل کر سکے۔

زمانے نے ایک کروٹ اور لی، وقت کا قافلہ ایک قدم اور چلا اور اب امیر احمد زندگی کی اکیسویں منزل میں قدم رکھ رہا تھا۔ یہ عمر امنگوں کی بیداری کی ہوتی ہے، اس عمر میں تمنائیں جاگ اٹھتی ہیں اور ولولوں کو شہپر پرواز مل جاتا ہے۔ امیر احمد کو بھی امیدوں نے سبز باغ دکھائے، آرزوئیں جھولے جھلانے لگیں۔ دنیا ایک حسین پیکر میں اس کے سامنے آ گئی اور کچھ دنیا کی دل فریبیوں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا، کچھ گھریلو ضرورتوں نے اسے دنیا حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

وہ سوچنے لگا، اسے بھی حق پہنچتا ہے کہ اپنی جوان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دنیا سے بقدر حوصلہ و ظرف فیض یاب ہو۔ داعیاتِ نفس اور تقاضائے شباب کا پورا کرنا بھی لازمہ حیات ہے۔ اس کی بوڑھی ماں جو اس امید پر اس کے جوان ہونے کی راہ دیکھ رہی تھی کہ وہ اس کے بڑھاپے میں عصائے پیری ہوگا۔ اس کی خدمت کا وقت آخر کب آئے گا؟ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے یتیم بھائی بہنوں کی تربیت سے کب تک پہلو تہی کرے گا؟ آخر وہ وقت کب آئے گا جب وہ اپنی جوان بہنوں کے ہاتھ پیلے کرے گا؟ لیکن ابھی وہ کچھ سوچ بھی نہ پایا تھا کہ کس طرح اپنے فرائض سے سبکدوش ہو؟ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کون سا قدم اٹھائے اور اپنی زندگی کو خوشحال اور بامراد بنانے کے لئے کون سی صورت اختیار کرے؟ کہ اچانک ایک عجیب تصویر اس کی آنکھوں سے گزری، ایک غیر متوقع منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ جس پیکر نور کو وہ مصورِ فطرت کا

سب سے حسین شاہکار سمجھتا تھا، کاغذ کے ایک ٹکڑے پر مرتسم ہے، گویا سمندر کوزے میں بند ہو گیا ہے اور بشریت کاغذ پر اتر آئی ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ جس جسمِ لطیف کا سایہ تک نہ تھا، اس کی تصویر کاغذ پر کیسے اتر سکتی ہے؟

پھر اس نے وہ سطریں پڑھیں جو بطورِ تعارف قلم بند ہوئی تھیں، وہ الفاظ پڑھے جو بطورِ القاب استعمال ہوئے تھے اور وہ دلخراش فقرہ پڑھا جس کو زیبِ عنوان بنایا گیا تھا اور جس سے صاحب تصویر کی جلالت اسمی کا پتہ چلتا تھا اور اب اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ کسی گستاخ نے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کارٹون بنایا ہے۔

وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو کائنات کی عظیم و جلیل شخصیت ہے، جو دنیا کا نجات دہندہ بھی ہے اور فرمانوائے گیتی بھی.......... جس نے انسانیت کی سب سے زیادہ خدمت کی اور جو دنیا والوں کو جینے کا سب سے اچھا سلیقہ سکھا گیا، اسی کی شان میں گستاخی کی گئی تھی، اسی کا مذاق اڑایا گیا تھا۔

امیر احمد غم سے نڈھال ہو گیا، وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ آج اس کے دل پر ایک چوٹ لگی تھی، اس کے قلب کو ایک صدمہ پہنچا تھا، اس کے دل کا سکون چھن گیا، اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سلب ہو گئی۔

کتاب اس کے سامنے ہی تھی، اس پر چھپی ہوئی تصویر اسے برابر دیکھے جا رہی تھی۔ وہ شدتِ درد سے چیخ اٹھا، گھاؤ گہرا تھا اس لئے اس کی تکلیف بھی ناقابل برداشت تھی۔ اس کی روح زخم کی اس ناقابل برداشت اذیت سے بلبلا اٹھی، اس کے ہاتھ سے پیمانہ صبر چھوٹ گیا، اس کی ہمت جواب دے گئی۔ غم غلط کرنے کی کوئی صورت اسے نظر نہیں آرہی تھی۔ سکون کی تلاش میں وہ ادھر ادھر بھٹکتا پھرا لیکن نہ خلوت کدہ اسے سکون بخش سکا، نہ جلوت میں اسے سکون میسر آیا۔ وہ پگڈنڈیوں پر بھی چلا، شاہراہوں پر بھی دوڑا، سکون وہاں بھی نہ تھا۔ وہ احباب کی بزمِ ظرف میں بھی شامل ہوا اور اپنے شہر کی تفریح گاہوں کی بھی اس نے سیر کی، سکون کی تلاش وہاں بھی بے سود تھی۔ اس کی جراحتِ دل کا اندمال وہاں بھی نہ تھا۔ وہاں بھی اس کا غم غلط نہ ہو سکا اور اب اس نے طے کر لیا کہ وہ جلد سے جلد کلکتہ پہنچے گا جہاں سے وہ رسوائے زمانہ کتاب شائع ہوئی تھی، جہاں سکون اس کا انتظار کر رہا تھا، جہاں

اسے ابدی راحت میسر آئے گی اور اس کا زخم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مندمل ہو جائے گا۔

تانگہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا اسٹیشن کو جا رہا تھا۔ پشاور کی گلیاں آج ہمیشہ کے لئے چھوٹ رہی تھی لیکن امیر احمد کو اس کا غم نہیں تھا، اس کی جبینِ ہمت پر شکن بھی نہ تھی۔ اس کے پائے استقامت میں تزلزل بھی نہ تھا، وہ لڑکھڑایا بھی نہیں، ڈگمگایا بھی نہیں۔ وہ آگے ہی بڑھتا گیا جیسے ندی دریا کی سمت دوڑتی ہے، جیسے چکور چاند کی طرف بھاگتا ہے۔ اس کا دوست عبداللہ اس کے ساتھ ہی تانگے پر سوار تھا۔ امیر احمد اس سے کہہ رہا تھا:

''میں نے زندگی کے آخری سانس تک تم سے دوستی نبھانے کی قسم کھائی تھی، میں نے تمام عمر رفاقت کا وعدہ کیا تھا اور میں نے زندگی کے ہر موڑ پر تمہارا ساتھ دیا بھی۔ میں نے تم سے بے پناہ محبت کی اور میرا سارا پیار تمہارے لئے وقف رہا لیکن آج میں پہلی بار تمہارا ساتھ چھوڑ رہا ہوں۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقے ہو جاؤں، ان کی عزت و حرمت پر کٹ مروں اور ان کی بارگاہِ ناز میں نقد جان بھی نذر کر دوں۔ کلکتہ میں اسی مقصد کے لئے جا رہا ہوں، شوق شہادت ہی مجھے وہاں لے جا رہا ہے۔ میرے بعد تم میری بوڑھی ماں کا خیال رکھنا اور اگر تم سے ہو سکے تو میرے یتیم بھائیوں اور بے سہارا بہنوں کی خبر گیری کرنا، یہ میری آخری گزارش ہے۔''

سلسلہ کلام جاری تھا اور عبداللہ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ جب امیر احمد اپنی گفتگو تمام کر چکا تو عبداللہ نے کہا:

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں اسٹیشن تک چھوڑنے جا رہا ہوں تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میں زندگی کی آخری منزل تک تمہارے ساتھ ہوں۔ کلکتہ تم تنہا ہی نہیں جا رہے ہو، تمہارا عبداللہ بھی تمہارا رفیق سفر ہے۔ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جانے کی تمنا اکیلے تمہارے ہی دل میں نہیں مچل رہی، اس میں، میں بھی تمہارا شریک کار ہوں۔ شہادت کی تڑپ میرے دل میں بھی ہے۔ میں بھی اپنے آقا پر قربان ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ شمع پر کچھ تمہارا اجارہ نہیں ہے کہ اکیلے تم ہی اس پر فدا ہو جاؤ، یہ سعادت تو کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ شمع پر جان دینا پروانوں کا پیدائشی حق ہے اور اس حق سے کوئی بھی اسے محروم نہیں کر سکتا۔ تمہارے آقا صرف تمہارے آقا نہیں ہیں، وہ ہم سب کے آقا ہیں۔

ان کے بارِ احسانات سے تن تنہا تمہاری ہی گردن خم نہیں ہے، ہم سب ان کے منت کش کرم ہیں۔ان کا جمالِ دلفروز ہماری آنکھوں کو بھی فروغ بخش رہا ہے اور ان کی تجلیوں سے ہمارا خانہ دل بھی معمور ہے۔ میدانِ حشر کی تیز دھوپ میں ان کے سایہ رحمت کی تلاش تنہا تمہی کو نہیں کرنی ہے، قبر کی منزل اور پل صراط کے سفر میں ان کے سہارے کی ہمیں بھی ضرورت ہے، ان کے دامنِ رحمت میں ہمیں بھی پناہ لینی ہے اور انہی کی کرم فرمائیوں پر ہماری نجات بھی منحصر ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو سعادت تم تنہا حاصل کرنا چاہ رہے ہو، میں اس سے محروم ہو جاؤں؟ میں تمہارے ساتھ ہی کلکتہ چل رہا ہوں۔ہم دونوں ایک ساتھ جامِ شہادت نوش کریں گے۔ زندگی میں بھی ہمارا تمہارا ساتھ رہا ہے، مرنے کے بعد بھی ہم تمہارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا تمہارا انجام بھی ایک ہو، قبر سے ہم دونوں ایک ساتھ ہی اٹھیں، ساتھ ہی جنت کو چلیں اور ہم دونوں کے آقا ہم دونوں کی قربانیاں قبول فرمالیں اور ایک ہی ساتھ ہم دونوں کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دے دیں۔"

ابھی عبداللہ کی بات پوری نہیں ہو پائی تھی کہ امیر احمد نے اسے ٹوک دیا:

"تم بھی چلے جاؤ گے تو ہم دونوں کی بوڑھی ماؤں کا کیا ہوگا؟ کس کو ہماری بہنوں کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہوگی؟ کون ہمارے بھائیوں کی دستگیری کرے گا۔"

عبداللہ ایک مرتبہ پھر گرجا: "تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ کارسازِ مطلق کوئی اور ہے۔ بھلا سوچو تو، جو اللہ رحم مادر میں جنین کی پرورش کرتا ہے، وہ جوانوں کی تربیت سے کیسے غافل ہو جائے گا۔ پھر جان دینے والوں کو یہ سوچنے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کے بعد دنیا کا کیا حال ہوگا؟ حضرت امام حسینؓ جس وقت میدان کربلا میں جان دے رہے تھے، انہوں نے کہاں سوچا تھا کہ ان کے بعد ان کی سکینہ کس طرح رہے گی؟ بیمار زین العابدین اپنی زندگی کے ایام کیسے بسر کریں گے؟ شہر بانو پر کیا گزرے گی؟ گلشن بتول کے نونہالوں اور باغ زہرا کی کلیوں کا کیا بنے گا؟ جان دینے والے تو بس جان دینا جانتے ہیں۔ان کو اس سے کیا غرض کہ وہ اپنے پیچھے کتنے متعلقین چھوڑ رہے ہیں۔"

پشاور کا اسٹیشن آ گیا تھا اس لئے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور دونوں دوست پلیٹ فارم پر کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف چل پڑے۔

کلکتہ ایک عظیم شہر ہے جہاں دن رات ہن برستا ہے، جہاں روزانہ لڈو پھوٹتے ہیں، وہاں ہر وقت چاندی لٹتی ہے۔ کلکتہ دیکھنے کی آرزو ایک مدت سے ان دونوں کو تھی لیکن اب تک اس کا موقع انہیں نہیں ملا تھا۔ آج ان کی ٹیکسی کلکتہ کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ کلکتہ میں ان کے لئے کوئی دلچسپی نہیں تھی، ان کے دل میں تو کچھ اور ہی لگن تھی۔ یہ اسٹیشن سے سیدھے لوئر چیت پور روڈ پر آئے اور موسیٰ سیٹھ کے مسافر خانے میں قیام پذیر ہوئے۔

انہوں نے یہاں اپنا سامان اتارا اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس محلّہ کی طرف چلے جہاں سکون ان کا انتظار کر رہا تھا اور طمانیت قلب ان کے لئے چشم براہ تھی۔ یہاں انہوں نے اس کتاب کے ناشر سے ملاقات کی جس نے ان کا سکون غارت کیا تھا اور وفا کیشوں کے جذبہ محبت کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس کتاب کا ناشر ہی اس کا مصنف بھی تھا اور اسی کے زیر اہتمام اس کی طباعت بھی عمل میں آئی تھی۔

انہوں نے کہا، اپنی کتاب سے فلاں حصہ نکال دو، اس سے ہم مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور ایک معذرت نامہ بھی شائع کروتا کہ جن لوگوں کی تم نے دل آزاری کی ہے، ان کی کچھ تسکین ہو جائے۔

کتاب کے ناشر نے کہا، کتاب میں ایک تصویر شائع ہو گئی تو کون سی قیامت آ گئی، تمہارے رسولؐ کے خلاف ایک آدھ جملہ لکھ دیا تو کیا ہو گیا۔ تم کہتے ہو کہ میں نے غلطی کی ہے لیکن میں غلطی ماننے کے لئے تیار ہی نہیں، میں نے جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہی لکھا ہے۔ اگر میری تحریر سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہے تو ہوا کرے، میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا کہ معافی نامہ شائع کر دوں۔ اگر میری غلطی تسلیم بھی کی گئی تو اس کی سزا اتنی سنگین نہیں، میں اپنی غلطی کا ڈھنڈورا نہیں پیٹ سکتا۔ تم جا سکتے ہو، تم میری دکان سے نکل جاؤ، میرا دماغ مت چاٹو۔

امیر احمد کی آنکھیں شعلے اگلنے لگیں، اس کا چہرہ گلنار ہو گیا، اس کی رگیں تن گئیں اور وہ بے قابو ہو گیا۔ غلطی اور اس پر اصرار، گستاخی اور وہ بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں۔

اس نے ایک جست کی، عبداللہ بھی اپنی جگہ سے اچھلا، دونوں اس نامراد پر ٹوٹ پڑے۔ پھر ایک بجلی تھی جو چمک گئی، ایک خنجر تھا جو کلیجہ میں اتر گیا اور اب یہ دونوں سڑک پر کھڑی ہوئی ٹریفک پولیس سے کہہ رہے تھے۔ میں نے خون کیا ہے، میں قاتل ہوں مجھے گرفتار کرا لو۔ پولیس مارے خوف و دہشت سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اب انہوں نے قریب کے تھانے کو فون سے اطلاع دی۔ میں فلاں مقام پر ٹھہرا ہوا ہوں، میں نے خون کیا ہے، تم

یہاں آ جاؤ تا کہ میں خود کو قانون کے حوالے کر سکوں۔ پھر دونوں گرفتار ہو گئے۔

عدالت میں آج ان دونوں کی پہلی پیشی تھی، آج ان کا مقدمہ کھلا تھا۔ ماہر قانون وکیلوں نے انہیں قانون کی زد سے بچا لینے کے لئے اپنی خدمات مفت پیش کیں۔ رؤسائے شہر نے ان کے مقدمہ کی پیروی کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔ بچوں نے کئی دنوں سے مٹھائی اور چاکلیٹ کے سارے پیسے بچا بچا کر آج ہی کے لئے رکھ چھوڑے تھے۔ خواتین نے اپنے اپنے کانوں کی بالیاں آج ہی کے لئے اتار رکھی تھی۔ سارا نگر یہ چاہتا تھا کہ یہ دونوں عدالت کی نگاہ میں مجرم نہ ثابت ہوں، کسی طرح یہ قانون کی زد سے بچ جائیں۔ خود حاکم کو بھی ان دونوں کی معصومیت پر ترس آ رہا تھا، وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ دونوں خلاصی پا جائیں لیکن دشواری یہ تھی کہ خود یہ دونوں ایسا نہیں چاہتے تھے۔ شہادت کا شوق ان کے سروں میں سمایا ہوا تھا اور یہ جلد از جلد پھانسی کے تختے کی طرف بڑھنا چاہتے تھے، آقا پر قربان ہو جانے کی تڑپ انہیں بے چین کئے دے رہی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ کم از کم اپنی زبان سے اقبالِ جرم نہ کریں، صرف ایک بار کہہ دیں کہ انہوں نے خون نہیں کیا لیکن دونوں یہی کہتے رہے۔ میں نے خون کیا ہے، میں ہی قاتل ہوں، میں نے ہی اس گستاخ کو اس کی گستاخی کی سزا دی ہے۔ آخر فیصلہ کا دن آ ہی گیا۔ قانون کی نگاہ میں دونوں مجرم ثابت ہوئے اور دونوں ہی کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کی گئی۔

آج شہر کی ساری آبادی علی پور جیل کے گرد سمٹ آئی تھی، ہر کوئی اشکبار آنکھوں سے ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ چہرے جن پر تقدس برس رہا تھا، معصومیت قربان ہو رہی تھی۔ تقدس برستا رہا، معصومیت ٹوٹتی رہی اور لوگ ان کا آخری دیدار کرتے رہے۔ سارے لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف تھیں لیکن یہ دونوں کسی اور طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہیں بار بار ایک طرف اٹھ اٹھ جاتی تھیں۔ دفعتاً ان کے چہروں پر اضطراب کی ایک کیفیت نمودار ہوئی اور ان کا چہرہ اتر گیا۔ ان دونوں کا آخری دیدار کرنے کے لئے ان دونوں کی مائیں بھی پشاور سے آ گئی تھیں اور اس وقت یہ دونوں بھی دیکھنے والوں کی صف میں کھڑی تھیں۔ جب انہوں نے ان دونوں کی اس حالت کا اندازہ کیا، برس پڑیں:

"دمِ آخر چہروں پر حزن وملال کے آثار کیوں؟ زندگی جب اتنی پیاری تھی تو موت کو دعوت کیوں دی تھی؟ کیا اللہ والوں کا یہی وطیرہ ہے، شیدائیانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی

کردار ہوتا ہے؟ سرفروش اسی طرح جان دیتے ہیں؟ خبردار! جو چہرے پر غم کی کیفیت پیدا ہونے دی۔ یاد رکھو! اگر تم نے ہنستے ہوئے جان نہیں دی، اگر دار ورسن کا پرتپاک خیر مقدم نہیں کیا، اگر مسکراتے ہوئے جامِ شہادت نہیں نوش کر سکے تو ہم تمہارا دودھ کبھی نہیں بخشیں گی۔ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ آج تم اس سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہو جو ہر کسی کا مقسوم نہیں۔"

یہ رتبہ بلند ملا جس کو ملا گیا

امیر احمد اور عبداللہ ایک ساتھ بول پڑے۔ چہروں پر جو اضطراب کی لکیر آپ کو نظر آرہی ہے، وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم لوگ جان سے جا رہے ہیں، ہمارے چہروں پر غم کی گھٹا اس لئے نہیں چھائی ہے کہ ہم تختہ دار پر چڑھنے ہی والے ہیں۔ ہماری پریشانیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ جامِ شہادت پیش کرنے میں لوگ دیر کیوں کر رہے ہیں؟ ہماری نگاہیں اس وقت جو کچھ دیکھ رہی ہیں، اگر آپ دیکھ لیجئے تو آپ بھی ہماری جگہ آنے کی کوشش کیجئے۔ آپ کے اطمینان کے لئے ہم اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہماری منزل مل گئی ہے، ہمارے آقا کالی کملی اوڑھے ہمارے سامنے کھڑے اپنے ہاتھوں کے اشارے سے اپنے پاس بلا رہے ہیں لیکن ہمارے آقا اور ان کے درمیان شرط یہی ٹھہری ہے کہ ہم جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد ہی ان تک پہنچ سکیں گے۔

پھانسی کا پھندا آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ ہنستے ہوئے جان دے رہے تھے۔ انہوں نے جان دے ڈالی، وہ دونوں شہید ہو گئے، رحمت کی گھٹائیں ان پر برس پڑیں اور وہ ان میں سر سے پاؤں تک ڈوب گئے۔

جنت کے جانے والے! جنت کا سفر مبارک ہو، اس کی سرمدی راحتیں مبارک ہوں، ابدی نعمتیں مبارک ہوں۔ ان شہیدانِ محبت کی آخری آرام گاہ کلکتہ کے گورا قبرستان میں ساتھ ساتھ ہیں۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۱۵۷ تا ۱۶۴)

جینے کا ہمیں کچھ شوق نہیں مرنے کی ہمیں کچھ فکر نہیں
وہ مر کے بھی زندہ رہتے ہیں جو حق کی حمایت کرتے ہیں

(عشق نبوی)

غازی بابو معراج دین شہید رحمہ اللہ

1951-52ء میں ختم نبوت کی تحریک زوروں پر تھی۔ آپ ایک سچے عاشق رسولؐ تھے۔ آپؒ نے اس تحریک میں بھرپور طریقے سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا شمار اس تحریک کے بانیوں میں سے ہوتا تھا، آپ ایک شعلہ بیاں مقرر تھے۔ بابو معراج دین کو شروع ہی سے شاہ جیؒ سے بڑی عقیدت تھی اور آپ جیل میں بھی ان کا لٹریچر پڑھا کرتے تھے، آپ ان کے جلسے اور جلوسوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ صاحب بابو معراج دین سے دلی پیار کرتے تھے، اس کے علاوہ اچھرہ کے عالم دین حضرت بابا فتح محمد المعروف بابا عطارؒ نے معراج دین کی سرپرستی کی۔ بابا جی ایک ولی اللہ تھے، آپ کو اسلام سے بڑا لگاؤ تھا، اچھرہ کے رہنے والوں پر آپ کے بڑے احسان ہیں۔ آپ نے یہاں کی تین پشتوں کو قرآن پاک پڑھایا۔ آپ نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ بابو معراج دین کو بابا جی سے خاص عقیدت تھی، بابا جی ان سے بڑا پیار کرتے تھے۔ اکثر بابا جی سے ختم نبوت کے سلسلے میں رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ معراج دین نے بابا جی کی صدارت میں اچھرہ بہت سے جلسے منعقد کروائے اور بابا جی لوگوں کو ختم نبوت کی اہمیت کا احساس دلاتے رہے۔

6 مارچ 1952ء بروز جمعۃ المبارک کو معراج دین نے جمعہ کی نماز کے بعد مسجد تکیہ لہری شاہ کے باہر لوگوں کو اکٹھا کیا۔ بابا فتح محمدؒ نے اس اجتماع سے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ بابا جی کی قیادت میں یہ اجتماع جلوس کی شکل اختیار کرتے

ہوئے، مسجد وزیر خان کی طرف روانہ ہوا۔ بابا جی نے چند قدم اس جلوس کی قیادت کی، چونکہ آپ بہت کمزور تھے، آپ نے جلوس کی قیادت معراج دین کے سپرد کردی۔ آپ برگزیدہ ہستی تھے اور آپ جان چکے تھے کہ معراج دین کو بلند رتبہ ملنے والا ہے۔ آپ نے معراج دین کو دعا دیتے ہوئے الوداع کیا۔ بابا جی مسجد تکیہ لہری شاہ کے کونے میں آرام فرما رہے ہیں۔

جلوس میں اچھرہ، مزنگ اور گردونواح کے رہنے والوں نے شرکت کی۔ کوئی ایسا گھر نہ تھا جس نے اس جلوس میں حصہ نہ لیا ہو۔ چونکہ موجودہ حکومت اس تحریک ختم نبوت کو سختی سے کچل دینا چاہتی تھی، چنانچہ مال روڈ پر جہاں آج سٹیٹ بنک کی نئی عمارت قائم ہے، فوج نے اس جلوس کا راستہ روک لیا۔ ان کو منتشر کرنے کے لئے لاٹھی چارج اور آنسو گیس استعمال کی گئی، اسی دوران فوج نے گولی چلا دی۔ بابو معراج دین کو دائیں بازو پر پہلی گولی لگی۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو لیٹ جانے کا حکم دیا، اسی دوران دوسری گولی آپ کی چھاتی میں لگی۔ اس وقت آپ کے چھوٹے بھائی چوہدری محمد زکریا بھی آپ کے ساتھ ہی تھے۔ آپ نے چھوٹے بھائی کی گود میں اپنا سر رکھ کر جامِ شہادت نوش فرمایا۔ شہادت کے وقت آپ کی زبان پر کلمہ طیبہ کا ورد تھا۔ آپ کے جنازے میں لوگوں نے جوق در جوق شرکت کی۔ اچھرہ کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا جنازہ تھا۔ آپ کو فیروز پور روڈ اچھرہ اڈا کے قبرستان میں پٹرول پمپ کے عقب میں سپرد خاک کیا گیا۔

(شہیدان ناموس رسالتؐ ۱۵۵)

رسول اللہؐ کی عزت کی خاطر اہل ایمان کو
گریباں چاک کرکے گولیاں کھانا بھی آتا ہے

غازی محمد صدیق شہید رحمہ اللہ

20 ستمبر 1943ء کو روزنامہ ''سیاست'' کے پرچہ میں یہ خبر ان الفاظ میں شائع ہوئی:

''قصور ضلع لاہور 17 ستمبر گزشتہ شب گیارہ بجے کے قریب قصور سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ لالہ پالامل شاہ ساہوکار کو شام ساڑھے سات بجے قتل کر دیا گیا ہے۔ اس قتل کے سلسلہ میں ایک مسلمان محمد صدیق کو گرفتار کیا گیا ہے۔ بالا شاہ کے خلاف توہین اسلام کے الزام میں مقدمہ چلتا رہا۔ مسٹر ٹیل مجسٹریٹ لاہور نے پالامل کو چھ ماہ قید اور 200 روپے جرمانہ کی سزا دی۔ اس فیصلے کے خلاف اس نے مسٹر بھنڈاری سیشن جج لاہور میں اپیل دائر کی تھی، اس کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ قتل بلھے شاہ کی خانقاہ میں ہوا اور قتل کے الزام میں محمد صدیق کو گرفتار کیا گیا ہے۔ پولیس بڑی تندہی سے تفتیش کر رہی ہے۔''

حضرت قبلہ غازی صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: ''بلاشبہ پالامل کو میں نے ہی قتل کیا ہے کیونکہ اس ملعون نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی۔ وہ دیدہ ودانستہ اس جرم کا مرتکب ہوا، اسے راجپال اور غازی علم الدین شہیدؒ کے واقعہ کا بھی بخوبی علم تھا۔ اس نے سب کچھ جانتے ہوئے بوجھتے ہوئے خود کو سزا کے لئے پیش کیا۔ اگر اس واقعہ (شانِ رسالتؐ میں گستاخی) پر بیس سال بھی گزر جاتے تب بھی میں اسے ضرور بالضرور واصل جہنم کرتا۔ ہمارے مذہب کے مطابق وہ ہرگز مسلمان نہیں بلکہ کوئی منافق ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سن کر خاموش رہے اور عصمتِ رسولؐ پر جان قربان نہ کرے۔ کسی اور شخص کی ذات کا مسئلہ ہو تو برداشت ہو سکتا ہے، دنیوی امور میں کسی بھی فرد کی شان میں بکواس پر چپ رہا جا سکتا ہے لیکن سرکار

مدینہؐ کے مقام ومرتبہ پر ہرزہ سرائی کرنے والوں کے خلاف غیظ وغضب، جوش وولولہ اور غصہ کسی حالت میں بھی کم نہیں ہوسکتا۔ میں نے جو کچھ کیا، خوب غور وفکر کے بعد غیرتِ دینی کے سبب اپنے رسولؐ کی شان کو برقرار رکھنے کے لئے کیا ہے۔ اس پر مجھے قطعاً تاسف یا ندامت نہیں بلکہ میں اپنے اس اقدام پر بہت خوش اور نازاں ہوں۔ عدالت زیادہ سے زیادہ جو سزا دے سکتی ہے، جب چاہے دے دے، مجھے قطعاً حزن وملال نہ ہوگا مگر جب تک ہمیں شہنشاہ مدینہ کی حرمت اور تقدس کے تحفظ کی ضمانت فراہم نہیں کی جاتی، کوئی نہ کوئی سرفروش نوجوان بزم دار ورسن میں چراغ محبت جلاتا رہے گا۔ یہ تو ایک جان ہے، اس کی بات ہی کیا ہے، میں تو آپؐ کی خاکِ قدم پر پوری کائنات بھی نچھاور کر ڈالوں تو میرا عقیدہ ہے، ایمان اور عشق ووجدان یہی کہتا بالآخر روزنامہ ''انقلاب'' لاہور اور دیگر معاصر مسلم اخبارات میں غازی صاحب کی والدہ کے اس جرأت مندانہ بیان کے علاوہ غازی موصوف کے بارے میں یہ بھی درج ہے کہ آپ نے ان ایمان پرور الفاظ کو سنتے ہی زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور والدہ موصوفہ سے اپنے گناہوں اور غلطیوں کی معافی مانگتے ہوئے کہا کہ میں نے پالامل کو قتل کر کے اپنے نبیؐ کی شان قائم رکھنے کے لئے جو قربانی پیش کی ہے، اس کی خاطر اگر مجھے ہزار مرتبہ بھی جینا یا مرنا پڑے تو تب بھی ہر دفعہ ناموسِ رسالتؐ پر پروانہ وار فدا ہوتا رہوں گا اور اسے صدقِ دل سے اپنا فرض عین سمجھتا ہوں۔

سیشن کورٹ میں غازی محمد صدیقؒ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ زندہ دلانِ قصور نے اس فیصلہ کے خلاف ہائی کورٹ لاہور میں اپیل گزاری۔ عدالت عالیہ میں 31 جنوری 1935ء کو سماعت ہوئی۔ فیصلہ صادر کرنے کے لئے ایک ڈویژنل بنچ تشکیل دیا گیا۔ اس میں چیف جسٹس اور جسٹس عبدالرشید شامل تھے۔ فیصلہ کے طور پر سیشن کورٹ کا حکم بحال ہوا۔

غازی محمد صدیق نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا: ''مجھے صرف قرآن پاک اور صاحبِ قرآن سے انس ہے، آپ بھی ہمیشہ انہی سے لو لگائے رکھیں۔ میری قبر پر کوئی خلاف شرع عمل نہ کیا جائے اور نہ اس کی اجازت دینا۔ نیز قوالی بھی نہ ہو کہ سلسلہ نقشبند یہ میں اس کی ممانعت ہے۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ خدانخواستہ اگر پھر بھی کہیں کوئی گستاخ رسولؐ جنم

لے تو میرے متعلقین میں سے ایک نہ ایک فرد باطل علامت کو ٹھکانے لگا دے گا۔"

پر قربان ہونا تو خوشی کا مقام ہے۔"

جنازہ عیدگاہ کے قریب اسلامیہ ہائی سکول قصور (موجودہ بوائز ڈگری کالج) کے ہال میں رکھا گیا جہاں ان گنت مسلمان پرنم آنکھوں سے شہید کی زیارت سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے تھے۔ کافی دیر تک پردہ نشین مستورات شہید کا چہرۂ مبارک دیکھنے کو آتی رہیں۔

ٹھیک ایک بجے جنازہ اٹھایا گیا اور جلوس کی صورت میں نصف میل کا فاصلہ پورے تین گھنٹے میں طے ہوا۔ نمازِ جنازہ پریڈ گراؤنڈ میں ادا کی گئی جس میں محتاط اندازے کے مطابق ایک لاکھ سے زائد نے افراد نے شرکت کی۔ جنازے کو کندھے دینے کے لئے چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے۔ آپؒ کے جسد مبارک کو قبرستان میں پہنچایا گیا اور فدائی حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم غازی محمد صدیق کو پورے چھ بجے سپرد خدا اور رسول جل شانہ، صلی اللہ علیہ وسلم کر دیا گیا۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۱۴۸ تا ۱۵۲)

موت کو غافل سمجھتے ہیں اختتامِ زندگی ہے یہ شام زندگی، صبح دوامِ زندگی

جیل حکام سے روایت ہے کہ تختہ دار پر آپؒ کی زبان پر آخری الفاظ یہ جاری تھے:

"میرے اللہ! تیرا ہزار شکر ہے کہ تو نے اپنے حبیب پاکؐ کی عظمت کے تحفظ کے لئے مجھ ناچیز کو کروڑوں مسلمانوں میں سے منتخب فرمایا۔"

قربان گاہ میں خون دل کی حدت سے مشعل وفا کو فروزاں رکھنے والے اس خوبرو مجاہد کی عمر اس وقت اکیس سال تھی۔

غازی مرید حسین شہید

اس دنیا میں ایسے خوش نصیب ہمیشہ سے موجود رہے ہیں اور آئندہ بھی قیامت تک رہیں گے جن کے دل میں سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سوا اور کسی چیز کا گزر ممکن نہیں ہوتا۔ دنیائے رنگ و بو کی نیرنگیاں، جینے کی بے تاب تمنائیں، بیوی بچے، ماں باپ، عزیز و اقارب، مال و دولت اور خود نعمتِ حیات جیسی دل کش چیزیں ان کے عشق کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں اور وہ جذبہ عشق و مستی سے سرشار ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو کر شہادت کی اعلیٰ ترین سعادت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

انہی میں سے ایک خوش نصیب عاشق رسول کا اسم گرامی مرید حسین ہے۔ موصوف موضع بھلہ کریالہ (چکوال) کے رہنے والے تھے۔ ابھی وہ پانچ برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے انہیں گاؤں کی مسجد اور مڈل سکول میں داخل کرا دیا۔ قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم سید محمد شاہ صاحب سے حاصل کی۔ 31-1930 میں میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول چکوال سے اول درجہ میں پاس کیا۔ بڑے تیز اور ذہین طالب علم تھے۔ گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ نمبرداری کے فرائض بھی آن پڑنے سے اس سے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا بعد میں انہوں نے نمبرداری بھی چھوڑ دی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی کشمکش کی وجہ سے تحریک بیداری میں سرگرم حصہ لینا شروع کر دیا۔

مرید حسین غازی علم الدین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید کے کارناموں سے متاثر تھے۔ ایک ہندو راجپال کو ''رنگیلا رسول'' کے عنوان سے ایک گستاخانہ کتاب لکھنے کی وجہ سے غازی علم الدین نے جہنم رسید کر دیا تھا۔ ایک ہندو نتھو رام نے بھی ''ہسٹری آف اسلام'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں، اس پر غازی عبدالقیوم شہید نے اسے کراچی کی ایک عدالت میں واصل جہنم کیا۔ موت کی سزا سن کر انہوں نے جج سے کہا، یہ جان کس گنتی میں ہے، اگر میری لاکھ جانیں بھی ہوتیں تو میں ناموسِ رسالتؐ پر نچھاور کر دیتا۔

مرید حسین مولانا ظفر علی خان کا اخبار ''زمیندار'' بھی پڑھا کرتے تھے جس سے وہ ہندو مسلم کشمکش کے واقعات سے باخبر رہتے تھے۔ چنانچہ سیاسی شعور اور دینی لگاؤ کی وجہ سے وہ مشہور خاکسار تحریک میں شامل ہو گئے جس کے راہنما علامہ عنایت اللہ مشرقی تھے۔ مرید حسین ہندوؤں سے ان کی اسلام دشمنی کی وجہ سے متنفر تو تھے ہی لیکن رسول اکرمؐ سے ان دو ہندوؤں کے گستاخانہ رویئے کے سبب ان کے دل میں نفرت کی آگ بہت زیادہ بھڑک رہی تھی۔ اسی بناء پر انہوں نے ہندوؤں کی بسوں پر سفر کرنا ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے قلب ونظر کے سکون کے لئے ایک مرشد کامل کی تلاش میں نکلے، آخر ایک بزرگ حضرت خواجہ محمد عبدالعزیز کے دستِ حق پر بیعت کر لی۔ مرید حسین پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے، ماں نے بچپن ہی میں ان کی منگنی چچازاد بہن امیر بانو سے کر دی تھی اور بیٹے کی شادی کی پرمسرت تقریب دیکھنے کے لئے 1935ء میں ان کی شادی کر ڈالی۔

مرید حسین پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ ان کے دل میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت موجزن تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک رات انہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حسینؓ کے اس مرید کو ایک گستاخ زمانہ کافر کا حلیہ دکھایا جسے انہوں نے ڈائری میں اچھی طرح نوٹ کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد ان کے دل میں زبردست انقلاب آ گیا اور وہ ماہی بے آب کی طرح بے تاب رہنے لگے۔ ایک روز ایک دعوت میں مدعو تھے، ابھی چند لقمے ہی کھائے تھے کہ محلّہ کی مسجد میں اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ مرید حسین ہاتھ کا لقمہ وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میزبان نے پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟ بولے نماز پڑھنے مسجد کو جا رہا ہوں۔ اس نے کہا، یہ سفر تو بڑا طویل اور کٹھن ہے۔ مرید حسین نے جواب دیا، اسی لئے میں نے بھی جلدی شروع کیا ہے۔

آخر کار قدرت نے اس عاشق صادق کو امتحان کا موقع فراہم کر دیا۔ ایک دن ''زمیندار اخبار'' میں ایک خبر ''پلول کا گدھا'' کے عنوان سے شائع ہوئی کہ ہندوستان کے ایک قصبہ پلول ضلع گوڑگانواں کے ایک ہندو گوپال نے جو شفاخانہ حیوانات میں ڈاکٹر ہے، ہسپتال کے ایک گدھے کا نام محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر رکھا ہوا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس بد ذات کی اس شرمناک جسارت کی خبر پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی اور مسلمانوں نے

آگ بگولہ ہو کر صدائے احتجاج بلند کی۔ جب فساد امن کا خطرہ بڑھا تو مصلحتاً اس ڈاکٹر کا تبادلہ وہاں سے ضلع حصار کے قصبہ نارنوند میں کر دیا گیا۔ مرید حسین پہلے ہی راجپال، نتھو رام اور دوسرے متعصب ہندوؤں کی حرکتوں سے رنجیدہ خاطر رہتے تھے کہ ڈاکٹر رام گوپال کی اس قبیح حرکت نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ آپ کی تمام سوچیں اسی ایک نقطہ پر مرکوز ہو گئیں۔ انہوں نے اصرار کر کے ماں سے رخصت کی اجازت لی کہ وہ ایک اہم کام پر جا رہے ہیں۔ بھیرہ پہنچ کر بھائی کو خط لکھا کہ میں ایک ضروری کام پر جا رہا ہوں اس لئے سب کچھ اللہ تعالیٰ اور تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ بھیرہ ہی سے ایک دو دھارا خنجر خریدا اور چاچڑ شریف میں اپنے مرشد کے ہاں گئے۔ عرض مدعا کیا، راز و نیاز کی باتیں ہوئی۔ رخصت کے وقت پیر نے مرید کو گلے سے لگایا اور اس کے دل بسمل کی دھڑکنوں کو سنا اور دعا کے طور پر کہا۔ "بسلامت روی و باز آئی۔"

راستے میں مرید حسین پشاور سے رسالپور میں ایک دوست کے پاس آئے وہاں انہوں نے اپنے کپڑے دھلائی کے لئے دیئے۔ جب کپڑے دھل کر واپس آئے تو انہوں نے پہننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ کسی ہندو نے دھوئے ہیں، ان سے بدبو آ رہی ہے۔ تحقیق پر یہ بات درست ثابت ہوئی اور اہل نظر نے کہا کہ یہ اس مردِ مؤمن کی صفائی باطن کی دلیل ہے جسے کرامت بھی کہا جا سکتا ہے۔

رسالپور سے واپس گھر پہنچے، وہ ایک فیصلہ کر چکے تھے۔ وہ اس مقام پر کھڑے تھے جہاں ایک طرف بیوہ ماں کی شفقت، وفا شعار بیوی کی محبت، برادری کے بندھن، دنیاوی مصلحتیں، سینکڑوں کنال زمین، لہلہاتے کھیت اور تیار فصلیں تھیں اور دوسری طرف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان تھا۔ عقل سوچتی رہ گئی مگر عشق نے امتحان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ آپ سیدھے چکوال گئے اور ڈاکخانہ سے اپنی جمع شدہ رقم میں سے سات سو روپے نکلوائے (اس زمانہ کے سات سو روپے آج کل کے ستر ہزار سے بھی زیادہ تھے) اور کسی کو بتائے بغیر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔ چکوال سے آپ پہلے لاہور داتا کی نگری پہنچے پھر سیدھے دہلی چلے گئے وہاں سے حصار گئے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رام گوپال ایک ماہ کی چھٹی پر پشاور چلا گیا ہے۔ آپ پھرتے پھراتے واپس پشاور پہنچ گئے لیکن ڈاکٹر پشاور سے نارنوند جا چکا تھا۔ آپ اس کے تعاقب میں 6 اگست 1936ء کو دوبارہ حصار پہنچ گئے۔

پوچھتے پوچھتے آپ اس ہسپتال جا پہنچے جہاں وہ گستاخ زمانہ رام گوپال متعین تھا۔اسے غور سے دیکھا اور مخبر صادق کے بتائے ہوئے حلیے کو ڈائری میں دیکھا، اسے ہو بہو درست پا کر دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ڈاکٹر کی رہائش گاہ دیکھی، حالات کا جائزہ لیا پھر کسی مسلمان کا گھر تلاش کیا۔ایک مسافر کی حیثیت سے نمازِ ظہر ادا کی اور بارگاہ رب العزت میں یہ دعا مانگی: ''میرے اللہ! تیرے اس نحیف ونزار اور ناچیز بندے کو اپنے آبائی وطن سے سینکڑوں میل دور کافروں کی بستی نارنوند میں تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جس مقصد کیلئے کھینچ لائی ہے، اس میں کامیابی وکامرانی عطا فرما''۔

اگست کا مہینہ تھا، شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ڈاکٹر کی رہائش گاہ ہسپتال سے ملحق تھی۔صحن میں قدم رکھا تو سامنے درختوں کے گھنے سائے میں وہ ملعون سو رہا تھا جس نے کروڑوں مسلمانوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔قریب ہی دوسری چارپائی پر اس کی بیوی کشیدہ کاری میں مصروف تھی۔ بچے کچھ جاگ رہے تھے، کچھ سوئے ہوئے تھے۔ہسپتال کا عملہ سب کا سب ہندو تھا اور وہ بھی زیادہ دور نہ تھے۔

مرید حسین نے جان ہتھیلی پر رکھ کر بے خوف وخطر نعرہ لگایا ''اللہ اکبر'' پھر ملعون کو مخاطب کر کے پکارا ''اے گستاخ زمانہ کافر اٹھ، آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پروانہ آ ہی گیا ہے''۔بیوی نے بھی شوہر سے کہا، رام گوپال، اٹھ کوئی مسئلہ آ گیا ہے۔رام گوپال آنکھیں ملتا اور دھوتی سنبھالتا اٹھا، بیوی اور نوکر چاکر مرید حسین کو پکڑنے کیلئے لپکے مگر انہوں نے آن کی آن میں خنجر موذی کے پیٹ میں گھونپ دیا۔وہ دھڑام سے ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا۔انہوں نے خنجر قریبی تالاب میں پھینک دیا اور خود بھی اس میں چھلانگ لگا کر تیرنے لگے۔

پولیس کی جمعیت نے تالاب کو گھیرے میں لے لیا۔غازی مرید حسین نے پوچھا۔'' تم میں کوئی مسلمان ہے؟'' اتفاق سے تھانیدار مسٹر احمد شاہ کھوٹ تھا۔اس نے کہا: ''میں مسلمان ہوں''۔مرید حسین تالاب سے باہر آئے اور خود کو گرفتاری کیلئے پیش کرتے ہوئے کہا ''میرا نام عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے'' میں نے اس ڈاکو کو قتل کیا ہے' جس نے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں پر ڈاکہ ڈال کر ان کا امن وسکون لوٹ لیا ہے۔

اخبارات سے اطلاع پاتے ہی غازی صاحب کی والدہ، بھائی اور چودھری محمد بخش

حصار پہنچے۔ پھر 12 اگست 1936ء کی صبح کو حصار ڈسٹرکٹ جیل میں غازی صاحب سے ملاقات کی۔ غازی صاحب نے انہیں دیکھتے ہی کہا: ''آپ کو مبارک ہو۔ وہ کام جس کا میں ذکر کیا کرتا تھا، وہ خدا کے فضل وکرم سے ہو گیا ہے۔

مقدمے کی پیروی کیلئے ان کے بھائی لاہور سے حصار کے ایک مشہور وکیل بیرسٹر جلال الدین کے نام زمیندار اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان کے فرزند اختر علی خان کا ایک خط لے گئے تھے۔ اس کے ذکر پر غازی صاحب نے کہا۔ ''مجھے وکیل کی کوئی ضرورت نہیں، میرا وکیل تو اللہ تعالیٰ ہے''۔ قریشی صاحب سے وکالت کی گفتگو ہو رہی تھی جو غالباً اپنی انتخابی مصروفیات کی وجہ سے مقدمہ کی پیروی کیلئے تیار نہ تھے۔ اتنے میں ایک بزرگ صورت مولوی صاحب تشریف لائے۔ قریشی صاحب نے تعارف کراتے ہوئے کہا، مولانا یہ لوگ چکوال سے آئے ہیں اور ''بدقسمت'' ملزم کے لواحقین ہیں جس نے ڈاکٹر رام گوپال کو نارنوند میں قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر مولوی صاحب سخت جلال میں آ گئے اور کہا۔ جلال الدین صاحب بدقسمت آپ ہیں، بدقسمت میں ہوں، بدقسمت ہمارا سارا علاقہ ہے۔ بدقسمت ہندوستان کے کروڑوں مسلمان ہیں کہ جن کی موجودگی میں گستاخ زمانہ رام گوپال دندناتا پھرتا رہا، بدقسمت اور بے غیرت تو ہم ہیں۔ ان کی خوش قسمتی میں کسے کلام ہو سکتا ہے جن کے نامور فرزند نے یہاں سے سینکڑوں میل دور علاقہ چکوال سے آ کر ناموسِ رسالت ﷺ کی حفاظت کا حق ادا کر دیا ہے۔ کیا یہ ہر مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا ڈالے؟ قریشی صاحب نے مولوی صاحب کے چلے جانے کے بعد بتایا کہ وہ سرسہ کے ممتاز عالم دین تھے جو انتخاب کے سلسلے میں ان سے بات چیت کرنے آئے تھے۔ مولوی صاحب کی اس سرزنش اور ڈانٹ کا یہ نتیجہ نکلا کہ قریشی صاحب نے بلا معاوضہ مقدمے کی پیروی کا ذمہ لے لیا۔ ان کے علاوہ پانچ دوسرے وکیلوں نے بھی کہا کہ وہ بھی بلا معاوضہ ان کی مدد کریں گے۔

حصار کی ضلع کچہری میں مقدمے کی سماعت ایک مجسٹریٹ پنڈت لکشمی دت کے ہاں شروع ہوئی لیکن ابتدائی سماعت کے بعد اس نے جلد ہی مقدمہ سیشن سپرد کر دیا۔ ایک روز کارروائی جاری تھی کہ مرید حسین نے کہا کہ ظہر کی نماز کیلئے مصلیٰ اور پانی کا بندوبست کیا

جائے۔جج نے کہا، یہ عدالت ہے۔مرید حسین نے کہا، میں خالق کائنات کی عدالت میں حاضری دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ان کی بات مان لی گئی اور عین عدالت میں انہوں نے نماز ادا کی اور آئندہ اس کا انتظام خود بخود کر دیا جاتا رہا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوتے تو کارروائی دوبارہ شروع کر دی جاتی۔تین دن کی سماعت کے بعد چوتھے دن فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا۔"میں تمہیں سزائے موت دیتا ہوں" لیکن ایک درخواست کے نتیجے میں مقدمے کی دوبارہ سماعت کی گئی مگر سزائے موت برقرار رہی، اس پر ہائی کورٹ میں اپیل کی سماعت کی گئی، اس نے بھی اپیل خارج کر کے سزائے موت بحال رکھی۔جیل کی کوٹھڑی میں غازی صاحب تھے، ان کے ساتھ والی کوٹھڑی میں قتل کا ایک ہندو مجرم قید تھا۔وہ غازی صاحب کی عبادت گزاری، شرافت اور بے باکی سے متاثر تھا۔ایک دن دیکھا کہ غازی صاحب کا کمرہ نور سے منور ہے۔ وہ حیران اور ششدر ہو کر بولا، میری بھی کچھ رہنمائی کریں کہ میں آپ کا پڑوسی ہوں۔غازی صاحب نے کہا، تیری رہنمائی تب ہو سکتی ہے کہ تو مسلمان ہو جائے۔ہندو قیدی نے کہا، میں روشنی کا طالب ہوں، آپ جو چاہیں کریں۔غازی صاحب کے کہنے پر ہندو نے کلمہ طیبہ پڑھ کر خدا تعالیٰ کا پسندیدہ دین اسلام قبول کر لیا۔غازی صاحب نے اس کا نام "غلام رسول" رکھا۔

آخری ملاقات پر ماں نے بیٹے سے کہا کہ پھانسی کا پھندا وہ خود اپنے گلے میں ڈالے، کوئی بھنگی وغیرہ نہ ڈالے۔غازی صاحب نے کہا، ماں جی! ٹھیک ہے۔آخر خدا خدا کر کے 24 ستمبر 1937ء بمطابق ۱۸ رجب ۱۳۵۶ھ بروز جمعۃ المبارک کی وہ صبح آ پہنچی، غازی مرید حسین جس کا انتظار بڑی بے تابی سے ایک مدت سے کر رہے تھے۔جیل سے باہر عاشقِ رسولؐ کے عاشقوں کا ایک جم غفیر جمع تھا اور جیل کے اندر پروانہ رسالتؐ شمع رسالتؐ پر جل مرنے کو بے تاب۔ جب شہادت کا وقت آیا تو آپ درود شریف پڑھ رہے تھے۔ڈیوٹی مجسٹریٹ نے کہا، زبان کو حرکت نہ دیں۔انہوں نے کہا، میں اپنا کام کر رہا ہوں، آپ اپنا کام کریں۔کہتے ہیں کہ ایک خفیف سے جھٹکے اور یادگار مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔عشق کی ایک ہی جست سے طویل سفر لمحوں میں طے ہو گیا اور غازی مرید حسین اگلی دنیا میں شہیدوں کی صفوں میں جا ملے اور حیاتِ دوام اور رضائے حق کی لذتوں سے لطف اندوز ہونے لگے۔(شہیدان ناموسِ رسالتؐ: ۱۰۷ تا ۱۱۲)

غازی میاں محمد شہید رحمہ اللہ

میاں محمد 1915ء میں قصبہ تلہ گنگ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام نامی صوبیدار غلام محمد تھا، جو اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم چھڑی تو صوبیدار غلام محمد کو اپنی پلٹن کے ساتھ ملک سے باہر جانا پڑا، اسی دوران میاں محمد پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کے والد عراق میں تھے، بیٹے کی ولادت کی خبر سنی تو جی چاہا کہ فوراً اڑ کر تلہ گنگ پہنچیں اور نومولود کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں کیونکہ یہ بچہ شادی کے سات سال بعد بڑی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا صوبیدار غلام محمد 1919ء تک جنگ کے اختتام تک وطن واپس نہ آسکے۔ اس عرصہ میں وہ اپنی پلٹن کے ساتھ عراق، شام، فلسطین اور استنبول وغیرہ میں فوجی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

میاں محمد پانچ سال کے تھے کہ ان کے والد ماجد گھر لوٹے اور پہلی بار اپنے جگر گوشہ کو دیکھا، باربار گود میں اٹھاتے اور پیار کرتے، پھر چند روز بعد انہیں پرائمری سکول میں داخل کرادیا۔ پرائمری کے بعد وہ ہائی سکول میں داخل ہوگئے لیکن ساتویں جماعت تک پڑھنے کے بعد ان کا جی تعلیم سے اچاٹ ہوگیا۔ 15 سال کے ہوئے تو ڈرائیوری سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں وہ ملازم ہوگئے اور تلہ گنگ سے میانوالی جانے والی ایک بس چلانے لگے لیکن بہت جلد اس سے بھی جی بھر گیا۔ 1931ء میں کوئٹہ چلے گئے اور ایک ٹھیکیدار کے ساتھ بطور منشی کام کرنے لگے۔ یہ کام بھی پسند نہ آیا تو 1932ء میں گاؤں واپس آگئے۔ 1933ء میں انڈین نیوی میں بھرتی ہوگئے۔ اسی ملازمت کے دوران پھوپھی زاد بہن ''نیک اختر'' کے ساتھ ان کی شادی ہوگئی۔ انڈین نیوی میں نوکری کرتے ابھی بمشکل ڈیڑھ برس ہی گزرا تھا کہ کھیل کے دوران ایک ساتھی کی بدکلامی کی وجہ سے بگڑ گئے اور ہاکی سے اسے پیٹ ڈالا۔ آرمی ایکٹ کے تحت مقدمہ چلا اور وہ ملازمت سے برطرف کردیئے گئے۔

2 جنوری 1935ء کو وہ بلوچ رجمنٹ میں بطور سپاہی بھرتی ہوئے اور ابتدائی ٹریننگ کراچی میں مکمل کرنے کے بعد اسی سال اکتوبر میں مدراس چھاؤنی بھیج دیئے گئے۔ اصل میں یہی وہ جگہ تھی جہاں قدرت نے ان سے ایک غیر معمولی کام لینا تھا اور جس کے لئے وہ مختلف مقامات پر پھرتے پھراتے بالآخر یہاں پہنچے تھے۔

میاں محمد کو بچپن ہی سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے والہانہ لگاؤ تھا، انہیں بہت سی نعتیں یاد تھیں جنہیں وہ اکثر تنہائی میں یار دوستوں میں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ وہ بڑے خوبصورت جوان تھے اور ہمیشہ نفیس اور عمدہ لباس زیب تن کئے رہتے۔ ان کو دیکھنے والوں نے ان کا حلیہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔ لمبا قد، دلکش خدوخال، سرخ و سپید رنگ، باریک ہونٹ، گھنی بھویں، ناک معیار حسن کے عین مطابق، پیشانی چوڑی، آنکھیں چمکدار، خوبصورت سی چھوٹی داڑھی اور خاص ادا کی مونچھیں جن سے مردانہ وجاہت ٹپکتی تھی۔ سر پر کلاہ اور خوبصورت پگڑی، غرض پیکر حسن تھے۔

16 مئی 1937ء کی شب کا ابھی آغاز ہوا تھا۔ مدراس چھاؤنی میں ڈیوٹی سے فارغ فوجی سپاہی مختلف گروپوں میں بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ انہی میں ایک طرف چند مسلمان نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سننے میں محو تھے۔ اتفاق سے جو شخص نعت شریف سنا رہا تھا، وہ ایک ہندو تھا، یہ بڑی خوش الحانی اور عقیدت مندی کے ساتھ نعت سنا رہا تھا۔ قریب ہی ایک ہندو ڈوگرے سپاہی نے جب ایک ہندو کو اس طرح عقیدت کے ساتھ نعت پڑھتے سنا تو وہ مارے تعصب کے جل کر کباب ہو گیا۔ اس نے بآواز بلند آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے نعت پڑھنے والے ہندو سے مخاطب ہو کر کہا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو .... کرو، کسی اور کا ذکر کرو۔ تو کیسا ہندو ہے، تو تو ہندو دھرم کا مجرم ہے۔ تیرا پاپ معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

مسلمان سپاہیوں نے ڈوگرہ سپاہی کی یہ بدزبانی سنی تو صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔ لیکن میاں محمد اپنے آقا کی شان میں یہ گستاخی سن کر تڑپ اٹھے اور ڈوگرہ سپاہی سے کہا، تیرے ہم مذہب کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ وہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک سے اطمینان قلبی حاصل کرے، اس لئے وہ گا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پڑھ رہا ہے۔ تجھے اپنے خبث باطن کی وجہ سے یہ بات پسند نہیں تو تو یہاں سے چلا جا، خبردار آئندہ ایسی بکواس نہ کرنا۔

یہ سن کر ڈوگرہ سپاہی بولا، میں تو بار بار ایسا ہی کروں گا، تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔ یہ بے ہودہ جواب سن کر میاں محمد کا خون کھول اٹھا۔ ایک ہندو ڈوگرے نے ان کی حمیت ایمانی کو للکارا تھا۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا، آئندہ اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا جملہ کہنے کی جرأت نہ کرنا ورنہ یہ بدتمیزی تجھے بہت جلد ذلت ناک موت سے دوچار کر دے گی۔

بدقسمت ڈوگرے سپاہی نے پھر ویسا ہی تکلیف دہ جواب دیا اور کہا، مجھے ایسی گستاخی

سے روکنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ یہ سن کر میاں محمد سیدھے اپنے حوالدار کے پاس گئے، یہ بھی ہندو تھا۔ آپ نے اس سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا، اگر چرن داس (ہندو ڈوگرہ) نے برسرِ عام معافی نہ مانگی تو اپنی زندگی سے کھیلنا مجھ پر فرض ہو جاتا ہے۔ ہندو حوالدار نے اس نازک مسئلے پر کوئی خاص توجہ نہ دی، صرف یہی کہا کہ میں چرن داس کو سمجھادوں گا۔

میاں محمد حوالدار کی یہ سرد مہری دیکھ کر سیدھے اپنی بیرک میں پہنچے۔ اب وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر چکا تھے۔ انہوں نے نمازِ عشاء ادا کی اور پھر سجدے میں گڑ گڑاتے ہوئے دعا کی: ''میرے اللہ! میں نے تہیہ کرلیا کہ تیرے محبوب کی شان میں گستاخی کرنے والے کا کام تمام کردوں۔ یا اللہ! مجھے حوصلہ عطا فرما، ثابت قدم رکھ، مجھے بھی اپنے محبوب کے عاشقوں میں شامل کرلے۔ میری قربانی منظور فرمالے''۔

نماز سے فارغ ہو کر میاں محمد گارڈ روم گئے، اپنی رائفل نکالی، میگزین لوڈ کی اور باہر نکلتے ہی چرن داس کو للکار کر کہا۔ کم بخت! اب بتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے پر میں باز پرس کا حق رکھتا ہوں یا نہیں۔

یہ سن کر شاتم رسولؐ چرن داس نے بھی جو بندوق اٹھائے ڈیوٹی دے رہا تھا، پوزیشن سنبھالی اور رائفل کا رخ میاں محمد کی طرف موڑا لیکن اگلے ہی لمحے ناموسِ رسالتؐ کے شیدائی کی گولی چرن داس کو ڈھیر کر چکی تھی۔ رائفل کی دس گولیاں اس کے جسم سے پار کرنے کے بعد غازی میاں محمد نے سنگین کی نوک سے اس کے منہ پر پے در پے وار کئے۔ سنگین سے وار کرتے ہوئے وہ کہتے جاتے تھے، اس ناپاک منہ سے تو نے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی۔

جب غازی کو مردود چرن داس کے جہنم واصل ہونے کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے خطرے کی گھنٹی بجائی اور بگلر سے کہا کہ وہ مسلسل بگل بجائے۔ جب سب پلٹن جمع ہوگئی تو غازی نے کمانڈنگ افسر سے کہا کہ کسی مسلمان افسر کو بھیجو تا کہ میں رائفل پھینک کر خود کو گرفتاری کیلئے پیش کردوں۔ آپ کی گرفتاری کیلئے آپ ہی کے علاقے کے ایک مسلمان جمعدار عباس خان کو بھیجا گیا۔ گرفتاری کے بعد انگریز کمانڈنگ افسر نے غازی موصوف سے پوچھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا، چرن داس نے ہمارے رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بدکلامی کی تھی۔ میں نے اس کو روکا لیکن وہ باز نہ آیا، میں نے اس کو ہلاک کر دیا، اب آپ قانونی تقاضے پورے کریں۔

اگلے روز 17 مئی 1937ء کو غازی میاں محمد کو مقدمے کی تفتیش کیلئے پولیس کے حوالے کر دیا گیا، ابھی آپ دس دن پولیس کی حراست میں رہے تھے کہ کمانڈر انچیف (جی ایچ کیو دہلی) کا حکم آیا کہ میاں محمد پر فوجی قانون کے تحت مقدمہ چلایا جائے۔ غالباً کوئی خدشہ تھا کہ شاید سول عدالت میں مقدمہ کا فیصلہ حکومت کے منشاء کے خلاف ہو۔

فوجی حکام کی خواہش تھی کہ مقدمے کے فیصلے تک غازی صاحب کے والدین کو کوئی اطلاع نہ دی جائے لیکن صوبیدار غلام محمد کو کسی طرح فوجی حکام کی اس سازش کی اطلاع ہوگئی اور وہ فوراً مدراس پہنچ گئے۔ عدالتی چارہ جوئی اور مقدمے کی پیچیدگیوں سے نپٹنے کیلئے مدراس کے معروف مسلمان ایڈووکیٹ سید نور حسین شاہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ نور حسین شاہ نے قانون کا امتحان لندن سے پاس کیا تھا اور ایک عرصہ تک وہیں پریکٹس بھی کی تھی، انہوں نے بڑی دیانتداری اور فرض شناسی سے اس عظیم کام کا آغاز کیا لیکن کیس ابھی ابتدائی مراحل میں تھا کہ کسی سنگ دل نے محافظ کی موجودگی میں ایڈووکیٹ موصوف کو چھرا گھونپ دیا، زخم کاری اور مہلک تھا جس سے وہ رحلت کر گئے۔

ان کے بعد یہ مقدمہ اصغر علی ایڈووکیٹ نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ یہ بھی لندن کے تعلیم یافتہ تھے۔ انہوں نے بھی بڑی جانفشانی اور لگن کے ساتھ کیس کی تیاری میں حصہ لیا اور پیشیوں کے معاوضہ میں کبھی کسی رقم کا مطالبہ نہ کیا۔ فوجی حکام چاہتے تھے کہ غازی صاحب کو ذہنی مریض قرار دے کر سزا دی جائے تا کہ کیس کو مذہبی رنگ بھی نہ ملے اور ہندو بھی خوش ہو جائیں۔ اس مقصد کے تحت غازی صاحب کو گورنمنٹ مینٹل ہسپتال مدراس میں داخل کر دیا گیا۔ ایک ماہ بعد ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ میں نے پورا مہینہ میاں محمد کو اپنی خصوصی نگرانی میں رکھا ہے، نفسیاتی جائزہ بھی لیا ہے، کئی بار چھپ کر بھی معائنہ کیا ہے لیکن اس عرصہ میں ایک بار بھی میں نے انہیں فکرمند یا کسی سوچ میں گم نہیں پایا (جیسا کہ پاگل اکثر گم صم رہتے ہیں) ایک ماہ میں ان کا وزن بھی بڑھ گیا ہے۔ اگر ان کو یہ فکر ہوتی کہ قتل

کے مقدمہ میں میرا کیا حشر ہوگا تو ان کا وزن کم ہو جاتا، یہ کسی غم و فکر میں مبتلا نہیں۔ جب چرن داس ایک ہی گولی لگنے سے مر گیا تھا تو پھر ساری گولیاں چلانے اور سنگین سے پے در پے زخم لگانے کی ضرورت نہ تھی اور ایسی حالت میں جب کہ کوئی دیکھنے والا بھی نہ تھا، یہ آسانی سے فرار ہو سکتے تھے لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ میرا میڈیکل تجزیہ یہی بتاتا ہے کہ میاں محمد قتل کا ارتکاب مذہبی جذبات برانگیختہ ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔

16 اگست کو غازی صاحب کا جنرل کورٹ مارشل شروع ہوا، پانچ دن کارروائی ہوتی رہی۔ کل اٹھارہ گواہوں کے بیانات قلمبند ہوئے، تین ڈاکٹروں کی شہادت بھی ریکارڈ پر آئی۔ جرح کے دوران انہوں نے یہ متفقہ موقف اختیار کیا کہ غازی محمد نے جو کچھ کیا ہے، ہماری رائے میں وقوعہ کے وقت وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکا۔ لیکن غازی صاحب نے اپنے ابتدائی بیان پر ڈٹے رہے اور کہا، میں نے جو کچھ کیا ہے، خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ یہی میرا فرض تھا۔ چرن داس نے میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی۔

کورٹ مارشل کے دوران ان کے وکیل نے رائے دی کہ وہ یہ بیان دیں کہ میں نے گولی اپنی جان بچانے کی غرض سے چلائی تھی کیونکہ چرن داس بھی مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن غازی نے سختی کے ساتھ اس تجویز کو مسترد کر دیا اور کہا کہ میری ایک جان تو کیا، ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر نچھاور کر دوں۔

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر
میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

23 ستمبر 1937ء کو پلٹن میں غازی میاں محمد کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ جس کا جواب غازی نے مسکرا کر دیا۔

محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

5 اکتوبر 1937ء کو وائسرائے ہند کے پاس اپیل کی گئی جو مسترد ہو گئی۔ پھر پریوی

کونسل لندن میں اپیل دائر کی گئی جو مختصر سماعت کے بعد رد کر دی گئی۔ اپیلیں مسترد ہو جانے کے بعد فوجی حکام نے 12 اپریل 1938ء کو سزا پر عمل درآمد کا فیصلہ کیا۔ ادھر حراست میں غازی کا معمول تھا کہ نماز کیلئے علاوہ ہمہ وقت قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ اس دوران رمضان شریف کا مہینہ آیا جو انہوں نے جاگ کر گزارا۔ وہ رات دن نوافل اور درود شریف پڑھتے۔ عید کے روز غازی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ عید کی نماز عید گاہ میں مسلمانوں کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں۔ بڑی ردوقدح کے بعد جیل کے چند غیرت مند مسلمان فوجی افسروں کی ضمانت پر حکام نے اس کی اجازت دی۔ غازی کی سزائے موت کی خبر اب تک پورے ہندوستان میں مشہور ہو چکی تھی۔ حکام نے بہت کوشش کی کہ نماز عید کے موقع پر مسلمانوں کو غازی کی آمد کا علم نہ ہو لیکن عید گاہ میں موجود نمازیوں کو اس کا علم ہو گیا۔ نقصِ امن کا خطرہ پیدا ہونے لگا تو غازی موصوف کھڑے ہو گئے اور مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”پیارے بھائیو! اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو، آپس میں بھائیوں کی طرح اور پرامن رہو۔ میں پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ مجھ میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ میرے ہاتھوں سے شانِ رسول ﷺ پر ناروا حملہ کرنے والے ایک مردود کو قرار واقعی سزا ملی ہے۔ تاجدارِ مدینہ کی شان میں ذرا سی توہین بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔ آئندہ بھی کسی گستاخ نے یہ حرکت کی تو ناموسِ رسالت ﷺ پر فدا ہونے کیلئے ہزاروں جان نثار مقتل کی طرف بڑھیں گے۔ تمام بھائی دعا کریں کہ اللہ کریم راضی ہو اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں مجھ ناچیز کی جان جیسی یہ حقیر قربانی قبول ہو جائے“۔

آخری تحریر

شہادت سے چار روز قبل 7 اپریل 1938ء کو غازی میاں محمد نے اپنے حقیقی بھائی ملک نور محمد کو ایک خط لکھا، اس میں بعض وصیتیں بھی کیں۔ آپ نے لکھا: ”خداوند کریم کی رضا پر راضی رہنا، ہر حال میں صبر کرنا، کسی پر تمہارا غم ظاہر نہ ہو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا دل اس قدر خوش ہے کہ جس کا اندازہ کوئی دوسرا آدمی نہیں کر سکتا۔ میری دلی آرزو یہی تھی جو اللہ کریم نے پوری کر دی۔ میں گناہ کے سمندر میں غرق تھا کہ میرے مالک نے اپنی رحمت کے دروازے کھول

دیئے۔اس مالک کی مہربانی کا ہزار ہزار شکریہ۔(پھر اپنی اہلیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا) بندہ کی عیال (بیوی) کو واضح ہو کہ میں آپ سے نہایت خوش اور راضی ہوں۔تم نے کبھی کوئی ایسی غلطی نہیں کی جس کیلئے تمہیں معافی کا خواستگار ہونا پڑے۔میری شہادت پر بجائے رونے دھونے کے اپنے رب کو یاد کرنا،نماز پڑھنا،اپنے رب کی بندگی کرنا اور میرے لئے بخشش کی دعا کرنا''۔

تختہ دار پر

پھانسی کے انتظامات کا جائزہ لینے کیلئے 10 / 3 بلوچ رجمنٹ کا ایک افسر کراچی سے مدراس پہنچا۔اس نے غازی صاحب سے پوچھا،کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ۔فرمایا،ساقی کوثر کے ہاتھوں سے جام پی کر سیراب ہونا چاہتا ہوں۔

غازی صاحب کا باڈی گارڈ دستہ چھ سپاہیوں،ایک انگریز افسر اور بیرے پر مشتمل تھا۔ جن لوگوں نے آخری وقت آپ کی زیارت کی،ان کا کہنا ہے کہ چہرے پر سرور کی تازگی اور آنکھوں میں خمار کی چمک پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئی تھی۔والدین سے آخری ملاقات میں ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔والدہ اپنے تیئس سالہ جواں سال بیٹے کا دیوانہ وار کبھی سر چومتیں،کبھی منہ۔والد نے بہ ہزار مشکل اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔اسی رات 11 اپریل کو انہیں مدراس سول جیل لے جایا گیا۔رات بھر آپ عبادت میں مشغول رہے،تہجد کے بعد غسل فرمایا،سفید لباس زیب تن کیا،نمازِ فجر ادا کی۔پھر آپ کو تختہ دار کی طرف لے جایا گیا۔تختہ دار پر کھڑے ہوتے ہی آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔پھر مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے فرمایا،سرکار صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔پھانسی کا پھندہ آپ کے گلے میں ڈال دیا گیا۔تختہ دار کھینچ دیا گیا۔دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ پر برستا ہوا نور کچھ اور افزوں ہو گیا۔فضا کی عطر بیزی کچھ اور بڑھ گئی۔ڈاکٹر نے معائنہ کر کے کہا،بے قرار روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اگلے ہی لمحے ساقی کوثر کا دیوانہ حوضِ کوثر کے کنارے اپنی پیاس بجھا رہا تھا۔یہ 12 اپریل 1938ء کی صبح تھی۔وقت پانچ بج کر پینتالیس منٹ۔(شہیدان ناموسِ رسالت)

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں — دبی ہے آگ جگر کی مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے ہے گردن وفا شعاروں کی — کٹی ہے برسر میدان مگر جھکی تو نہیں

غازی عبدالقیوم شہید

''اسیں گلاں ای کردے رہے تے ترکھاناں دامنڈا بازی لے گیا''۔

یہ ہے مفکروں کے صدر نشین علامہ اقبالؒ کا خراج تحسین، ضرب حیدری اور رسمِ شبیری تازہ کرنے والے عاشق جانباز غازی علم الدین شہیدؒ کی خدمت میں۔ غازی عبدالقیوم خان ایک بوڑھے چچا، ایک ضعیف ماں اور ایک بیوہ بہن کی روزی کے واحد کفیل اور ان کے علاوہ ایک نئی نویلی دلہن کی آرزوؤں اور تمناؤں کا امین بھی تھا۔ وقوعہ سے ہفتہ عشرہ قبل ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔ وہ صرف ناظرہ قرآن پڑھا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے علاوہ کچھ نہ جانتا تھا۔ بدر و حنین کے واقعات سنے ہوئے تھے۔ یہ وفا کا پتلا بحرِ عشق کا شناور اور عمل کے میدان کا غازی تھا۔ اس کی مالی حالت کراچی میں بھی نہ سدھری۔ اکثر دوپہر کا آٹا دوپہر کو اور شام کا آٹا شام کو پرچون کی دکان سے آتا تھا۔ پیٹ تو خالی تھا مگر در دِل کی دولت سے مالا مال تھا۔ رسائی، پشت پناہی جو کچھ بھی نام دیں، اپنی جھونپڑی کے قریب والی مسجد کے امام تک تھی جہاں وہ فجر اور عشاء کی نماز پڑھا کرتا۔ خود اخبار پڑھنے کی استعداد نہ تھی، پیش امام کی زبانی نتھورام کی خرافات کا ذکر اس نے سنا، اس کی غیرتِ ایمانی نے کروٹ لی۔ اس نے وہیں مسجد کے صحن میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کیا کہ وہ اس گستاخ ناہنجار کو واصل جہنم کر کے رہے گا اور آوارہ و بے خانماں عشق ایک ہی جست میں عرفان و عمل کی آخری منزل طے کر گیا۔ کراچی کا یہ گمنام مزدور اس مقام پر پہنچ گیا جس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے ملک الموت کے بھی پر جلتے ہیں۔

• اس مردِ مجاہد اور عاشقِ رسولؐ کی داستانِ شجاعت مجھے سید محمد اسلم ایم اے (آکسن) بار ایٹ لاء نے سنائی تھی۔ جنہوں نے غازی کے پاک عمل کی حمایت میں اپنے زورِ قلم اور زورِ بیان سے کی...... اور مقدمہ لڑا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق میں ان کے دولت کدے

پر حاضر ہوا تو وہ غازی کے مقدمے کی فائل لئے میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی خوش اخلاقی کے ساتھ استقبال کیا۔ کھڑے کھڑے دیوار پر آویزاں ایک پرانی سی تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے۔ یہ غازی عبدالقیوم شہید ہے۔

چنانچہ نتھورام کا ناپاک کتابچہ بازار میں آیا، عبدالمجید سندھی، حاتم علوی اور دوسرے مسلمان لیڈر اٹھ کھڑے ہوئے۔ نتھورام کے خلاف استغاثہ دائر کیا گیا۔ حیدر آباد کی عدالت نے کتابچہ ضبط کر لیا اور ملزم کو ایک سال قید سخت اور جرمانے کی سزا دی یعنی وہی کھیل کھیلا گیا جو مسلمانوں نے راج پال کے مقدمے میں دیکھا تھا۔

نتھورام نے عدالت (ان دنوں جوڈیشنل کمشنری کہلاتی تھی) میں اپیل کر دی۔ ضمانت پر وہ پہلے ہی رہا ہو چکا تھا۔ مارچ 1934ء میں اپیل کی سماعت شروع ہوئی، ہندو اور مسلمان بھاری تعداد میں کارروائی سننے آئے جن میں، میں بھی شامل تھا۔ نتھورام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خوش گپیاں کرتا ہوا آیا اور عدالت میں ڈائس کے قریب پڑے ہوئے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک مسلم نوجوان عدالت کے کمرے میں داخل ہوا، معذرت کرتے ہوئے نتھورام کو تھوڑا سا سرکایا اور پھر اس کے بالکل قریب بیٹھ گیا۔ پونے بارہ بجے کا عمل تھا اور پندرہ منٹ بعد نتھورام کی اپیل کی سماعت شروع ہونے والی تھی، میں پہنچا تو بارہ بجنے میں سات منٹ باقی تھے۔ عدالت کے برآمدے میں، میں ایک دوست سے باتیں کرنے لگا۔ اچانک عدالت کے کمرے سے تیز تیز آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی نعرے لگا رہا ہو، ساتھ ہی بہت سے آدمی باہر کو بھاگے۔ میں لپک کر کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ نتھورام کی آنتیں نکلی پڑی ہیں اور وہ زمین پر پڑا موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کی گدی سے خون کا فوارہ ابل رہا ہے۔ قریب ہی ایک مسلمان نوجوان ہاتھ میں ایک بڑا سا خون آلود خنجر لئے کھڑا ہوا نظر آیا۔ انگریز ججوں میں سے ایک جس کا نام اوسالون (O.Solvin) تھا، ڈائس سے اترا۔ مسلم نوجوان پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور تحکمانہ انداز میں بولا، تو نے اسے مار ڈالا؟

ہاں...... اور کیا کرتا؟ نوجوان نے بڑی بے باکی سے جواب دیا اور پھر کمرے میں

آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، اگر یہ تمہارے اس بادشاہ کو گالی دیتا تو تم کیا کرتے ؟ تم میں غیرت ہوتی تو کیا قتل نہ کر ڈالتے ؟ پھر انتہائی حقارت سے نتھو رام کی لاش کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔ اس خنزیر کے بچے نے میرے آقا اور شہنشاہوں کے شہنشاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی اور اس کی یہی سزا تھی، پھر بڑے اطمینان کے ساتھ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

اسی اثناء میں ایک سب انسپکٹر ریوالور تانے کمرہ عدالت میں داخل ہوا۔ آنکھیں چار ہوتے ہی غازی نے چھری پھینک دی، کھڑا ہو گیا اور بڑی جوشیلی آواز میں کہا۔ ڈرایئے نہیں، ریوالور ہولسٹر میں رکھ لیں، مجھے جو کچھ کرنا تھا الحمد للہ کر چکا ہوں۔ سب انسپکٹر نے ریوالور والا ہاتھ نیچے کر لیا۔ آگے بڑھ کر غازی کی کلائی پکڑ لی، ساتھ والے کانسٹیبل نے فوراً ہتھکڑی پہنا دی۔ میرا دل جو نتھو رام کی گندی کتاب سے مجروح ہو چکا تھا، اس منظر کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ غازی نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا، میں نے اپنا فرض ادا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے غازی کے چچا کو تلاش کیا اور انہیں پیشکش کی کہ میں اس مقدمے کی پیروی مفت کروں گا۔ انہوں نے تشکر آمیز الفاظ کے ساتھ میری پیشکش قبول کر لی۔ دوسرے روز میں غازی کے قانونی مشیر کی حیثیت سے ان سے ملاقات کرنے جیل گیا۔

اس سے پہلے بھی میں نے جیل میں قتل کے ملزموں سے ضابطے کی ملاقاتیں کی تھیں اور ان کی صورتیں مجھے یاد ہیں مگر جو اطمینان اور سکون غازی عبدالقیوم کے چہرے سے ہویدا تھا، وہ کسی اور چہرے پر نظر نہ آیا۔ جب میں نے بتایا کہ میں آپ کا مقدمہ لڑوں گا تو مردِ مجاہد پکار اٹھا، آپ جو چاہیں کریں مگر مجھ سے انکارِ قتل نہ کرائیں، اس سے میرے جذبہ جہاد کو ٹھیس پہنچے گی۔ میں نے نوجوان غازی کو تشفی دی اور کہا، بے شک آپ اقرار کریں اور میں اس اقبال کے ذریعہ ان شاء اللہ آپ کو پھانسی سے اتار لوں گا۔ مگر میری اس تشفی پر انہوں نے خوشی کا اظہار نہ کیا۔ میں نے دو چار باتیں اور کیں اور ایک کاغذ پر دستخط کرا کے لوٹ آیا۔

ہندو پیروکاری کی بوالعجبی ملاحظہ ہو کہ اینگلو انڈین قانون کا ضابطہ اپنے مخصوص اور روایتی چال کی بجائے اتنی تیزی سے حرکت میں آیا کہ مہینوں کا کام گھنٹوں میں طے ہونے

لگا۔ پہلی رپورٹ کے بعد تفتیش، چالان وغیرہ سب کچھ دو دن میں ہوگیا اور مقدمہ قتل عمد سماعت کیلئے ابتدائی عدالت میں پہنچ گیا۔ جب میں نے گواہانِ صفائی کی فہرست پیش کی تو اسے پڑھ کر مجسٹریٹ بہادر چونک اٹھے۔ میں نے دوسرے گواہوں کے علاوہ مولانا ظفر علی خان، خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، مفتی کفایت اللہ کے علاوہ دیوبند اور فرنگی محل کے متعدد مقتدر علماء کو طلب کیا تھا۔

عدالت نے اعتراض کیا کہ یہ گواہ مقدمے سے غیر متعلق ہیں، اس لئے نہیں بلائے جاسکتے۔ میں نے جواب دیا کہ جس جذبے کے تحت استغاثہ عبدالقیوم کو قاتل قرار دیتا ہے، اس جذبے کی نفسیاتی ترجمانی یہی حضرات کرسکتے ہیں۔ ظاہر ہے میری یہ دلیل جج کے فہم سے بالاتر تھی چنانچہ اس نے میری درخواست خارج کردی۔ میں نے فوراً جوڈیشنل کمشنری کراچی میں اپیل دائر کردی جس کے دو جج اوسالون اور فیرس واقعہ کے چشم دید گواہ تھے۔ اپیل دائر کرنے کے ساتھ ساتھ میں نے ان ججوں کے اختیار سماعت پر قانونی اعتراض کر دیا۔ کراچی جوڈیشنل میں اس وقت چار جج تھے، دو چھوٹے اور دو بڑے۔ ان میں سے تین اس درخواست کی سماعت کے اہل نہ تھے، چوتھے سیشن جج تھے۔

چنانچہ عدالت عالیہ کے ججوں نے ایک جج مسٹر لوبو (LOBO) کو طلب کر کے بنچ ترتیب دے لیا۔ اپیل کی سماعت شروع ہوئی اور بنچ نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ ان غیر متعلق گواہوں کو بلانے کی کوئی گنجائش نہیں، گویا اپیل خارج ہوگئی۔ دو تین روز مقدمہ سیشن جج کراچی کی عدالت میں آگیا۔ مقدمے کی اہمیت کے پیش نظر عدالت نے اس ''جیوری ٹرائل'' قرار دیا۔ جیوری نو افراد پر مشتمل تھی جن میں چھ انگریز، ایک پارسی اور دو عیسائی تھے۔ یہ سب کے سب اچھی شہرت، معقول سوجھ بوجھ کے مالک اور باعزت شہری تھے۔

قتل کے عام مقدموں کے برعکس اس مقدمے کا کام بہت سیدھا سادا اور مختصر تھا۔ صفائی کا تو کوئی گواہ تھا ہی نہیں، سارا دارومدار قانونی بحث پر تھا۔ ثبوت میں اول تو خود عدالت عالیہ کے دو انگریز جج تھے، دوسرے غازی عبدالقیوم نے اپنے اقبالی بیان میں تسلیم کرلیا تھا کہ میں نے جونا مارکیٹ کی مسجد میں پیش امام کی زبانی نتھورام کے فحش پمفلٹ کے مندرجات

سنے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کل اس کی اپیل کی سماعت کیلئے عدالت میں پیشی ہو رہی ہے۔ چنانچہ اگلے روز میں نے اپنا کاروبار چھوڑا، بازار سے ایک خنجر خریدا، اسے تیز کرایا اور سماعت سے پہلے ہی عدالت میں پہنچ گیا۔ ایک نامعلوم شخص کے ذریعے نتھو رام کو شناخت کیا اور پھر اس کے قریب ہی جا کر بیٹھا۔ میں نے اسے کنکھیوں سے دیکھا۔ یکایک میرے سینے میں غیظ وغضب کا طوفان امنڈ آیا۔ میں آپے سے باہر ہو کر اپنی نشست سے اٹھا۔ شلوار کے نیفے میں چھپایا ہوا خنجر نکالا اور چشم زدن میں نتھو رام کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ اس کی آنتیں نکل آئیں اور وہ منہ کے بل گر پڑا، دوسرا وار اس کی گدی پر کیا اور یہ ضرب پہلی سے بھی زیادہ کاری ثابت ہوئی، خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور چند ہی منٹ میں اس کا قصہ تمام ہو گیا۔

اس کے اقبالی بیان کی تائید میں ضابطے کے بیانات ہوئے اور استغاثے کے چشم دید گواہ (عدالت عالیہ کے دو جج) پیش ہوئے۔ جہاں تک واقعاتی پہلو کا تعلق تھا بچاؤ کی کوئی گنجائش نہ تھی بس جذبے اور ارادے والی بات رہ جاتی تھی۔ مگر غازی موصوف کے اقبالی بیان سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے یہ اقدام ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر کیا تھا، اس میں فوری اشتعال اور فوری عمل کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ تاہم میں نے کیس کو تقریباً انہی خطوط پر تیار کیا اور قانون سے زیادہ نفسانیت انسانی اور تاریخ سے بحث کی۔ جیوری اور جج کے سامنے میں نے جو بحث کی، وہ شاید برطانوی ہند میں اپنی نوعیت کی واحد اور منفرد بحث تھی۔ جس روز بحث ہونا تھی، میں قانونی پلندوں کی بجائے قرآن کریم کا ایک نسخہ لے کر عدالت میں پیش ہوا۔ جج اور جیوری میرے ہاتھ میں قرآن پاک کا نسخہ دیکھ کر متحیر رہ گئے۔ عام وکلاء سے ذرا پیچھے ہٹ کر میں نے بلند آواز میں بحث کا آغاز کیا اور کہا۔

حضور والا اور معزز صاحبان جیوری!

مجھے مقدمے کے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں کہنا کیونکہ جہاں تک وقوعے کا تعلق ہے، وہ ثابت ہو چکا ہے۔ مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ میرا یہ اقدام اس قانون پر مبنی تھا اور یہ آئین جو آج چین کی سرحد سے لے کر مراکش تک جاری وساری ہے، جسے کئی حکومتیں اپنے پینل کوڈ کے طور پر استعمال کر رہی ہیں، ہماری تہذیب اور ہمارے کلچر کی بنیاد ہے۔

میں جانتا ہوں عدالت اس کوڈ سے انکار کر کے اس کے تقدس کو ٹھیس پہنچائے گی لہٰذا میں اسے کھول کر نہیں دکھاؤں گا لیکن مجھے جو کچھ کہنا ہے، اسی کے سہارے کہوں گا۔ اس میں بار بار مذہبی پیشواؤں کو برا کہنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا حادثہ نہیں ہے۔ گزشتہ چند سال میں ایسی متعدد وارداتیں ہو چکی ہیں۔ خصوصاً دلی اور لاہور میں بالکل اسی نوعیت کے دو قتل ہو چکے ہیں۔

حضور والا، صاحبان جیوری!

ہر شخص جانتا ہے کہ فطرتِ انسانی دوسرے کی بدزبانی برداشت نہیں کر سکتی۔ اس سے نفسیاتی طور پر جواب اور انتقال کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں انسان اپنی استطاعت کے مطابق زبان، قلم یا ڈنڈے سے کام لے کر اپنی انا کی تسکین کرتا ہے۔ اگر گزشتہ واقعات کے فوراً بعد اس قسم کی حرکتوں کے انسداد کیلئے قانون کوئی مؤثر کارروائی کرتا تو نتھو رام کی وارداتِ قتل ہرگز ہونے نہ پاتی۔

مسلمان ایک عرصے تک ہندو اکثریت اور برطانوی حکومت کو سمجھا رہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جذبات وحسیات اور حیات کی شہ رگ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں وہ اتنا ذکی الحس واقع ہوا ہے کہ معمولی سی گستاخی پر بھی اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ دوسرے کی جان تو ایک طرف، وہ خود اپنی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ لیکن نہ ہندو اکثریت نے اس طرف دھیان دیا، نہ برطانوی حکومت کے کانوں پر جوں رینگی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ ماہر نفسیات ہونے کی حیثیت سے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس مسئلہ کی طرف توجہ نہ دی گئی تو ایسے ہولناک واقعات آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ انہیں نہ ہندو اکثریت روک سکے گی اور نہ تعزیراتِ ہند کی کوئی دفعہ۔

اس مرحلے پر جج نے مداخلت کی، ہاتھ کے اشارے سے مجھے روکا اور پہلو بدلتے ہوئے بولا، کیا فاضل جورسٹ اپنی بحث سے فرقہ وارانہ منافرت کو نہیں ابھار رہے ہیں؟

حضورِ والا! میں نے جج کو مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا۔ منافرت کا مخرج اور سرچشمہ جہاں، دراصل وہیں سے نفرت کے جذبات ابھر رہے ہیں۔ میں تو مقتول

نتھورام کی کتاب ''تاریخ اسلام'' کے ابھارے ہوئے جذبہ منافرت کے عوامل و نتائج پر تقریر کر رہا تھا۔ پھر عرض کرتا ہوں کہ اس ضمن میں مسلمان کے اعصاب توازن برقرار رکھنے سے قاصر ہیں، اس لئے وہ نہ تعزیراتِ ہند سے گھبرائے گا، نہ پھانسی کے پھندے سے ڈرے گا۔ حتیٰ کہ چین سے مراکش تک پھیلے ہوئے مسلمانوں کا بچہ بچہ اس فتنے کا سر کچلنے کیلئے میدان میں آجائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسی صورت سے دوچار ہونے والے مسلمان کا سوچ سمجھ کر اٹھایا ہوا قدم بھی فوری اشتعال کی تعریف میں آنا چاہیے۔

اس مرحلے پر میں نے قرآن مجید کو ذرا بلند کرتے ہوئے کہا، حضورِ والا! جو کچھ میں نے کیا ہے، اس قانون کی رو سے اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے جس کے ساتھ چودہ سو برس سے میں نے پیمانِ وفا باندھ رکھا ہے اور جن خطوط پر پشت ہا پشت سے میرا تربیتی ماحول تشکیل ہوتا چلا آرہا ہے۔ میں نے اپنی دانست میں قانون کو نہیں، انصاف کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ میرے اس اقدام میں شدید اور فوری غیظ و غضب کی عمل فرمائی تو ضرور ہے مگر قاتل کے سے جذبے کا کوئی شائبہ دور دور تک نہیں ہے۔ پھر سب سے زیادہ معصوم جذبہ اس عہد کی پاسداری ہے جس پر میرے ایمان کی بنیاد ہے۔ اور یہی چیز مجھے بے قصور اور سزا سے بری قرار دیتی ہے۔

جج میری تقریر پر بہت جز بز ہوا۔ شاید یہ منطقی بحث اس کے مزاج کیلئے قابل قبول نہ تھی مگر میرے پاس بھی اپنے دفاع کو مستحکم کرنے کیلئے کوئی اور دلیل نہ تھی۔ اس نے ''عہد کی پاسداری'' کے الفاظ دہرائے اور بڑبڑاتے ہوئے کہا، تم اپنے فہم و تدبر اور سطح سے نیچی بات کر رہے ہو، تمہارے جیسے فاضل مقنن سے اس کی توقع نہ تھی۔

مجھے وکیل کی جبلت کے برعکس تاؤ آگیا، پینترا بدلا اور کہا۔ حضورِ والا! یوں سمجھ لیجئے کہ کچھ اس قسم کے عہد کی پاسداری نہ کرنے پر چار اگست 1914ء کو ہمارے شہنشاہ جارج پنجم نے ایک چھوٹے سے ملک کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ عظیم برطانیہ کو اس جنگ میں سب سے بڑے رکن کی صورت میں شامل ہونا پڑا۔ ایک چھوٹے سے عہد کی خلاف ورزی کے نتیجے میں وہ خون ریزی ہوئی کہ لاکھوں بچے یتیم ہو گئے، لاکھوں عورتوں کے سہاگ لٹ گئے اور دنیا کا جغرافیہ کچھ کا کچھ ہو گیا۔ میں نے جس عہد کا ذکر کیا، اس میں آج

پچاس کروڑ مسلمان جکڑے ہوئے ہیں جو کسی قانونی دفعہ، پھانسی کے پھندے یا تلوار کے گھاؤ سے ڈر کے اس عہد سے روگردانی نہیں کر سکتے لہٰذا جہاں تک ''ناموسِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کا سوال ہے، مسلمان کا رونگٹا رونگٹا عبدالقیوم ہے۔

پس میری عرض ہے کہ ایک ایسے معصوم انسان کو جو ذہنی اور تربیتی طور پر بلائنڈ فیتھ کی رسی میں جکڑا ہوا ہے، جو ایک اَن پڑھ دیہاتی نوجوان ہے اور اپنی افتادِ طبع کے مطابق فوری اشتعال کے تحت اس فعل کا مرتکب ہوا ہے، جس کو آج بھی وہ اپنا فرض عین سمجھ رہا ہے۔ اسے کسی سزا کا مستوجب نہیں ہونا چاہیے اور اگر عدالت یہ سمجھتی ہے کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز کر گیا ہے تو اسے تھوڑی بہت قید بامشقت سے زیادہ کوئی سزا نہیں دی جانی چاہیے۔ آپ کی عدالت جنسی رقابت کے معاملے میں رقیب کو دن دیہاڑے قتل کرنے والے اقبالی مجرم کو بری کر سکتی ہے اور اراضی کے قبضے اور بے دخلی کے سلسلہ میں مالک کو ہلاک کرنے والے مزارع کیلئے صرف چار چھ سال کی سزا کافی سمجھتی ہے تو عبدالقیوم کے معاملے میں کیوں نرمی سے کام نہیں لے سکتی؟

بیرسٹر صاحب بحث کی تفصیل سناتے سناتے سانس لینے کیلئے رکے۔ چند لمحے بعد میں نے پوچھا، پھر کیا ہوا؟ بیرسٹر صاحب۔ بیرسٹر صاحب نے ایک جھرجھری سی لی، چائے کا ایک گھونٹ بھرا اور بولے۔

عدالت نے بحث سننے کے بعد اسی دن فیصلے کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔ مقررہ تاریخ پر دفتری اوقات شروع ہونے سے پہلے ہی ہندو اور مسلمانوں کے ہجوم عدالت کے باہر جمع ہوگئے۔ کراچی کے علاوہ حیدرآباد، ٹھٹھہ، نواب شاہ، بہاولپور اور پنجاب تک سے لوگ کشاں کشاں آئے تھے۔ نظم و نسق کیلئے پولیس کی بھاری تعداد موجود تھی۔ مشہور ہندو لیڈر، وکیل اور صحافی آئے ہوئے تھے۔ مسلم اکابرین میں سے متعدد اصحاب تشریف لائے تھے۔ ہندو...... مسلمان سب امید و بیم میں تھے البتہ جن مسلم اصحاب کو خفیہ ذرائع سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ جیوری کی اکثریت سزائے موت کی بجائے حبس دوام کے حق میں ہے، وہ اسی کو غنیمت جان کر قدرے مطمئن تھے۔ میں وکیلوں کی صف میں ایک کرسی پر بیٹھا یہ سب نقشہ دیکھ رہا تھا،

اضطراب اور بے چینی کی کیفیت طاری تھی۔ اچانک ڈائس پر جج نمودار ہوا، میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ میں نے قبل ازیں قتل کے کئی مقدمات کی پیروی کی تھی جن میں سے بعض کو پھانسی ہوئی، بعض رہا ہوئے مگر دل کی یہ کیفیت پہلے کبھی نہ تھی۔ تقریباً دو منٹ موت کی سی خاموشی طاری رہی۔ پھر جج کے اشارے پر پیش کار نے چپڑاسی سے کہا کہ ملزم حاضر کیا جائے۔ غازی بیڑیاں پہنے سر اٹھائے سنگین بردار محافظوں کے حلقے میں عدالت کے کٹہرے میں آکھڑا ہوا۔ پھر ایک مہیب سناٹا چھا گیا۔ جج نے ایک فائل الٹ پلٹ کر دیکھی اور ریڈر سے کچھ سرگوشی کی۔ اس نے ایک کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔ جج نے وہی کاغذ اٹھایا اور دھیمی آواز میں پڑھ کر سنایا: "عبدالقیوم خان تمہیں موت کی سزا دی جاتی ہے"۔

غازی عبدالقیوم کے منہ سے ذرا تھرتھرائی ہوئی آواز میں بے ساختہ نکلا الحمدللہ...... پھر کچھ سنبھلا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا قد ایک فٹ اونچا ہو گیا ہو۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر آئی جس میں بے پایاں مسرت ملی ہوئی تھی۔ اس کے لب ہلے، حاضرین نے سنا، وہ رہا تھا: "جج صاحب میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس سزا کا مستحق سمجھا۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے میرے پاس لاکھ جانیں ہوتیں تو وہ بھی ایک ایک کر کے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربان کر دیتا...... اللہ اکبر......"۔

یہ نعرہ مستانہ اس زور سے گونجا کہ اس کی گونج کمرہ عدالت، گیلری، برآمدے اور باہر والوں نے بھی سنی۔ وہ سمجھے کہ عبدالقیوم بری ہو گیا ہے۔ بیرسٹر صاحب رک گئے۔ ہاں بیرسٹر صاحب پھر کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔

آگے کا المیہ بڑا ہی دردناک ہے اور سنگین ہے۔ عبدالقیوم تو حکم سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے جیل چلا گیا اور مجھے حکومت نے پروفیشنل مس کنڈکٹ کا نوٹس دے دیا جس میں حدودِ قانون سے متجاوز ہو کر بحث کرنے کا الزام تھا۔ میں نے دوسری عدالت میں اس الزام کو غلط اور بے بنیاد ثابت کر کے پہلی عدالت کی جہالت پر مہر ثبت کی۔ چند روز بعد میں اپنے تین رفیقوں حاجی عبدالخالق صاحب، مولوی ثناء اللہ صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب پر مشتمل وفد اپنے استاد علامہ اقبالؒ کی خدمت میں بھیجا کہ سزائے موت کو عمر قید میں

تبدیل کرانے کیلئے وائسرائے تک سفارش پہنچائیں۔

مرحوم نے جو جواب دیا، اس کا ذکر میں شروع میں کر چکا ہوں۔ میں نے ایک طرف یہ وفد علامہؒ کے پاس روانہ کیا، دوسری طرف گورنر بمبئی کے نام رحم کی عرضداشت بھیج دی۔ اس کا جواب ملا، درخواست زیر غور ہے، دو ہفتے تک آپ کو نتیجے سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ گورنر بمبئی کا جواب ملے تیسرا روز تھا کہ صبح کے وقت میں نے اپنے دفتر میں سنا کہ رات غازی عبدالقیوم کو پھانسی دے دی گئی۔ میں مولانا عبدالعزیز کو لے کر جیل پہنچا تو پرائیویٹ ذریعہ سے پتہ چلا کہ صبح اذان کے وقت غازی کے لواحقین کو ان کی جائے قیام پر جگا کر بتایا گیا کہ عبدالقیوم کو پھانسی دے دی گئی ہے۔ لاش کو پولیس سرکاری گاڑی میں رکھ کر میوہ شاہ قبرستان لے گئی ہے، جنازہ تیار ہے، منہ دیکھنا ہے تو جلد چلو۔

ہم لوگ قبرستان پہنچے تو معلوم ہوا کہ میت قبر میں اتاری جا چکی ہے کہ مسلمانوں کا جم غفیر وہاں پہنچ گیا اور اس نے مٹی ڈالنے نہ دی۔ ایک جوشیلا قومی کارکن قلندر خان قبر میں کود گیا اور میت کو لحد میں سے نکالا، چارپائی کفن وغیرہ کا بندوبست پہلے سے ہو چکا تھا، فوراً لاش کو کفنایا اور جنازہ لے کر روانہ ہو گئے۔

یہ خبر آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ کراچی مسلم اکثریت کا شہر تھا اور صبح کا وقت۔ دیکھتے ہی دیکھتے دفعہ -144 کے نفاذ کے باوجود دس بارہ ہزار مسلمان جمع ہو گئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فوراً فوج طلب کر لی۔ ہم اس عرصہ میں راستہ کاٹ کر چاکیواڑہ کے قریب ایک تنگ گلی سے گزر کر جنازے کے قریب پہنچ گئے، بے پناہ ہجوم تھا۔ کندھا دینے والوں میں قلندر خان خاصا نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اچانک ہجوم کا ریلا آیا اور پھر برابر والی پتلی گلی سے ''تڑتڑ'' کی آواز گونجی۔ نظر اٹھا کر آگے کا جائزہ لیا تو قلندر خان کے بدن سے خون کا فوارہ اچھلتے دیکھا، اس کے باوجود وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ جنازے کو کندھا دیئے جا رہا تھا۔ چند منٹ بعد وہ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑا۔ نہتے اور پرامن جلوس پر گوروں نے بے تحاشا فائرنگ کی۔ سینکڑوں مسلمان شہید اور ہزاروں مجروح ہو گئے۔ اندھا دھند فائرنگ کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مکانوں اور جھونپڑیوں میں بیٹھے بچے، بوڑھے اور عورتیں

بھی اس کا نشانہ بن گئیں۔ حالات قدرے پرسکون ہوئے تو میں، مولانا عبدالخالق، مولانا عبدالعزیز اور حاتم علوی زخمیوں کی عیادت کیلئے سول ہسپتال گئے۔ ہسپتال کے اردگرد پولیس کی بھاری تعدادی اور کچھ فوج بھی موجود تھی۔

ہم کسی نہ کسی طرح شہیدوں اور زخمیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے۔ میں نے 106 لاشیں گنیں اور بعد میں ان کی تعداد ایک سو بیس ہوگئی۔ ہسپتال میں کہرام مچا ہوا تھا، لاشیں علیحدہ کی جارہی تھیں۔ تڑپتے، سسکتے، کراہتے اور چیختے ہوئے زخمی الگ بڑی تعداد ایسے زخمیوں کی تھی جن کے ہاتھ پاؤں کی ہڈیوں کے ٹکڑے اڑ گئے تھے، حادثہ اتنا مہیب تھا کہ بیان کرنے کیلئے الفاظ نہیں ملتے۔ پھر صبح کے وقت جب جوانوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ہاتھ پاؤں سے بھری ہوئی ایک وین سول ہسپتال سے نکلی تو بے اختیار میری چیخ نکل گئی۔ بلکہ کئی دن تک حواس بجا نہ ہوئے، خواب وخور حرام ہوگیا۔ بے شمار لاشیں ان کے وارثوں نے پولیس میں رپٹ دیئے بغیر چپکے سے دفن کردیں۔ اتفاق سے ان دنوں دہلی میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس ہورہا تھا۔ ہم نے وائسرائے کے نام ایک تار دیا، ساتھ ہی ایک قاصد بذریعہ ریل قائداعظم کے پاس روانہ کیا۔ کراچی میں ہم نے مسلم ریلیف کمیٹی قائم کی جس کی امداد کیلئے دہلی اور لاہور دونوں نے چندے دیئے۔ ادھر قائداعظم نے اسمبلی میں آواز بلند کی، پھر تو ہماری آواز برٹش پارلیمنٹ کے ایوانوں میں بھی گونجی۔ سرونسٹن چرچل نے اظہار تاسف کیا۔

شمع رسالتؐ کے پروانے کی ایمان پرور داستان ختم ہوچکی تھی۔ میں جب بیرسٹر صاحب کے پاس سے رخصت ہوا تو مرے ہاتھ میں ایک تاریخی دستاویز تھی جس کا نام ''عبدالقیوم'' تھا۔ یہ ایک پمفلٹ تھا جو بیرسٹر صاحب نے مجھے دیا تھا۔

(شہیدان ناموس رسالتؐ: ۸۳تا۹۴)

مٹا دے اپنی ہستی آج ناموسِ محمدؐ پر یہ نکتہ ہے مسلمان کی حیاتِ جاودانی کا

شہدائے کشمیر

اللہ بخش اور احرار شہداء

حاجی محمد عبداللہ بٹ تحریک کشمیر ۱۹۳۱ء میں سرگرم حصہ لے چکے ہیں۔
وہ تحریک حریت کے ممتاز کارکن ہیں۔
ایک ملاقات میں انہوں نے تحریک کشمیر پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا۔
"تحریک کشمیر ۱۹۳۱ء کے سلسلہ میں گوجرانوالہ سے نوجوانوں کا پہلا قافلہ میری قیادت میں روانہ ہوا۔ جب ہم شہر سے باہر نکلے تو پولیس نے تمام راستوں کی ناکہ بند کر رکھی تھی، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہم نے عام راستوں کو چھوڑ کر کھیتوں کو راستہ بنالیا اور چھپتے چھپاتے ننڈی پور کے قریب ایک گاؤں موضع رجائی میں پہنچے۔ گاؤں والوں نے ہمارا شاندار استقبال کیا اور ہمیں ٹھہرا کر کھانا کھلایا۔ وہاں سے ہم ڈسکہ روانہ ہوئے۔ جب ہم ڈسکہ پہنچے تو لوگوں نے پرجوش انداز میں استقبال کیا۔ لوگوں نے فلک شگاف انداز میں نعرہ تکبیر، مجلس احرار اسلام زندہ باد اور چلو چلو کشمیر چلو کے نعرے لگائے۔ انہی نعروں سے پولیس چوکنا ہوگئی اور اس نے ڈسکہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی ہمیں گرفتار کرلیا اور بسوں میں بٹھا کر سیالکوٹ کے قریب ایک کھلے میدان میں قید کر دیا جس کے اردگرد خاردار تار لگے ہوئے تھے۔ وہاں امرتسر، لاہور گوجرانوالہ اور گجرات سے آنے والے لوگوں کو بھی رکھا گیا تھا۔ اس قدر اہتمام اور انتظام کے باوجود لوگ جوش عقیدت میں جموں پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے راستے میں نہ تو پہاڑ ہی حائل ہوسکے اور نہ ہی برطانوی جبر واستبداد رکاوٹ بن سکا۔ لوگوں نے جانے کے لیے مصنوعی جنازوں اور باراتوں کا روپ بھی اختیار کیا۔ لوگوں کی اس عقیدت سے انگریز عاجز آ گیا الغرض ہمیں فوری سماعت کی عدالت میں پیش کیا گیا۔

جہاں سے دو دو ماہ کی سزائیں ہوئیں جو ہم نے لاہور، سیالکوٹ اور فیروز پور کی جیل میں کاٹی اور پھر فیروز پور سے رہا ہو کر گوجرانوالہ ایک گونہ مسرت اور طمانیت سے لوٹے۔"

تحریک کشمیر میں چینوٹ کے سرگرم رکن اللہ بخش سمیت سینکڑوں احرار جان نثار شہید ہوئے اس تحریک میں ایک قافلہ زیر قیادت جانباز مرزا مرحوم بارات کی صورت میں سری نگر پہنچا تھا۔

ایک مجاہدہ کی شہادت

اجنبی سمت سے چلنے والی دشمن کی گولیاں مجاہدہ مائی اماں کے سینے اور ان میں پیوست ہو چکی تھیں اور درد کی شدت اور تکلیف کیوجہ سے ان کی آنکھوں کے سامنے مکمل تاریکی چھا رہی تھی۔ مگر اس وقت بھی انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور پوری قوت کے ساتھ سر پر رکھی گٹھڑی مجاہدین کے مورچے کی جانب لڑھکا دی۔...... اور پھر وہ خود بھی بے دم ہو کر گر پڑیں۔

مجاہدین کی اس امداد کی ساری خوشیاں اماں مجاہدہ کی حالت دیکھ کر خاک میں مل گئیں اور ہر آنکھ نم ہو گئی...... مگر یہ جان کر انہیں خوشی ہوئی کہ "اماں" ابھی زندہ ہیں...... لیکن بے ہوش! بہر حال مجاہدین نے جلدی جلدی اپنا اسلحہ تیار کیا اور پھر بغیر ایک لمحہ کے انتظار کے دشمن پر اچانک زبردست قسم کا فائر کھول دیا۔

بزدل دشمن جواب تک اپنی نفری اور اسلحہ کے زور پر محاصرہ کر کے مجاہدین کو زندہ گرفتار کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا یہ غیر متوقع صورتحال دیکھ کر سراسیمہ ہو گیا اور سمجھا کہ مجاہدین کو بھاری تعداد میں کمک پہنچ گئی ہے۔ اب ڈوگرہ فوج کے پاس بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں...... چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے صرف پندرہ منٹ میں تین دن کا محاصرہ ختم ہو چکا تھا اور دشمن تھوراڑ کی بستی سے کوسوں دور پہنچ چکا تھا۔

تھوراڑ فتح ہو چکا تھا اور تھوراڑ کو فتح کرنے والی عظیم مجاہدہ بے ہوش پڑی تھی۔ "اے کے تھری" کے مسلح مجاہد سراپا غم واندوہ کی تصویر بنے اس کے ارد گرد کھڑے تھے...... اسی دوران اچانک "اماں مجاہدہ" کو ہوش آیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور سوالیہ نظروں سے مجاہدین کی جانب دیکھا جیسے پوچھ رہی ہوں کہ بتاؤ فتح ہوئی یا شکست؟

عظیم مجاہدہ کی آنکھیں کھلتی دیکھ کر مجاہدین نے خوشی کے مارے نعرۂ تکبیر لگایا اور ''اماں مجاہدہ'' کو فتح کی خوشخبری سنائی...... فتح کی خبر سن کر اماں کی آنکھوں میں ایک لمحہ کیلئے چمک پیدا ہوئی پھر انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور آنکھیں موندھ لیں...... یہ دیکھ کر ایک مجاہد آگے بڑھا اور ان کی نبض کو ٹٹولا...... مگر...... ''اماں مجاہدہ'' سر پر شہادت کا تاج سجائے اپنے خالق کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ (عظیم خواتین)

مجاہدہ

اس دن بڑا ہی خوفناک معرکہ برپا ہوا تھا۔ ہندوستان کے بزدل فوجیوں نے بالکل اچانک ہی آزاد کشمیر ایک چوکی پر حملہ کر دیا تھا۔ جبکہ اس چوکی میں چند پاکستانی فوجیوں کے سوا اس وقت کوئی بھی موجود نہ تھا، جو اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکتا۔ لیکن اس کے باوجود شیر صفت جوان دشمن کی اندھا دھند فائرنگ کے سامنے یوں ڈٹ گئے جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ دشمن جو اپنے بھاری بھرکم اسلحہ کے بھروسہ پر اپنی شامت کو دعوت دے چکا تھا اب تک چند قدم سے زیادہ آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ حالانکہ اس دن حملے کا پروگرام طے کرنے والوں کو یقین تھا کہ وہ بہت آسانی کے ساتھ پاکستان کی اس سرحدی چوکی پر قبضہ کر لیں گے۔ لیکن اب جب انہیں اینٹ کا جواب پتھر سے مل رہا تھا تو ان کے ہوش و حواس اڑنے لگے چنانچہ فوری طور پر مزید مدد طلب کر کے اس حملے کو زیادہ طاقتور بنانے کی کوشش کی گئی۔

دوسرے جانب پاک فوج کے شاہینوں کا عالم یہ تھا کہ ان کے پاس سوائے چند بندوقوں کے کچھ نہیں تھا۔ جن سے وہ مقامی آبادی کی حفاظت کا فریضہ تو سرانجام دے سکتے تھے لیکن اتنے بھاری حملے کا جواب وہ زیادہ دیر تک نہ دے سکتے تھے۔ ان کیلئے مزید پریشانی کا باعث یہ بھی تھا کہ مسلسل کوشش کے باوجود وہ اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کرنے میں ناکام رہے تھے۔ مگر ان سب مشکلات کے باوجود وہ ابھی تک اپنے مورچوں پر نہ صرف ڈٹے ہوئے تھے، بلکہ ان میں سے بعض تو اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر آگے بڑھ کر دشمن کے علاقے میں بھی پہنچ گئے تھے اور بالکل قریب سے دشمن پر جوابی فائر کر رہے تھے۔ دراصل انہیں معلوم تھا کہ اصل طاقت اللہ کی ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے۔ جبھی تو انہیں نہ اپنی کمزوری کا احساس تھا اور نہ ہی کمک پہنچنے کا غم!

اس صورتحال میں دونوں طرف سے بھڑ کنے والی آگ تیز تر ہوتی چلی گئی اور اب یوں لگ رہا تھا جیسے وادیٔ سماہنی کی سرزمین پھٹ چکی ہو اور اس میں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں۔

اسی دوران ایک سانحہ پیش آ گیا۔ معرکہ کے بالکل درمیان میں دو فوجی جوان جو دونوں فوجوں کی درمیانی سرحد ''نالہ ارسل'' کو پار کر کے دشمن کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے، اچانک دشمن کی فائرنگ کی زد میں آ گئے۔ جس کے نتیجہ میں ان میں سے ایک جوان شہید اور دوسرا شدید زخمی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین میں تشویش کی لہر دوڑ گئی کیونکہ یہ دونوں دشمن کے علاقے میں اس قدر اندر تک چلے گئے تھے کہ اب اتنی شدید برستی ہوئی آگ میں انہیں اٹھا کر واپس لانا تقریباً ناممکن تھا۔ جبکہ شہید کی لاش کو دشمن کے نیچے سے نکالنا تھا اور زخمی کو جلد از جلد طبی امداد فراہم کرنی تھی۔ مگر یہ سب کچھ کیسے ممکن تھا؟ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا!

فوجی جوان ابھی اپنے شہید اور زخمی ساتھیوں کو دشمن کے علاقے سے نکالنے کیلئے پلاننگ کر ہی رہے تھے کہ اچانک انہیں قریبی جھاڑیوں سے سرسراہٹ کی آواز سنائی دی، وہ سب یکدم چونک گئے اور کسی بھی ممکنہ خطرے سے نمٹنے کیلئے تیار ہو گئے۔ مگر چند ہی لمحوں بعد یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ ایک دبلی، پتلی سی کمزور عورت اپنے کندھوں پر اسی زخمی مجاہد کو لادے ہوئے آ رہی ہے...... مگر اس قدر مشکل کام کے باوجود اس کے چہرے پر نہ خوف و ہراس ہے اور نہ ہی پریشانی کے آثار!

اس عورت نے زخمی مجاہد کو باقی فوجیوں کے درمیان چھوڑا اور یکدم تیزی سے گھوم کر جھاڑیوں میں غائب ہو گئی۔

فوجی جوان ابھی حیرت سے یہ سارا منظر دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک ایک مرتبہ پھر جھاڑیوں سے آواز آئی اور وہی عورت دوبارہ نمودار ہوئی...... اب اسکے کندھوں پر شہید مجاہد کی لاش تھی۔ اس نے وہ لاش فوجیوں کے درمیان رکھی اور زخمی مجاہد کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئی، جہاں اس نے اس مجاہد کے زخموں پر مرہم پٹی لگائی۔ یہ دلیر خاتون جس نے یہ عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا، کشمیر کی عظیم مجاہدہ بی بی عائشہ تھی۔

عائشہ بی بی ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئی۔ ۱۹۳۸ء سے وہ موہڑہ گڑھی میں اپنے شوہر سوار خان

اور بچوں کے ساتھ اپنے آبائی گھر میں مقیم تھی۔ موہڑہ گڑھی آزاد کشمیر کے ضلع بھمبر کی تحصیل سماہنی موضع کہاولیاں کا انتہائی خوبصورت اور سرسبز و شاداب گاؤں ہے۔ ''گڑھی کہاولیاں'' کشمیر میں جنگ بندی لائن کے قریب چالیس فٹ چوڑے نالہ ارسل پر واقع ہے جو بھارتی مقبوضہ کشمیر کے درمیان ایک عارضی حد قائم کرتا ہے۔ عائشہ بی بی کا خاندان کئی پشتوں سے یہاں آباد تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے بھارتی فوج نے اس کے گھر کے عین سامنے نالے کے دوسرے کنارے پہاڑی کے نشیب میں مستقل مورچہ بنایا ہے لیکن عائشہ بی بی کی وجہ سے کبھی بھارتیوں کو مورچے سے نکل کر سامنے کھڑے ہونے کی جرأت نہیں ہوئی۔ عائشہ بی بی قیام پاکستان سے قبل بھی اپنے علاقے کے مظلوم مسلمانوں کو ڈوگروں کے ظلم و ستم سے بچانے کیلئے طاقتور لوگوں کے خلاف نبرد آزما رہتی تھی۔ علاقہ کا نمبردار بشیر و خان ڈوگروں سے ملا ہوا تھا۔ انہیں خوش کرنے کیلئے مسلمانوں کو طرح طرح سے تنگ کرتا حتیٰ کہ ان کے مال مویشی اور فصلیں زبردستی چھین کر ڈوگروں کے حوالے کر دیتا۔ عائشہ بی بی تک بات پہنچتی تو وہ بلا خوف اس کے گھر چلی جاتی اور مسلمانوں کا مال و اسباب اس سے واپس لے کر انہیں دلا دیتی۔

۱۹۴۷ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے غیر قانونی غیر آئینی اور غیر فطری طور پر شیخ عبداللہ اور پنڈت نہرو سے ساز باز کر کے کشمیر کا ناجائز الحاق ہندوستان سے کر دیا تو پوری ریاست جموں و کشمیر میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ عائشہ بی بی نے اپنے گاؤں کی آبادی کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ کسی بھی حال میں ہجرت نہیں کریں گے۔ اپنے گھروں میں ڈٹے رہیں گے۔ اپنی زمین کی حفاظت کریں گے یا تو یہاں آزادی کا سبز ہلالی پرچم لہرائیں گے یا پھر سب شہادت کا جام نوش کر کے وطن کا حق ادا کرینگے۔ چنانچہ عائشہ بی بی نے مردانہ وار اپنے گاؤں کے بہادر مردوں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ ڈوگرہ فوج کا مقابلہ کیا۔ وہ ایک پیدائشی مجاہدہ تھی۔ اعلان جہاد کے بعد وہ ہر روز اپنے گاؤں کے لوگوں کو جمع کر کے کلہاڑیوں، تلواروں اور بندوقوں سے جنگ کرنے کی تربیت دیتی۔ کبوتر گلہ اور ارسل نالہ سے مسلح ڈوگرے جتھوں کی صورت میں گزرتے تو عائشہ بی بی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ درختوں کے جھنڈ میں چھپ کر ان پر حملہ کرتی۔ ڈوگرے اچانک کارروائی سے بوکھلا کر اسلحہ

اور لاشیں چھوڑ کر بھاگ جاتے اور کسی کو اس گاؤں میں قدم رکھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اس طرح اس کے پاس کافی اسلحہ جمع ہو گیا تھا، جو اس نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کبوتر گلہ اور نالہ ارسل میں ڈوگرہ فوج اور مجاہدین کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔ عائشہ بی بی کی کوششوں سے گاؤں کے ایک بھی آدمی نے اپنا گھر نہیں چھوڑا، بلکہ سب دشمن کے خلاف ڈٹے رہے۔ بالآخر اس علاقے میں دشمن کو عبرتناک شکست ہوئی اور سہانی کی شاداب وادیوں میں آزادی کا سبز پرچم لہرانے لگا۔

جنگ بندی کے بعد اکثر اوقات آزاد علاقے کے لوگوں کے مویشی گھاس چرنے کیلئے مقبوضہ علاقے میں چلے جاتے۔ عائشہ بی بی باقاعدہ مسلح ہو کر دشمن کے علاقے میں جاتی اور اپنے لوگوں کے مویشی واپس لے آتی۔ اس علاقے میں اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ کسی کی جرأت نہ تھی کہ اس کے راستے میں آتا۔ ۱۹۶۵ء میں جب کشمیر میں مسلح بغاوت کا آغاز ہوا تو ایک دن عائشہ بی بی کے مویشی نالہ ارسل پار کر کے مقبوضہ علاقے میں چلے گئے۔ اتنے میں بھارتی فوج کے مسلح جوان گشت کرتے ہوئے اس طرف آنکلے اور عائشہ بی بی کے مویشیوں کو ہانک کر اپنے مورچوں کی طرف لے جانے لگے، عائشہ بی بی کو خبر ہوئی تو وہ چھپتے چھپاتے نالہ عبور کر کے بھارتی فوجیوں کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گئی۔ جوں ہی بیس کے قریب دشمن سپاہی اس کے سامنے سے گزرے، عائشہ بی بی نے جھاڑیوں کی اوٹ سے ان پر پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ آناً فاناً ایک فوجی کے سر پر بڑا پتھر لگنے سے نیچے گر پڑا۔ باقی فوجیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔

عائشہ بی بی نے گرے ہوئے فوجیوں پر اس انداز سے فائر کھول دیا کہ انہوں نے سمجھا وہ مسلح حریت پسندوں کے گھیرے میں آ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے زخمیوں کو میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے اور عائشہ بی بی تنہا انہیں للکارتے ہوئے اپنے مویشی ہانک کر واپس لے آئی۔ عائشہ بی بی دن رات مجاہدین کی خدمت کرتی۔ انہیں کھانا پکا کر کھلاتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور جس قدر ممکن ہوتا انہیں ضروری معلومات فراہم کرتی۔

آزاد کشمیر رجمنٹ کے کیپٹن میر افضل نے یہ تمام واقعات دستاویزی ثبوت کے ساتھ جی ایچ کیو راولپنڈی لکھ کر بھیجے اور ساتھ ہی وہ رائفل بھی بھیجی جو عائشہ بی بی نے بھارتی

فوجیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے چھینی تھی۔ اس رپورٹ پر صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان نے بذریعہ یونٹ کمانڈر ۱۴۱۔ اے کے رجمنٹ عائشہ بی بی کو انعام کے طور پر ایک خود کار رائفل اور پانچ ہزار روپے نقد انعام دیا۔

ادھر اپنی ان تمام کارروائیوں کی وجہ سے عائشہ بی بی دشمن کی ہٹ لسٹ پر تھی۔ دن کے وقت کسی بھارتی فوجی کی جرأت نہ تھی کہ وہ اپنے مورچے سے نکل کر گڑھی کہاولیاں کے گھروں کیطرف نظر اٹھا کر دیکھے۔ عائشہ بی بی کا گھر دشمن کے مورچے کی زد میں تھا لیکن جونہی کوئی بھارتی فوجی اپنے مورچے سے باہر نکلتا وہ اپنی رائفل لے کر چھت پر چڑھ جاتی اور اسے للکار کر واپس اپنے مورچے میں جانے پر مجبور کر دیتی۔ بھارتی فوجیوں کے ساتھ اس کی ازلی اور مذہبی دشمنی تھی۔

اگست ۱۹۶۵ء کے دوسرے ہفتے میں ایک دن دشمن نے مجاہدہ عائشہ بی بی کی کارروائیوں سے تنگ آ کر رات کے اندھیرے میں اس کے گھر پر حملہ کر دیا۔ دشمن کو اندازہ نہ تھا کہ مسلمان مجاہدہ مرد ہو یا عورت نیند سے آشنا نہیں ہوتا۔ مجاہدہ عائشہ بی بی آہٹ سنتے ہی انعام میں حاصل کی ہوئی اپنی رائفل لے کر گھر کی چھت پر چڑھ گئی اور آم کے گھنے درخت سے دشمن پر فائر کھول دیا۔ اس اچانک اور غیر متوقع جوابی کارروائی سے دشمن کا ایک جوان عائشہ بی بی کے گھر کے قریب ہی گر کر جہنم واصل ہو گیا اور دوسرا شدید زخمی ہوا۔ عیار اور بزدل دشمن اپنے دوساتھی عائشہ بی بی کے کھیت میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دراصل وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کا مقابلہ ایک تنہا عورت کر رہی ہے جس کے ہاتھوں ان کے دو قیمتی آدمی ضائع ہو چکے تھے!

۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران مجاہدہ عائشہ دن رات مسلح حالت میں چاق و چوبند رہتی۔ اس کی موجودگی کی بدولت جنگ کے باوجود گاؤں کے لوگوں میں قطعاً خوف و ہراس نہ تھا۔ نہ ہی دشمن کو ادھر کا رخ کرنے کی جرأت ہوئی۔

اکتوبر ۱۹۸۹ء میں مقبوضہ کشمیر میں جہاد آزادی کا آغاز ہوا تو عائشہ بی بی کے سر پر شوق شہادت کا جنون سوار تھا۔ اس نے اپنی پوری جوانی وطن اور اللہ کی جس راہ میں دی تھی اپنا انجام بھی اسی میں کرنے کی آرزومند تھی۔ ساٹھ برس کی عمر میں اس کا جوش و خروش جوانوں

جیسا تھا۔ ۱۹۹۰ء میں مقبوضہ کشمیری سے لٹے پٹے مہاجرین کا قافلہ آزاد کشمیر میں سرحد عبور کر کے داخل ہوا تو اس کی حالت دیدنی تھی۔ اس کا ایمان تھا کہ اب بھارت کا ایک فوجی بھی ریاست جموں وکشمیر کی ایک انچ زمین پر نہیں ٹھہر سکتا۔ چنانچہ نالہ ارسل کے پار دشمن اس سے خوفزدہ رہتا، اور اس کی حرکات اور سرگرمیوں کا جائزہ لیتا رہتا۔ ۹ فروری ۱۹۹۱ء کو دن کے گیارہ بجے یہ شیر دل خاتون پورے اعتماد کے ساتھ اپنے مویشیوں کو لے کر کھیتوں سے گزر رہی تھی کہ دشمن نے نشانہ لے کر مشین گن کا فائر کھول دیا۔ کشمیر کی یہ عظیم مجاہدہ سر میں گولیاں لگنے سے موقع پر ہی اپنے وطن عزیز اور اسلام کی ناموس پر قربان ہوگئی۔ پاک فوج نے اس عظیم شہید خاتون کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ گڑھی کہاولیاں کی اس پاک سرزمین میں دفن کیا، جس کی آزادی اور عزت کیلئے عائشہ بی بی نے پوری زندگی مردانہ وار غاصب دشمن کا مقابلہ کر کے اسے ذلت آمیز پسپائی پر مجبور کئے رکھے تھا۔ اس کے دو بیٹے پاک فوج میں وطن کی سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دے کر ریٹائر ہوئے اور ایک بیٹی فرزند بیگم جو اس کی اکثر کارروائیوں میں اس کے ساتھ رہتی تھی سر اور بازو میں دشمن کی گولیاں لگنے سے شدید زخمی ہوئی۔ شہید عائشہ بی بی کی ولولہ انگیز زندگی اور آبرومندانہ شہادت اب اپنے علاقہ میں لوک داستان کی طرح زبان زد عام ہو چکی ہے۔

جٹ برادری کی یہ بے مثال خاتون اب اسلام کی بہو بیٹیوں کیلئے سرمایہ افتخار بن کر لوک گیتوں میں زندہ رہے گی اور کشمیری قوم اس پر ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔

فلسطینی عورت کا جذبہ اور شہادت

۱۶ سالہ نورا جمال شلہوب نے یہ طے کرلیا تھا کہ وہ اسرائیلی درندوں کو ایسا سبق سکھائے گی جسے وہ کبھی نہ بھول پائیں گے، اس نے عہد کیا تھا کہ وہ یہودیوں سے اپنے شہید بھائیوں کا بدلہ ضرور لے کر رہے گی۔

پھر ایک دن وہ فجر کی نماز سے پہلے اٹھی اور کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے اپنے والدین یا بہن بھائیوں میں سے کسی سے ملے بغیر اپنے گھر سے نکل گئی، جو فلسطینی شہر طولکرم کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اسے یقین تھا کہ وہ اب کبھی اس گھر میں واپس لوٹ کر نہ آئے گی، کیونکہ اس کا رخ ایک اسرائیلی فوجی چوکی کی جانب تھا اور ساتھ ہی اس نے ایک تیز دھار خنجر بھی اپنے کپڑوں میں اڑھس لیا تھا۔

''میں یہ خنجر کسی یہودی کے دل میں گھونپ کر اپنے شہید بھائیوں کا بدلہ لے لوں گی''

یہ سوچ کر وہ اپنی منزل کی جانب چل پڑی، لیکن ...... افسوس کہ سفاک یہودیوں کی گولی اس کے خنجر سے تیز نکلی ...... چنانچہ قبل اس کے کہ وہ اپنے ٹارگٹ تک پہنچتی ...... کئی ایک سنسناتی ہوئی گولیاں ...... یکے بعد دیگرے ...... اس کے جسم میں آکر پیوست ہوگئیں ...... اور وہ وہیں شہید ہوکر ...... گر پڑی ......

نورا جمال شلہوب ...... اس دنیا سے رخصت ہوچکی تھی، مگر جانے سے قبل وہ اپنے والدین، بہن بھائیوں، سہیلیوں اور استانیوں کے نام دو خط بھی لکھ گئی تھی، جو اس کی شہادت کے بعد اس کی کتابوں کے بستے سے برآمد ہوئے۔

آیئے القدس کی اس جانباز شہزادی کے یہ خط پڑھتے ہیں اور اپنے ایمانی جذبوں کو جلا بخشتے ہیں!

نورا نے پہلا خط اپنے والدین، بہن، بھائیوں، رشتہ داروں اور تمام فلسطینی مسلمانوں

کیلئے لکھا، جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

بسم الله الرحمن الرحیم

میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

درود وسلام ہو سید المرسلین، خاتم الانبیاء اور امام المجاہدین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر...... امابعد!...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے...... ''مشرکین کے ساتھ پوری طرح قتال کرو جیسا کہ وہ تمہارے ساتھ پوری طرح قتال کرتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے'' ...... بے شک عظمت والے رب نے سچ کہا۔

بے شک ہمارے دہشت گرد دشمن نے ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا ہے اور ہماری قوم کو تباہ وبرباد کر دیا ہے...... لیکن اے دشمنان اسلام یاد رکھو میں تمہیں عنقریب بہت عبرتناک سبق سکھاؤں گی اور میری اس کارروائی کے بعد...... اے یہودیو! تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے وطن میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے پس اس سرزمین سے نکل جاؤ کیونکہ یہ تمہارے لئے حرام ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے حکم سے اس ظالم اور لعنتی دشمن کو ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ اس کو پتہ چل جائے گا کہ فلسطین میں ان کیلئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے!

میں اپنی اس کارروائی کا ثواب شہید فواز بدران، عامر الحقیر، رائد الکرمی، دکتور ثابت، فراس الجابر، محمود ابوالہنود، ناصر حمدان، عبدالرحمٰن حماد، محمود المدنی، یاسر البدوی، شہدائے سانحۂ نابلس، شہدائے سانحۂ بیت اللحم، شہدائے سانحۂ بیت ریما، شہدائے سانحۂ عین الفارۃ اور جہاد فلسطین کے تمام شہداء کی مبارک ارواح کو ہدیہ کرتی ہوں اور ساتھ ہی ساتھ تمام شہداء کے ورثاء اور تمام زخمیوں کو بھی اس کارروائی کا ثواب ہدیہ کرتی ہوں۔

بس سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں...... اللہ اکبر...... فتح صرف اسلام اور مسلمانوں کی ہے۔

قاری محمد ارشد شہید رحمہ اللہ

عزیز محمد ارشد چار سال سے اعلاء کلمۃ اللہ اور کشمیر کی آزادی کیلئے جہاد میں مصروف تھے۔ محمد ارشد خاموش طبع، سلیم الفطرت، اطاعت شعار اور محنتی طالب علم تھے۔

ابتدائی تربیت کے منازل بہت سرعت سے طے کیں اور جلد ہی ان کا شمار بہترین کمانڈروں میں ہونے لگا۔ متعدد طلبہ نے ارشد شہید سے جہاد کی تربیت حاصل کی اور ان کی قیادت میں جہاد کشمیر میں حصہ لیا ارشد شہید کو جب موقع ملتا اور مدرسہ میں تعطیلات ہوتیں، وہ فریضہ جہاد کیلئے روانہ ہو جاتے۔ یوں محسوس ہوتا کہ حصول شہادت کا جذبہ انہیں بے قرار اور منزل پر پہنچنے کا شوق انہیں بے چین اور مضطرب کئے ہوئے ہے۔ وہ جب جہاد پر جاتے لاتعداد بھارتی فوجیوں کو جہنم واصل کرتے ان کی تمنا تھی کہ جہاد افغانستان کی طرح جہاد کشمیر میں بھی مجاہدین آزادی فتح سے ہمکنار ہوں اور وہ اپنی زندگی میں کشمیر کو آزاد ہوتا دیکھیں اور اس کی آزاد فضاؤں میں نعرہ تکبیر بلند کریں ارشد شہید کی یہ تمنا ان کی زندگی میں تو پوری نہ ہو سکی مگر انہوں نے اپنے خون شہادت سے دشمن پر یہ واضح کر دیا کہ مجاہدین نا قابل شکست ہیں اور حصول آزادی سے کم وہ کسی چیز کو قبول نہیں کریں گے۔ آج بھی ان کے ساتھی جہاد حریت میں مصروف ہیں اور اس وقت تک مصروف رہیں گے جب تک ارشد شہید کا مشن پورا نہیں ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ ارشد شہید اور ان کے شہید رفقاء کی قربانیوں کو قبول فرمائیں جنھوں ے نے حق کی خاطر جان دی اور اپنا فرض نبھا گئے۔

ارشد شہید ایک دیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ان کے والد حاجی محمد صادق صاحب سے احقر کی ملاقات ہوئی تو انہیں صبر و استقامت اور تسلیم رضا کی تصویر پایا۔ ۲۵

سالہ جوان بیٹے کی شہادت کے باوجود ان کی زبان حرفِ شکایت سے نا آشنا تھی بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ آج وہ ایک عظیم بار سے سبکدوش ہو کر اطمینان وسکون کی دولت پا چکے ہیں ارشد شہید کے اعزہ سے معلوم ہوا کہ موجود تعلیمی سال مکمل کرنے کے بعد انہوں نے اس مرتبہ شعبان ورمضان کی ساری تعطیلات میدان جہاد میں گزاریں۔عید سے دو دن قبل گھر آئے اور عید کے فوراً بعد یہ کہہ کر پھر جہاد پر چلے گئے کہ ابھی تعلیم شروع ہونے میں دس بارہ دن باقی ہیں اور ایک اہم معرکہ میں میری شرکت ضروری ہے اپنے والدین، رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ ان کی یہ آخری عید تھی اور شاید اس ملاقات کا اہتمام کارکنان قدرت کی طرف سے بطور خاص ہوا تھا۔ارشد شہیدؒ میدان جہاد سے تو واپس نہ آسکے لیکن اپنے خدا کے حضور سرخرو ہو کر اپنے والدین، اساتذہ کرام، اعزہ واحباب اور دوستوں کا سر فخر سے بلند کر گئے۔آج ہمیں اس عزیز کی شہادت پر ناز ہے جو مدرسہ کی صفوں سے اٹھا اور دشمنوں کی کئی صفوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے شہادت کے مقام رفیع تک جا پہنچا۔(ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ ارشد شہید کی اس قربانی کو قبول فرمائیں۔آمین ثم آمین۔(مسافران آخرت)

شہیدانِ بالاکوٹ

شہادت گاہِ بالاکوٹ سے واپسی پر

قبائے نُور سے سج کر، لہُو سے با وضُو ہو کر
وُہ پہنچے بارگاہِ حق میں کتنے سُرخرُو ہو کر

فرشتے آسماں سے اُن کے استقبال کو اُترے
چلے اُن کے جلَو میں با اَدب، با آبرُو ہو کر

جہانِ رنگ و بُو سے ماوَرا ہے منزلِ جاناں
وُہ گزرے اِس جہاں سے بے نیازِ رنگ و بُو ہو کر

جہادِ فی سبیل اللہ نصب العین تھا اُن کا
شہادت کو ترستے تھے سراپا آرزُو ہو کر

وہ رُہباں شب کو ہوتے تھے تو فُرساں دن میں رہتے تھے
صحابہؓ کے چلے نقشِ قدم پر ہُوبہُو ہو کر

مُجاہد سر کٹانے کے لیے بے چین رہتا ہے
کہ سر افراز ہوتا ہے وہ خنجر در گلو ہو کر

سرِ میداں بھی اِستقبالِ قبلہ وُہ نہیں بھُولے
کیا جامِ شہادت نوش اُنھوں نے قبلہ رُو ہو کر

زمین و آسماں ایسے ہی جانبازوں پہ روتے ہیں
سحابِ غم برستا ہے شہیدوں کا لہُو ہو کر

شہیدوں کے لہُو سے ارضِ بالاکوٹ مُشکیں ہے
نسیمِ صُبح آتی ہے اُدھر سے مُشکبُو ہو کر

نفیسؔ اِن عاشقانِ پاک طینت کی حیات و موت
رہے گی نقشِ دہر اسلامیوں کی آبرُو ہو کر

○

(۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء)

شہدائے بالاکوٹ

حضرت سید احمد صاحب شہید رحمہ اللہ

مسلمانوں کے اس دورِ انحطاط میں حضرت شاہ صاحب کا صرف یہی کارنامہ ہی نہ تھا کہ آپ نے واعظ وارشاد تصنیف وتالیف اور درس وتدریس کے ذریعے عقائد واعمال کی اصلاح کی بلکہ آپ نے تلوار کے ذریعہ ہندوستان میں خلافت راشدہ کے طرز کی حکومت قائم کرنے کیلئے بھی جدوجہد کی۔ اگرچہ اس جدوجہد میں آپ بلاواسطہ شریک نہیں ہیں، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعد میں حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ کی تحریک اور آپ کا جہاد اور میدان بالاکوٹ میں جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد بھی یوپی بنگال اور سرحد میں اس تحریک کے نام کو برقرار رکھنے کیلئے مجاہدین کی ایک جماعت کا باقی رہنا اور اسلامی سطوت وسیادت کے احیاء کیلئے کام کرتے رہنا یہ سب فضا کا نتیجہ تھا جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے پیدا کر دی تھی۔ پھر یہ معلوم ہے کہ حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ ان دونوں بزرگوں کے تربیت یافتہ تھے اور خاص طور پر حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ساتھ اکبرآبادی مسجد میں ہر وقت رہا ہی کرتے تھے۔ علاوہ بریں تمام معاملاتِ جہاد میں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ راست مولانا اسماعیل شہیدؒ تھے کہ شاہ عبدالغنیؒ صاحب کے لائق صد ہزار فخر فرزند اور اس کے رشتہ سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے تھے۔ پھر

یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت شاہ شہیدؒ نے اپنے چچا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب سے خاص طور پر استفادہ کیا تھا اور چچا نے بھی بھتیجا کی ہونہاری اور صلاحیت و قابلیت کو دیکھ کر کندن بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا پھر اس تمام سلسلے کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ارشاد کے مطابق یہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ حضرت شاہ ولیؒ اللہ دراصل اسلامی انقلاب کی ایک عزیم الشان تحریک کے بانی وموسس تھے اور اگرچہ حالات کے نامساعدت کے باعث اس ملک میں اسلامی حکومت قائم نہ ہوسکی تاہم اس کا یہ اثر ضرور ہے کہ مسلمان بحثیت ایک قوم کے اس ملک میں زندہ ہیں۔ ان کی مذہبی حالت بھی بہ نسبت دوسرے ممالک اسلامیہ کے بہتر ہے۔ دینی اور مذہبی علوم وفنون کا یہاں چرچا ہے۔ شہر شہر بلکہ موضع بموضع اسلامی مدارس قائم ہیں۔ وعظ وارشاد کی محفلوں میں مسلمان بڑے شوق سے سنتے ہیں اور جہاں تک عام اخوت اسلامی کے احساس کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان کے مسلمان اس معاملہ میں ممالک اسلامیہ کے برادرانِ اسلام سے کہیں آگے سبقت لے گئے ہیں۔

(مسلمانوں کا عروج وزوال)

سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کی شہادت

بدقسمتی سے ۱۸۱۸ء ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ ہندوستان کی تمام چھوٹی بڑی طاقتیں انگریز کے سامنے سرنیاز خم کر گئیں۔ انگریزی اقتدار کا جھنڈا درہ خیبر سے راس کماری تک اور بمبئی سے لے کر آسام اور برما کے ساحل تک لہرانے لگا۔ اب کوئی نہیں تھا جو انگریزی اقتدار کے سامنے گردن ٹیڑھی کر سکے۔ البتہ ایک طاقت تھی جو کسی بھی طرح انگریزی استعمار کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہ تھی۔ مایوسی کے اس دور میں اس واحد طاقت کو بوڑھے امیر شاہ عبدالعزیز نے اپنے بڑھاپے، بیماریوں اور نابینائی کے باوجود سہارا دیا اور ہچکچانے یا پیچھے ہٹنے کے بجائے قدم آگے بڑھا کر اور سید احمد شہید کی قیادت میں ایک انقلابی تحریک کا آغاز کرا دیا۔

سید احمد شہید کی قیادت میں ایک پروگرام ترتیب دیا گیا جس کا مقصد ملک میں دورے کر کے اسلامی روح کو بیدار کرنا، مجاہد بھرتی کرنا اور ان کی تربیت کا اہتمام کرنا، بیت المال منظم کرنا، دیگر ممالک سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنا اور باقاعدہ استعمار کے خلاف آغاز جنگ کرنا تھا، اس پروگرام میں سید احمد کے ساتھ دو نامور عالم دین مولانا شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحئی بھی دل و جان سے شامل تھے۔ کچھ دنوں بعد خاندان ولی اللٰہی کے دوسرے افراد جن میں مولانا محمد اسحاق، مولانا محمد یعقوب، مولانا محمد یوسف، وجیہ الدین اور حافظ معین الدین وغیرہ مع اہل خاندان اس قافلے میں شریک ہو گئے۔

ان حضرات کے بیعت ہونے کے بعد سید صاحب نے مولانا عبدالحئی اور شاہ اسماعیل شہید کے تعاون سے رشد و ہدایت کے سلسلہ کو وسیع کرنے کا پروگرام بنایا اور تبلیغی و اصلاحی دورے کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ نے مظفر نگر، سہارن پور، میرٹھ، غازی آباد، دیوبند،

گنگوہ، نانوتہ اور کاندہلہ کا تبلیغی و اصلاحی دورہ کیا۔ ہزاروں آدمی آپ کے ساتھ ملے، شرک و بدعات اور غیر شرعی رسومات سے توبہ کی۔ مولانا محمد حمزہ حسنی اپنی کتاب تذکرہ سید احمد شہید میں لکھتے ہیں: ''آپ کا یہ سفر باران رحمت کی طرح تھا کہ جہاں سے گزرتا تھا سرسبزی و شادابی اور بار و برکت چھوڑ جاتا تھا۔ دیکھنے والوں کا متفقہ بیان ہے کہ جہاں آپ نے تھوڑا سا قیام کیا۔ وہاں مساجد میں رونق آ گئی۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا، ایمان میں تازگی، اتباع و سنت کا شوق، اسلام کا جوش اور شرک و بدعت سے نفرت پیدا ہو گئی۔''

سید صاحب کے اس دورہ کے نتیجے میں لوگ جوق در جوق ان کے قافلے میں شریک ہوتے جا رہے تھے اور یہ وہ مجاہدین انقلاب تھے جو اپنے نفوس کو ہمہ گیر انقلاب کے لئے تیار کر رہے تھے۔ وہ اپنی کایا پلٹ چکے تھے اور جن کے یہاں پہنچتے تھے ان کی بھی کایا پلٹ دیتے تھے۔ وہ سیاسی انقلاب کو دامن اور اخلاقی و سماجی انقلاب کو چولی سمجھتے تھے۔

وہ سیاسی اقتدار کے بھوکے نہیں تھے بلکہ ملک کے گوشے گوشے میں اسلامی انقلاب کے دیپ جلانے نکلے تھے۔ قوم پرستی سے کوسوں دور یہ اللہ کے سرفروش مجاہد اللہ کے احکامات نافذ کرنے کیلئے اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کر چکے تھے۔

اس دورے کے بعد سید احمد واپس دہلی تشریف لائے، تو آپ کو اپنے بڑے بھائی سید اسحاق کے انتقال کی اطلاع ملی۔ آپ نے اپنے وطن رائے بریلی جانے کا ارادہ کیا چنانچہ آپ ستر اسی رفقاء کے ہمراہ دہلی سے رائے بریلی پہنچے ان تمام مقامات پر ہزاروں لوگ آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کے وعظ و ارشاد سے مستفید ہوئے۔

رائے بریلی میں سید احمد صاحب نے دو سال قیام کیا اور اس دو سال کے قیام کے دوران آپ نے بہت سے اصلاحی و تبلیغی کارنامے سرانجام دیئے۔

پیر پرستی، قبر پرستی، شادی، غمی میں ہندوانہ رسوم اور بے جا اسراف کو ختم کرنے کی تلقین کی اور مسلمانوں کو آپس کے اختلافات ختم کر کے باطل کے سامنے ڈٹ جانے پر زور دیا۔ جہاد کیلئے لوگوں کو فنون جنگ سیکھنے اور ان کی مشق کرنے کی طرف متوجہ کیا اور فنون حرب کی

تعلیم کا ایک سلسلہ وسیع پیمانے پر شروع کر دیا۔

یکم شوال ۱۸۲۰ء کو سید احمد اپنے چار سو رفقاء کے ساتھ حج بیت اللہ کے ارادے سے رائے بریلی سے روانہ ہوئے اور حج بیت اللہ کیا۔ حج سے فراغت کے بعد وطن واپس تشریف لائے حرمین شریفین کے قیام کے دوران بڑے بڑے علماء و عمائدین نے آپ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی۔

اس وقت ہندوستان میں اسلام کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہا تھا اور مسلمانوں کی جو ناگفتہ حالت تھی وہ سید احمد کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھی۔ خصوصاً پنجاب میں مسلمانوں پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ معمولی باتوں پر مسلمانوں کی جائیدادیں ضبط کر لی جاتی تھیں، سر بازار مسلمانوں کو مارا پیٹا جاتا تھا، مسجدیں منہدم کر دی جاتی تھیں، اذان پر پابندی تھی، اکثریت میں ہونے کے باوجود مسلمانوں کی کوئی حیثیت نہ تھی، ان کے سارے مذہبی و سماجی امتیازات ختم کر دیئے گئے تھے اور یہ ایک ایسی غلام قوم کی شکل اختیار کر چکی تھی جو اپنا دینی و ملی شعور کھو بیٹھی ہو۔ ان حالات میں سید احمد شہید نے فیصلہ کیا کہ اب جہاد کیلئے آزاد قبائل کے علاقہ کی طرف ہجرت کی جائے اور فوجی و سیاسی تدبر کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ایسے علاقے کو منتخب کیا جائے جو طاقت کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک کے ساتھ بھی ہو۔

چنانچہ آپ نے ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء کو اپنے وطن رائے بریلی سے سفر کا آغاز کیا اور فتح پور پہنچے۔ یہاں تین روز قیام کے بعد آپ نے گوالیار اور مختلف جگہوں سے ہوتے ہوئے نوشہرہ میں پڑاؤ کیا۔

اس کے بعد جب سید احمد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پشاور پہنچے اور وہاں مقیم ہوئے تو سکھوں کی فوج سے تصادم شروع ہو گیا اب ہنگامی حالات میں نظم و ضبط قائم رکھنے اور مفتوحہ علاقوں کا انتظام سنبھالنے کیلئے باقاعدہ نظام حکومت کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ لہٰذا جنوری ۱۸۲۷ء کو عارضی حکومت قائم کی گئی۔

سید صاحب نے اگرچہ اس آزاد حکومت کی، امارت منظور کر لی تھی مگر آپ نے واضح کر دیا کہ "مجھے نہ حکومت و قیادت کا شوق ہے نہ ہم مالک ملک بننا چاہتے ہیں، ہم تو چاہتے ہیں کہ اجنبی اقتدار ختم ہو اور حق حقداروں کو مل جائے۔"

سید صاحب کا اصل مقابلہ سامراج سے تھا چنانچہ سامراجی طاقتیں سینہ ابھار کر سامنے آ گئیں، یہ تین حصوں میں بٹی ہوئی تھیں (۱) سکھ (۲) شاہ پرست مسلمان (۳) انگریز۔ پہلی دو طاقتوں کا مقابلہ سید صاحب نے کامیابی کے ساتھ کیا مگر تیسری طاقت اگر کھلے میدان میں لڑتی تو وہ بھی مغلوب ہو جاتی لیکن اس نے ایسا حربہ استعمال کیا کہ اس کا جواب سید صاحب کے پاس شکست اور شہادت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہ ایک نفرت انگیز پروپیگنڈے کا حربہ تھا جس نے ان ہی پٹھانوں کو سید صاحب کا دشمن بنا دیا جس کے سہارے اس علاقے میں یہ عارضی حکومت کامیاب ہو سکتی تھی۔

سید احمد شہید نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سکھوں اور مقامی غداروں سے جنگیں لڑیں مقامی لوگوں کے تعاون نہ کرنے پر انہوں نے پشاور چھوڑ دیا۔ خالصہ فوج نے ایک طرف تو سید صاحب کے ہٹتے ہی پشاور اور علاقہ سمہ پر قبضہ جما لیا اور دوسری طرف خالصہ فوجیں سید صاحب کا راستہ روکنے لگیں مگر آپ کا لشکر مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا بالاکوٹ پہنچ گیا۔

برفباری نے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی لہٰذا یہیں ایک محفوظ میدان منتخب کیا گیا اور جھونپڑیاں ڈال دی گئیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ولی عہد شیر سنگھ بھی مع لشکر اس علاقے میں پہنچا ہوا تھا۔ چند میل کے فاصلے پر اس کی تقریباً بیس ہزار فوج ڈیرے ڈالے ہوئے تھی مگر سید صاحب کا لشکر پہاڑیوں کے بیچ میں ایسے مقام پر تھا جہاں سکھوں کا پہنچنا ناممکن تھا۔

مئی کا مہینہ آیا تو برفباری بند ہو گئی اور لشکروں میں حرکت شروع ہوئی۔ شیر سنگھ نے حملہ کرنا چاہا مگر فوج گزارنے کا کوئی راستہ نہیں ملا، وہ مجبور ہو کر واپس ہونے والا تھا کہ کچھ غداروں نے ایک نہایت مخفی راستہ کا پتہ بتا دیا جو شیر سنگھ یا خالصہ فوج کے لئے نہیں بلکہ سامراج کیلئے فتح و کامرانی کا نشان بن گیا۔

ابھی سید صاحب اور آپ کے ساتھیوں کو حملے کی خبر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ راستے کی چوکی کے محافظ دستے کو جام شہادت نوش کراتے ہوئے خالصہ کی ٹڈی دل فوج پہاڑی راستہ سے مجاہدوں کے سر پر پہنچ گئی۔ صرف ایک دلدل بیچ میں تھی جو دست بدست جنگ کے لئے آڑ تھی مگر سید صاحب کی ہمت مردانہ نے آڑ کو جا پھاندا۔ مولانا اسماعیل شہید اور دوسرے

جاں باز ساتھی بھی گھوڑے پھاند کر لشکر غنیم میں گھس گئے اور دست بدست جنگ شروع کر دی لیکن اب آسمان والے کے ہاں سے اپنے اس محبوب بندے کا بلاوا آچکا تھا اور اس کے سب ساتھی بھی اپنی منزل حقیقی پانے کو تیار ہو چکے تھے۔ چنانچہ میدان سکھ فوج کے حق میں رہا۔

سید صاحب، مولانا اسماعیل صاحب اور سینکڑوں ساتھی شہید ہوئے جو باقی رہے وہ ایسے منتشر ہوئے کہ شہیدوں کی تجہیز و تکفین بھی نہ کر سکے۔ سکھ فوج کے مسلمان سپاہیوں نے نماز جنازہ ادا کی پھر فوجی اعزاز کے ساتھ آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

تاریخ حریت کا یہ وحشتناک حادثہ ۲۴ ذی قعدہ بمطابق ۷ مئی کو پیش آیا۔ سید احمد شہید ایک نہایت درجہ سیر چشم، دریا دل اور متقی و بے نیاز انسان تھے۔ دنیا سے بالکل لگاؤ نہیں رکھتے تھے۔ جنگی علوم اور سیاسی نشیب و فراز سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ شجاعت کے ساتھ، عفو و درگزر، تحمل اور عالی ظرفی آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ بڑے حیادار اور شریعت کے معاملہ میں انتہائی غیور اور حساس تھے۔ بدعات سے سخت نفرت کرتے تھے۔ سید احمد شہید ۱۳ ویں صدی ہجری کے مجدد تھے۔ آپ نے مسلمانوں میں ایک نیا ولولہ پیش کیا اور دین اسلام کی نشر و اشاعت، توحید و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید و توبیخ میں بے مثال خدمات سرانجام دیں۔

2005ء میں زلزلہ بالاکوٹ کے شہداء

بالاکوٹ کی سرزمین سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید اور ان کے سینکڑوں ساتھیوں کی شہادت کی وجہ سے شہداء کی سرزمین کے نام سے مشہور تھی ہی کہ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے شدید زلزلہ سے وادی میں ۱۴۰۰ کے قریب مزید شہداء کا اضافہ ہوگیا۔ وادی میں جو اہم شخصیات ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے سانحہ میں شہید ہوئیں ان میں سے کچھ کا ذکر محترم احمد حسین مجاہد نے اپنی کتاب صفحہ خاک میں کیا ہے۔ جبکہ وادی کے علماء کرام، ماہرین تعلیم اور سیاسی شخصیات کے علاوہ دیگر اہم شخصیات کا ذکر محترم مصنف خان صحاب نے اپنی کتاب وادی کاغان میں کیا ہے۔

لیکن شہداء بالاکوٹ کے عنوان کے تحت میں یہاں ان شہداء کا تذکرہ کررہا ہوں جنہوں نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے کشمیر و افغانستان میں غاصبوں اور ظالموں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئے ان شہداء کا ذکر وادی کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔ یہ لوگ اپنے علاقے اور دھرتی کیلئے، اپنے ملک وملت کیلئے اور اپنے خاندان کیلئے عزت، فخر اور وقار کا باعث ہیں۔ شہادت جیسا عظیم الشان اعزاز خوش نصیب افراد کے حصے ہی میں آتا ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

یہ وہ لوگ ہیں جن کی تعریف اور بلند مرتبے کا ذکر قرآن وحدیث میں بار بار کیا گیا ہے۔ وادی بالاکوٹ کے جن شہداء کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ ظہیر الاسلام شہید بالاکوٹ، توفیق الاسلام شہید گرلاٹ بالاکوٹ، الیاس شہید جبڑی کلیش شوہال، عزیز الرحمٰن شہید ولد سائیں میاں، کھیت سراش بالاکوٹ (مقبوضہ کشمیر میں شہید ہوئے)، عالم خان شہید مانگی بالاکوٹ، کیپٹن فضل عالم شہید ریں بالاکوٹ، محمد ولید شہید ولد محمد بشارت نڑاہ بالاکوٹ، (شہید افغانستان)، عابد شہید، گل ڈھیری (شہید کشمیر)، معاذ شہید، لمبی پٹی ناراں (شہید کشمیر)، کمانڈر ناصر شہید، لسوسلطان شوہال (شہید افغانستان)۔ ان میں سے جن کی تفصیلات معلوم ہوسکی ہیں ان کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

ظہیر الاسلام شہید رحمہ اللہ

جامع مسجد اہلحدیث بالاکوٹ کے خطیب مولانا محمد صدیق کے ہاں ۲۲ جون ۱۹۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ آزاد کشمیر کے ضلع باغ کے گاؤں بنی پساری سے تعلق رکھنے والے اس نوجوان نے ابتدائی تعلیم بالاکوٹ ہی میں مجاہد اسلامیہ سکول بالاکوٹ میں حاصل کی۔ اس شہید کی دوسری درس گاہ ہونے کا اعزاز گورنمنٹ ہائی سکول بالاکوٹ کو حاصل ہوا۔ مڈل و میٹرک کی تعلیم مذکورہ سکول سے حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم کیلئے جامعہ اسلامیہ نصر العلوم المعروف جامع مسجد مکرم اہلحدیث ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ سے منسلک ہوگئے۔ دینی ماحول میں پروان چڑھنے والا یہ نوجوان کشمیری مسلمان بچوں اور بچیوں کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوگئے اور ۱۲ جولائی ۱۹۹۷ء کو نکیال سیکٹر مقبوضہ کشمیر میں ہندو غاصبوں سے لڑتے ہوئے شہادت کے عظیم مرتبے فائز ہوکر اپنے والدین، اپنے تعلیمی اداروں اور اپنے علاقے اور ملک کیلئے اعزاز اور فخر کا ذریعہ بن گئے۔

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

توفیق الاسلام شہید

گرلاٹ بالاکوٹ کے رہائشی توفیق الاسلام شہید 31 اکتوبر 1999ء کو مقبوضہ کشمیر کے گاؤں بیروہ ضلع بڈگام میں 19 سال کی عمر میں ایک معاصرے کے دوران اپنے ساتھیوں کیلئے کور فائر دینے کے بعد کوٹلی کے طاہر بھائی سمیت جام شہادت نوش کر گئے۔

ان کے خطوط سے ان کے جذبہ جہاد اور شوق شہادت کا پتہ چلتا ہے۔ والد صاحب (محمد بشیر گرلاٹ) کے نام خط لکھتے ہیں کہ

''ایک بوڑھے صحابی جہاد پر جانے لگے تو ان کے بیٹوں نے عرض کیا اے ابا جان آپ کمزور اور بوڑھے ہیں آپ نہ جائیں ہم جو جا رہے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ مجھے یہ آیت چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

ترجمہ: ''نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل' اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ' یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو''۔

''اور میرے دوست احباب اور رشتہ داروں سے گزارش ہے کہ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری شہادت کو قبول فرمائیں۔ میں اپنے تمام بھائیوں اور دوستوں کو راہ جہاد پر چلنے اور شہادت جیسے عظیم مشن کو پانے کی دعوت دیتا ہوں''۔

اپنے خطوط میں جس طرح کے اشعار لکھے ہیں اس سے ان کے جذبات کا انداز ہوتا ہے۔

ملک وملت پہ فدا عمر رواں کرتے چلو — یہ حیات چند روزہ ہے جاوداں کرتے چلو

عالم حیرت میں رہ جائیں بہاریں دیکھ کر — لہو کے چھینٹوں سے وہ گل کاریاں کرتے چلو

چھٹیں جو چند ڈالیاں نمو ہو نخل تاک کی — کٹیں جو چند گردنیں تو قوم کی ہو زندگی

لہو جو ہے شہید کا وہ قوم کی زکوٰۃ ہے — حیات بھی حیات ہے موت بھی حیات ہے

گلی کوچوں میں بہتی خون میں لاشوں نے پکارا ہے
برہنہ سر تمہاری آج ماؤں نے پکارا ہے

تمہیں داہر کے پوتوں چیرہ دستوں نے پکارا ہے
اگر تم ابن قاسم ہو تو بہنوں نے پکارا ہے

وہ پاکستان پاکستان کرتے ہی نہیں تھکتے
بڑھو پتھرانہ جائیں انکی آنکھیں راستہ تکتے

اٹھو تم کو شہید کا لہو آواز دیتا ہے

شہداء کی سرزمین میں رہنے والے یہ نوجوان گورنمنٹ ہائی سکول بالاکوٹ میں میٹرک کے امتحان کے بعد فوراً وادی پر خار کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہادت کی تمنا اور کشمیری مسلمانوں کیلئے دوران خطوط سے اور خطوط میں لکھے گئے اشعار سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

سید احمد شہید کے مشن کو جاری رکھنے والے توفیق الاسلام شہید نے اپنا جہادی نام بھی سید احمد رکھا۔ اپنے چھوٹے بھائی کی شہادت پر نہ صرف مجھے (راقم) فخر ہے بلکہ توفیق کے اساتذہ، دوست احباب بلکہ پوری وادی بالاکوٹ اپنے شہداء پر فخر کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق الاسلام شہید اور دیگر تمام شہداء اسلام کے مراتب کو بلند کرے۔ آمین۔

کیپٹن فضل عالم شہید

گاؤں ریں تحصیل بالاکوٹ میں ۴ ستمبر ۱۹۶۸ء کو پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان ہائی سکول بالاکوٹ سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ایف ایس سی سینٹ پیٹرکس کالج کراچی اور بی کام کراچی یونیورسٹی سے امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کرنے کے بعد کمیشن اپلائی کیا۔ صرف اڑھائی سال کے عرصہ میں کیپٹن کے عہدے پر فائز ہوئے۔

آرمی میں ٹریننگ کے بعد اپنی آٹھ سالہ سروس کے دوران سندھ میں ڈاکوؤں کے خلاف کامیاب آپریشن، C-130 طیارے سے پانچ جمپ، باکسنگ اور والی بال میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ آرمی ایوی ایشن کورس اور پاکستان کے حساس ادارے میں ایک سال خدمات سرانجام دیں۔

پنجاب یونیورسٹی سے IR اور بہاولپور یونیورسٹی سے M.A English کی ڈگریاں حاصل کیں اور پھر سیاچن کے مقام پر ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۰ء میں دشمن سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

عالم خان شہید رحمہ اللہ

پوڑی بالاکوٹ کے مقام پر ۱۹۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام منور تھا جو کہ آٹھ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلہ میں خود بھی شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت جیسے عظیم الشان اعزاز سے نوازنے سے پہلے حافظ قرآن ہونے کا اعزاز بھی بخشا تھا۔ بہت خوش الحانی سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔

مقبوضہ کشمیر میں دو سال تک دشمن سے برسر پیکار رہنے کے بعد ۱۲۴ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو انڈین آرمی کے محاصرے میں سحری کے وقت شہید ہوئے۔

عالم خان شہید کے بڑے بھائی عالمگیر نے بتایا کہ میں عمرہ کرنے کیلئے سرزمین حجاز میں موجود تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں گاڑی میں سفر کر رہا ہوں اس گاڑی میں عالم خان بھی موجود ہے۔ وہ اٹھ کر میرے پاس آئے اور کہا کہ میں جا رہا ہوں اور آپ سے رخصت چاہتا ہوں پھر شاید آپ سے یہاں ملاقات نہ ہو سکے۔ وہ مجھ سے رخصت ہو کر گاڑی سے اتر گئے۔ ان کے جسم سے بہت ہی اچھی قسم کی خوشبو آ رہی تھی۔ یہ خوشبو بعد میں کئی دن تک میں محسوس کرتا رہا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ وہی دن تھا جس دن عالم خان شہید ہوئے تھے۔

عالمگیر بھائی نے ہی بتایا کہ عالم خان نے مجھے یہ واقعہ سنایا تھا کہ "ہم کسی معرکے کے بعد جنگل میں جا رہے تھے۔ کئی دن کی تھکاوٹ کے بعد جوں ہی ایک چھوٹا سا غار نظر آیا سارے ساتھی اس میں لیٹ گئے اور فوراً ہی سو گئے اور میں باہر کھڑا رہا۔ آرمی والے ہماری تلاش میں تھے اور روشنی کے گولے پھینک رہے تھے۔ چند آرمی والے تلاش کرتے ہوئے ہمارے قریب پہنچ گئے۔ غار چھوٹا ہونے کی وجہ سے ہمارے کچھ ساتھیوں کے پاؤں غار سے باہر راستے میں تھے۔ جوں ہی آرمی والے قریب آئے میں غار کے اندر گیا اور اپنے ساتھیوں کے پاؤں راستے اٹھا کر پیچھے کئے۔ آرمی والوں کے پاس کتے بھی تھے لیکن وہ ہمارے قریب سے گزر گئے۔ کچھ دیر کے بعد آرمی کا ایک اور گروپ آیا پھر میں نے ایسا ہی کیا۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

شہدائے پاکستان

حضرت مولانا عبداللہ صاحب شہید رحمہ اللہ

17 اکتوبر ہی کو دوسرا المناک حادثہ حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کی ناگہانی شہادت کا پیش آیا۔ میں 12 اکتوبر سے چھ دن کیلئے اپنے عدالتی کام کے سلسلے میں اسلام آباد میں مقیم تھا۔ اسلام آباد حاضری کے موقع پر کسی نہ کسی طرح حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ سے ملاقات ہو رہی جایا کرتی تھی، مگر 12 اکتوبر سے 17 اکتوبر کے وقفے میں مجھے ان سے ملاقات کی سعادت حاصل نہ ہو سکی۔ ان کے فاضل صاحبزادے مولانا عبدالعزیزؒ صاحب تقریباً روزانہ تشریف لاتے رہے، انہوں نے اپنے والد گرامیؒ کا پیغام بھی پہنچایا کہ میں کسی وقت ان کی مسجد یا مدرسے میں حاضری دوں، میں نے اسے اگلے ہفتے پر محول کر دیا اور حاضر نہ ہو سکا، یہ کیا خبر تھی کہ اگلے ہفتے ان سے ملاقات مقدر نہیں، اور اب بصد حسرت والم ان کی قبر ہی پر حاضری ہوگی۔

17 اکتوبر کی صبح میں اسلام آباد سے بنوں جانے کیلئے روانہ ہوا، پشاور ائیر پورٹ پر حکیم محمد سعید صاحب کی شہادت کی اطلاع ملی، دوپہر کو بنوں کانفرس میں مختصر شرکت کر کے میں ڈیرہ اسماعیل خان کے راستے پشاور آیا، اور وہاں سے رات کو کراچی پہنچا تو میرے بیٹے عزیزیم مولوی عمران اشرف سلمہ نے یہ جانکاہ خبر سنائی کہ آج ہی دوپہر کے وقت کچھ نامعلوم ظالموں نے حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کو بھی اپنی سنگدلانہ دہشت گردی کا نشانہ بناتے ہوئے شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حکیم سعید صاحب کے حادثے سے دل پہلے ہی زخمی تھا۔ اس خبر نے تو دل پر بجلی سی گرادی۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کا معاملہ بھی یہی تھا کہ وہ نہ کسی سیاسی گروہ بندی

میں شامل تھے، نہ ان پر فرقہ واریت کی کوئی چھاپ تھی، نہ کسی سے ذاتی دشمنی یا عداوت کا کوئی تصور تھا۔ یہ مردِ درویش سالہا سال سے ملک کے دارالحکومت میں انتہائی اخلاص اور میانہ روی کے ساتھ خدمتِ دین میں مشغول تھا، اور خدمتِ خلق کیلئے دل وجان سے حاضر۔ ایسے شخص کو نشانہ ستم بنا کر ظالموں نے کیا لیا؟ یہ ایسا سوال ہے کہ ہزار مرتبہ سوچنے کے بعد بھی اس کا جواب ملنا مشکل ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ سے ہمارا تعلق زمانہ طالب علمی سے تھا۔ ہم دارالعلوم کراچی میں پڑھتے تھے اور وہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ صاحب کے مدرسے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں (جو اس وقت مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کے نام سے مشہور تھا) دینی مدارس میں یہ طریق کار تو مدت سے رائج ہے کہ جمعہ کی شب میں طلبہ جمع ہو کر تقریر و خطابت کی مشق کیا کرتے ہیں۔ ان میں سے جو طلبہ خطابت میں قدرے نمایاں ہو جائیں، انہیں مدرسے سے باہر بھی خطابت کیلئے مدعو کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ ایسے ہی طالب علموں میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور طالب علمی ہی کے زمانے میں ان کے حسن خطابت کی شہر کے دینی حلقوں میں خاصی شہرت تھی اور ان کی تقریر سننے کیلئے اطراف سے انہیں مدعو کیا جاتا تھا۔

خطابت کی حد تک اس قسم کی شہرت بہت سے طلبہ کو حاصل ہو جاتی ہے لیکن بسا اوقات خطابت کا شوق ایک تو طالب علم کا ذوق اور جذبہ تحقیق کم کر دیتا ہے، دوسرے مجمع کی طرف سے اظہار پسندیدگی بعض اوقات انسان میں ایک خود پسندی کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے جو رفتہ رفتہ اسے اخلاص کی صراط مستقیم سے شہرت طلب کی طرف لیجاتی ہے۔ لیکن مولانا عبداللہ صاحب کا معاملہ بالکل مختلف تھا، وہ صرف ایک اچھے خطیب ہی نہ تھے ان کی صحبت کے فیض سے ان میں کسی قسم کی عجب یا پندار کا بھی کوئی شائبہ نہ تھا، وہ ہمیشہ سے متواضع، منکسر المزاج اور خوش اخلاق انسان تھے جن سے مل کر انسان کو دل میں ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ (مجھے یاد ہے کہ انہی کے ایک اور ہم سبق تھے جو انہی کی طرح اچھے خطیب تھے، مگر خطابت کے زعم اور جوش میں وہ اساتذہ کی صحبت و تربیت سے غافل ہو گئے، اس کے نتیجے میں خطابت ان

کیلئے فتنہ بن گئی اور آج ملک وملت کی خدمت کے حوالے سے انہیں کوئی جانتا تک نہیں)

اسی زمانہ میں اسلام آباد کا نیا شہر تعمیر ہو رہا تھا اور دارالحکومت کو کراچی سے وہاں منتقل کیا جارہا تھا، اسلام آباد کے نئے شہر میں اس وقت جو سب سے بڑی مسجد تعمیر ہوئی اس کا نام ”مرکزی جامع مسجد“ تھا، لیکن چونکہ اس کا رنگ سرخ تھا، اس لئے لوگوں کی زبان ”لال مسجد“ کا نام زیادہ مشہور ہوگیا۔ مولانا عبداللہ صاحبؒ اپنے اساتذہ کرام کے مشورے سے اس مسجد کے امام وخطیب مقرر ہوئے اور یہ مسجد ان کے فیض رسانی کا مرکز قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص سے بھی نوازا تھا اور سوز دروں سے بھی۔ وہ علم سے بھی آراستہ تھے اور حسن عمل سے بھی۔

ان کے کلام میں حد درجہ تاثیر تھی اور شخصیت میں انتہائی جاذبیت، چنانچہ انہوں نے اس مسجد کے ذریعے دعوت وتبلیغ اور اصلاح کا بڑا کام کیا۔ نہ جانے کتنی زندگیوں میں ان کی دعوت کے نتیجے میں انقلاب آیا، کتنے لوگوں کو دین کی صحیح معلومات بہم پہنچائیں، کتنی خرابیوں کی اصلاح ہوئی اور کتنے فتنے ان کی کوششوں سے فرو ہوئے۔ اس مسجد کا انتظام حکومت کے ہاتھ میں تھا، اس لحاظ سے وہ ایک سرکاری افسر تھے (اور اب ان کا عہدہ غالباً جوائنٹ سیکرٹری کے برابر تھا) لیکن انہوں نے یہ کام ملازمت کیلئے نہیں، دعوت کی غرض سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا تھا۔ لہٰذا حکومت سے ان کا یہ تعلق کبھی حق گوئی میں مانع نہیں ہوا۔ انہوں نے اس مسجد کے منبر ومحراب سے وہی بات برملا کہی جو ان کے نزدیک دین کا تقاضا تھی اور حکومت کے قابل تنقید اقدامات پر نہ صرف یہ کہ کبھی سکوت اختیار نہیں کیا، بلکہ کھل کر حکومت کو اس کی غلط کاریوں پر ٹوکا اور بلاخوف لومۃ لائم حق کا پیغام پہنچاتے رہے۔

ایسی حکومتیں بھی آئیں جنہوں نے مولانا کے اس اخلاص، حق گوئی اور جذبے کی قدر کی اور ایسی بھی آئیں جنہوں نے اپنے راستے کا کانٹا سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی ہر دلعزیزی عطا فرمائی تھی، اس لئے ایک مرتبہ کے سوا انہیں براہ راست معزول کرنے کی جرأت تو کسی کو نہیں ہوئی لیکن مختلف حکومتوں کی طرف سے انہیں تنگ کرنے کا سلسلہ بار بار جاری رہا، بعض حکومتیں خاص طور پر ان کے درپے آزار ہوئیں، انہیں ایک مرتبہ اغوا بھی کیا گیا، اور حق گوئی کی پاداش میں انہیں نہ جانے کتنی صعوبتیں اٹھانی پڑیں۔ ایک مرتبہ انہیں

معزول کرنے کی بھی کوشش کی گئی، لیکن عوام نے جوان پر جان فدا کرتے تھے، اس کوشش کو اس طرح ناکام بنایا کہ بدخواہوں کو رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ سے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صاحب کا یہ مقولہ بارہا سنا کہ ''حق بات، حق نیت اور حق طریقے سے کہی جائے تو کبھی بیکار اور بے اثر نہیں ہوتی''۔ مولانا عبداللہ صاحبؒ کے اندازِ دعوت وخطابت میں بفضلہٖ تعالیٰ یہ تینوں باتیں جمع نظر آتی تھیں۔ چنانچہ اسلام آباد میں مولانا عبداللہؒ ایک ایسی شخصیت کے طور پر مشہور و معروف تھے جس سے عوام و خواص سب محبت کرتے تھے۔ اعلیٰ سرکاری افسران ہوں یا چپڑاسی اور مزدور، سب ان کے اخلاص، ان کی للٰہیت اور ان کی حق گوئی کے معترف تھے۔ وہ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک رہتے، ہر ایک کی خدمت کیلئے تیار رہتے، اور دوسروں کی مشکلات میں ان کی مدد کرنے کو اپنے مقاصد میں شمار کرتے تھے۔ دین کیلئے کوئی سرگرمی یا کوئی کام ہو، مولانا عبداللہؒ دل و جان سے اس کیلئے حاضر تھے اور اس کیلئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کیلئے تیار۔ اسلام آباد میں کوئی قابل ذکر دینی مدرسہ نہیں تھا۔ ہمارے محبّ مکرم جناب الحاج اختر حسین (جو اس وقت حکومت پاکستان میں شاید جوائنٹ سیکرٹری تھے) ایک چھوٹا سا مدرسہ F-6/4 کے علاقے میں ایک چھوٹے سے فلیٹ میں قائم کیا تھا۔ جب حاجی اختر صاحب ریٹائرڈ ہونے کے بعد کراچی منتقل ہوئے تو یہ مدرسہ مولانا عبداللہؒ صاحب کے حوالے کر آئے۔ مولاناؒ نے اپنی انتھک جدوجہد سے اسے ایک بڑے معیاری مدرسے میں تبدیل کر دیا۔ الحمدللہ مارگلہ کے دامن میں اسلام آباد کا سب سے بڑا مدرسہ ہے جس میں سینکڑوں طلبہ دینی علوم سے بہرور ہو رہے ہیں۔ مولانا عبداللہ صاحبؒ اس مدرسے کے مہتمم تھے اور اسے بزرگوں کے طریقے پر اخلاص اور دردمندی کی پونجی سے چلا رہے تھے۔

مرکزی جامع مسجد کے ساتھ ہی انہوں نے لڑکیوں کی تعلیم کیلئے ایک مدرسۃ البنات بھی قائم فرمایا تھا جو ماشاءاللہ اب بھی نہایت کامیابی سے چل رہا ہے جس میں ان کی بہو بھی درس دیتی ہیں۔ گذشتہ سال سے وہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین بھی تھے، اور عالمی

سطح پر رویت ہلال کے مسائل کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کیلئے کوشاں تھے۔

پچھلے دنوں فرقہ وارانہ تشدد کی جس لہر نے ملک بھر کو اپنی لپیٹ میں لیا، اس سے ہر دردمند مسلمان پریشان تھا۔ مولانا عبداللہ صاحبؒ ان لوگوں میں سے تھے جو اس فرقہ وارانہ تشدد کے مسئلے کو معقولیت اور اصولوں کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پچھلے تقریباً پینتیس سال کے دوران ملک میں کوئی دینی سرگرمی ایسی نہ تھی جو اجتماعی سطح پر اٹھی ہو اور اس میں مولانا عبداللہ صاحبؒ کا فعال حصہ نہ ہو۔ وہ جامعہ فریدیہ کے اہتمام کے ساتھ وہاں درس بھی دیتے۔ مرکزی مسجد کی امامت و خطابت کے ساتھ درسِ قرآن کا بھی متواتر سلسلہ رہتا۔ مدرسۃ البنات کی دیکھ بھال بھی فرماتے۔ اور ان تمام مصروفیات کے ساتھ دین کو عملاً نافذ کرنے کیلئے ہر جدوجہد میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔

ان کے تعلقات کو کبھی ذاتی مفاد کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ہر حال میں وہ اپنی درویشانہ وضع پر قائم رہے۔ مسجد کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے مکان میں قیام تھا۔ ان کے گھر والے بتاتے ہیں کہ وہ اپنا ہر کام خود کرنے کے عادی تھے اور بیوی بچوں سے بھی اپنی کوئی خدمت نہیں لیتے تھے، عمر بھر اپنے گھر والوں کے ساتھ کبھی کوئی سخت برتاؤ نہیں کیا۔ کھانا بھی سادہ اور کم کھانے کے عادی تھے اور اس کیلئے بھی گھر والوں کو ادنیٰ زحمت دینے سے پرہیز کرتے تھے۔ اتباع سنت کا خاص اہتمام اور ذوق تھا اور ہر چیز میں اتباع سنت کی کوشش فرماتے تھے۔ وہ خود ایک بزرگ سے مجازِ بیعت تھے لیکن اپنے آپ کو اس حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ تواضع اور مسکنت ان کی ادا ادا سے نمایاں تھی اور یہی وہ جوہر ہے جس نے انہیں ہر دلعزیزی کے مقام رفیع تک پہنچایا۔

17 اکتوبر کو وہ حسبِ معمول جامعہ فریدیہ میں درس دینے کے بعد اپنے گھر تشریف لائے، مسجد کے احاطے سے گھر کی طرف جانے کیلئے دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ نما خلا ہے، جب اس کے سامنے پہنچے تو ایک شخص پہلے سے اس دروازے میں کھڑا مولاناؒ کی تاک میں تھا، اس نے مولانا پر بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی۔ مولانا کے نوجوان اور فاضل صاحبزادے مولانا عبدالعزیزؒ صاحب اس وقت دوسری گاڑی میں بیٹھ کر جانے کی تیاری کر

رہے تھے اور اپنے والد کو دیکھ کر ان سے ملنے کیلئے آگے بڑھے تھے، اچانک فائرنگ دیکھ کر وہ فائر کرنے والے کی طرف لپکے، مولانا اس وقت تک متعدد گولیاں کھا کر زمین پر گر چکے تھے، اپنے صاحبزادے کو فائر کرنے والے کی طرف جاتے دیکھا تو فرمایا کہ "بیٹا! سامنے نہ جاؤ، گولی لگ جائے گی، مولانا عبدالعزیزؒ پر واقعی فائر ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا اور گولی ان کی قمیص سے لگتی ہوئی گذر گئی۔ مولانا کو جلدی سے گاڑی میں لٹا کر ہسپتال لے جانے کی کوشش کی گئی، راستے میں بھی ان کے ہونٹ غالباً ذکر اللہ سے حرکت میں تھے، مگر ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی وہ شہادت کے مقام بلند تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبداللہ صاحبؒ کی زندگی بھی قابلِ رشک تھی اور موت بھی اس لحاظ سے قابلِ رشک کہ دین کی خدمت کے عین درمیان انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا، ان کی کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی اس لئے انہیں جن ظالموں نے نشانہ ستم بنایا اس کی وجہ بجز ان کی خدمتِ دین کے نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں مولانا عبدالعزیزؒ کی شکل میں خلف صالح بھی عطا فرمایا، انہوں نے جس طرح اس نوجوان کی تربیت کی وہ بھی ایک مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و عمل کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے اور اس کے ساتھ اعتدال و توازن کی نعمت بخشی ہے۔ مولاناؒ کے سنگدلانہ قتل پر جب کچھ لوگ بے قابو ہو کر توڑ پھوڑ کرنے لگے تو مولانا عبدالعزیزؒ نے انتہائی مؤثر اور متین انداز میں انہیں اس حرکت سے منع کیا اور لوگوں کی جان و مال پر بلاوجہ حملہ آور ہونے کے خلاف تقریر کی۔ جس شخص نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے محبوب باپ کو خون میں نہاتے دیکھا ہو، اس کا ایسے موقع پر صبر و ہمت کی ایسی تصویر بن جانا اور اعتدال و توازن کا دامن نہ چھوڑنا یقیناً قابلِ صد مبارکباد ہے اور حضرت مولانا عبداللہؒ صاحب کے فیضِ تربیت کا خوبصورت نمونہ۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں اور انہیں اپنے والد کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین) (ماہنامہ "البلاغ" رمضان ۱۴۱۹ھ جنوری ۱۹۹۹ء)

حکیم محمد سعید صاحب شہیدؒ

دہشت گردی کے عفریت نے 17 اکتوبر کو ایک ہی دن دو ایسی شخصیتوں کو نشانہ ستم بنایا جو ملک بھر میں اپنے اخلاف، ہر دلعزیزی اور ملک وملت کیلئے اپنی دردمندی میں مشہور و معروف تھے۔ ایک حکیم محمد سعید صاحب اور دوسرے حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ خطیب مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد۔

میں اس روز اسلام آباد سے بنوں فقہی کانفرنس میں شرکت کیلئے روانہ ہوا تھا۔ جہاز جب پشاور اترا تو وہاں یہ خبر ملی کہ کراچی میں حکیم محمد سعید صاحبؒ کو دہشت گردی کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا۔ اسی وقت کراچی فون کیا تو اس المناک خبر کی تصدیق ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ حکیم صاحب ہی کی ہر دلعزیزی کی بات تھی کہ جہاز کے تمام مسافر اس خبر پر اس طرح غم اندوہ کا اظہار کر رہے تھے جیسے ان کا کوئی عزیز ان سے رخصت ہو گیا ہو۔

حکیم محمد سعید صاحب ملک کی ان شخصیات میں سے تھے جن کا کسی سیاسی گروہ بندی، فرقہ واریت یا کسی اور قسم کے تنازعے سے دور دراز کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا اور جب ملک میں مختلف متحارب گروہوں کو یکجا کرنے یا کسی اور اجتماعی کام کیلئے ایسے افراد کو تلاش کیا جاتا تھا جنہیں متفقہ طور پر احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہو تو ان کا نام سرِ فہرست ہوتا تھا لہٰذا انہیں قتل کرنے کا اقدام کسی سیاسی دھڑے بندی کا نہیں، ملک وملت کی صریح دشمنی کی بنیاد پر ہی ہو سکتا ہے۔

ملک وملت کیلئے بہت سی خدمات کے علاوہ حکیم محمد سعید صاحب دارالعلوم کراچی کے بانی ارکان میں سے تھے، دارالعلوم کے خازن بھی وہی تھے اور اب جامعہ کی مجلس منتظمہ میں اس کے بانی ارکان میں سے صرف وہی باقی رہ گئے تھے۔ اسلئے ان کی شہادت جہاں پورے ملک کیلئے ایک عظیم سانحہ ہے وہاں دارالعلوم کیلئے خصوصی طور پر ایک ایسا حادثہ ہے، جس پر جتنا اظہارِ افسوس کیا جائے، کم ہے۔ حکیم صاحبؒ ایک وضع دار شخصیت تھے انہوں نے پاکستان کے ابتدائی دور میں فقر وافلاس کا بھی خاصا وقت گذارا، ہمدرد دواخانے کے قیام کیلئے انہوں نے بڑی قربانیاں دیں۔ اس دور کی مشکلات کو انہوں نے جس خندہ پیشانی سے جھیلا اس کی داستان کبھی کبھی وہ

بڑے مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے۔ حضرت والد صاحبؒ سے انہوں نے ابتدا ہی سے عقیدت ومحبت تھی، چنانچہ حضرت والد صاحبؒ کے پاس ان کا کثرت سے آنا جانا رہتا تھا اور اسی تعلق کے نتیجہ میں دارالعلوم کے قیام کے وقت وہ اس کے بانی ارکان میں شامل ہوئے۔

طب یونانی کے فروغ اور اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے انہوں نے ہمدرد دواخانے کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچایا، طبیہ کالج کی بنیاد رکھی اور خود انتہائی استقامت کے ساتھ آخر وقت تک مطب جاری رکھا۔ مختلف شہروں میں تقریباً 6 بجے سے مغرب تک متواتر مریضوں کا معائنہ کرتے، اور اس خدمت پر انہوں نے کبھی کوئی فیس نہیں لی۔ بلکہ غریب مریضوں کیلئے ہمدرد دواخانے سے دوائیں بھی بکثرت مفت فراہم کی جاتی تھیں۔ عرصہ دراز سے ان کا معمول یہ تھا کہ مطب کے دن وہ روزے سے ہوتے تھے اور تمام دن مریضوں کی خدمت کے بعد روزہ افطار کیا کرتے تھے۔

ہمدرد دواخانے کے بعد انہوں نے ''ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن'' کی بنیاد رکھی۔ جس کے ذریعے انہوں نے مختلف میدانوں میں معاشرتی، تعلیمی اور تحقیقی کاموں کا آغاز کیا۔ دنیا کے مختلف حصوں میں کانفرنسیں منعقد کیں، بہت سے ماہانہ یا ہفتہ وار رسالے جاری کئے، کتابیں شائع کیں اور بالآخر ''مدینۃ الحکمۃ'' کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی۔

مشاغل کے تنوع اور ہجوم کے باوجود وہ ہمیشہ پرسکون رہتے تھے، انہیں کبھی بھی گھبراہٹ سے مغلوب نہیں دیکھا۔ ان کا نظام الاوقات اتنا مستحکم اور معمولات اتنے مضبوط تھے کہ وہ ہر کام اپنے وقت پر انجام دیتے اور مطمئن رہتے تھے۔ آخر شب میں بیدار ہو کر تہجد کے نوافل بھی ادا کرتے اور عموماً فجر سے پہلے ہی کوئی ورزشی کھیل، مثلاً ٹینس کھیلتے تھے۔ پھر دن بھر کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ زندگی سادہ تھی۔ صرف ایک وقت کھانا کھاتے، اور زمین پر سوتے تھے۔ سفید شیروانی اور پاجامہ ان کا مخصوص لباس تھا، کبھی انہیں اس کے سوا کسی اور لباس میں نہیں دیکھا۔

جتنے اخبارات ورسائل ان کے پاس آتے تھے، سب کا کم از کم سرسری مطالعہ ضرور فرماتے تھے اور مطالعہ کے دوران موضوعات کے حساب سے انہیں تقسیم کر کے ان پر نشان بھی لگاتے اور ان کے دفتر کا عملہ نشان زدہ حصوں کو ہر موضوع کی الگ فائلوں میں جمع کر لیتا تھا۔ سالہا سال کے مطالعے کا یہ نچوڑ آج بھی ''مدینۃ الحکمۃ'' کے کتب خانے میں موجود ہے۔ (نقوش رفتگان)

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ

مفتی نظام الدین شامزئی ۱۹۵۲ء میں سوات کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام حکیم حبیب الرحمٰن ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ''مولانا عبدالرحمٰن برتھانہ'' اور ''مولانا غلام محمد صاحب'' سے حاصل کی بعدازاں مدرسہ مظہر العلوم سے قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء میں جامعہ فاروقیہ میں مولانا سلیم اللہ صاحب سے حدیث شریف کی تعلیم پائی اور ۱۹۷۰ء میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے درس نظامی کا آخری امتحان دیا اور اعلیٰ اعزازات کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۷۱ء سے جامعہ فاروقیہ میں تدریس کا آغاز کیا۔ اپنی فطری وخداداد صلاحیتوں اور علمی قابلیت واستعداد کے بل بوتہ پر آپ ۱۹۷۳ء میں ترقی کرتے ہوئے استاذ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۹۸۸ء میں جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں بطور ''استاد حدیث ونگران تخصص فی الفقہ مقرر ہوئے۔

اسی دوران جستجوئے علم انہیں مولانا احمد الرحمٰن صاحبؒ کے پاس لے گئی، ان کی رفاقت میں رہتے ہوئے آپ نے بی کام کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور پھر ۱۹۹۰ء میں ''جام شورو یونیورسٹی'' سے ''شیوخ بخاری'' پر تھیس (مقالہ) مکمل کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ان تعلیمی مساعی کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی صاحب جہاد افغانستان میں عملاً ایک مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے ''ارگون اور خوست کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مولانا ارسلان رحمانی اور مولانا جلال الدین حقانی کی قیادت میں بھی جہادی خدمات سرانجام دیں۔ طالبان کے ساتھ ابتدائی دور سے دیا اور قندھار، ہرات جلال آباد کابل کی فتوحات بھی عملی شرکت کی۔ مفتی نظام الدین شامزیؒ نے اپنے سیاسی سفر کا آغاز جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے کیا اور بہت جلد ہی اس کے مرکزی رہنماؤں میں شمار ہونے لگے۔ وہ جمعیت کی مجلس شوریٰ کے اہم رکن تھے۔ اس کے علاوہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مجلس شوریٰ کے مرکزی رکن بھی تھے۔ جب تک جہادی تنظیم جیش محمد کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا۔ حضرت مفتی صاحب حرکت المجاہدین کے سرپرست اعلیٰ اور اس کے

نمائندے جریدے ''الہلال'' کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔

جیش محمدؐ کا قیام ان کی مساعی اور تائید ہی سے عمل میں آیا تھا لیکن بعدازاں وہ جہادی تنظیموں کے بعض رہنماؤں کے مابین ذاتی مخاصمت کا قضیہ شروع ہونے اور پھر ان کے نامناسب رویے کے باعث دل شکستہ ہو کر کنارہ کش ہو گئے۔

انہوں نے اپنی تمام تر علمی صلاحیتیں طلباء دین کی تعلیم و تربیت کیلئے وقف کر دیں۔ حضرت مفتی صاحب متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے ان کی معروف تصنیفات میں ''پڑوسیوں کے حقوق'' مسلمانوں کے حقوق، عقیدہ ظہور مہدی، فضائل مہدی، زیارت کے احکام و آداب، شرح مقدمہ صحیح مسلم اور شیوخ بخاری'' وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کی علمی یادگار آپ کے وہ ہزاروں شاگرد ہیں جو پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش اور یورپی و افریقی ممالک میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ آخری دم تک جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں شیخ الحدیث کی مسند پر فائز رہے۔ مفتی صاحب کا نام سب سے پہلے اس وقت ملک بھر کے اخبارات کی زینت بنا تھا۔ جب ۱۹۹۹ء میں انہوں نے امریکہ کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا تھا۔ اس فتویٰ کے باعث ملک بھر میں ہل چل مچ گئی تھی۔ یہ چونکا دینے والا فتویٰ انہوں ے اسلام آباد میں منعقدہ ایک سیمینار سے خطاب کے دوران امریکہ کو حربی کافر قرار دیتے ہوئے دیا تھا۔ اس کے بعد سے مفتی نظام الدین شامزئیؒ امریکی استعمار کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہے تھے۔ امریکہ نے جب اکتوبر ۲۰۰۱ء میں افغانستان پر حملہ کا آغاز کیا تھا تو مفتی صاحب نے اس وقت بھی کلمہ حق بلند کرتے ہوئے طالبان کی اسلامی حکومت کے دفاع میں متعدد بیانات دیئے تھے اور اپنے انٹرویوز کے دوران بھی امریکی جارحیت کے خلاف اپنے دوٹوک موقف کو دہراتے ہوئے امریکہ کو ظالم اور جارح قرار دیا تھا۔ مفتی صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ بعض قوتیں انہیں منظر سے ہٹانا چاہتی ہیں۔ ان کی نگرانی کی جاتی ہے اور بعض خفیہ اداروں کے اہلکار انہیں موقع بہ موقع تنگ کرتے رہتے ہیں۔ مفتی صاحب کے اپنے الفاظ ہیں کہ میں ہی جانتا ہوں جب ان دنوں مجھ پر گزر رہی ہے۔

اپنے آبائی وطن سوات کی مانند صاف شفاف اور نسیم صبح کی طرح راحت بخش ''مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ گزشتہ ۱۷ برسوں سے دارالعلوم بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث میں تشنگان علم حدیث کی پیاس بجھانے میں مصروف تھے۔ چند برس پہلے راقم کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا اور ان سے پہلی ملاقات کا تاثر بہت گہرا اور دیرپا ہے جو آج تک باقی ہے زبان و بیان پر یکساں قدرت رکھنے والے مفتی نظام الدین شامزئیؒ پٹھان ہونے کے باوجود بہت شستہ اور نستعلیق اردو بولتے تھے۔ دھیمے اور باوقار انداز میں ہر سوال کا جواب مدلل اور نپا تلا ملتا۔ حضرت مفتی صاحبؒ گفتگو میں رکھ رکھاؤ اور حد درجہ احتیاط ملحوظ رکھنے کے باوجود اظہار حقیقت اور سچائی بیان کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سلف الصالحین کی روایات حسنہ کے امین اور انہی کی طرح جذبہ غیرت ایمانی سے سرشار تھے۔ ان سے گفتگو کرنے کے بعد اس غلط تاثر کی نفی بھی خود بخود ہو جاتی تھی جو طبقہ علماء کے حوالے سے بالعموم پایا جاتا ہے۔ وہ بے خبر نہیں بلکہ انتہائی باخبر انسان تھے۔ مقامی حالات ہوں یا ملکی حالات عالمی سطح کے عیاروں شاطروں کی چالیں ہوں یا مذہبی بازی گروں کی قلابازیں، امریکی و مغربی سازشوں کے سیاہ و سفید تانے بانے ہوں کہ عالم اسلام کے مسائل، مفتی صاحب کی سب پر گہری نظر تھی اور وہ بے شمار گہرے رازوں کے امین تھے۔ ان کی گفتگو میں انکشافات کی دنیا سمٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ان سے پہلی ملاقات اس تاثر کے ساتھ حیرانی کا باعث بنی رہی کہ ایک فقیر منش سیدھی سچی اور سادی زندگی بسر کرنے والا عالم دین و دنیا میں حد مساوات کس خوبی اور توازن سے برقرار رکھے ہوئے تھا اور یہی طرز عمل تھا جو ان کے تبحر علمی، سلاست فکر، بلندی کردار اور ان کی سنجیدگی و متانت کا معترف و اسیر بنا دیتا تھا۔ آج حضرت مفتی صاحب ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی باغ و بہار اور متین شخصیت کا خوشگوار تاثر ہمیشہ دل کی آماجگاہ میں محفوظ رہے گا۔

مذہبی شخصیات کی ٹارگٹ کلنگ ایک منصوبہ کے تحت کی جارہی ہے اور حضرت مفتی صاحب جیسی شخصیت جو امریکی استعمار سمیت تمام لادین عناصر کیلئے مزاحمتی دیوار کی حیثیت رکھتی تھیں ان کا قتل محض دہشت گردی کا واقعہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ مفتی صاحب کی زندگی کا ہر حوالہ تبلیغ دین اور جہاد پر مبنی تھا اور جو قوتیں افغانستان کے پس منظر میں دینی شخصیات کا

تعاقب کررہی ہیں مفتی صاحب کی شخصیت ان کی ہٹ لسٹ پر تھی۔

مفتی صاحب کی شہادت کے بعد اب کم از کم یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ پاکستان میں شہر شہر میں کھلنے والے امریکن ایف بی آئی اور سی آئی اے کے خفیہ دفاتر سے مذہبی شخصیات کے قدم قدم نگرانی کی جارہی ہے۔ان کے آنے جانے کے معمولات سے لے کر ملنے ملانے کے اوقات کا ٹائم ٹیبل تک ان کے پاس موجود ہوتا ہے۔حضرت مفتی صاحب کو شہید کرنے کیلئے بھی ایف بی آئی اور سی اائی اے کے ایجنٹوں نے کردار ادا کیا ہے، ہمارے حکمران حسب معمول اس المناک واقعہ کو بھی ایک ایسی کارروائی قرار دے کر صبر وضبط اختیار کرنے اور پر امن رہنے کی تلقین کرتے رہیں گے۔جس کا مقصد ملک کی اکانومی کو خراب کرنا ہے۔حکومت کے علم میں تھا کہ حضرت مفتی صاحب افغانستان میں عملی جہاد کرنے اور امریکہ کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے کے باعث اہم ہدف تھے اور اس حوالے سے حضرت مفتی صاحب نے ایک عرصہ پہلے بتایا تھا کہ ان کی جان کو خطرات لاحق ہیں انہیں مختلف طریقوں سے ہراساں کیا جارہا ہے۔

حکومت نے مفتی صاحب جیسی اہم شخصیات کے تحفظ کیلئے کسی قسم کے اقدامات نہیں کیئے۔۳۰ مئی کو رونما ہونے والے سانحہ میں امت مسلمہ بالعموم اور پاکستان کے مسلمان بالخصوص ایک ایسی شخصیت سے محروم ہوگئے جس کا نعم البدل ملنا ناممکن ہے۔حضرت مفتی صاحب کی شہادت سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی بھی پورا نہیں ہوسکے گا۔اس سانحہ میں حضرت مفتی صاحب کے بیٹے، بھتیجے اور ایک محافظ سمیت متعدد افراد بھی زخمی ہوئے ہیں۔حضرت مفتی صاحب کی شہادت کی خبر ملک بھر میں آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ غم وغصہ کے اظہار کیلئے سڑکوں پر نکل آئے اور ان کے سوگ میں بازار بند ہوگئے۔ملک کی تمام نامور شخصیات نے حضرت مفتی صاحب کو دہشت گردی کی بہیمانہ واردات میں شہید کرنے پر افسوس اور غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے احتجاج کیا ہے کہ امریکی سازش کے تحت دینی شخصیات کا ٹارگٹ کلنگ کے واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ اب پاکستان میں کوئی بھی دین دار شخص ہو کفر کو پسند نہیں ہے، محفوظ نہیں رہا اور خود اس ملک کی حکومت اپنے معزز شہریوں اور اہل علم کو تحفظ فراہم کرنے سے معذور ہوگئی ہے۔(پچاس جلیل القدر علماء)

عالم ربانی مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کا المناک سانحہ شہادت

ملک کے معروف صاحبِ قلم اور صاحبِ نسبت بزرگ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب صدر، جامعۃ الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حدیث اور اپنے وقت کے نامور عالم ربانی مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کو ۱۴ صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸ جون ۲۰۰۰ء بروز جمعرات سفاک قاتلوں نے شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم حسب معمول اپنی رہائش سے تقریباً ۱۰ بجے ختم نبوت کے دفتر جانے کیلئے نکلے تھے، راستے میں مسجد فلاح کے قریب ہی، چند دکانیں کھلی ہوئی تھیں اور آنے جانے والوں کی رونق تھی، تربیت یافتہ دہشت گردوں نے جو موٹر سائیکلوں پر آئے تھے اس وقت حضرت مولاناؒ کو گولیوں کا نشانہ بنایا جب وہ اپنے صاحبزادے کے ساتھ پھل فروش کے پاس کھڑے پھل خرید رہے تھے ان کے ڈرائیور کو بھی شہید کر دیا جبکہ صاحبزادے محمد یحیٰ لدھیانوی اور پھل فروش ٹھیلے والے کو بھی گولیاں ماری گئیں۔

مولانا موصوف کا آبائی وطن مشرقی پنجاب تھا لیکن قیام پاکستان کے بعد ان کے خاندان نے پاکستان کی طرف ہجرت کی تھی، ان کا خاندان دینی غیرت وحمیت کا حامل تھا، حضرت مولاناؒ نے پاکستان میں اپنے وقت کے بڑے بڑے اولیائے عظام اور سلاطین علم ومعرفت سے استفادہ کیا تھا، وہ رواں قلم کے شہسوار تھے اور انہوں نے اپنی اس صلاحیت سے تصنیف وتالیف کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان کے اس جوہر کا جب محدث عصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کو اندازہ ہوا تو حضرت علامہ بنوریؒ نے ان کو کراچی میں جامعۃ الاسلامیہ کے ترجمان، ماہنامہ ''بینات'' کی ادارت اور اپنے مدرسہ میں تدریس کی پیشکش فرمائی، حضرت مرحوم نے حضرت محدث عصرؒ کی سرپرستی کو اپنے لئے سعادت سمجھا اور کراچی منتقل ہو گئے۔

جن حضرات نے مولانا مرحوم کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان کی زندگی اتباع سنت کی تجلیات سے منور تھی وہ اپنے شگفتہ قلم اور مشفقانہ تکلم سے دین حنیف کی خدمت میں شبانہ روزگار

سرگرم عمل رہے تھے، ان کی متواضع شخصیت اور شیریں گفتگو اپنی طرف کھینچتی تھی اور ان کا حکیمانہ انداز تخاطب و نگارش دلوں میں گھر کرتا تھا مرحوم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والے فتنوں سے بے چین رہتے تھے اور مجاہدانہ جذبے سے ان کی سرکوبی کیلئے آمادہ پیکار رہتے تھے، ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کا معاملہ ہو۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے تقدس کا دفاع ہو یا معاشرے میں منکرات و بدعات کی وجہ سے پھیلی ہوئی ظلمتوں کا مقابلہ ہر میدان میں مولانا مرحوم سینہ سپر رہتے تھے اور بڑی حکمت و دانائی کے ساتھ باطل کے مقابلہ میں حق بات ذہن نشین کراتے تھے مختلف فتنوں کی حقیقت جاننے کیلئے ان کی وقیع تصانیف سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا اور ان کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔

مولانا اپنے وقت کے صاحب معروف صاحب طریقت بزرگ بھی تھے ان کے سوز دروں نے بہت سے طالبان حق کے اطوارِ زندگی بدل ڈالے اور انہیں اتباع سنت کے رنگ میں رنگ دیا۔

روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے اسلامی صفحہ میں ہر جمعہ کو ان کی بصیرت افروز نگارشات پر مبنی کالم ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' عوام اور خاص میں بڑا مقبول تھا، لوگ اس کا انتظار کرتے تھے یہ کالم فقہی و غیر فقہی مسائل میں لوگوں کی مشکلات حل کرتا تھا اور دینی شرعی نقطہ نظر سے ان کی رہنمائی کرتا تھا اس کالم کی وجہ سے عوام کا ایک بڑا طبقہ حضرت مولانا کا عقیدتمند اور دلدادہ تھا۔

حضرت مولاناؒ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب سرپرست بھی تھے اور ہر سال برطانیہ جا کر قادیانی، مرزائی کی شر انگیزی کے خلاف وہاں کے مقیم مسلمانوں کو خبردار کرتے رہے تھے یہ برطانیہ ہی تھا جس میں اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں اس فتنے کی تخم ریزی کی تھی اور اب عالم کفر میں برطانیہ ہی وہ واحد ملک ہے جس میں قادنیت کے علمبرداروں کو پناہ دی ہوئی ہے اور کافرانہ فتنے کا یہ شجرہ وخبیثہ انگریز ہی کی حفاظت میں اب تک زندہ ہے۔ جبکہ بحمداللہ پاکستان میں اس کے برگ و بار سوکھ رہے ہیں، حضرت مولاناؒ کفرستان میں جا کر اس فتنے کے لیڈروں کو للکارتے تھے تاکہ یہ لوگ مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ نہ ڈال سکیں۔

مولاناؒ کا قلب ہر مظلوم مسلمان کی آہ سن کر مضطرب ہو جاتا تھا۔ کشمیر سمیت دنیا کے مختلف خطوں میں کافرانہ عصبیت اور وحشیانہ درندگی کا شکار ستم رسیدہ مسلمانوں کی حالت زار پر مرحوم بہت بے چین رہتے تھے۔

وہ عالم اسلام کا قیمتی اثاثہ تھے وہ مرد قلندر تھے کوئی مادی وسائل نہیں رکھتے تھے لیکن ان کے نالہائے نیم شبی کی دولت اسلام اور اہل اسلام کے مسائل ومشکلات کیلئے وقف تھی۔

اسلام اور پاکستان نے دشمنوں سے ان کا وجود برداشت نہیں ہوا اور اندرونی یا بیرونی دشمنوں نے اس روشن چراغ کو گل کر دیا۔۔۔ان کی وفات کی خبر ملک اور بیرون ملک آگ کی سرعت سے پھیل گئی۔ ہر دردمند مسلمانوں نے اس کا صدمہ محسوس کیا۔ رات گیارہ بجے کے قریب ان کی نماز جنازہ میں شریک مسلمانوں کا ٹھاٹھے مارتا ہوا عظیم مجمع ان سے عقیدت ومحبت اور ان کی وفات پر غمگین وحزین ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایسے دیدہ ور کی وفات پاکستان کے مسلمانوں کیلئے بڑا سانحہ ہے۔ **وان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ وخلفا من کل فائت وانا للہ وانا الیہ راجعون۔**

رب کریم ان کی شہادت کو قبول فرمائے ان کو جنت الفردوس میں مقام قرب سے نوازے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطاء کرے اور ان کی مظلومانہ شہادت دین حق کی سربلندی اور اسلام ومسلمانوں کے خلاف پھیلے ہوئے فتنوں کی سرکوبی کیلئے بہت سے یوسفوں کی آمد کی نوید بنے۔ آمین (پچاس جلیل القدر علماء)

مولانا ایثار القاسمی شہید رحمہ اللہ

ناموسِ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ایک اور جاں نثار۔

گیارہ ماہ کے مختصر عرصہ میں جھنگ شہر دینی جماعت کے دو چوٹی کے قائدین کے خون سے رنگین ہو چکا ہے اور پاکستان کے کونے کونے میں ان بہیمانہ قتلوں پر صدائے احتجاج پورے جوش اور غم وغصہ سے بلند کی گئی ہے۔ جس وقت انجمن کے بانی امیر عزیمت حضرت مولانا حق نواز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا انتخابی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اس لئے حکومت کو بھی دبے دبے لفظوں میں اقرار کرنا پڑا کہ ان کی شہادت ایک انتہا پسند فرقہ کی شرانگیزی کا نتیجہ ہے۔

مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید رحمہ اللہ

۸ رمضان المبارک کی صبح حسب معمول فاروقی صاحب نے تہجد کی نماز ادا کی۔ ۱۵ ماہ کی اسیری کے دوران صرف ایک مرتبہ تہجد کی نماز نہ پڑھ سکے۔ جس کا آخری دم تک انہیں افسوس رہا۔ بہت زیادہ ذکر واذکار، تلاوت کلام پاک کے علاوہ تصنیف وتالیف ان کا معمول تھا۔ تمام رات جاگتے تھے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد آرام کرتے۔ حسب معمول صبح تقریباً نو بجے اٹھے تو بہت زیادہ خوش نظر آرہے تھے۔ سپاہ صحابہؓ حاصل پور کے ایک کارکن سیف الرحمٰن جسے ڈبہ قتل کیس میں بے گناہ ان کے ساتھ ملوث کیا گیا۔ اس نے سوٹ وغیرہ استری کر کے فاروقی صاحب کو دیا تو انہوں نے خلاف معمول سیف سے کہا "آج تم نے کپڑے صحیح استری نہیں کیے" جس پر سیف الرحمٰن نے کہا لائیں حضرت میں دوبارہ استری کر دیتا ہوں، فاروقی صاحب نے کہا نہیں ٹھیک ہیں۔ تیاری کے بعد پولیس سکواڈ کا انتظار کرنے لگے۔ قائدین کی سیشن کورٹ آمد سے قبل ہی منیر احمد بھٹی ایڈوکیٹ، راؤ خلیل احمد خان ایڈوکیٹ سے عدالت میں پہنچ گئے تھے۔ گیارہ بجے تک قائدین تشریف نہ لائے تو میں راؤ خلیل احمد خان ایڈوکیٹ کو ساتھ لے کر سول جج میاں غلام حسین کی عدالت میں قائدین کی ضمانت کی پیشی کیلئے چلا گیا۔ ہم بارہ بجے سیشن کورٹ واپس پہنچے تو پولیس کی گاڑیاں قائدین کو لے کر عدالت کے احاطہ میں پہنچ چکی تھیں۔ جونہی مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور مولانا اعظم طارقؒ پولیس کی نفری کے حصار میں گاڑی سے اتر کر عدالت کی طرف جانے لگے تو قریب ہی کھڑے موٹر سائیکل میں نصب انتہائی طاقتور بم سے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے دھماکہ کر دیا گیا۔ جس سے ہر طرف قیامت برپا ہوگئی۔ پورے احاطہ میں اندھیرا چھا گیا۔ انسانی اعضاء روئی کے گالوں کی طرح فضا میں بلند ہوتے ہوئے نظر آئے۔ درجنوں پولیس اہلکار آگ کی لپیٹ میں آہ و بکا کرنے لگے۔ دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ انسانی ٹانگیں ہاتھ اور سر جابجا بکھر گئے۔ ہلاک ہونے والے

افراد کی انتڑیاں باہر نکل آئیں انسانی جسموں کے چیتھڑے اڑ گئے۔جس سے موقع پر موجود لوگ مردہ برہنہ جسموں پر اخبارات کے کاغذ دے کر ڈھانپتے رہے، ہر جگہ خون ہی خون تھا۔مرنے والوں کے سارے جسم جل گئے تھے۔بعض پولیس اہلکاروں کی ٹوپیاں اور جسمانی اعضاء قریب ہی درختوں کی ٹہنیوں پر اٹک گئے۔دفعتاً اللہ اللہ کی آواز بلند ہوئی۔ یہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ کی آواز تھی۔زخمی کارکنوں کی توجہ اس آواز کی طرف ہوئی تو فاروقی صاحب بڑی کوشش کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئے۔ان کی دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں۔ تب انہوں ے نے اپنے دونوں ہاتھ خداوند کریم کے حضور پھیلا دیئے اور بلند آواز سے کہا ''یا اللہ! مجھے تیرا فیصلہ منظور ہے، یا اللہ میں تیری رضا پہ راضی ہوں۔میری قربانی قبول فرما'' یہ آخری الفاظ، جو قائد سپاہ صحابہ نے ادا کیئے اور لیٹ گئے۔اسی لمحے ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔۱۳ کے قریب پولیس اہلکار قائد سپاہ صحابہ حضرت مولانا ضیا الرحمٰن فاروقی سپاہ صحابہؓ کے کارکن قاری عزیز الرحمٰن آف لاہور، حافظ عطاء الرحمٰن آف پنڈی بھٹیاں شہیدؒ اور روزنامہ ''خبریں'' کے فوٹو گرافر زیڈ اے شاہد شہید اور مولانا محمد اعظم طارق سمیت ۲۵ کے قریب افراد شدید زخمی ہو چکے تھے۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق ضیاء الرحمٰن فاروقی کو زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں بلکہ ایک چھوٹا سا ذرہ دائیں طرف سے جسم میں داخل ہو کر دل میں پیوست ہو گیا تھا۔اس کے علاوہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ کا تمام جسم اللہ کے خاص فضل و کرم سے بالکل محفوظ رہا۔ غسل کے وقت ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی خاص روشنی کی لہریں فاروقی شہید کے چہرے سے نکل رہی ہوں۔چہرہ کھلتا ہو نظر آ رہا تھا۔میت رات بھر ہسپتال میں رہی صبح چار بجے غسل دیا گیا۔صبح نو بجے سے پہلے ہی ہزاروں لوگ نماز جنازہ کیلئے مسجد شہداء پہنچ چکے تھے۔ایک خاص بات، جو ہر انسان نے محسوس کی کہ قائد فاروقی کی شہادت کے وقت پورے لاہور میں ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے آسمان بھی رو رہا ہے۔بوندا باندی کا سلسلہ نماز جنازہ کے بعد تدفین تک جاری رہا۔یہ ایک ایسی روایت ہے جو مولانا حق نواز

جھنگوی کی شہادت سے شروع ہوئی۔ مولانا جھنگوی شہید کی شہادت کے وقت بھی آسمان سے بوندا باندی شروع ہوگئی تھی۔ اس کے بعد مولانا ایثار القاسمیؒ کی شہادت پر بھی بوندا باندی کا سلسلہ جاری رہا اور سپاہ صحابہ کے اہم شہداء کے جنازوں پر بوندا باندی کا سلسلہ نہیں ٹوٹا تھا، اور مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کی شہادت پر پورے پنجاب میں شہادت سے قبر میں اتارنے تک بوندا باندی کا سلسلہ جاری رہا۔ مال روڈ پر اسمبلی ہال کے سامنے چوک میں مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید، قاری عزیز الرحمٰن شہید آف لاہور، قاری عطاء الرحمٰن شہید آف پنڈی بھٹیاں کی نماز جنازہ کیلئے تین ایمبولینسوں میں میتیں صبح ۹ بجے مسجد شہداء پہنچیں تو سپاہ صحابہؓ کے ہزاروں کارکن انتہائی جذباتی انداز میں نعرے لگانے لگے۔

نوجوان، بزرگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ مال روڈ پر تمام دکانیں اور کاروبار مکمل طور پر بند تھا۔ زیادہ رش کی وجہ سے نماز جنازہ مسجد شہداء کی بجائے شاہراہ قائداعظم فیصل چوک میں ادا کی گئی۔ امامت کے فرائض حضرت مفتی محمد عیسیٰ صاحب نے ادا کئے۔ (مسافران آخرت)

ملتان میں چوک شہیداں

ملتان کا یہ مشہور ومعروف چوک سڑک رونده از پرانی سبز منڈی تا ریلوے مال گودام ملتان شہر کے درمیان اکبر روڈ پر واقع ہے۔

اس چوک کے قریب بجانب شمال مغرب ایک خوبصورت سی مسجد ہے جو مسجد چوک شہیداں کے نام سے مشہور ہے اس مسجد کے شمال مشرقی کونہ میں دو قبروں کے نشان موجود ہیں جن پر باقاعدہ چوبی چھت بنی ہوئی ہے اور ان کے سرہانے دیا بتی جلائی جاتی ہے۔

اس چوک کے متعلق تاریخ مخطوطہ ملتان میں یہ روایت ہے کہ لنگاہوں کے آخری دور میں دو سید خواہر زادے لڑائی کے دوران شہید ہوئے۔ انہیں سبزی منڈی کے قریب دفن کیا گیا لیکن جب سبزی منڈی روڈ بننے لگی تو اس وقت ان شہیدوں کی نعشیں حضرت موسیٰ پاک شہید کی خانقاہ پر لے جا کر وہاں دفن کر دی گئیں اور تب سے اس چوک کا نام چوک شہیداں پڑ گیا۔

مولانا حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ

خیرالمدارس کے عظیم سپوت نے ناموسِ صحابہؓ کیلئے جان دے دی!

مولانا جھنگویؒ نے ۱۹۷۲ء میں دینی تعلیم سے فراغت کے بعد منصب شہادت کے حصول تک اپنی پوری توانائیاں اور قول وعمل کی ساری قوتیں عظمت وناموس صحابہؓ کے تحفظ ودفاع میں صرف کیں۔ مولانا شہیدؒ نے اپنی زندگی کا محورِ عشق رسولؐ اور اصحاب رسول کو بنایا، اپنی شعلہ بیاں خطابت اور پرخلوص جدوجہد کے باعث ملک کے طول وعرض میں بہت تھوڑے عرصہ میں لاکھوں نوجوانوں کے قلوب کو صحابہ کرامؓ کے عشق ومحبت سے گرما دیا ہزاروں نوجوان ان کی تقریروں کے باعث دین کے قریب آئے اور مقامِ صحابہؓ سے روشناس ہوئے۔ فتنہ رافضیت کی وجہ سے ملت اسلامیہ کو جن صدموں سے دوچار ہونا پڑا وہ تاریخ کا ایک خونچکاں باب ہیں۔ ہمارے ہمسایہ ملک ایران میں جب سے سیاسی انقلاب آیا اور ایک خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا ہے پاکستان میں شیعہ حضرات کی سرگرمیاں غیر معمولی طور پر تیز ہوگئی ہیں اس کا محرک فتح واقتدار پانے کا نشہ ہو یا حکومت ایران کی شہ ہو بہرصورت اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے ملک کے شیعہ دوستوں نے اس انقلاب کا گہرا تاثر لیا۔ ابتداء اس ایرانی انقلاب کو اسلامی انقلاب باور کرانے کی کوششیں کی گئیں مگر جب خمینی اور اس کے رفقاء نے ایران کو سیاسی انتقام کی آماجگاہ بنایا اور ہزاروں افراد کو مذہبی اختلاف کے باعث تہہ تیغ کیا تو یہ پروپیگنڈہ پوری دنیا میں ماند پڑ گیا۔ اس کے بعد شیعہ دوست پاکستان میں ایرانی طرز کے انقلاب لانے کی بات کہتے ہوئے شرم محسوس کرنے لگے، مگر ''تحریک نفاذ فقہ جعفریہ'' کے عنوان سے انہوں نے جلسے جلوس نعرہ بازی ہاتھا پائی اور دنگا فساد کی مہم جاری رکھی۔ مولانا حق نواز جھنگویؒ شہید نے ان حالات

میں مجاہدانہ عزیمت واستقامت کا ثبوت دیا اور ملک کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں اس حقیقت کو واشگاف کیا کہ اہل السنۃ والجماعت کی عظیم اکثریت والے ملک میں "نفاذ فقہ جعفریہ" کی تحریک شرانگیزی اور فتنہ پروری ہے۔ اس کے ساتھ مولانا شہیدؒ نے شیعی عقائد و نظریات اور رافضی سازشوں کو بھی بے نقاب کرنا شروع کیا اور اپنی زندگی کا مقصد شان صحابہؓ کا دفاع اور شاتمین صحابہؓ کا تعاقب بنالیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے مختصر عرصہ میں اہل وطن کو شیعیت کی حقیقی خدوخال سے آگاہ کر دیا۔ صحابہ کرامؓ سے محبت وعشق کی بدولت جہاں وہ مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا بن گئے، وہیں دشمنانِ صحابہؓ کی نگاہوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگے، دشمنان صحابہؓ کے پاس مولاناؒ کی حق گوئی اور جرأت مندانہ کا کوئی جواب نہ تھا انہوں نے حقیقت پسندی کا ثبوت دینے کی بجائے مولانا شہیدؒ کو راہ سے ہٹانے کا منصوبہ بنالیا اس سلسلہ میں متعدد باران پر قاتلانہ حملے ہوئے جو ناکام ہوتے رہے۔ ابھی حال ہی میں مولاناؒ نے کئی جلسوں میں اس بات کا انکشاف کیا کہ رافضی اور دشمنانِ صحابہؓ میری جان کے درپے ہیں اور مجھ سمیت بعض دیگر جید علماء کرام کو ۲۰ سے ۲۶ فروری تک قتل کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں بدقسمتی سے ہماری انتظامیہ نے اس انتباہ کے بعد بھی اپنی روایتی غفلت اور بے حسی کا مظاہرہ کیا اور مولاناؒ سفاک قاتلوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر گئے جن لوگوں نے ظلم و بربریت کا یہ انتہائی قدم اٹھایا ہے اگر وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ مولانا جھنگویؒ کی شہادت سے ان کا مشن نامکمل رہ جائے گا اور سولہویں صدی عیسوی کے شیعہ حکمران اسمٰعیل صفوی کی طرح دشمنان صحابہؓ عظیم سنی اکثریت کے حقوق پر شب خون مارنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو یہ خیال خام ہے۔ مولاناؒ کے خون نے دفاع صحابہؓ کی تحریک کو وہ ولولہ تازہ بخشا ہے، جس کے باعث ہزاروں حق نواز جھنگوی پیدا ہوں گے اور عظمت وناموس صحابہؓ کے لئے جان دینے کو فخر سمجھیں گے۔

مولاناؒ کے قلب میں عشق صحابہؓ واہل بیتؓ کی جو چنگاری تھی اس نے ہزاروں قلوب کو ایمانی حرارت بہم پہنچائی، خود ان کی طبیعت کی سیمابی کیفیت، بے چینی اور بے قراری صرف دفاع صحابہؓ کیلئے تھی، جس خطہ زمین میں وہ پیدا ہوئے اس میں وڈیروں اور جاگیرداروں کی

اکثریت رافضیت کی پشت پناہ ہے۔ جاگیردارانہ نظام اور اپنی دولت کے بل بوتے پر یہ لوگ غرباء کے عقائد وایمان سے کھیلتے تھے۔ مولانا نے غریب اہل سنت عوام کے تحفظ ایمان کیلئے جان کی بازی لگادی اور اپنے مقدس مشن میں کامیاب ہوگئے۔

جان دے ہی دی آج جگر نے پائے یار پر عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

ان شاء اللہ، مولانا کا مشن زندہ اور پیغام تابندہ رہے گا۔

آخر میں ہم اس دلخراش سانحہ پر مولانا شہیدؒ کے اہل خانہ اور پسماندگان سے قلبی تعزیت کرتے ہیں یقیناً یہ صدمہ ان کیلئے بہت بھاری ہے مگر اس غم میں ہم بھی محاورۃً نہیں حقیقتاً شریک ہیں اور ہر وہ مسلمان شریک ہے جس کے دل میں ایمان کی حرارت اور صحابہ کرامؓ کی محبت موجود ہے مولانا کی جدائی کا صدمہ صرف ان کے خاندان، ان کی جماعت اور ان کے متعلقین ہی کو نہیں، پوری دنیا اسلام کے اہل السنۃ والجماعت اس پر اشکبار ہیں۔ مولانا جیسے مخلص، نڈر، جانباز، بے لوث اور حق گو عالم دین کی محرومی ہمیشہ محسوس کی جائے گی۔ مولانا نے جس مشن کیلئے جان دی اب اس کی تکمیل کی ذمہ داری ان کے معتقدین متعلقین بلکہ تمام اہل السنۃ والجماعت پر عائد ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ ان کی شہادت دشمنان صحابہؓ کیلئے وجہ اطمینان نہیں بن سکے گی۔

ظلم و بربریت کے اس مظاہرہ پر ہم حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مولانا کے قاتلوں کو فوراً گرفتار کرے اور بعض دیگر علماء کے خون ناحق کی طرح اس خون کو چھپانے اور مجرموں کو بچانے کی کسی سازش کو کامیاب نہ ہونے دے، جب تک مولانا شہیدؒ کے قاتل تختہ دار پر نہیں لٹک جاتے، ناموس صحابہؓ کیلئے بہنے والا خون ان کی سزا کا مطالبہ کرتا رہے گا۔ (شعبان ۱۴۱۰ھ) (مسافران آخرت)

حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمہ اللہ

مولانا محمد اعظم طارقؒ ۲۸ مارچ ۱۹۶۱ء میں چیچہ وطنی ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق راجپوت منج خاندان سے تھا۔ ۱۹۷۷ء میں دار العلوم ربانیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ابتدائی فارسی اور مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں پنجاب ہی کے مختلف مدارس میں رہ کر، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، علم کلام، منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی، ۱۹۸۴ء میں جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں دورۂ حدیث کیلئے داخلہ لیا، علوم حدیث کی تکمیل کیلئے جن اساتذہ حدیث کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے ان میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی صاحب، حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہ صاحب اور حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ کے امتحان کے علاوہ ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔

دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے کراچی ہی میں تدریس و خطابت شروع کی ۱۹۹۱ء میں آپ کراچی سے ترک سکونت کر کے جھنگ میں قیام پزیر ہو گئے اور جھنگ کی سیاسی و سماجی خدمات انجام دینے لگے، دسمبر ۱۹۹۱ء کے بلدیاتی انتخابات میں ان کی کالعدم مذہبی جماعت نے ۴۷ کے ایوان میں ۳۳ نشستیں حاصل کیں۔ ۱۰ جنوری ۱۹۹۰ء کو انہیں تنظیم کا نائب صدر بنا دیا گیا۔

۷ا جنوری ۱۹۹۶ء کو لاہور میں بم دھماکے میں مورخ اسلام مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ کے شہید ہو جانے کے بعد مولانا محمد اعظم طارق صاحب جماعت کے سرپرست اعلیٰ بن گئے۔

آپ جھنگ کی مسجد کے خطیب تھے، تنخواہ سے گھریلو اخراجات پورے کرتے تھے۔

۱۹۹۷ء کے انتخابات میں آپ وہ واحد مذہبی رہنما تھے جو جیل میں ہونے کے باوجود کامیاب ہوئے۔ مولانا موصوف عجز و انکساری اور سادگی کا پیکر تھے اور دینی خدمات کے مختلف شعبوں

سے وابستہ تھے جہاں اور جس وقت بھی دین کو ان کی ضرورت پڑی وہ وہیں نظر آئے۔ شجاعت و بہادری جرأت وحوصلہ مندی میں انہیں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ وہ ایک شعلہ بیان مقرر اور بہترین خطیب تھے۔ بڑی روانی کے ساتھ تقریر کرتے تھے اپنے موقف کی تائید میں ایسے وزنی دلائل پیش کرتے تھے جن کا مخالفین کے پاس جواب نہ ہوتا تھا۔

مولانا مرحوم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ترین جماعت حضرات صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ کی عزت و ناموس کے تحفظ کو اپنی زندگی کا مشن قرار دیا تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں اور وفا شعاروں کی توہین و تنقیص نا قابل برداشت ہے۔

انہوں نے مختلف حکومتوں کے سامنے فرقہ واریت کے خاتمہ کی تجاویز پیش کیں۔ انہیں اپنے درد اور فکر سے آگاہ کیا، فرقہ وارانہ کشیدگی کے اصل اسباب کی نشاندہی اور ان کے تدارک کی طرف توجہ دلائی اور اس مقصد کیلئے انہوں نے قانونی راستے اختیار کئے ان کی یہ خدمات ملک کی تاریخ کا روشن حصہ ہیں۔

مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ نے جس انداز سے زندگی بسر کی ہے اور ایک مشن کو زندگی کا مقصد بنا کر اس کیلئے جو قربانیاں دی ہیں وہ بلاشبہ عزیمت و استقامت کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں، ان کے طریق کار سے کسی موقع پر اختلاف ممکن ہے یا ان کے کسی طرز عمل کے بارے میں دو رائے ہوسکتی ہیں لیکن ان کے خلوص، اپنے مشن سے والہانہ وابستگی، کردار کی پاکیزگی، عشق صحابہ میں فنائیت اور عزم و استقلال، ہمت و شجاعت جیسی اعلیٰ صفات سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس شخص کے خلوص اور عزیمت و استقامت کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے جو اپنی بھرپور جوانی کے کئی سال قید و بند میں گزار کر بالآخر اپنی جان پر کھیل گیا۔

مولائے کریم ان کی قربانیاں قبول فرمائیں آخرت میں انہیں درجات عالیہ سے نوازیں اور جملہ پسماندگان اور عقیدت مندوں کو صبر و تحمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔ (مسافران آخرت)

علامہ محمد شعیب ندیم اور ان کے رفقاء کی شہادت

گذشتہ عشرہ میں اس طرح کی فرقہ وارانہ نوعیت کی وارداتوں میں جو دینی و علمی شخصیات نشانہ بنی ہیں ان میں بانی سپاہ صحابہؓ حضرت مولانا حق نواز جھنگویؒ، مولانا ایثار القاسمیؒ اور مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ سرفہرست ہیں۔ یہ تمام حضرات سپاہ صحابہؓ کے صف اول کے رہنما تھے اب تازہ ترین سانحہ میں تنظیم کے جنرل سیکرٹری کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ کچھ عرصہ سے ہمارے ہاں تشدد پسندی کے رجحان نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے اور عدم برداشت کا معاملہ یہاں تک آ پہنچا ہے کہ مباحثہ کی جگہ مجادلہ اور مناظرہ کی جگہ مقاتلہ نے لے لی ہے۔ وطن عزیز میں فرقہ وارانہ بالفاظ دیگر شیعہ سنی اختلافات میں کشیدگی اور شدت ایرانی انقلاب کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ جس کی بنیادی وجہ پاکستان کے اہل تشیع میں احساس تفوق و برتری کا پیدا ہونا اور ایرانی انقلاب کو ملک میں درآمد کرنے کی غیر منطقی سوچ ہے، اسی طرح ایرانی انقلاب کے بعد جو مذہبی لٹریچر وہاں سے درآمد کیا گیا، وہ نہ صرف یہاں کی اکثریت کے معتقدات سے متصادم بلکہ حد درجہ دلآزار اور اشتعال انگیز ہے۔ اس صورتحال میں بعض دینی حلقوں نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے ہم مسلک حضرات کو حقیقت سے باخبر اور خطرے سے آگاہ کیا تو اسے "فرقہ واریت" کے قابل نفرت نام سے دبانے کی کوشش کی گئی...... حتیٰ کہ بعض انتہا پسندوں نے ایسی آوازوں کے ختم کرنے ہی کو مسئلہ کا حل سمجھ لیا، جس کا

نتیجہ یہ ہے کہ باہمی قتل وغارت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

ہم اہل تشیع کے بنیادی حقوق پر، خواہ ان کا تعلق مذہب سے ہو یا شخصی آزادی سے، قدغن لگانے کے مطالبہ نہیں کرتے مگر یہ ضرور عرض کرتے ہیں کہ وہ پاکستان کی اکثریت اہل السنۃ والجماعت کے معتقدات و جذبات کا احترام کریں، اپنی دلازار اور اشتعال انگیز تقریروں اور لٹریچر کے ذریعے اکثریت کے جذبات کو مجروح نہ کریں۔ اپنی مذہبی رسومات کو اپنی عبادت گاہوں تک محدود رکھیں، اہل السنۃ والجماعت کی قابل احترام شخصیات کو سب وشتم کا نشانہ نہ بنائیں اور بے گناہوں کے خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگیں۔ سپاہ صحابہؓ کے رہنماؤں نے مولانا علامہ شعیب ندیمؒ اور ان کے رفقاء کے قتل کا الزام ایک پڑوسی ملک پر عائد کیا ہے یہ الزام اس لحاظ سے معنی خیز ہے کہ جس گاڑی سے قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے وہ سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی تھی۔ ہم سپاہ صحابہؓ کے کارکنان سے ضبط وتحمل کی درخواست کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ علامہ شعیب ندیم شہیدؒ اور ان کے رفقاء کے قاتلوں اور ان کے پس پردہ قوتوں کو بے نقاب کرے اور انصاف کے تقاضے پورے کرے۔ (جمادی الاخریٰ: ۱۴۱۹ھ) (مسافران آخرت)

مولانا مفتی حبیب اللہ مختار رحمہ اللہ

و مولانا مفتی عبد السمیع رحمہ اللہ کی شہادت

یکم رجب ۱۴۱۸ھ، ۲/ نومبر ۱۹۹۷ء بروز اتوار ظہر کی نماز کے بعد ٹیلی فون پر کراچی سے یہ روح فرسا، صبر آزما، المناک اور کرب انگیز خبر موصول ہوئی کہ "جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن" کے مہتمم حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی عبد السمیعؒ اور ان کے رفیق سفر جناب محمد طاہر شہید کر دیئے گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ دلخراش اطلاع ایک صاعقہ سے کم نہ تھی جس نے دل و دماغ اور ہوش و حواس کو معطل کر دیا۔ وطن عزیز اگر چہ ایک عرصہ سے قتل و غارت اور فسادات کی لپیٹ میں ہے مگر دہشت گردی کی یہ تازہ لہر اس لحاظ سے انتہائی تشویشناک اور پر خطر ہے کہ اس میں مسلک علماء دیوبند سے تعلق رکھنے والے ایسے افراد کو نشانہ بنایا گیا ہے جو مروجہ فرقہ واریت سے بالاتر تھے۔ سانحہ ملتان کے شہید طلبہ اور کراچی کے شہید علماء کا تعلق کسی فرقہ وارانہ مذہبی تنظیم سے نہ تھا۔ یہ لوگ خاموشی اور یکسوئی کیساتھ علوم دینیہ کی تحصیل و تدریس کا فریضہ انجام دے رہے تھے، بہت ہی شقی القلب اور سفاک ہیں وہ لوگ، جنہوں نے ملک کو فرقہ واریت کی نئی آگ میں دھکیلنے کیلئے ان گوشہ نشین اور بے قصور علماء کا انتخاب کیا اور انہیں اپنی درندگی کا نشانہ بنایا۔

مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار (رحمۃ اللہ علیہ) کا شمار ہمارے دور کے ان محقق علماء میں ہوتا تھا جو ذہانت و ذکاوت اور علمی استعداد کے ساتھ اخلاص وللّٰہیت اور سادگی و گوشہ نشینی میں بھی اکابر و اسلاف کا نمونہ تھے۔ مولانا شہیدؒ بہت اونچی نسبتوں کے جامع تھے۔ وہ پاکستان کے سب سے بڑے دینی ادارے جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے مہتمم، ملک گیر خالص

علمی تنظیم ''وفاق المدارس عربیہ پاکستان'' کے ناظم اعلیٰ ماہنامہ بینات کراچی کے مدیر مسئول استاذ العلماء حضرت الشیخ مولانا علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے فرزند نسبتی اور بلند پایہ مصنف و محقق تھے۔ مگر ان اونچی نسبتوں اور مناصب کے باوجود انداز زندگی انتہائی سادہ، درویشانہ اور متواضعانہ تھا۔ مولانا مرحوم مدینہ یونیورسٹی کے فاضل اور جامعہ کراچی کے متخصص (P.H.D) تھے۔ مگر احقر نے انہیں جتنی مرتبہ دیکھا پختہ عمل صوفیوں کی طرح تسبیح ہاتھ میں لئے دیکھا۔ علمی مشاغل کے ساتھ ذکر و فکر، اوراد وظائف اور تلاوت و نوافل کا اہتمام فرماتے۔ درس و تدریس اور فتاویٰ کے علاوہ تصنیف و تالیف کے ساتھ خاص مناسبت تھی۔ متعدد تحقیقی و علمی تصنیفات کے علاوہ درجنوں کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ان کی تحریر میں علمی سنجیدگی اور دینی فکر کے ساتھ سلاست و سادگی پائی جاتی تھی۔ الفاظ بے ساختہ دل میں اترتے چلے جاتے۔ موت ہی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مرحوم ایک مقام پر رقم طراز ہیں: ''موت کو یاد کرنے کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ انسان گناہوں میں لگنے سے بچتا ہے، دنیا کے جھمیلوں میں پھنستا اور مصائب کا جھیلنا آسان ہو جاتا ہے۔ بھیا! ذرا اتنی بات تو سوچئے کہ جس کو سولی پر چڑھانے کا فیصلہ ہو گیا ہو کیا وہ کسی گناہ کا سوچتا ہے؟ کیا وہ دنیا کی کسی مرغوب چیز اور دنیا کی عیش و عشرت کی طرف نظر دوڑاتا ہے؟ اس پر ہر مصیبت آسان ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے جسے طویل دنیاوی زندگی کی امید ہو وہ اس کے بالکل برخلاف ہوتا ہے۔ سخت دلی دور کرنے والی چیزوں میں سے ان لوگوں کو دیکھنا بھی ہے جن کی روح پرواز کرنے والی ہو، اس لئے کہ موت کی شدت، موت کے سکرات اور مرتے وقت روح پرواز کرنے کی تکلیف وغیرہ انسان کیلئے بڑی عبرت کا ذریعہ بنتی ہے اس لئے کہ انسان کو یہ خوب معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب اس کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آنے والا ہے۔ جو شخص مرنے والوں سے عبرت حاصل نہیں کرتا اسے کسی وعظ و نصیحت سے فائدہ نہیں ہوتا''۔

دوسروں کو موت سے عبرت پانے کا درس دینے والا شخص اپنی المناک موت سے ہمیں بھی یہ سبق دے گیا کہ:

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

(مسافران آخرت)

مولانا احسان اللہ فاروقی رحمہ اللہ کی شہادت

۲۵/ دسمبر ۱۹۸۶ء بروز جمعرات جامعہ فاروقیہ لاہور کے مہتمم مولانا احسان اللہ فاروقی کو چند ظالم حملہ آوروں نے ان کے گھر پر گولی مار کر شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم، نوجوان عالم دین، فعال مذہبی رہنما اور دینی غیرت وحمیت کے حامل ایک شعلہ بیان خطیب تھے، حکومت نے اس سلسہ میں فیاض نامی ایک ملزم کو گرفتار کیا ہے اور حکومتی ذرائع نے اسے ذاتی رنجش کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ صحیح صورت حال کا علم تو عدالتی تحقیقات کے بعد ہو سکے گا، مگر حکومت کو اس سلسلے میں ان آراء کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے جن کے مطابق اس قتل کا ذمہ دار ایک مخصوص فرقہ کو ٹھہرایا گیا ہے جس کی طرف سے اکثر و بیشتر خون کی ندیاں بہانے ''سر پر کفن باندھنے'' اور'' پاک سرزمین کو کربلا میں تبدیل کردینے'' کی دھمکیاں سننے اور پڑھنے میں آتی رہتی ہیں۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی کے سربراہ کا وہ بیان بھی قابل توجہ ہے جس میں موصوف نے اس اسلام دشمن متعصب فرقہ کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے کہ اس نے علماء کرام اور مذہبی قائدین کی ایک ہٹ لسٹ تیار کی ہے اور مولانا فاروقی کا قتل بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ (جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ) (مسافران آخرت)

ضیاء الحق شہید رحمہ اللہ

(صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ)

شہید مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے حادثہ وفات پر پچھلے شمارے میں صرف چند سطور لکھ سکا تھا، اور ساتھ ہی یہ ارادہ بھی ظاہر کیا تھا کہ اگلے شمارے میں ان شاء اللہ ان کی شخصیت، ان کے ساتھ راقم کے تعلق کے واقعات اور ان پر مبنی تاثرات قدرے تفصیل سے قلمبند کروں گا۔

آج جب اپنے اس ارادے کی تکمیل کیلئے بیٹھا ہوں تو پچھلے گیارہ سال کے واقعات کی اتنی بہت سی تصویریں نگاہ کے سامنے آگئی ہیں کہ انہیں ایک مربوط تحریر میں منضبط کرنا دشوار معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے میں آغاز ہی میں یہ معذرت کرلوں کہ۔

دریں کتاب پریشاں نہ بینی از ترتیب عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

پچھلے گیارہ سال میں بہت سے اتار چڑھاؤ آئے اور صدر مرحوم کے بارے میں بہت سے لوگوں کی رائے میں انقلابی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ وہی لوگ جو ابتداء میں انہیں فرشتہ غیبی کہتے اور سمجھتے تھے، انہی کی زبان سے بعد میں ان کے خلاف بڑے سخت اور ثقیل الفاظ بھی سنے گئے۔ بہت سے لوگ جو شروع میں ان کے اسلامی مشن کی وجہ سے ان کے پرزور حامی تھی، کچھ عرصے کے بعد ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے، یہاں تک کہ انہیں اسلام دشمن یا منافق تک کہنے سے دریغ نہیں کیا۔

صدر مرحوم کے ساتھ المیہ یہ تھا کہ لادینی طاقتیں تو ان کی اس لئے دشمن تھیں کہ وہ انہیں اپنے عزائم کی راہ میں ایک زبردست کانٹا نظر آتے تھے، بعض سیاسی حلقے اس لئے ان کے مخالف تھے کہ ان کی وجہ سے انہیں نفاذ اسلام کی جدوجہد کا کریڈٹ اپنے ہاتھ سے چھن جانے کا اندیشہ تھا، تیسری طرف وہ دیندار حلقے تھے جنہیں ان کی ذات سے کوئی پرخاش نہیں تھی لیکن ان کے منہ سے نفاذ اسلام کا لفظ سننے کے بعد وہ اس بات کیلئے بیتاب تھے کہ اس مقصد کی طرف پیش قدمی تیز رفتاری کے ساتھ ہو، جس کے اثرات معاشرے پر بلاتاخیر نظر آئیں اور چونکہ یہ پیش قدمی واقعۃً سست رفتار تھی، اس لئے ان کی توقعات پوری نہیں ہوئیں

اوران کی نگاہ مرحوم کے کئے ہوئے اچھے کاموں کے بجائے ان کاموں پر زیادہ رہنے لگی جو وہ نہیں کر سکے، یہاں تک کہ بالآخر وہ اتنے مایوس ہوئے کہ انہوں نے سرے سے یہ تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیا کہ صدر مرحوم نے اسلام کی کوئی خدمت کی ہے، یا کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح عملاً وہ بھی پہلے اور دوسرے طبقے ہی کے ساتھ ہم آواز ہو گئے۔

ایک چوتھا طبقہ بھی تھا جو اس بات کی تکلیف ضرور محسوس کرتا تھا کہ نفاذ اسلام کی طرف پیش قدمی سست رفتار اور ناکافی ہے، لیکن ساتھ ہی صدر مرحوم کے عہد میں جو قابل قدر کام ہوئے ہیں، ان کی نفی کا بھی قائل نہ تھا اور اس بات کو بھی شدت کے ساتھ محسوس کرتا تھا کہ بہت سے قابل تنقید امور کے باوجود اس وقت نفاذ اسلام کے مشن کے حق میں بظاہر حالات کوئی متبادل شخصیت سامنے نہیں ہے جو اتنا کام بھی کر سکے، لہٰذا وہ سمجھتا تھا کہ اصلاح حال کی بھرپور کوششوں کے ساتھ ساتھ صدر ضیاء الحق کی ذات کو بسا غنیمت سمجھنا چاہیے اور بحیثیت مجموعی نفاذ اسلام کے مشن میں ان کی تائید وحمایت سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیے لیکن سچی بات یہ ہے کہ ساتھ ہی یہ حلقہ پہلے تین طبقات کی بنائی ہوئی فضاء سے اتنا مرعوب بھی تھا کہ صدر مرحوم کے اچھے کارناموں کی اس قدر کھل کر حمایت اور تعریف نہیں کر سکا جس کے وہ مستحق تھے، اس کی طرف سے بھی ان کے اچھے کاموں کی تعریف وحمایت بڑے تحفظات کے ساتھ ہوئی اور اس میں بھی تنقید کا پہلو اکثر وبیشتر غالب رہا۔

اس صورتحال کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ شہید مرحوم کے کارنامے پس منظر میں چلے گئے، اور قابل تنقید امور زیادہ ابھر کر سامنے آئے، یہاں تک کہ یہ جملے زبان زد عام ہو گئے کہ "گیارہ سال میں کچھ نہیں ہوا" "اسلام کو خواہ مخواہ بدنام کیا گیا ہے" "اسلام کو صرف اقتدار کو طول دینے کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے" وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اسی ماحول میں جب ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو یک بیک صدر مرحوم کا حادثہ شہادت پیش آیا تو یہ ایک ایسا ناگہانی صاعقہ تھا جس کے بارے میں قوم نے سوچا بھی نہ تھا۔ مذکورہ چار طبقات میں سے آخری دو طبقے جو اسلام کیلئے واقعۃً مخلص تھے، اور جن کی ملک کے باشعور عوام میں اکثریت ہے، جب انہوں نے صدر مرحوم کے اس طرح اچانک منظر سے غائب ہو جانے کے بعد گرد و پیش پر نظر ڈالی تو انہیں یکا یک یہ جانکا احساس ہوا کہ انہوں

نے کیا چیز کھودی ہے؟ اب لوگوں کو ایک ایک کر کے وہ اچھے کام یاد آئے جو تنقید کے زور و شور میں گم ہو گئے تھے، اور احساس ہوا کہ جن باتوں کو ہم اب تک غیر اہم، ناکافی بلکہ کالعدم سمجھتے آئے تھے، اب کہیں انہی کے لالے نہ پڑ جائیں۔ اس احساس نے قوم کے ہر باشعور مسلمان کو ایک ناقابل بیان صدمے اور زبردست تشویش میں مبتلا کر دیا۔ یہ صدمہ صدر مرحوم کے ساتھ عقیدت و محبت کے طوفان میں تبدیل ہو گیا، اور ملک کی اس ''خاموش اکثریت'' نے مرحوم کی نماز جنازہ کے موقع پر وہ فقید المثال نظارہ پیش کیا کہ شاید مرگلہ کی وادی نے پہلے کبھی ایسا نظارہ نہ دیکھا ہوگا۔

یہ درست ہے کہ پچھلے گیارہ سال میں نفاذ اسلام کی طرف پیش قدمی سست رفتار تھی، یہ بھی درست ہے کہ اس زمانے میں بہت سی توقعات پوری نہیں ہوئیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دور میں بہت سے قابل تنقید امور بھی پیش آئے جن پر میں نے البلاغ کے ان صفحات میں مفصل تنقید کی، لیکن میرے نزدیک یہ کہنا سراسر ظلم اور پرلے درجے کی ناانصافی ہے کہ شہید مرحوم نے اس زمانے میں اسلام کی نمائش کے سوا نفاذ اسلام کی سمت میں کوئی کام نہیں کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ گیارہ سال کے دوران نفاذ اسلام و شریعت کے سلسلے میں جتنا کام اللہ کے شہید مرحوم کے ہاتھوں کرایا، وہ اس سے پہلے کے تیس سال میں نہیں ہوا تھا اور نفاذ شریعت کے سلسلے میں ان گیارہ سال کو ایک پلے میں اور پہلے کے تیس سالوں کو دوسرے پلے میں رکھا جائے تو یقیناً ان گیارہ سال کا پلہ بھاری رہے گا۔ شہید مرحوم کے دور میں جو قابل تعریف کام ہوئے ان میں سے بہت سے کام ایسے ہیں جن کا عام لوگوں کو آج تک علم نہیں، اور بہت سے ایسے ہیں جن کی اہمیت کا کماحقہ احساس نہیں لیکن انشاء اللہ وہ مرحوم کیلئے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے، یہاں خاص طور پر میں چند اہم کاموں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جن کا مقصد مرحوم کو خراج تحسین پیش کرنے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ عام مسلمانوں کو ان کی اہمیت کا کماحقہ احساس ہو، اور وہ آئندہ ان کے بقاء و تحفظ اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکیں۔

(ا) یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ صدر مرحوم کے زمانے میں اسلام اور شعائر اسلام کی عظمت و اہمیت کا ایک عام شعور پیدا ہوا۔ پہلے اسلام اور اسلامی شعائر سے عملی وابستگی رکھنے

والوں کو قدم قدم پر ہمت شکنی کا سامنا کرنا پڑتا تھا، انہیں نشانہ استہزاء بنایا جاتا تھا اور خاص طور پر سرکاری حلقوں میں شعائر اسلام کو عملاً فرسودگی اور دقیانوسیت کی علامت قرار دے لیا گیا تھا، اور انگریز کی پیدا کردہ وہ ذہنی فضا نہ صرف برقرار تھی، بلکہ اس میں اضافہ ہو رہا تھا، جس کے تحت اسلام کا نام لینے والے یا اس کے کسی شعار پر عمل کرنے والے کو معاشرے سے الگ تھلگ کر دیا جائے اور اس کے دل میں احساس کمتری پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

شہید مرحوم کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنی متواتر جدوجہد سے اس فضا مین نمایاں تبدیلی پیدا کی اور وہ فضا بنائی جس میں اسلام اور شعائر اسلام سے وابستگی کو واقعۃً عزت و عظمت کا سبب اور سرمایہ فخر و ناز سمجھا جائے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ ان لوگوں کے راستے کی رکاوٹیں دور ہوئیں جو پہلے سے اسلام کے ساتھ عملی وابستگی رکھتے تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی ترغیب ہوئی۔

اندرون ملک کے علاوہ عالمی برادری میں بھی شہید مرحوم نے اسلام کا کلمہ پوری خود اعتمادی کے ساتھ ڈٹ کر پیش کیا۔ وہ تاریخ کے واحد حکمران تھے جنہوں نے جنرل اسمبلی میں اپنی تقریر کا آغاز تلاوت قرآن سے کرنے پر اصرار کیا، اور اس طرح اس عالمی پلیٹ فارم سے قرآن کریم کا پیغام پیش کیا۔ کیوبا جیسے دہریہ ملک میں بھی انہوں نے تلاوت قرآن ہی کو اپنی تقریر کی بنیاد بنایا۔

(۲) ملک میں شراب جیسی ام الخبائث کا آزادانہ استعمال کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ سب سے پہلے حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے اپنی وزارت علیا کے دور میں صوبہ سرحد کے اندر شراب کی ممانعت کا قانون نافذ کیا، پھر بھٹو صاحب مرحوم نے اپنے آخری دور میں پورے ملک میں شراب کی ممانعت کا قانون جاری کیا۔ یہ دونوں قانون شراب بندی کے سلسلے میں بلاشبہ بڑے لائق ستائش تھے۔ لیکن ان دونوں قوانین میں شراب کی ممانعت صرف مسلمانوں کیلئے تھی، غیر مسلم اس ممانعت سے مستثنیٰ تھے، اور شراب نوشی کی سزا بھی شریعت کے مطابق نہیں تھی۔ اگرچہ ان قوانین کے بعد ملک میں پائے جانے والے کھلے شراب خانے بند ہو گئے تھے لیکن غیر مسلموں کے استثناء کی وجہ سے ایک وسیع چور

دروازہ کھلا ہوا تھا، غیر مسلموں کے بہانے شراب کا استعمال عام تھا بلکہ ایسی اطلاعات بھی ملیں کہ لوگوں نے اپنے آپ کو غیر مسلم ظاہر کر کے شراب حاصل کی، (والعیاذ باللہ العظیم)

(۳) ۱۹۷۹ء سے پہلے تک انگریز کی پیدا کی ہوئی یہ صورتحال برقرار رہی تھی کہ زنا کاری جیسا گھناؤنا گناہ اگر باہمی رضامندی سے کیا جائے تو وہ کوئی جرم نہیں تھا۔ قانون صرف زنا بالجبر کو جرم قرار دیتا تھا اور اس میں بھی اگر ملزم عدالت کے ذہن میں یہ شبہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ شاید اس بدکاری کے ارتکاب میں عورت کی مرضی شامل ہو تو وہ جرم سے بری ہو جایا کرتا تھا۔ یہ صورتحال ایک مسلمان کہلانے والے ملک کے ماتھے پر کلنک کا ایسا ٹیکہ تھی کہ الفاظ اس کی شناعت کو بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ شہید مرحوم جنرل ضیاء الحق صاحب کے دور میں پہلی بار اس بدکاری اور اس کے مقدمات کو قانوناً جرم قرار دیا گیا اور اس پر شرعی سزائیں مقرر کی گئیں۔ زنا کاری کی حد شرعی (یعنی سو کوڑوں اور سنگساری) کو بطور قانون نافذ کیا گیا۔ چونکہ مذکورہ حد شرعی کا معیار ثبوت انتہائی سخت ہے اس لئے حد تو شاذ و نادر ہی کہیں جاری ہو سکتی ہے لیکن قانون میں جہاں حد کی شرائط پوری نہ ہوں وہاں سخت تعزیری سزائیں مقرر کی گئیں جن پر اب تک عدالتیں عمل کر رہی ہیں۔

(۴) صدر مرحوم ہی کے زمانے میں ملک میں پہلی بار حدود شرعیہ کو بطور قانون نافذ کیا گیا۔ یہ درست ہے کہ اس قانون کے نفاذ کے بعد اب تک کسی مجرم پر کوئی حد جاری نہیں ہوئی، جس کی بناء عموماً یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ملک میں حدود شرعیہ نافذ نہیں ہیں، یا اگر ہیں تو وہ صرف نچلی عدالتوں کیلئے ہیں، اور اعلیٰ عدالتوں پر حدود شرعیہ کا قانون لاگو نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا خامیوں کی بنا پر اب تک کسی مجرم پر کوئی حد جاری نہیں ہوئی۔ اس لئے اس قانون کے اثرات بلاشبہ معاشرے پر ظاہر نہیں ہو سکے اور اس سلسلے میں عوام کو حکومت سے جو شکایت رہی ہے وہ بالکل بجا اور برحق ہے لیکن یہ بات ناقابل انکار ہے کہ جس فضا میں دنیا نے حدود شرعیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا وہاں صدر مرحوم نے مخالف پروپیگنڈہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بالآخران قوانین کو نافذ کر کے ملک میں چلی ہوئی اس نظریاتی بحث کو ختم کر دیا کہ حدود شرعیہ اس دور میں واجب العمل ہیں یا نہیں؟

ہمارے ملک کے ہر دستور میں یہ دفعہ لکھی جاتی رہی ہے کہ ''ملک کے تمام قوانین قرآن وسنت کے مطابق بنائے جائیں گے'' لیکن صدر مرحوم سے پہلے یہ دفعہ دستور کی ایک بے جان دفعہ تھی، نہ کبھی اس دفعہ کے تحت کسی قانون کو اسلامی بنایا گیا۔ نہ عوام کو یہ موقع فراہم کیا گیا وہ کسی مروجہ قانون کو غیر اسلامی ہونے کی بناء پر چیلنج کر کے اسے بدلوا سکیں۔ علماء اور نفاذ اسلام کا مطالبہ کرنے والے حلقوں کا یہ مطالبہ سالہا سال سے چلا آتا تھا کہ دستور کی مذکورہ بالا دفعہ کو مؤثر اور عدالت کے ذریعے قابل تنقید بنایا جائے اور اس ملک کے عوام کو یہ حق دیا جائے کہ وہ غیر اسلامی قوانین کو اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کر کے اسی طرح بدلوا سکیں جیسے بنیادی حقوق کے خلاف قوانین کو بدلوا سکتے ہیں۔ لیکن صدر مرحوم سے پہلے کسی حکومت نے مطالبے پر کان نہیں دھرے۔ یہ اعزاز سب سے پہلے صدر ضیاء الحق شہید کو حاصل ہوا ہے کہ انہوں نے غیر اسلامی قوانین کو عدلیہ میں چیلنج کرنے کا راستہ پیدا کیا اور اس غرض کیلئے وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ میں شریعت اپیلیٹ بنچ قائم کی۔

قرارداد مقاصد ۱۹۴۸ء میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اور دینی حلقوں کی کوشش سے منظور ہوئی تھی۔ لیکن پاکستان کے ہر دستور میں وہ ایک غیر مؤثر دیباچے کے طور پر شامل کی گئی۔ یہاں تک کہ اعلیٰ عدالتوں نے یہ فیصلے دیئے کہ محض ایک دیباچہ ہونے کی بنا پر اس کی کوئی لازمی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ صدر مرحوم کے دور میں پہلی بار اس قرارداد مقاصد کو آئین کا مؤثر حصہ بنایا گیا۔

یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ شہید مرحوم نے ملک میں نماز کے اہتمام کیلئے یادگار خدمات انجام دی ہیں۔ ان سے پہلے نمازی لوگوں کیلئے بھی اپنی دفتری مجبوریوں کے تحت نماز کے وقت نماز باجماعت ادا کرنا سخت دشوار تھا۔ صدر مرحوم کے احکام کے تحت تمام سرکاری دفتروں میں نماز باجماعت کا موثر انتظام ہوا اور اب شاید کوئی سرکاری دفتر ایسا نہیں ہے جہاں دفتری اوقات میں نماز باجماعت کا انتظام نہ ہو۔ اسلام آباد سیکریٹریٹ میں اگر دن کے ایک بجے سے ڈیڑھ بجے تک جا کر دیکھیں تو واقعۃً ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ یہ مسلمان ملک کا سیکریٹریٹ ہے۔ تقریباً ہر عمارت اور ہر بلاک میں نماز باجماعت کے روح

پرور مناظر نظر آتے ہیں۔ اس اہتمام کے نتیجے میں لوگوں کو نماز کی ترغیب ہوئی ہے، اور نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ بہت سی جگہوں پر نماز کے متصل بعد چند منٹ کے وقفے میں کوئی حدیث سنانے کا بھی معمول ہے، جس کی افادیت ظاہر ہے۔

سرکاری دفاتر کے علاوہ سرکاری تقریبوں اور اجتماعات کے نظام الاوقات میں نماز کی رعایت بھی اسی دور میں شروع ہوئی ورنہ پہلے کسی سرکاری اجتماع میں جانے کا مطلب یہ تھا کہ انسان یا تو نماز سے ہاتھ دھوئے، ورنہ اس فریضے کی ادائیگی کیلئے سخت مشکلات کا شکار ہو۔ ملک بھر کے تمام ہوائی اڈوں، ریلوے اسٹیشنوں اور دوسرے عوامی مقامات پر بھی نماز اور وضو کے عمدہ انتظامات بھی اسی زمانے میں ہوئے، جنہوں نے نماز کی اہمیت کی عام فضا پیدا کی ہے اور اس میں صدر مرحوم ہی کی ذاتی دلچسپی کو دخل ہے۔

اس اہتمام کا یہ نتیجہ میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بہت سے وہ سرکاری افسران جو پہلے نماز نہیں پڑھتے تھے، رفتہ رفتہ نماز کے عادی بن گئے اور نماز ان کی زندگی کا لازمی حصہ ہوگئی۔

خاص طور فوج کے ماحول میں اس زمانے میں بہت نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ جس کی گواہی احقر کے سامنے سے بہت فوجی افسروں نے دی۔ ان میں سے ایک صاحب کے الفاظ یہ تھے کہ میں ۱۹۵۷ء سے فوج میں ہوں، پہلے عالم یہ تھا کہ جنگی مشقوں کے دوران اگر ہمارے چودہ افسر ہوتے تو ان میں سے تیرہ تو یقیناً ورنہ چودہ کے چودہ شراب نوشی کے عادی ہوتے تھے اور اب بفضلہٖ تعالیٰ یہ حال ہے کہ چودہ میں سے کم از کم بارہ افراد نماز کے عادی ہوتے ہیں۔

صدر مرحوم سے پہلے رمضان کے مہینے میں کھانے پینے کی تمام دکانیں، ہوٹل کھلے ہوتے تھے بلکہ ان میں کھانے پینے والوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی، صرف ایک آدھا تہائی پردہ ''احترام رمضان'' کی علامت کے طور پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ صدر مرحوم نے پہلی بار یہ حکم جاری کیا کہ رمضان میں دن کے وقت ہوٹل، ریستوران اور کھانے پینے کی تمام دکانیں بالکلیہ بند رہیں گی۔ چنانچہ گیارہ سال سے اس پر عمل ہو رہا ہے اور اب محسوس ہونے لگا ہے کہ رمضان کا مہینہ کسی اسلامی ملک میں آیا ہے۔

ملک میں سرکاری طور پر زکوٰۃ کی وصولیابی اور تقسیم کا انتظام بھی پہلی بار صدر مرحوم ہی

کے دور میں شروع ہوا۔ اگرچہ اس کی وصولیابی اور تقسیم دونوں کے طریق کار میں بہت سے
نقائص ہیں جن کی وجہ سے اس اقدام کے اثرات قوم پر نمایاں نہیں ہوئے، زکوٰۃ کی تقسیم کے
بارے میں بالخصوص خورد برد کی اطلاعات بھی ملتی رہتی ہیں لیکن جس معاشرے میں ہم جی
رہے ہیں، اس کی خرابیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جتنی خورد برد کا اندیشہ تھا، شاید عملاً اتنی خورد برد
نہیں ہوئی۔ زکوٰۃ کی رقم کو سرکاری خزانے سے بالکل علیحدہ رکھنے اور سرکاری ملازمین کے
بجائے عوام سے زکوٰۃ کی تقسیم کا کام لینے سے اس سلسلے میں کافی مدد ملی ہے۔ بہر صورت!
اس نظام کے تمام موجودہ نقائص کے باوجود اسلام کے ایک اہم رکن کو عملاً قائم کرنے کا
آغاز ضرور ہو گیا ہے اب اسے مؤثر مستحکم اور مفید بنانے کی ضرورت ہے۔

صدر مرحوم ہی نے تمام سرکاری ملازمین کو قومی لباس پہننے کا پابند بنا کر ملک کو انگریزی
لباس سے نجات دلائی۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں ہر چھوٹا بڑا افسر انگریزی لباس کا خوگر
تھا اسی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا اور اس کے حق میں دلائل دینے کیلئے ہر وقت تیار تھا، یہ
تبدیلی لانا بھی شہید مرحوم کے اہم کارناموں میں سے ہے۔ جس کے نتیجے میں پہلے سرکاری
دفتروں اور سرکاری تقریبات سے انگریزی معاشرت کا یہ نشان ختم ہوا، اس کے بعد رفتہ رفتہ
اس کا اثر عام قومی زندگی پر بھی پڑا، اور اب شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ ملک میں انگریزی لباس
پہننے والے اقلیت میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ لباس کے مسئلے کو کوئی شخص خواہ کتنا غیر اہم قرار
دینے کی کوشش کرے لیکن زندگی پر اس کے نفسیاتی اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

تعلیم کے نصاب و نظام میں بھی اس دور میں خاصی تبدیلی آئی۔ تقریباً ہر مضمون کیلئے
نصابی کتابوں کی تدوین میں اسلامی افکار کو مدنظر رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اسلامیات کو تعلیم
کے ہر مرحلے میں لازمی قرار دیا گیا۔ اعلیٰ سول اور فوجی افسران کے تربیتی کورسوں میں بھی
اسلامیات کو ایک لازمی مادے کے طور پر شامل کیا گیا۔ ججوں اور تفتیشی افسران کو شریعت
سے روشناس کرانے کیلئے ریفریشر کورسز جاری کئے گئے۔ اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی
یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا جس کا معیار تعلیم اسلامی علوم کے لحاظ سے ملک کی تمام سرکاری
یونیورسٹیوں سے کہیں زیادہ بلند ہے اور جہاں سے اسلامی قانون کے شعبے میں بعض بہت

اچھے اور قابل طلبہ فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔

اسلامی علوم کی تدریس میں ملک کے دینی مدارس کا معیار تعلیم ہمیشہ یقیناً ملک کی ہر یونیورسٹی کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار سے کہیں زیادہ رہا ہے۔ سرکاری یونیورسٹیوں سے اسلامیات میں ایم اے یا پی ایچ ڈی کرنے والے علم دین میں دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اس کے باوجود سرکاری حلقوں میں دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اس کے باوجود سرکاری حلقوں میں دینی مدارس کی سند کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جن سرکاری مناصب پر علماء کی ضرورت تھی، وہاں بھی دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کے پہنچنے کا قانوناً کوئی راستہ نہ تھا۔ صدر مرحوم نے اپنی ذاتی دلچسپی سے سرکاری طور پر دینی مدارس کی سند کو ایم اے کے مساوی قرار دیکر تعلیمی اداروں اور دیگر سرکاری مناصب کو علماء کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا۔

ملک میں غیر سودی بینکاری کے نام سے جو طریق کار رائج ہوا۔ ان تمام خرابیوں اور خامیوں کے باوصف صدر مرحوم کا یہ کارنامہ بلاشبہ قابل قدر ہے کہ اصولی طور پر بینکاری کے نظام کو سود سے پاک کرنا سرکاری طور پر طے کر دیا گیا اور وہ بحث ختم کر دی گئی جس میں بینکوں کے سود کی حرمت ہی کو مشکوک بنانے کی سعی کی جارہی تھی، اب بحث یہ نہیں ہے کہ بینکوں کے نظام میں تبدیلی لائی جائے یا نہیں؟ اب بحث یہ ہے کہ تبدیلی کس طرح لائی جائے اور اب صدر مرحوم نے شہادت سے کچھ ہی دنوں پہلے بینکاری کے ذمہ داروں کو بلا کر واضح لفظوں میں موجودہ طریق کار پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا تھا اور انہیں تاکید کی تھی کہ وہ جلد از جلد اس طریق کار کو بدل کر شریعت کے مطابق بنائیں شریعت آرڈیننس کے نفاذ کے بعد اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔

ذرائع ابلاغ کے طرز عمل اور ان کے ذریعے بے حیائی کے فروغ پر ہم سب کی طرف سے بڑی جائز تنقید ہوتی رہی ہے اور واقعہ یہی ہے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ کا طریق کار کسی بھی طرح ایک اسلامی ملک کے شایان شان نہیں ہے لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ ۱۹۷۷ء سے پہلے ذرائع ابلاغ جس برق رفتاری سے فحاشی و عریانی کی طرف جارہے تھے۔ صدر مرحوم کے زمانے میں اس کو کچھ نہ کچھ بریک ضرور لگا ہے۔ اگر ۱۹۷۷ء سے پہلے کے

اخبارات ورسائل اور ریڈیوٹی وی کے پروگراموں کا موازنہ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد سے کیا جائے تو یہ فرق محسوس کیا جاسکتا ہے۔

ہمارا ملک ہر دور میں مرزائیت کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے مجروح رہا ہے' ان سرگرمیوں پر جس قدر کاری وار صدر ضیاء الحق شہید مرحوم کے زمانے میں کیا گیا' اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

جہاد افغانستان کے معاملے میں صدر مرحوم کے کارنامے کسی تشریح کے محتاج نہیں ہیں۔ افغان مہاجرین کی امداد اور مجاہدین کی پشت پناہی سے ان کا مقصد اپنے ستم رسیدہ مسلمان بھائیوں کی امداد تو تھا ہی اس کے علاوہ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اس طرح افغانستان میں ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم ہو جو اس علاقے میں احیاء اسلام کی تحریک کو سہارا دے جس کے نتیجے میں پاکستان اور افغانستان پوری ہم آہنگی کے ساتھ نفاذ اسلام کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ انہوں نے یہ پالیسی جس کامیابی سے چلائی اس نے پوری دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا۔ یہاں تک کہ روس جیسی طاقت کو اس علاقے سے پسپا ہونا پڑا۔

یہ صدر مرحوم کے دور کے چند وہ موٹے موٹے کام ہیں جن کی بنا پر میں یہ کہنا بدترین ناانصافی سمجھتا ہوں کہ ان کے دور میں اسلام کیلئے کوئی کام نہیں ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ نفاذ اسلام کے مشن کو ادھورا چھوڑ گئے۔ ابھی اس سمت میں بہت سے جرأت مندانہ اقدامات کی ضرورت تھی اور جو اقدامات ہوئے تھے' ان کو موثر و مستحکم بنانے کیلئے بہت کچھ کرنا باقی تھا لیکن ان کے مندرجہ بالا اقدامات نے اس ملک کو پہلی بار صحیح رخ دیا اور نفاذ اسلام کے مشن کیلئے بڑی حد تک راہ ہموار کی۔ اگر آئندہ اللہ کے کسی بندے کو اس مقصد کو آگے بڑھانے کی توفیق ہوگی تو وہ محسوس کرے گا کہ اس راہ کے کتنے کانٹے صدر مرحوم چن گئے ہیں آج سیاسی چشمک کی فضا میں خواہ کچھ کہا جائے لیکن جب کبھی معاصرت کا گرد وغبار چھٹے گا اور اسلام کا درد رکھنے والے کسی مورخ کو غیر جانب داری کے ساتھ ملکی حالات کے تجزیہ کا موقع ملے گا تو وہ ان تمام کاموں کو شہید مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے درخشاں کارناموں میں شمار کئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

وہ صوم وصلوٰۃ کی پابندی میں بلاشبہ قابل رشک تھے۔ صرف پنجگانہ نمازوں ہی کے نہیں' تہجد کے بھی پابند تھے' پنجگانہ نمازیں بھی بالعموم جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتے تھے یہ منظر تو میرے علاوہ نہ جانے کتنوں نے دیکھا ہے کہ میٹنگ کے دوران پیچیدہ مسائل پر خواہ کتنے زوروشور سے بحث جاری ہو' مرحوم کی نگاہ گھڑی پر رہتی اور جہاں نماز کا وقت ہوتا' کام کو وہیں چھوڑ کر اٹھ جاتے اور اپنے دفتر ہی کے احاطے میں بنی ہوئی مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے تھے' ایک مرتبہ ایک ایسی ہی میٹنگ کے دوران مجھے وضو میں کچھ دیر ہو گئی' جب میں مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ نماز کھڑی ہو چکی ہے اور خود صدر مرحوم نماز پڑھا رہے ہیں بعد میں معلوم ہوا کہ امام صاحب اس وقت موجود نہیں تھے۔ اس لئے لوگوں نے مرحوم ہی کو آگے کر دیا۔

تلاوت قرآن کریم کا بھی معمول تھا۔ یہاں تک کہ قرآن کریم ان کے آخری سفر میں بھی ساتھ تھا جو صرف چند گھنٹوں کا سفر تھا۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ کی تفسیر معارف القرآن ان کے ڈرائنگ روم میں نمایاں رکھی نظر آتی تھی ایک دن مجھ سے اس تفسیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ کتاب ایک بہت بڑا خزانہ ہے اور جب مجھے قرآن کریم کی کوئی بات سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس سے استفادہ کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ بھی دینی کتب کے مطالعے کا معمول تھا اور آخر وقت میں بھی مرحوم کے بریف کیس سے جو اشیاء برآمد ہوئیں ان میں ایک قرآن کریم کا نسخہ اور دو کتابیں شامل تھیں' ان دو کتابوں میں سے ایک اصلاح المسلمین اور ایک تصوف کے موضوع کی کتاب تھی۔

تقریباً دو ماہ پہلے کی بات ہے' ایک سفر کے دوران جہاز میں کسٹم کے ایک ڈائریکٹر میرے ہم سفر ہو گئے' گفتگو کے دوران وہ اپنی کچھ مشکلات بیان کرنے لگے کہ ہم اگر اونچے سرکاری افسران یا ارکان پارلیمنٹ کا سامان کبھی کھول کر چیک کر لیں تو ہماری شامت آجاتی ہے حالانکہ صدر مملکت کے سوا ہمیں قانوناً ہر شخص کے سامان کی چیکنگ کا اختیار حاصل ہے۔ البتہ ملک میں ایک شخص ہے جو غیر ملکی سفر سے واپسی پر اپنے سامان کی چابیاں کسٹم آفیسر کے حوالے کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے اور وہ ہے صدر ضیاء الحق' وہ چیکنگ سے مستثنیٰ ہونے کے باوجود کہہ دیتا ہے کہ اگر کوئی سامان ڈیوٹی کے لائق ہو تو میرے اے ڈی سی سے وصول کر لینا

اور ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ہم سفروں کے سامان کی چیکنگ کی بھی ہدایت کردی تھی تو اس روز تقریباً دس بارہ عدد ایسے تھے جن کو کسی نے اپنی ملکیت تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

مرحوم نے اگرچہ ٹیلی فون کے ذریعے گفتگو اور شخصی طور پر ملاقات کے ایسے مواقع فراہم کررکھے تھے جو طویل رسمی طریق کار سے مبرا تھے، لیکن میں نے ان کو شدید ذہنی ضرورت کے سوا کبھی استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ ان سے شخصی ملاقاتیں بہت زیادہ نہیں ہوئیں، ان کے ساتھ جو حالات وواقعات گزرے، ان سب کی تفصیل اور ان پر تبصرہ اس وقت مقصود نہیں، اس وقت اجمالی طور پر ان کے محاسن اور اپنے ان جذبات کا اظہار مقصود تھا جو ان کی زندگی میں کبھی ذکر کرنے کا موقع نہیں ملا۔

ان سے میری آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب انہوں نے شریعت آرڈی نینس کے سلسلے میں مشورے کیلئے اسلام آباد آنے کی دعوت دی، اس موقع پر دو دن تقریباً پورے کے پورے ان کے ساتھ آرڈی نینس کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو میں گزرے۔ اگرچہ بے شمار اندرونی اور بیرونی مسائل کی وجہ سے ان پر اس زمانے میں کام کا بہت دباؤ تھا، لیکن وہ حسب معمول صبح نو سے شام تک پوری یکسوئی کے ساتھ شریعت آرڈی نینس پر بحث میں مصروف رہے۔ بحث کی تکمیل کے بعد دوسرے حضرات آرڈی نینس کی تبییض کے انتظار میں ایک دن مزید رکے، لیکن میں بعض مصروفیات کی بنا پر دو روز بعد صدر صاحب سے اجازت لے کر چلا آیا۔ چلتے وقت حسب معمول وہ دروازے تک پہنچانے کیلئے آئے، شریعت آرڈینس کے بعد بعض دوسرے امور کیلئے بھی مختصر مشورہ کیا اور فرمایا کہ میں ان معاملات کو بھی آخری شکل دینا چاہتا ہوں اور اس کیلئے آپ کو پھر زحمت دینا چاہوں گا۔ میں نے حامی بھرلی، لیکن کسے معلوم تھا کہ یہ ان کے ساتھ آخری ملاقات ہے اور اب اسلام آباد آنے کی زحمت وہ کسی اور عنوان سے دینے والے ہیں۔

۳ محرم ۱۷ اگست کو مغرب کے بعد میں گھر آیا تو میرے بھتیجے مولوی زبیر اشرف سلمہ نے بتایا کہ "ناظم آباد سے ایک خاتون کا فون آیا تھا وہ روتی ہوئی یہ خبر دے رہی تھیں کہ صدر ضیاء الحق صاحب کسی طیارے کے حادثے میں شہید ہوگئے ہیں۔ دل پر ایک دھکا سا لگا

لیکن اس قسم کی خبریں پہلے بھی کئی مرتبہ اڑ چکی تھیں۔ خبر کا ذریعہ بھی کچھ مصدقہ نہ تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خبر کی تردید کی کوشش کی۔ مگر زبیر میاں نے کہا میں نے جنگ کے دفتر میں فون کیا تھا۔ انہوں نے بتلایا کہ ہمارے پاس بھی اس قسم کی اطلاعات آئی ہیں۔ مگر ہم ابھی تصدیق کررہے ہیں۔ پانچ دس منٹ بعد ریڈیو کی خبریں ہونے والی تھیں' آٹھ بجے ریڈیو کھولا تو پہلی ہی خبر دل چیرتی چلی گئی۔ ''اناللہ وانا الیہ راجعون''۔

صدر مرحوم کی شہادت پر ملک کی تاریخ کا ایک دور ختم ہو گیا۔ اب ملک اور اس کے عوام کیلئے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ مرحوم نے ملک میں نفاذ اسلام کی حرکت کو جس منزل تک بھی پہنچایا تھا' قوم اس کے تحفظ و بقاء اور اس کو آگے بڑھانے کیلئے کیا کرتی ہے؟ مغربی جمہوریت کے راستے سے نفاذ اسلام کی جدوجہد کرنے والوں کے خیال میں صدر مرحوم نفاذ اسلام کی راہ کا ایک کانٹا تھے۔ آج یہ کانٹا نکل گیا' اب ان کیلئے میدان صاف ہے' جن لوگوں کے خیال میں مرحوم نفاذ شریعت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے' اب یہ رکاوٹ دور ہو گئی اب ان تمام حضرات پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ زیادہ صحیح' زیادہ مکمل' زیادہ پائیدار طریقے سے ملک میں شریعت نافذ کریں اور کروائیں۔

اب تک سیاسی جماعتوں کی جدوجہد کا ایک ہی مرکزی نقطہ تھا اور وہ تھا ''صدر ضیاء کو ہٹانا'' اللہ نے خود ہی انہیں اس طرح ہٹا دیا کہ کسی جماعت کو ان کے ہٹنے کا کریڈٹ لینے کا موقع نہیں مل سکا۔ بہر حال! اب انہیں کوئی مثبت پروگرام پیش کر کے دکھانا ہوگا کہ ان کی جولانیوں کا میدان صرف نفی ہی نفی نہیں ہے۔

اسی طرح وہ لوگ جو صدر مرحوم کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ واقعتہ ان کا مشن نفاذ اسلام ہے اور اسی وجہ سے ان سے محبت رکھتے تھے' اب ان کا بھی یہی فریضہ ہے کہ وہ اس مشن کی تکمیل اور اس کو آگے بڑھانے کی فکر کریں اور اس جدوجہد کیلئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں۔ اس طرح دونوں قسم کے لوگوں پر اس وقت بہت بھاری ذمہ داری عائد ہو گئی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کے بغیر عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں۔ (نقوش رفتگاں)

مولانا محمد مجاہد کی شہادت رحمہ اللہ

دہشت گردی کے عفریت نے پچھلے چند سالوں میں جو قیمتی جانیں لی ہیں۔ان کی صحیح تعداد بھی متعین کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ ملک وملت کے نہ جانے کتنے عظیم سرمائے اس شرمناک درندگی کا شکار ہوئے، کتنے گھرانوں کے روشن چراغ گل ہوئے کتنے بچوں کے سر سے باپ کا سایہ اٹھا، کتنی خواتین اپنے شوہروں سے محروم ہوکر بے آسرا ہوگئیں اور ان حادثات کا سلسلہ ہے کہ کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آرہا۔

ابھی ایک تازہ حادثہ فیصل آباد میں پیش آیا، جہاں آسمان علم وفضل کے ابھرتے ہوئے ستارے، مولانا مفتی محمد مجاہد صاحب اوران کے شاگرد رشید مولانا محمد شاہ کو بربریت کا نشانہ بنا کر انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا گیااور ان کے ساتھ ایک گمنام رکشہ ڈرائیور بھی انسانیت دشمنی کی بھینٹ چڑھ گیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جولوگ مفتی محمد مجاہدؒ ان کے والد گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نذیر احمد صاحب مدظلہم اور فیصل آباد میں ان کی قائم کردہ باوقار اور معیاری دینی درسگاہ جامعہ امدادیہ سے واقف ہیں، انہیں کبھی اس حقیقت میں ایک فیصد بھی شک نہیں ہوسکتا کہ یہ حضرات ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں اور فرقہ واریت سے کوسوں دور انتہائی خاموشی کے ساتھ دین اور علم دین کی خدمات انجام دے رہے تھے۔کسی قسم کی فرقہ وارانہ عصبیت سے ان کے ادنیٰ تعلق کا تو سوال ہی کیا تھا؟ ان کی پوری زندگی فرقہ واریت کے خلاف دین کی بنیادی تعلیمات کے فروغ کیلئے وقف تھی اور وہ کبھی کسی لمحے کسی سے ذاتی، گروہی، جماعتی یا مسلکی عداوت میں ملوث نہیں ہوئے۔لیکن دہشت گردی کے جنون نے ایسے مرنجان ومرنج حضرات کو بھی اپنی آدم خوری سے محفوظ نہیں رکھا، اور ملک وملت کو ایسے جواں سال عالموں سے محروم کر دیا جو مستقبل کے افق پر امید کے روشن چراغ تھے۔جن کی صلاحیتوں کے تصور سے اپنے عہد کے افلاس اور قحط الرجال کے احساس میں کمی آتی تھی۔اور جن کے بارے میں ظالم قاتلوں کو یہ معلوم نہیں کہ

انہیں اپنی درندگی کا نشانہ بنا کر انہوں نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماردی ہے۔

مولانا مفتی محمد مجاہدؒ کی عمر کل بتیس سال تھی۔ وہ ۵ ستمبر ۱۹۶۵ء کو پیدا ہوئے تھے ان کے والد گرامی قدر حضرت مولانا نذیر احمد صاحب ان صحیح الفکر اور اعتدال پسند علماء دین میں سے ہیں جنہوں نے ہمیشہ نام ونمود سے بے نیاز رہ کر خاموشی اور اخلاص کے ساتھ ملک وملت کی خدمت کی ہے، وہ تحریک پاکستان کے بھی ایک گمنام سپاہی رہے ہیں ان کی تعلیمی اور تبلیغی خدمات کا اثر یہ ہے کہ فیصل آباد کے پڑھے لکھے حلقوں میں ان کا نام احترام ہی سے نہیں، محبت سے لیا جاتا ہے اور ملک کے تمام علمی حلقے، بلالحاظ مسلک ومشرب، ان کی عزت کرتے ہیں۔ ان کے گھر میں ۵ ستمبر ۱۹۶۵ء کو لڑکا پیدا ہوا تو اگلے ہی دن ہندوستان نے لاہور پر حملہ کر دیا، اور ۱۹۶۵ء کی جنگ چھڑ گئی۔ مولانا نے اپنے نوزائیدہ بیٹے کا نام اسی مناسبت سے فال نیک کے طور پر ''محمد مجاہد'' رکھا۔ یہ نوزائیدہ مجاہد ان کی آغوش تربیت میں علم حاصل کرتا رہا۔ اس نے قرآن کریم حفظ کیا پھر اسلامی علوم کی تکمیل کی اس کے بعد ہمارے دارالعلوم کراچی میں تین سال درجہ تخصص کے ذریعہ فتویٰ کی تربیت حاصل کی اور اپنے تمام اساتذہ کا منظور نظر بنا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے والد گرامی کے قائم کردہ ادارے ''جامعہ امدادیہ'' میں تعلیم وتدریس کی خدمات انجام دینی شروع کیں اور اپنی کمسنی کے باوجود اس ادارے کے ذریعہ افراد سازی کی گرانقدر خدمت اس انداز سے انجام دینی شروع کی کہ ان کے ہم عصروں میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ نوعمری ہی میں تدریس کے مراحل طے کرتے ہوئے۔ مولانا مجاہدؒ وہاں کے مقبول ترین اساتذہ حدیث میں شمار ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے فتویٰ نویسی کا سلسلہ بھی محنت اور تحقیق کے ساتھ جاری رکھا، یہاں تک کہ ان کے پاس صرف عام مسلمانوں کی طرف سے نہیں دوسرے اہل علم کی طرف سے بھی سوالات آتے، اور وہ پوری تحقیق کے ساتھ ان کا جواب دیتے تھے۔

تدریس اور فتویٰ کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی ان کو شغف تھا۔ ان کی متعدد تحریریں ملک کے مقتدر علمی رسالوں میں شائع ہوتی تھیں، لاہور کے ماہنامہ ''الحسن'' میں وہ مستقل دینی سوالات کا جواب دیتے تھے، جنہیں شوق اور دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ بھی وہ عصری موضوعات پر علمی مضامین لکھتے رہتے تھے۔ (حیات وخدمات)

مولانا حافظ محمد حسن صاحب شہید رحمہ اللہ

۱۶/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۷ھ، ۱۵ جنوری ۱۹۸۷ء کو اس خبر نے دل و دماغ کو ہلا دیا کہ ملتان کے معمر بزرگ خطیب حضرت مولانا حافظ محمد حسن صاحبؒ کو خنجر مار کر شدید زخمی کر دیا گیا اور اسی دن عصر کے وقت وہ ہسپتال میں چند گھنٹے گزار کر خالق حقیقی کو جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کسی بے قصور کا قتل خود اتنا بڑا جرم ہے کہ قرآن نے اسے پوری انسانیت کے قتل کے برابر قرار دیا ہے اس سے بڑھ کر اس کی مذمت اور قباحت کیا ہو سکتی ہے۔

مولانا مرحوم ایک مرنجاں مرنج، ہر دلعزیز مخلص عالم دین تھے جو نہایت خاموشی سے جامع مسجد چوک شہیداں ملتان میں ۵۰ سال سے خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے قتل کے دن صبح کو اشراک کے نوافل کے بعد مرحوم مسجد میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے کہ ایک شقی القلب نے آپ پر خنجر سے وار کر کے شدید مجروح کر دیا اور اسی زخم سے اسی دن مرحوم، اللہ کو پیارے ہو گئے اس حادثہ پر پورے ملتان میں غم و غصہ کا شدید اظہار کیا گیا۔ علماء، طلباء اور دیندار مسلمانوں نے جلوس کی شکل میں اس بے قصور عالم دین کے اندوہناک حادثہ پر احتجاج کیا...... دو مہینوں میں علماء دین کے قتل کا یہ دوسرا سانحہ ہے، مگر حکومت نے اس راز سے کوئی پردہ نہیں اٹھایا کہ اس کے پیچھے کن کا ہاتھ ہے؟ اس سے پہلے بازاروں، سیرگاہوں، گلیوں اور محلوں میں قتل کے واقعات سننے میں آتے تھے، اب خدا کے گھر بھی محفوظ نہیں رہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ ...... مولانا مرحوم کا پورا گھرانہ اور ان کے صاحبزادے مولوی حافظ محمود الحسن ہماری دلی تعزیت کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس حادثہ فاجعہ پر صبر کرنے کا اجر جزیل عطا فرماویں (آمین)۔

حضرت پیر جی عبدالعلیم رائے پوری رحمہ اللہ کی مظلومانہ شہادت

۱۵/ جنوری ۱۹۹۵ء کی شام کو چند سفاک ظالموں نے فائرنگ کر کے حضرت مولانا پیر جی عبدالعلیم رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کر دیا۔ جب کہ وہ اپنے مکان کے باہر ایک مہمان کو رخصت کر رہے تھے۔ یہ اندوہناک خبر پورے ملک میں غم و افسوس کے ساتھ سنی گئی۔ پیر جی شہیدؒ جامعہ خیر المدارس ملتان کے فاضل تھے اور رائے پوری خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ حضرت الشیخ حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری خلیفہ اجل قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے پوتے تھے آپ کے والد ماجد حضرت مولانا پیر جی عبداللطیف رائے پوریؒ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ ہندوستان و پاکستان میں یہ خاندان بڑے تقدس و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ شہید مرحوم کے تایا حضرت اقدس مولانا عبدالعزیز رائے پوری چک نمبر ۱۱ والے اور والد ماجد حضرت الشیخ پیر جی عبداللطیف رائے پوری رحمہ اللہ کے ہزاروں متوسلین و مریدین پاکستان میں موجود ہیں۔

ہم حضرت شہید مرحوم کی اہلیہ محترمہ اور ان کے برادران حافظ عبدالمجید صاحب، حضرت مولانا عبدالوحید، حضرت مولانا عبدالحکیم اور حضرت حافظ عبدالجلیل اور محترم بھائی عبدالقدیر، مولانا حافظ عبدالحفیظ مرحوم کے برادر نسبتی حضرت مولانا حافظ عبدالرشید صاحبان اور دیگر جملہ متوسلین، احباب اور متعلقین کی خدمت میں اس اندوہناک سانحہ پر تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

حضرت پیر جی شہیدؒ بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ شگفتہ طبیعت، ہنس مکھ، ملنسار دوست و دشمن کے غمخوار اور بڑے مہمان نواز تھے ان کی زندگی کے آخری سالوں میں بڑے نشیب و فراز آئے مگر کسی بھی موقع پر وہ غمگین اور افسردہ نہیں دیکھے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آخرت میں بھی ایسی خوشیوں بھری حیات ابدی نصیب فرمائیں۔ بَرَّدَ اللّٰہُ مَضْجَعَهٗ وَاَعلیٰ دَرَجَتَهٗ فِیْ الشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ۔

گذشتہ چند سالوں سے ملک وملت ایک ایسے مخصوص طبقہ کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں جو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے اور اپنے سیاسی اور فرقہ وارانہ جذبات کی تسکین کیلئے ملک وملت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا رہا ہے۔ ملک دولخت ہوتا ہے تو ہو جائے مگر ان کی ہوس اقتدار تشنہ نہ رہے۔ ملک وملت کے اجتماعی مفادات تباہ ہوتے ہیں تو ہو جائیں مگر ان کی انتقامی سیاست پروان چڑھتی رہے، یاد رہے اس قسم کے خطرناک جذبات رکھنے والوں نے ملت اسلامیہ اور اسلامی ممالک کو نقصان پہنچایا ہے۔ سالہا سال کی مستحکم اسلامی سلطنتیں اس گروہ کی بدولت صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ علقمی بد بخت نے محض اسی جذبہ انتقام کی تسکین کیلئے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجوا دی۔ بنظر انصاف دیکھا جائے تو شہید ہونے والوں میں کئی شخصیات ایسی ہیں جن کا سیاست، فرقہ بندی اور ہنگاموں سے کوئی تعلق نہیں تھا ان کا قصور صرف یہی تھا کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں اور دینی جماعتوں میں ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے آج تک کوئی ایسا مثبت قدم نہیں اٹھایا گیا جس کی وجہ سے یہ اطمینان کیا جاسکے کہ اختلافات کی یہ بھڑکنے والی آگ سرد ہو جائے گی۔ دن بدن شعلے بڑھتے جارہے ہیں۔ دائرہ پھیلتا جارہا ہے۔ اب حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ کسی بھی وقت خانہ جنگی ہوسکتی ہے جس کے نتیجہ میں ملک وملت دونوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ حکومت اگر ایسی اندھا دھند شرمناک قتل کی وارداتوں میں ملوث مجرموں کو سزا نہیں دے پاتی تو ظاہر ہے کہ مظلوم کے وارثوں کے انتقامی جذبات بھڑک اٹھیں گے اور وہ بھی ایسے اندھا دھند قتل جیسے جرم کا ارتکاب کریں گے اگر حکومت بھی یہی چاہتی ہے جیسے کہ اس کے موجودہ طرز عمل (جس میں کوئی قاتل گرفتار ہو کر کیفر کردار کو نہیں پہنچ رہا) سے ظاہر ہے تو یہ آگ قاتلوں کی سرپرستی کرنے والوں کے ایوانوں تک بھی پہنچ سکتی ہے ...... اور حکومت مخلصانہ طور پر ملک میں امن وامان چاہتی ہے تو قرآن حکیم کے دوٹوک فیصلے **ولکم فی القصاص حیوٰۃ** اور عربی کے مقولہ: **القتل انفی للقتل** کے تحت ایسے اقدامات کرنے ہوں گے جن کے تحت سفاک ودرندہ صفت قاتل اپنے انجام کو پہنچیں۔ یاد رہے کہ قرآن کے اس آزمودہ ومجرب اصول ونظریہ کے سوا کوئی ایسا متبادل فارمولا نہیں جو امن کی ضمانت دے سکے۔ دیکھیں حکومت اپنے عمل سے کیا ثبوت بہم پہنچاتی ہے؟ (شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ)

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہید رحمہ اللہ

ابھی روزنامہ ''اسلام'' کے اساسی رکن اور سینئر صحافی مولانا محمد ذاکر خان قصوری مرحوم کی ناگہانی جدائی کا صدمہ تازہ تھا کہ جلیل القدر عالم، جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی کے استاذ الحدیث اور روزنامہ ''اسلام'' کے مقبول کالم نگار حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن ؒ کی المناک شہادت نے قلب وجگر کو مزید مجروح کر دیا۔ مولانا کو ۲۳ جون ۲۰۰۵ء کی شب کو دہشتگردوں نے اس وقت نہایت بے دردی اور بربریت سے شہید کر دیا جب وہ برنس روڈ کراچی کے قریب جامع مسجد مدینہ میں درس قرآن دے کر گھر لوٹ رہے تھے۔ اس سانحہ میں مفتی صاحب ؒ کے قریبی دوست و معتقد ارشاد الحق بھی شدید زخمی ہوئے جو بعد ازاں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے جبکہ مولانا عتیق الرحمٰن کے ۹ سالہ صاحبزادے زخمی ہونے کے باعث تاحال زیر علاج ہیں۔

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کا یہ بہیمانہ قتل اس تسلسل کا حصہ ہے جس میں گزشتہ کئی سالوں سے علماء حق کو بطور خاص نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی ؒ، مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، مولانا مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا محمد اعظم طارق ؒ، مولانا مفتی محمد جمیل خان، مولانا ہاروان القاسمی اور مولانا انیس الرحمٰن درخواستی کے بعد اب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن اور برادر ارشاد الحق ؒ کا المناک سانحۂ قتل اس امر کا غماز ہے کہ پس پردہ قوتیں اسباب ووسائل اور منصوبہ بندی کے لحاظ سے انتہائی منظم اور طاقتور ہیں اور اپنے نیٹ ورک کے مطابق بے خوفی کے ساتھ علماء کرام اور ممتاز دینی شخصیات کو نشانہ بنانے میں مشغول ہیں۔ تعجب ہے کہ دہشت گردی کے روز افزوں سانحات اور ان کی شدت کے باوجود حکومتی سطح پر دہشت گردی کے خلاف کوئی سنجیدہ اور حقیقی کوشش نہیں کی جاتی۔ اب تک دہشت گردی کی بیسیوں وارداتوں میں سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں بے گناہ افراد مارے جا چکے ہیں مگر ہمارے حکمران سیاسی بیان بازی اور دہشت گردی کے خلاف نام نہاد مہم چلانے کے اعلان کے سوا کچھ نہیں کر سکے۔

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن رحمہ اللہ کی شہادت سے یہ اشارے بھی ملتے ہیں کہ ملک کی بعض قوتیں نہیں چاہتیں کہ دہشت گردی کا خاتمہ ہو اور ملک امن و امان کا گہوارہ بنے، اس لئے کہ مفتی صاحب نے حال ہی میں سنی شیعہ فسادات کے خاتمہ کیلئے بلائے گئے ایک سرکاری اجلاس میں انتہائی مدلل اور قابل عمل تجاویز پیش کی تھیں۔ اگر ان پر عمل ہو جاتا تو

عوام کو بدامنی اور فسادات سے نجات مل جاتی لیکن صد افسوس کہ فسادات کے خاتمے کا خواہشمند خود دہشت گردوں کا نشانہ بن گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کو شہید کرنے والے ملک میں فسادات کی آگ بجھانے کی بجائے تیز کرنا چاہتے ہیں۔ مفتی صاحب کا تعلق کسی مسلکی تنظیم سے نہیں تھا، وہ تعلیم و تدریس کی دنیا میں مگن اور مسجد و مدرسہ تک محدود تھے۔ سوال یہ ہے کہ جب ان جیسے گوشہ نشین، امن پسند، غیر جانبدار، متحمل و برد بار علمائے دین کی جانیں بھی محفوظ نہ ہوں گی تو ملک میں امن کیسے قائم ہوگا؟ حکومت عوام کے جان و مال کی حفاظت کا فرض کب ادا کرے گی؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفتی عتیق الرحمٰن اور ان کے عزیز دوست برادر ارشاد الحقؒ کو جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ہم سب کو دینِ حق کیلئے جدوجہد کرتے رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ (مسافران آخرت)

اقبال صدیقی کی شہادت

اقبال صدیقی نام ہے اس شخص کا جسے مولانا حق نواز شہید کے ابتدائی ساتھیوں میں سے ایک ہونے کا شرف حاصل تھا اور پہلے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری اور سپاہ صحابہؓ کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ جھنگ میں رہائش کے ساتھ ساتھ فیصل آباد میں کپڑے کا اچھا کاروبار تھا اور رہائش فیصل آباد میں تھی۔ جماعت کیلئے فنڈز مہیا کرنے میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ بڑے کھرے آدمی لگی لپٹی بات کرنے کے سخت مخالف۔ جس بات کو صحیح سمجھا مخاطب کے منہ پر کہدی، چاہے اسے اچھی لگے یا بری، جھنگ سے فیصل آباد جائیں اور ان کی میزبانی سے لطف اندوز نہ ہوں یہ ممکن نہیں تھا۔ جماعت کے شعبہ نشر و اشاعت میں دل کھول کر خرچ کرتے۔ یکم مئی ۱۹۹۷ء کو وزیر اعلیٰ پنجاب سے ملاقات میں وہ ہمارے ساتھ تھے۔ ایک روز چوہنگ میں ان کی شہادت کی خبر اس وقت پڑھی جب ان کی شہادت کے بعد جھنگ میں حالات خراب ہو گئے تھے کیونکہ چوہنگ میں اخبار کا روزانہ ملنا ممکن تھا۔ لیکن جیسے کہ میں لکھ چکا ہوں کہ کبھی کبھی کسی نہ کسی انداز میں اخبار مل جاتا تھا۔ اس خبر سے بہت ہی صدمہ ہوا لیکن ''قہر درویش بر جان درویش'' والی بات تھی۔ نہ کسی سے ایسے غم کا اظہار کر سکتا تھا اور نہ ہی کوئی زخمی دل پر مرہم رکھنے والا تھا۔ بس ایک ہی چارہ تھا کہ بارگاہ ایزدی میں ان شہداء ناموس صحابہؓ کے درجات کی بلندی کیلئے ہاتھ اٹھاتا رہوں۔ سو اس میں کمی نہیں آئی۔ (ایمان افروز واقعات)

شہدائے مسجد ''الخیر''

ع آسمان راحق بود گرخون ببارد برزمین

۲۳/ستمبر ۱۹۹۶ء کی صبح اہل ملتان کیلئے ''شام غریباں'' بن کر آئی۔ ممتاز آباد کی مسجد ''الخیر'' میں نماز فجر کے دوران نامعلوم دہشت گردوں نے اندھا دھند فائرنگ کر کے ۲۶ نمازیوں کو شہید اور ۴۰ کو شدید زخمی کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ممتاز آباد میں واقع مسجد ''الخیر'' مسلک اہل السنۃ والجماعت کی مرکزی جامع مسجد ہے، جس میں حفظ و ناظرہ، قرآن مجید اور درس نظامی کی تعلیم کا انتظام بھی ہے۔ اس مسجد کا سنگ بنیاد استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے رکھا تھا۔ جس میں حضرت والا کے ایک قریبی عزیز مولانا محمد اسحٰق صاحب خطیب تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا ایوب الرحمٰن صاحب خطابت کے فرائض انجام دیتے ہیں، جو اس سانحہ میں شدید زخمی ہوئے اور ابھی تک زیر علاج ہیں۔ اس مسجد میں عام طور پر نمازیوں کی کثیر تعداد شریک ہوتی ہے۔ ۲۳/ستمبر کو فجر کی نماز کا آغاز ہوا ہی تھا کہ عقبی دروازے سے تین مسلح افراد مسجد میں داخل ہوئے اور خدا کے حضور میں ہاتھ باندھے بے گناہ نمازیوں پر کلاشنکوف کا فائر کھول دیا پچھلی صف میں قرآن مجید حفظ کرنے والے معصوم طلبہ تھے، سب سے پہلے وہی گولیوں کا نشانہ بنے۔ بعد ازاں دوسرے نمازی گولیوں کی زد میں آئے یوں آناً فاناً ۲۶ نمازی جام شہادت نوش کر گئے۔ بعد ازاں مجرم کار میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔

اس سانحہ پر ہر شخص سوگوار اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔ مسجد ''الخیر'' عبادت گاہ نہیں، مقتل کا منظر پیش کر رہی تھی۔ شہداء کے لاشے، تڑپتے ہوئے زخمی گولیوں سے چھلنی، جسم، سفید ریشون نوجوانوں اور معصوم طلبہ کے خون ناحق سے رنگین صحن مسجد۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صبح اور عصر کے وقت فرشتے بنی نوع انسان کے اعمال کی فہرست بارگاہ خداوندی میں پیش کرتے ہیں۔ ۲۳/ستمبر کی صبح کو شاید فرشتوں نے بھی آنسوؤں سے وضو کر کے ان شہداء کی فہرست بارگاہ خداوندی میں پیش کی ہوگی جنہوں نے خدا کے حضور میں بحالت قیام امام کی زبان سے ایاک نعبد وایاک نستعین کہا اور فزنا ورب الکعبہ (خدا کی قسم ہم تو کامیاب ہو گئے) اللھم اغفرلھم وارحمھم وعافھم واعف عنھم واکرم نزلھم ووسع

مدخلهم وابدلهم دار اخیر امن دارهم واهلا خیر امن اهلهم۔(مسافران آخرت)

اپنوں کی سادگی اور غیروں کی عیاری

۱۴ اپریل ۲۰۰۲ء روزنامہ ''نوائے وقت'' کے صفحہ اول پر ایک بڑے چوکھٹے میں کچھ تصویروں کے تراشے ہیں۔ درمیان میں ایک سوال ہے اور اوپر چند سطری درد دل......... تصویری تراشوں میں کوئلوں کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر ہیں۔ مختلف جسامتوں اور مختلف شکلوں کے...... نیچے وضاحت موجود ہے کہ یہ احمد آباد کے مسلمانوں کی جلی ہوئی لاشیں ہیں۔ سوال یہ ہے ''کیا اب کوئی محمد بن قاسم پیدا نہیں ہو گا......؟'' درد دل یوں ہے کہ بھارتی فلمیں دیکھنے سے پہلے ان تصویروں کو بھی دیکھ لیا جائے۔ یہی تصویریں اور اس طرح کا تبصرہ ''روزنامہ اسلام'' ہفت روزہ ''ضرب مومن'' یا اور کسی مذہبی جریدے میں ہوتا تو اسے شدت پسندی یا مذہبی جنون قرار دے کر بڑی آسانی سے نظر انداز کیا جا سکتا تھا لیکن نوائے وقت ملک کے دو بڑے اخباروں میں سے ایک ہے۔ اس کے مالک مدیر اور کالم نگار کلین شیو ہیں۔ سوٹ بوٹ پہنتے اور نکٹائی لگاتے ہیں کسی طرف سے دیکھنے پر بھی ''بنیاد پرست'' ''مذہبی جنونی'' یا ''شدت پسند'' نظر نہیں آتے' لیکن بات وہی کہتے ہیں جس کا الزام جہادی تنظیموں' دینی مدرسوں' مولویوں' طالبان اور القاعدہ کو دیا جاتا ہے۔ لکھنے والوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ اکثر مسلمانوں کے دل کی آواز ہے۔

اخبار والوں نے دو باتیں لکھی ہیں جن میں ایک اختیاری اور دوسری غیر اختیاری ہے۔ ایک محض حسرت دوسری دلوں پر دستک۔ غیر اختیاری حسرت تو یہ ہے ''کیا مسلمانوں میں کوئی محمد بن قاسم نہیں ہے؟''...... میں سمجھتا ہوں کہ محمد بن قاسم تو موجود ہیں لیکن ان کی ٹانگیں کھینچنے اور پشت سے وار کرنے والے بہت زیادہ ہیں۔ سلیمان بن عبدالملک نے فاتح ہندوستان محمد بن قاسم کو زبردستی واپس بلا کر قتل کروا دیا تھا۔ یہاں بھی اپنے اقتدار اور مفاد کی خاطر ایسے کتنے محمد بن قاسموں کو امریکہ کے سامنے قربانی کا بکرا بنا دیا گیا ہے۔ محمد بن قاسم کے انجام کو دیکھتے ہوئے اب کوئی یہ نہیں چاہتا کہ اس کے گھر پیدا ہونیوالا بچہ محمد بن قاسم بن جائے۔ اپنی اولاد کے بارے میں ماں باپ کے منصوبوں میں ڈاکٹر' انجینئر' سول یا فوجی افسر کے سوا کچھ نہیں۔ کچھ سر پھرے ضرور ہیں جن کے دلوں میں ظالم بننے سے انتقام لینے کا سودا سمایا ہوا ہے مگر فی الحال تو ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔

دلوں پر دستک دیتی ہوئی اختیاری اپیل یہ ہے کہ انڈین فلمیں دیکھنے سے پہلے ان کوئلوں کی ڈھیریوں پر بھی نظر ڈال لی جائے جو لکڑی کی بجائے انسانی ہڈیوں سے بنائی گئی ہیں۔اس اپیل اور دستک کا پس منظر سمجھنے کے لئے اس اخبار میں ایک خبر اور بھی ہے کہ سگریٹ بنانے والی ایک یہودی کمپنی اپنے منافع کا اکیس فیصد اسرائیل کے جنگی اخراجات میں ادا کرتی ہے یہ حصہ ساٹھ کروڑ ڈالر سالانہ بنتا ہے۔یہ اس منافع کا حساب ہے جو صرف مسلمان ملکوں سے وصول ہوتا ہے بقیہ ۷۹ فیصد کا اندازہ بھی کرلیا جائے۔ ہر یہودی صنعتکار اسی طرح اپنے منافع کا ۲۱ فیصد اسرائیل کو ادا کرتا ہے۔مذکورہ نفع فقط ایک سگریٹ ساز کمپنی کا ہے۔اس کے علاوہ وہ مشروبات جن کے مالک یہودی ہیں اور جو مسلمان ممالک میں بے دریغ پیے جاتے ہیں ان کے نفع کا تخمینہ ہوش اڑانے کے لئے کافی ہے لیکن ان کے ہوش اڑانے کے لئے جن کے ہوش ٹھکانے ہیں۔ ہوش ٹھکانے رکھ کر ہی ہم اس بات کا تصور کر سکتے ہیں کہ فلسطینیوں پر برسنے والا ہر گولہ گرانے والا ہر میزائل اور ان کے سینوں اور سروں سے گزرنے والی ہر گولی ہمارے ہی خون پسینے سے کمائے ہوئے مال سے خریدی جاتی ہے۔حتیٰ کہ ان کے ٹینکوں اور طیاروں میں استعمال ہونے والا پٹرول بھی مسلمان ہی فراہم کرتے ہیں۔

چند سال پہلے ہندوستان کے وزیر دفاع سے کسی یورپین نامہ نگار نے پوچھا تھا کہ ہندوستان ایک غریب ملک ہے اس کے باوجود اس کی سات لاکھ فوج کشمیر میں تعینات ہے جو مسلسل حالت جنگ میں ہے آخر یہ جنگی اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں؟ جواب میں اس نے قہقہہ لگایا اور اپنا منہ مغربی نامہ نگار کے کان کے قریب کر کے کہا ”یہ اخراجات مسلمان ادا کرتے ہیں“...... ”وہ کیسے؟“...... اس نے حیرانی سے پوچھا...... ”وہ ایسے کہ ہندوستان کے محب وطن گلوکاروں اور فلمی اداکاروں نے مسلمان ملکوں (خصوصاً عرب امارات اور پاکستان) میں بکنے والی فلموں اور گانوں کی کیسٹوں کی رائلٹی دفاعی فنڈ میں دے رکھی ہے۔اس فنڈ سے کشمیر کے جنگی مصارف پورے ہو جاتے ہیں......“ جی ہاں! سنگینوں میں پروئے جانے والے بچے‘ گینگ ریپ کا شکار مسلمان عورتیں اور نوجوانوں کے تڑپتے لاشے ہماری ہی عیاشانہ اور مسرفانہ اخراجات کے مرہون منت ہیں۔

اب اس اختیاری اپیل پر غور فرمائیں جو یقیناً قابل عمل ہے‘ میرے آپ کے ہاتھ میں فوج یا حکومت نہیں‘ اسلحہ اور قوت نہیں۔ ہم اور آپ یعنی مسلمان عوام امریکا ہندوستان اور

اسرائیل سے ٹکرانے کی سکت نہیں رکھتے۔ تڑپتی لاشوں، سلگتے جسموں اور لٹتی عزتوں کو دیکھ کر ان طاقتور ظالم ہاتھوں کو نہیں روک سکتے ہم ان بلڈوزروں کے آگے نہیں لیٹ سکتے جو فلسطینی بستیوں اور کیمپوں کو مسمار کرنے کے لئے آگے بڑھتے ہیں ہم برستے راکٹوں گرتے بموں اور تباہی پھیلاتے میزائلوں کے آگے بند نہیں باندھ سکتے۔ ہم احمد آباد میں مسلمانوں کے خون سے جلتی آگ کو نہیں بجھا سکتے، ہم افغانستان میں ڈیزی کٹر اور تھرمو بیرک بموں کی ہلاکت خیزی کو روکنے پر قادر نہیں...... مگر...... اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اس ظلم میں شریک نہ ہوں۔ جسموں کو چیتھڑوں میں بدلنے والا اسلحہ ہمارے مال سے نہ خریدا جائے، مسلمان ماؤں اور بہنوں کی عزت لوٹنے والے ان وحشی درندوں کی تنخواہیں ہم اپنی جیب سے ادا نہ کریں۔ ان کے ٹینکوں اور طیاروں میں استعمال ہونے والا پٹرول ہمارے چشموں کا نہ ہو۔ احمد آباد میں جلتی آگ کو ہوا دینے میں ہمارا حصہ نہ ہو۔ جی ہاں!...... ایسا کرنا بہت آسان ہے اور ہمارے بس میں بھی اگر ہم پیپسی اور کوکا کولا کی بجائے اپنے ہاں کے بنے پھلوں کے جوس اور مشروبات استعمال کریں جو سستے بھی ہیں اور مزیدار بھی صحت بخش بھی ہیں اور خوشبودار بھی۔ روح افزا اور جام شیریں شربت بزوری اور تھادل اور اب تو مہران باٹلرز یا کولا والوں کا سبز سرخ اور کالا ہر طرح کا عمدہ اور معیاری مشروب بازار میں بآسانی ملتا ہے۔ یہ نہ ہو تو ستو لسی اور شکنجبین ورنہ ٹھنڈا پانی تھوڑی سی ہمت کر کے سگریٹ نوشی کی بدعادت پر قابو پالیں فلمیں دیکھے اور گانا سنے بغیر ہماری جان نکلتی ہو تو اس ذوق بد کی تسکین کے لئے بھارتی مسلمانوں کے قتل فنڈ میں حصہ ڈالنا کیا ضروری ہے؟ میکڈونلڈ اور کے ایف سی کے برگر اور بیمار گایوں کے بیف کی بجائے گھر کی روٹی یا ڈبل روٹی پر اکتفا کر لیں۔ ہمارے دلوں میں مسلمانوں کا درد اور اسلام کی غیرت ہو تو یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو محض حکمرانوں کو الزام دینا کافی نہیں وہ بھی ہماری طرح اغراض کے بندے ہیں ان کی اغراض بڑی ہیں اور ہماری چھوٹی۔ ہم اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کے بس میں تھا اڈے دینا لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنا اور معلومات کا تبادلہ وغیرہ وغیرہ۔ ہم ہر پیپسی پر پچاس پیسے ہر سگریٹ پر ایک پیسہ اسرائیل کو اور ہر وڈیو فلم پر تیس پیسے ہندوستان کو جنگی امداد فراہم کرتے ہیں خود ہی غور کر کے بتایئے ہم سب شریک جرم ہوئے یا نہیں؟ صرف حیثیت اور استطاعت کا فرق ہے اور حیثیت کے فرق سے جرم میں شرکت کی نفی نہیں تائید ہوتی ہے۔ ذرا سوچیں تو سہی کیا اس سنگین جرم کی تائید بھی ہماری دنیوی اور اخروی تباہی کے لئے کافی نہیں؟

شہدائے لال مسجد

سانحہ لال مسجد کے بارے میں ملک بھر کے دیندار کالم نگاروں کے قلبی وایمانی تاثرات۔

اگر ہم اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے جولائی کے پہلے ہفتے میں اسلام آباد میں ہونے والے لال مسجد کے سانحے کا تجزیہ کریں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے، کوئی غیر ملکی طاقت پاکستان کو ایک بار پھر 1971ء کی صورتحال تک لے آئی ہے۔ جس طرح 1971ء سے پہلے مشرقی پاکستان کے عوام پاکستان کا سب سے بڑا اثاثہ ہوتے تھے۔ بالکل اسی طرح آج کے پاکستان میں مذہب پسند طاقتیں، مدارس، مساجد، علمائے کرام اور طالب علم پاکستان کی اصلی طاقت ہیں۔

پاکستان کے تمام نام نہاد روشن خیال اور اعتدال پسند طبقات نے کسی نہ کسی وقت تحریک پاکستان کو گالی ضرور دی۔ ان میں بے شمار لوگ نظریہ پاکستان کے مخالف ہیں۔ پاکستان میں ایسی این جی اوز بھی کم نہیں جو پاکستان اور بھارت کے درمیان سرحدیں ختم کرنے کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں۔ پاکستان میں ایسے جعلی دانشوروں کی بھی کوئی کمی نہیں جو پاکستان کے وجود تک کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ طبقات ہر دور میں پاکستان کے ٹوٹنے کی پیشینگوئیاں کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی پاکستان کے خلاف روس کے ایجنٹ بن کر خدمات سرانجام دیتے رہے اور کبھی امریکا کے کاسہ لیس بن کر پاکستان کے عوام کو گمراہ کر رہے ہیں...... لیکن آپ پاکستان کی 60 سالہ تاریخ میں کوئی ایسا مدرسہ کوئی ایسی مسجد، کوئی ایسا طالب علم اور کوئی ایسا مذہبی رہنما نہیں بتا سکتے جس کی زبان سے پاکستانی فوج یا نظریہ پاکستان کے خلاف ایک لفظ بھی نکلا ہو۔ پاکستانی مسجدوں کو نظریہ پاکستان کا منبر کہا جاتا تھا اور علمائے کرام کو پاکستان کا محافظ سمجھا جاتا تھا۔ پاکستان کی سالمیت پر جب بھی کوئی برا وقت آیا تو یہی وہ لوگ ہوتے تھے جو سب سے پہلے فوج کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر بیرونی اور اندرونی

دشمنوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ پاکستان کی ہر جنگ کے دوران علمائے کرام نے مساجد کے لاؤڈ اسپیکر سے نہ صرف اذانیں دیں بلکہ انہوں نے لوگوں کو جہاد کی دعوت بھی دی۔

اگر دیکھا جائے تو مذہب پسند لوگ پاکستان کا سب سے بڑا اثاثہ تھا لیکن اگر پچھلے آٹھ سالوں کا تجزیہ کریں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ایسی طاقت اس معاشرے میں موجود تھی جو اسلام پسند عناصر فوج اور پاکستانی حکمرانوں کے درمیان نفرت اور غلط فہمیاں پھیلا رہی تھی اور ان غلط فہمیوں کا نتیجہ 10 جولائی کو ہوا تھا۔ اس آپریشن کے آغاز میں پاکستانی فوج کے چند دستوں نے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا گھیراؤ کرلیا۔ انہوں نے جامعہ حفصہ اور لال مسجد کی طرف جانیوالے تمام روڈ خاردار تاریں لگا کر بند کردیئے، مورچے بنا لیے۔ پوزیشنیں سنبھال لیں اور اس کے بعد اسلام آباد کے جی سکس سیکٹر میں کرفیو لگا دیا۔ یہ آپریشن جامعہ حفصہ کے طلبہ کے احتجاج سے شروع ہوا اور اختتام کو پہنچتے پہنچتے سینکڑوں بے گناہ جانوں کو نگل گیا۔ آغاز میں طلبہ کے احتجاج پر سکیورٹی فورسز کی جانب سے فائرنگ اور شیلنگ شروع ہوئی۔ رات گئے تک فائرنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ پہلے روز سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 13 طلبہ سمیت 4 سکیورٹی آفیسرز جاں بحق ہوئے۔ 3 جولائی منگل کو شروع ہونے والا فائرنگ کا یہ سلسلہ 10 جولائی تک وقفے وقفے سے جاری رہا اور بھاری اسلحے کا استعمال کیا جاتا رہا۔ 4 جولائی کی شام مولانا عبدالعزیز کو گرفتار کیا گیا۔ جس کے ساتھ سینکڑوں طلبہ نے سرنڈر کردیا۔ اس دوران مختلف اوقات میں جامعہ حفصہ کے طلبہ وطالبات کو سرنڈر کرنے کے اعلانات کیے جاتے رہے اور انہیں حکومت کی طرف سے معافی دینے کا اعلان بھی کیا جاتا رہا جس کے نتیجے میں 1300 طلبہ وطالبات نے سرنڈر کیا لیکن اس کے باوجود 1800 طلبہ وطالبات جامعہ حفصہ میں ڈٹ گئے جبکہ اس دوران مولانا عبدالرشید غازی سے بھی بار بار مطالبہ کیا جاتا رہا کہ وہ اپنے ساتھیوں اور طلبہ وطالبات سمیت سرنڈر کردیں لیکن غازی صاحب سرنڈر کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ بعدازاں 9 جولائی شام پانچ بجے حکومت کی طرف سے طلبہ وطالبات اور مسجد میں موجود طلبہ کو آخری وارننگ دی گئی کہ وہ اسلحہ پھینک کر باہر آجائیں لیکن اس کا خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ اس موقع پر

حکومت نے غازی صاحب سے مذاکرات کے لئے ایک وفد تشکیل دیا۔ وفد نے لال مسجد کے باہر سے میگا فون پر مولانا عبدالرشید غازی کو مذاکرات کی دعوت دی۔ دونوں فریقین کے درمیان فون پر مذاکرات جاری رہے۔ غازی صاحب اپنے ساتھیوں سمیت Safe Passage چاہتے تھے جبکہ حکومت انہیں سرنڈر کرنے پر مجبور کر رہی تھی چنانچہ مذاکرات کے دوران غازی صاحب کو Safe Passage دے دیا گیا لیکن ان کے ساتھیوں کو لے کر جانے کی شرائط نہیں مانی گئیں جس پر مذاکرات ڈیڈ لاک کا شکار ہو گئے۔ مذاکرات کی ناکامی کے بعد صبح 4 بجے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف فائنل آپریشن شروع کر دیا گیا۔ اس آپریشن سے پہلے وفد کی ان ملاقاتوں سے بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا یہ مسئلہ ختم ہو گیا اور حکومت کسی بھی وقت غازی صاحب کو اپنے ساتھیوں سمیت لال مسجد سے نکلنے کا موقع فراہم کر دے گی جس کے بعد یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا لیکن اچانک رات کو بڑا آپریشن شروع کر دیا گیا۔ اس آپریشن کے نتیجے میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مولانا عبدالرشید غازی سمیت 73 طلبہ و طالبات اور مجاہدین شہید اور 10 سکیورٹی اہلکار جاں بحق ہوئے جبکہ 1300 طلبہ و طالبات کو رہا کر دیا گیا۔

غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اس آپریشن کے دوران شہید ہونے والے لوگوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ آن لائن کے مطابق 300 طلبہ و طالبات شہید ہوئے جبکہ بعض ٹیلی ویژن نیٹ ورک شہید ہونے والوں کی تعداد 1500 سے 1800 تک بتاتے ہیں۔ بعض ذرائع صوبہ سرحد اور بلوچستان کے بعض ایسے سرد خانوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں جن میں حکومت نے 284 لاشیں محفوظ کیں جبکہ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ وفاقی دارالحکومت کی انتظامیہ نے H-11 کے قبرستان میں 50`50 گز لمبی اور چوڑی قبریں تیار کی ہیں اور ان قبروں میں لاشوں کی اجتماعی تدفین کی گئی۔ بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ''ہمک'' اور ''روات'' میں بھی اجتماعی قبریں کھودی گئی ہیں جن میں سے دو قبروں میں 70 سے زیادہ لاشیں دفن کی گئی ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے حکومت نے ایک ایک تابوت میں تین تین لاشیں بند کی تھیں۔

یہ آپریشن اور اس آپریشن کے بعد کی صورتحال پاکستانی عوام کے لئے انتہائی حساس

حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ایک بین الاقوامی سروے کے مطابق پاکستان کا کوئی ایسا شخص نہیں جس نے اس آپریشن کی حمایت کی ہو اور ان خبروں پر اس کا دل نہ دکھا ہو۔ 12 جولائی کو حکومت نے اڑھائی سو کے قریب اخبار نویسوں کو لال مسجد اور مدرسہ حفصہ کا دورہ کروایا۔ اس دورے کے دوران انتہائی خوفناک صورتحال سامنے آئی۔ دورے سے قبل مدرسہ اور مسجد کی تمام دیواروں اور فرش کو دھو دیا گیا تھا اور سینکڑوں لوگوں کے شہید ہونے کے باوجود خون کا ایک قطرہ بھی نہیں دکھائی دیتا تھا مگر لہو، بارود اور جلنے کی بو باقی تھی۔سکیورٹی فورسز کی جانب سے سرنگوں، بکتر بندوں اور تہہ خانوں کے دعوے خام خیالی ثابت ہوئے۔ مدرسہ غربت کی ایک تصویر پیش کر رہا تھا۔بچیوں کے پرانے کپڑے، پھٹے پرانے بستر، جوتیاں، کتابیں، اسکول بیگ، جیومیٹری بکس، ربڑ کی پنسلیں، کاپیاں اور ان پر تحریر چھوٹی چھوٹی تحریریں دل کو ہلا دینے والی تھیں۔ایک طالبہ کی پھٹی ہوئی ڈائری سے ایک ورق پر لکھا تھا'' چھوٹے بھائی کے لئے جوس اور ٹافیاں جبکہ اماں کے لئے تسبیح لے کر جانی ہے۔'' ایک کاپی پر لکھا تھا'' یا اللہ! ہمیں شہادت کی موت عطا فرما!

صحافیوں کو اس دوران ایک طالب علم کا خط بھی ملا جو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے لکھا تھا اس میں اس نے گھر والوں کو وصیت کی تھی'' میری شہادت پر میرا قرضہ چکا دینا۔ بھائی صالح نثار کے 50 روپے اور عبداللہ کے 30 روپے دینے ہیں۔ وہ انہیں لوٹا دینا اور دوست احباب سے کہنا وہ مجھے معاف کر دیں۔'' اس دوران صحافیوں نے اپنی آنکھوں سے مسجد کے بے شمار حصوں پر گولیوں اور مارٹر کے نشانات دیکھے۔مسجد کا گنبد شہید ہو چکا تھا جبکہ مسجد کی دیواروں پر لگے اسمائے ربانی گولیوں سے چھلنی ہو چکے تھے۔مسجد کے اندر قرآن مجید کے ایسے نسخے موجود تھے جو گولیوں کا نشانہ بنے۔مسجد کے فرش اور دیواروں کو دھونے کے باوجود خون کے دھبے موجود تھے جبکہ طالبات اور طلبہ کا ساز و سامان بھی ایک ایسی کہانی بیان کر رہا تھا جسے دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا تھا اور لوگوں کے لئے اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔

اسلام ایک ایسا رشتہ ہے جسے کوئی مسلمان مجروح ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔امریکا کے اس وقت 102 ادارے اسلام اور مسلمانوں پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ان اداروں کی

متفقہ رائے ہے کہ ایک مسلمان ہر چیز پر سمجھوتہ کرسکتا ہے لیکن وہ مذہب پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے کرام رحمہم اللہ ایسے مقدس رشتے ہیں جن پر کوئی مسلمان کسی کے سامنے پسپائی اختیار نہیں کرتا۔ راجپال سے لے کر سلمان رشدی تک مسلمانوں کے اس فلسفے کی عملی مثالیں ہیں لہٰذا اگر دیکھا جائے تو لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا سانحہ ایک ایسی لکیر ہے جو آنے والے وقتوں میں پاکستانی فوج اور اسلام پسند طاقتوں کو تقسیم کردے گی۔ یہ ایک دوسرے کو دور بہت دور لے جائے گی۔ اتنا دور کہ دونوں ایک دوسرے کو اس طرح اپنا دشمن سمجھنا شروع کردیں گے جس طرح 1971ء میں بنگالیوں اور فوج کے درمیان دشمنی شروع ہوگئی تھی۔ گو 1971ء اور 2007ء میں بہت فرق ہے۔ اس کے باوجود ان دونوں میں جذبات کا اشتراک پایا جاتا ہے۔ میں جب جولائی 2007ء کے سانحے کا تجزیہ کرتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ کام جو بھارت، امریکا اور روس 60 سال کی کوشش کے باوجود مکمل نہیں کرسکے وہ کام ہماری حکومت نے صرف ایک ہفتے میں سرانجام دے دیا۔ حکومت نے پاکستان میں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے ہر شخص کو اپنا مخالف بنالیا۔ (از ضرب مومن)

گلاب کا پھول

لال مسجد کا فرش، چھت اور دیواریں ...... جامعہ حفصہ کی درسگاہیں، گزرگاہیں اور آرام گاہیں ...... معصوم و پاکیزہ طالبات کے خون سے لال ہیں۔ آزاد ذرائع 500 سے ایک ہزار طالبات کی پراسرار گمشدگی کا بار بار اعلان کررہے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کے خیال میں 7 سو طالبات اس خونیں واقعے میں شہید ہوئی ہیں۔ یہی خیال ممبر قومی اسمبلی شاہ عبدالعزیز کا بھی ہے جو اس آگ کو بجھانے کی کوشش کرنیوالوں میں سرفہرست تھے...... یقیناً اسلام کی پندرہ سو سالہ تاریخ ایسے بھیانک اور وحشت ناک واقعے کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے جہاں دنیا جہاں کے جدید ترین اسلحے اور تربیت سے لیس کمانڈوز نے اپنی ہی ہم وطن، ہم مذہب اور بالکل نہتی معصوم بچیوں کا یوں قتل عام کیا ہو...... ایسا تو سربوں نے بوسنیائی بچوں کے ساتھ بھی شاید نہ کیا ہو۔

لال مسجد کا دورہ کرنے والی صحافیوں کی ٹیم نے ایسی دلدوز تفصیلات اور دردناک مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ان کو سن کر تو ہلا کو خان کا کلیجہ بھی منہ کو آ جائے۔ پورے جامعہ حفصہ میں کسی مرد کی موجودگی کے آثار تھے نہ ہی مردانہ استعمال کی چیزیں، جوتے یا کپڑے ...... ہر طرف زنانہ کپڑے، چادریں، ڈوپٹے اور طالبات کے بستے، کتابیں اور جیومیٹری بکس بکھرے ہوئے تھے،...... معلوم ہوتا ہے کہ بچیوں نے اپنے سروں پر منڈلانے والی موت دیکھ کر اپنے ورثا کے نام پیغامات پہلے سے لکھ لیے تھے اور ان آخری تحریروں کو اپنے بستوں میں ''محفوظ'' کر کے اس کے اوپر ایک معصوم ہدایت بھی لکھ دی تھی کہ اس بستے کو وارثوں کے علاوہ کوئی نہ کھولے۔ خدا جانے انہوں نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ ان کے معصو جانوں کو سیسے کے ٹکڑوں سے چھلنی کرنے والے ان کی اس ہدایت پر ''حرف بہ حرف'' عملدرآمد کریں گے۔ اس معصومانہ ادا پر دل کٹ کر رہ گیا مگر آفرین ہے حملہ آوروں کے حوصلے پر یہ سب کچھ دیکھ کر بھی کسی شرمساری، کسی ندامت یا خجالت کا احساس تو در کنار بلکہ اپنے روشن کارنامے پر صحافیوں کو دیکھ کر ''وکٹری'' کا نشان بناتے رہے اور لال مسجد کے فرش پر بوٹوں سمیت دندناتے رہے...... ایسا تو شاید بغداد میں امریکی بھی نہیں کر رہے۔

جامعہ حفصہ کا دورہ کرنے والی صحافیوں کی ٹیم میں موجود غیر ملکی صحافی حیران تھے کہ خالص تعلیمی اور گھریلو ماحول کے اس ادارے سے پوری دنیا کے امن وامان کو کیا خطرہ تھا؟ پورے احاطے میں یا تو پڑھنے لکھنے کا سامان تھا یا روزمرہ کی گزران بسران کے اسباب تھے۔ ان ''عالمی دہشت گردوں'' سے جو بین الاقوامی تباہی کے ہتھیار اور دور مار میزائل برآمد ہوئے ان کی تفصیلات کچھ اس طرح بیان کی گئیں...... بچیوں کے کپڑے، جوتے اور ہوائی چپلیں، ڈوپٹے، سوکھی، روٹیاں، چند پتیلے، بڑے دیگچے، بستر اور تکیے، بستے، کاپیاں، کلپ اور کنگھیاں...... اس کے علاوہ ''خطرناک تحریری مواد'' بھی ملا اور وہ ان بچیوں کے اپنے ورثاء کے نام پیغامات ہیں جن میں ان کو نماز روزے کے اہتمام حقوق العباد کی ادائیگی کی تلقین اور سب سے معافی تلافی کی درخواستیں ہیں۔

اس کے علاوہ صحافیوں کو دکھانے کے لئے جو اسلحہ اور دیگر چیزیں جھاڑ پونجھ کر ایک سلیقے

اور قرینے سے قطار در قطار سجائی گئی تھیں۔آزاد ذرائع نے کھلا کھلا شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے کہ ان کی ''ملکیت'' کا معاملہ مشکوک ہے۔ جہاں پنکھے حرارت کی وجہ سے ٹیڑھے ہوگئے ہوں۔لوہے کی الماریاں پگھل گئی ہوں، کنکریٹ کے درودیوار ریزہ ریزہ ہوگئے ہوں وہاں یہ چمکتے دمکتے نئے نکور ہتھیار بالکل درست حالت میں کیسے بچ گئے؟ یہ عقدہ تو کوئی وزیر یا تدبیر ہی حل کرے۔سادہ دل عوام تو اس گتھی کو سلجھانے میں کامیاب نہیں ہورہے۔

انسانی طبیعت ہے کہ ہر نقصان کے بعد وہ یہ ضرور سوچتا ہے کہ اگر ایسا ہوجاتا تو شاید یوں نہ ہوتا۔اس موقع پر بھی دل میں آتا ہے کہ اگر یوں ہوجاتا تو شاید یہ خونریزی ٹل جاتی یا شاید 7سو کی بجائے سات یا ستر کے عدد پر آگ وخون کا یہ طوفان تھم جاتا۔

کہے بغیر رہا نہیں جاتا کہ سیاسی قیادت نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ان سے جس قدر دلسوزی، جگر کاوی، بھاگ دوڑ اور سرگرمی کی توقع کی تھی وہ پوری نہیں ہوئی...... جب اس قتل عام کا سورج سوا نیزے پر تھا تو رہنمایانِ اُمت ''لندن یاترا'' پر روانہ ہوگئے۔وہاں جا کر بھی اے پی سی کو سبوتاژ کرنے کے علاوہ کوئی بڑی قومی خدمت انجام نہیں دی۔پھر وہاں سے برستی آگ اور گرتی لاشوں کے جاں گسل لمحات میں جتنے ''متوازن''، ''معتدل'' اور ''نپے تلے'' بے ضرر بیانات دیئے اس نے رہی سہی اُمید ختم کردی۔اپنے سافٹ امیج (Soft Image) کی حفاظت کے لئے اتنا معذرت خواہانہ رویہ ہم کم فہموں کی ناقص عقول سے بالاتر ہے۔اگرچہ ان کے پاس اپنے اس رویے اور طریقے کار کے لئے ہزار تاویلات ہوں مگر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وفاق المدارس کے وفد نے کسی سرکاری منصب یا بڑی سیاسی حیثیت کے بغیر جس قدر سرگرمی اور دلسوزی کا مظاہرہ کیا اور اپنے تئیں کوئی کسر نہیں چھوڑی ......اس نے غمزدہ قلوب کو بڑی تقویت بخشی اور ہر جگہ یہی کہا گیا کہ اس سے زیادہ کوشش ان کے لئے ممکن نہ تھی اور وہ تیس سالہ نوجوان شاہ عبدالعزیز جس طرح تنہا ایک در سے دوسرے در خوار ہوتا رہا، فریادیں کرتا رہا، ٹی وی مذاکروں میں چومکھی لڑتا رہا کبھی اِن سے تو کبھی اُن سے رابطے کرتا رہا...... کیا ہمارے سیاسی قائدین اس سے بھی زیادہ بے بس تھے؟ ہم مان لیتے ہیں کہ مولانا عبدالعزیز صاحب کے طریقہ کار سے کسی کو ہزار اختلاف ہو مگر ان سینکڑوں

معصوم بچیوں کی زندگیوں کا تحفظ تو تمام تر اختلافات سے بالاتر چیز تھی...... آج طریقہ کار کے اختلاف کے فلسفے سے ناواقف طالبات کی روحیں سوال کرتی ہیں کہ ہماری زندگیاں اہم تھیں یا لندن کی وہ بے روح و بے جاں کانفرنس جو حسب توقع بے نتیجہ رہی ؟!

ننھی پریاں کہاں ہیں؟

جامعہ حفصہ کے تہہ خانے سے عائشہ گل کا بستہ بھی ملا ہے۔ خدا جانے یہ ننھی پری ملک کے کس حصے سے آئی تھی؟ تحریری سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی عمر دس، بارہ سال ہوگی۔ بستے کے اوپر لکا ہے: ’’ورثاء کے علاوہ کوئی اور نہ کھولے‘‘ ننھی پری کی اس ہدایت پر عمل نہ ہوسکا۔ صحافیوں نے بہتی آنکھوں اور کپکپاتے ہاتھوں سے بستہ کھول دیا۔ تین کاپیاں، دو کتابیں پنسل، ایک قلم، ربڑ اور شاپنر کے علاوہ ایک یادداشت بھی نکلی۔ بھول جانے کے خوف سے ننھی پری نے چند باتیں نوٹ کرلی تھیں۔ ایک تو یہ امی جان کے لئے تسبیح لے کر جانی ہے۔ چھوٹے بھائی کے لئے جوس کا ڈبہ لینا ہے اور بہن کے لئے کتاب۔ اس کے علاوہ ایک کتاب میں سے گلاب کا سوکھا پھول نکلا شاید ننھی پری نے ابا جان کو دینا ہو۔ آج اسے کون بتائے کہ تمہاری ماں کی ساری عمر اب تسبیح رولتے ہی گزرے گی۔ اس کی آنکھ سے بھی تسبیح کے دانوں کی طرح آنسوؤں کی لڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر گرتی رہیں گی۔ جس چھوٹے بھائی کے لئے تم جوس کا ڈبہ لے کر جانا چاہتی تھی وہ جوس سے کہاں بہلے گا وہ تو باجی باجی کی رٹ لگائے ہوئے ہے اور سوکھا پھول ابا کے لئے بہت مناسب تحفہ ہے کیونکہ اس کے ارمانوں اور خواہشوں کا ہرا درخت بھی سوکھ گیا ہے۔ وہ تمہیں عالمہ، حافظہ دیکھنا چاہتا تھا مگر اب تمہارے بے جان لاشے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔

یہ ننھی پری اپنی دیگر سہیلیوں اور ساتھی طالبات کے ساتھ ہی لال مسجد سانحے کی گمشدگان میں سے ہیں۔ اس کے بستے کے ساتھ پڑی دیگر کاپیوں پر خدیجہ، ام ایمن، رخسانہ، زینب، فاطمہ اور...... کے نام لکھے ہیں۔ یہ ساری ہم جولیاں معلوم ہوتی ہیں۔ ان سب کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں پتہ کہ یہ کہاں دفن ہیں؟ کوئی کہتا ہے کہ **H-11** کے قبرستان میں ہے، کوئی کہتا ہے **I-10/3** کے سردخانے میں اور کوئی کہتا ہے کہ نامعلوم اجتماعی قبر میں اور کوئی کہتا ہے (ضرب مومن)

ننھی شہزادیو! تم کہاں ہو!

یہ لال مسجد ہے۔ اب تک دیواروں پر کئے گئے لال رنگ کی وجہ سے لال مسجد کہلاتی تھی اب فرش پر بکھرے خون اور درودیوار پر چپکے گوشت کے لوتھڑوں کی وجہ سے لال مسجد کہلایا کرے گی۔ اس کے مقدس درودیوار چھلنی ہیں۔ چھتوں میں بھی سوراخ ہیں۔ سمجھ نہیں آتا یہ کیسے ہوئے ؟ فضا میں بارود اور خون کی بو ہے۔ اس غضب کی آتش باری کی گئی ہے کہ پنکھوں کے پر پگھل کر لٹک گئے ہی۔ مسجد کے مینار ٹھوس ہیں۔ ان میں اندر سے اوپر چڑھا نہیں جاسکتا لیکن کہا گیا ہے کہ ان پر چڑھ کر فائرنگ ہوتی تھی۔ مسجد کے اندر قرآن شریف بکھرے پڑے ہیں۔ ایک صحافی کہتا ہے: ''میں نے خود قرآن پاک کا ایک نسخہ اٹھا کر چوما اور الماری میں رکھا۔'' فورسز والے بوٹ پہنے ٹہل رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ صفائی کی مہم کے دوران انہوں نے قرآن کریم کو اٹھا کر الماری میں کیوں نہ رکھا؟ احترام قرآن نہ سہی' صفائی مہم کے زمرے میں تو یہ آتا تھا۔

ایک کمرے میں اسلحہ سجایا گیا ہے۔ کچھ تو ایسا ہے جس کا مسجد میں محصورین کے لئے استعمال ناممکن تھا۔ اس کو انہوں نے آخر کار لایا ہی کیوں؟ کچھ ایسا ہے جو سات دن تک آگ اور دھوئیں کے کھیل میں استعمال ہونے کے باوجود ایسا نوانکور ہے جیسے پیکنگ کی سیل بھی توڑی گئی ہو۔ ایک صحافی ایک کلاشن کوف جس پر ٹیپ لپٹا ہوا ہے اٹھا کر نال سونگھنا چاہتا ہے۔ اہلکار اسے منع کرتے ہیں کہ ''یہ زندہ بارود ہے۔'' صحافی اسے واپس رکھ دیتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ خبریں تو زندہ مردہ ہوتی ہیں لیکن بارود زندہ و مردہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟

اور اب آیئے! جامعہ حفصہ کی طرف چلتے ہیں۔ روئے زمین کی پاکیزہ ماؤں بہنوں کا مسکن جنہوں نے پورا ایک ہفتہ بھوک پیاس' زخمیوں کی کراہوں' شہدا کی تڑپتی لاشوں' برستے گولوں اور دھوئیں کے مرغولوں میں ایسی استقامت سے گزارا گویا گوشت پوست کے انسان نہیں' فولاد میں ڈھلے ہوئے وجود ہیں۔ میراتھن میں دوڑنے والیاں کہاں ہیں؟ اگر انہیں موقع ملے تو ان پاکیزہ ہستیوں کے پاؤں چھو کر منہ پر مل لیں۔ شاید اسی سے ان کی سیاہ بختی کچھ کم ہو جائے۔

تعجب ہے سینکڑوں طلبہ و طالبات گرفتار ہوئے۔ ایک نے بھی محاصرہ کی سختی کا شکوہ نہیں کیا' کیا نہ کوئی ایک اندر موجود ''یرغمالی دہشت گردوں'' کے خلاف بیان دینے پر تیار

ہوا۔ لے دے کے ایک نامعلوم نوعمر لڑکے سے چند بے ربط جملے سرکاری ٹی وی پر کہلوائے گئے اور پھر اسے نجی چینلوں کے سامنے پیش کرنے سے مکمل احتراز کرتے ہوئے خاموشی سے گھر بھیج دیا گیا۔ آخری وقت میں اندر سے جو خواتین گرفتار ہوئیں۔ انہوں نے ایک ہی تمنا کا اظہار کیا۔ ''شہادت'' اور انہوں نے ایک ہی چیز سنبھال رکھی ہوئی تھی'' ''نفاذ شریعت کا وصیت نامہ'' ایک چھوٹی بچی کو اس کے والد نے والدہ کی بیماری کا کہہ کر باہر بلایا۔ اس پر وہ شدید غمزدہ تھی بلکہ قدرے برہم کہ اسے شہادت سے محروم کر دیا گیا۔ دین حنیف پر مر مٹنے کے اس بے پایاں شوق کی ایسی مثال اس دور میں شاید ہی پیش کی جا سکے۔

جامعہ حفصہ کے اندر داخل ہوں تو عجیب منظر سامنے ہے۔ کاپیاں' کتابیں' چوڑیاں' کنگھیاں' پنسلیں اور ربڑ' روٹی کے خشک ٹکڑے' آنسو گیس سے بچنے کے لئے بالٹیوں میں ڈبوئے ہوئے ڈوپٹے۔ دیواریں چھلنی ہیں گویا پوری پلٹن نے چاند ماری کی ہے اور اس وقت اندر داخل ہوئی ہے جب کلی تصفیہ کا یقین ہو چکا تھا۔ چھتیں دھوئیں سے سیاہ ہیں۔ پلروں کا پستر فائرنگ کی شدت سے ادھڑ گیا ہے۔

معصوم بچیوں کے سامان رکھنے کی الماریاں اپنی شکل وصورت کھو کر ٹھوس لوہے کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ ہر چیز بکھری پڑی ہے سوائے اس اسلحے کے جس سے امن عالم کو خطرہ تھا اور ہر چیز موجود ہے سوائے ان دہشت گردوں کے جن سے فساد فی الارض کا اندیشہ تھا۔

سوال یہ ہے کہ جو طالبات گرفتار ہوئیں اگر وہ گھروں کو چلی گئی ہیں تو ان کے لواحقین کیوں مارے مارے پھر رہے ہیں؟ اور جو شہید ہوئی ہیں ان کی لاشیں یا قبریں کہاں ہیں؟ اتنی محدود جگہ میں اتنی زبردست فائرنگ سے سینکڑوں نہیں تو بیسیوں طالبات تو ضرور شہید ہوئی ہیں۔ ان کی لاشیں یا ان کا اتا پتا کیوں نہیں؟ بہت سے لوگ ایسے دکھائی دیئے جو اس سانحہ کی المنا کی پر رونا چاہتے تھے' رو دینے کے قریب تھے مگر جب انہوں نے سنا کہ زندہ طالبات گمشدہ ہیں اور شہید طالبات کی لاشوں کا اتا پتا نہیں تو ان کی نمناک آنکھیں دہکتے انگارے بن گئی۔ ان کے بہتے آنسو رک گئے۔ آنسو کا قطرہ ایسی چیز ہے اگر بہہ جائے تو غم ورنج سب کچھ بہا لے جاتا ہے۔ اگر رک جائے تو آتش فشاں بن جاتا ہے۔ طالبات کے بارے میں غیر یقینی

اطلاعات کی وجہ سے ایسے بہت سے آتش فشاں دہک رہے ہیں نجانے کب ان سے لاوا بہنا شروع ہوجائے۔ خدا جانے ارباب اقتدار کو اس کا احساس ہے یا نہیں؟

اور یہ تو کسی شیرنی کی جنی ہوئی لگتی ہے۔ ذرا کلیجے پر ہاتھ رکھ کر سوچئے! سسر اور ساس دونوں شہید، شوہر اور سب سے بڑھ کر سات سو سے زائد طالبات جو اس کی اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ عزیز تھیں، لاپتہ ہیں، زخمی ہیں، آنکھوں کے سامنے جان دے رہی ہیں لیکن مجال ہے کہ اس کے لہجے طنطنے، آواز کے دبدبے اور چال کے رعب و وقار میں کوئی کمی یا فرق آیا ہو۔ اتنا حوصلہ، ایسا ظرف، اس قدر برداشت ور اتنا جگر تو سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کا سنا اور پڑھا تھا جس نے کھڑے کھڑے چار جوان جہاں بیٹے کٹوا دیئے اور پھر اس سعادت سرمدی پر جذبۂ شکر گزاری سے لبریز سجدہ ریز ہوگئی۔ جنازہ دیکھ کر تو اچھے اچھوں کے قدم جسم کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ جانے کس مٹی کی بنی ہے کہ خواتین سکیورٹی اہلکاروں کے آگے چلتے ہوئے ایسے لوگ رہی ہیں جیسے شیرنی جارہی ہو۔ ساتھ چلنے والی سکیورٹی کی خواتین تو میمنیاں لگتی ہیں حالانکہ وہ فتح کے نشے سے سرشار اور یہ گرفتار غم والم ہے۔

شنید ہے کہ جب فورسز اندر داخل ہوئیں تو اس نے زوردار نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ساتھ موجودہ بچیوں اور استانیوں نے جواب میں بھرپور ساتھ دیا۔ اسلحہ بردار لمحے بھر کو پیچھے ہٹ گئے۔ اتنے میں عقبی دیوار گولہ لگنے سے اڑ گئی۔ نہتی خواتین کے پاس تھا تو کچھ نہیں۔ وہ چاروں طرف سے نرغے میں تھیں لیکن اس وقت میں بھی بچیوں کو اپنی معلّمہ (آپا جی) سے اور معلّمہ کا بچیوں سے وفاداری کا منظر لازوال اور انمٹ ہے۔ اے گندی اور حقیر دنیا! تو نے تو ختم ہو ہی جانا ہے یہ باتیں البتہ کبھی ختم نہ ہوں گی۔ یہ تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں جو رہتی دنیا تک اور ہمیشہ کی آخرت میں جگمگاتے رہیں گے۔

غازی جیسا شخص بھی کسی ماں نے کیا جنا ہوگا؟ قدرت نے کیسا اعلیٰ دماغ اور کتنی مؤثر زبان دی تھی؟ تن تنہا دنیا بھر کے میڈیا سے بھی نمٹ رہا ہے۔ ڈیڑھ دو ہزار محصورین جس میں نصف سے زیادہ خواتین ہیں کو بھی سنبھال رہا ہے۔ بجلی بند ہے، پانی ختم ہے، گیس منقطع ہے، بھائی گرفتار ہے، ماں گود میں آخری ہچکیاں لے رہی ہیں۔ راشن اتنا نہیں کہ بچیوں کو کچھ کھلا سکے۔

دوائیاں نہیں کہ زخمیوں کو عارضی تسکین فراہم کی جاسکے۔ موت سر پر ہے۔ ساتھیوں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے ہیں۔ باہر بیٹھ کر خبریں سنن والوں کے اعصاب ریزہ ریزہ ہو گئے مگر کیا مجال کہ اس کے لہجے کی کاٹ یا آواز کے دبدبے میں فرق آیا ہو۔ وہی خود اعتمادی وہی بے خوفی۔ انسان تھا یا فولاد! کاش اس کی صلاحیتوں سے استفادہ کر لیا جاتا؟ اس کا جرم کوئی ایسا بھی تو نہ تھا کہ اکابر اور مقتدر ترین علمائے کرام کی مصالحتی جماعتوں کو یوں خالی ہاتھ لوٹا دیا جاتا۔

اور یہ دو تصویریں ہیں۔ ایک میں ایک فوجی جوان وکٹری کا نشان بنا رہا ہے اور دوسری میں برقع میں ملبوس چند خواتین ہیں۔ یہ بھی فتح کا نشان بنا رہی ہیں۔ فوجی جوان چاق و چوبند اور اسمارٹ لگ رہا ہے۔ ساتھ بیٹھے دوسرے اہلکار بھی شکل سے تیز طرار اور دھواں دار قسم کے دکھائی دیتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ کمانڈوز کا دستہ ہے۔ برقعے میں ملبوس خواتین پولیس کی تحویل میں ہیں۔ شکست خوردہ، رنج والم زدہ ہیں۔ کسی کا بھائی شہید کسی کا شوہر یا باپ گرفتار ہے۔ کمانڈوز کا نشان فتح بنانا تو سمجھ میں آ رہا ہے کہ وہ دیا ہوا ہدف پورا کر کے جا رہے ہیں۔ اگرچہ اپنی تاریخ کے برخلاف انہیں اعلان کردہ چار گھنٹے کی بجائے چوبیس گھنٹے سے زیادہ وقت لگا لیکن یہ خواتین اس عالم میں جب نظریں اوپر نہیں اٹھتیں، فتح کا نشان کیوں بلند کر رہی ہیں؟ عقل والو! یہ عجوبہ تو حل کر کے دو۔ دونوں طرف فتح کا دعویٰ ہے۔ اس کی حقیقت تو روز قیامت واضح ہوگی۔ البتہ دنیا میں تو یہ ہوا ہے کہ غازی کا جنازہ ملک کے دور دراز علاقے میں اٹھایا گیا ......سخت گرمی اور پانی ندارد......لیکن شرکا تھے کہ ٹوٹے پڑ رہے تھے اور ایک جنازہ لاہور جیسے زندہ دلوں کے شہر میں بھی اٹھا لیکن اس میں ڈیڑھ سے دو صفیں پوری ہو کے نہ دیں۔

قدرت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔ انسان بہت سے واقعات بھلا دیتا ہے۔ بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کی یادیں اسے عمر بھر تڑپائے رکھتی ہیں۔ یہ واقعہ بھی لوگوں کو شاید بھول جائے مگر یہ بات نہ بھولے گی۔ کہ جامعہ میں کم از کم ہزار سے ڈیڑھ ہزار طلبہ و طالبات تھے اور ان میں سے 73 شہید اور 102 کے قریب زخمی ہوئے تو بقیہ طلبہ و طالبات کہاں ہیں؟ کہاں گئے؟ ان کا اتا پتا کیوں نہیں؟ کوئی بتائے تو سہی! اے میری بہنو! تم کہاں ہو! بتاؤ تو سہی! اے ننھی شہزادیو! جگر پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ زندگی لعنت کا طوق بنتی جا رہی ہے۔ خدارا! بتاؤ تو سہی تم کہاں ہو؟

معرکہ کربلا اور سانحہ لال مسجد میں مماثلت...... چند نشانیاں

معرکہ کربلا میں حسینی لشکر کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ سرکاری فوجوں کی بے پناہ قوت کا اندازہ ہونے کے باوجود کسی ایک کے لہجے میں کمزوری نظر نہیں آئی' کسی کا ایمان متزلزل نہ ہوا' کسی نے بھی اجازت ملنے کے باوجود ساتھ نہ چھوڑا' سب کو اپنے برحق ہونے کا یقین تھا' حیرت انگیز طور پر شہدائے لال مسجد کا کردار میں بالکل ایسا ہی رہا' جان دینے والی بچیوں اور آخری سانسوں تک لڑنے والے نوجوانوں کی شہادت سے چند منٹ قبل ٹی وی پر براہ راست گفتگو سنائی گئی جس میں خوف اور کمزوری کا دور دور تک گزر نہ تھا

یہ سچ ہے کہ میدان کربلا میں بپا ہونے والا معرکہ حق و باطل، رکا نہیں...... تھما نہیں تا ابد یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ حق اور ناحق کی تکرار اس کائنات کی تخلیق کے بعد سے جاری ہے۔ اس ٹکراؤ کی علامت یہ ہے کہ یہ ہمیشہ اپنوں کے مابین ہوتا ہے۔ میدان کربلا میں رونما ہونے والا واقعہ بھی اپنوں کے درمیان تھا۔ تاریخ اسلام بھٹکے ہوئے جابر مسلمان حکمرانوں اور راہ حق کے مسافروں میں ٹکراؤ کے واقعات سے لبریز ہے لیکن دس جولائی 2007ء بمطابق ۲۴ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ کو رونما ہونے والا سانحہ لال مسجد اپنی شدت اور شکل و شباہت کے اعتبار سے بلاشبہ معرکہ کربلا کا عکس تھا۔ دونوں سانحات کا ہر ہر پہلو اس مماثلت کی گواہی دیتا ہے لیکن چند نشانیاں ایسی ہیں جنہیں نظرانداز کرنا ممکن نہیں۔

سیدنا حضرت حسینؓ بن علیؓ کا اصرار تھا کہ، اس دور کی حکومت غیر شرعی، غیر جمہوری اور غیر قانونی ہے۔ انہوں نے اس حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اس کے خلاف باقاعدہ مہم چلائی۔ اس مہم کی داستان منبر و محراب، کھلے اجتماعات اور میدان جہاد تک پھیلی ہوئی ہے۔ جنت کے سردار کا ساتھ کسی نے نہ دیا لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی اور خون کا آخری قطرہ بہنے تک اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ شہدائے لال مسجد کا اصرار بھی یہی تھا کہ موجودہ حکومت غیر شرعی، غیر جمہوری اور غیر قانونی ہے۔ انہوں نے بھی اس حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور منبر و محراب، کھلے اجتماعات اور بالآخر خون کا آخری قطرہ بہنے تک مہم جاری رکھی...... سیدنا حضرت حسینؓ اور ان کے جانثاروں کو لگ بھگ دس روز تک فوجی محاصرے میں رکھا گیا۔ کھانے پینے

کے سامان کی ترسیل بند کر دی گئی۔شہدائے لال مسجد بھی دس روز محاصرے میں رہے۔کھانے پینے کی اشیاءسمیت تمام بنیادی ضروریات کی ترسیل بند کر دی گئی...... معرکہ کربلا کا خاص پہلو یہ تھا کہ دو مسلمان گروہوں کے مابین خونیں تصادم ٹالنے کے لئے سید حضرت حسینؓ مسلسل مذاکرات میں مصروف رہے لیکن جان کے دشمنوں نے مذاکرات کامیاب نہ ہونے دیئے۔اس موقع پر تین نہایت معقول تجاویز بھی پیش کی گئیں۔جو کچھ یوں ہیں۔

نمبر ا۔سیدنا حضرت حسینؓ کو ساتھیوں سمیت مدینہ واپس جانے دیا جائے جہاں وہ باقی زندگی عبادت وریاضت میں گزار سکیں گے۔

نمبر ۲۔ایسی سرحد کی طرف روانہ کر دیا جائے جہاں جہاد جاری ہوتا کہ وہ اس میں شریک ہوسکیں۔

نمبر ۳۔دمشق جانے دیا جائے جہاں وہ حاکم وقت کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر معاملات طے کرسکیں جان کے دشمنوں نے ان تجاویز کو رد کر دیا...... لال مسجد کا غازی شہید بھی مسلمانوں کے دوگروہوں میں خونیں تصادم کو ٹالنے کے لئے مذاکرات سے آخری وقت تک جڑا رہا جسے جان کے دشمنوں نے کامیاب نہ ہونے دیا۔اس سانحہ میں بھی اطراف سے تین نہایت معقول تجاویز پیش کی گئیں۔

نمبر ا۔آبائی گاؤں جانے دیا جائے جہاں وہ باقی زندگی گزار سکیں

نمبر ۲۔جلاوطن کر دیا جائے

نمبر ۳۔گرفتار کر کے ملکی قانون کے مطابق مقدمات چلائے جائیں

ایک تجویز پر اتفاق بھی ہوگیا لیکن جان کے دشمنوں نے ہر تجویز رد کر دی،معرکہ کربلا اور سانحہ لال مسجد میں مماثلت کی کئی اور دلیلیں بھی ہیں 10 محرم الحرام کو بپا ہونے والا معرکہ فریقین کی عسکری قوت میں بہت بڑے فرق کے باوجود کئی گھنٹے جاری رہا۔لال مسجد کا حتمی آپریشن بھی عسکری قوت میں واضح فرق کے باوجود کئی گھنٹے جاری رہا۔سیدنا حسینؓ معرکہ کربلا کے دوران اپنے پیاروں کی لاشیں اٹھاتے رہے۔غازی شہید بھی اپنی والدہ، بھتیجے اور پھوپھی زاد بھائی سمیت اپنے متعدد پیاروں کی لاشیں اٹھاتا رہا۔معرکہ کربلا میں حر بن

تیمی کا کردار یادگار تھا، لیفٹیننٹ کرنل ہارون الاسلام سانحہ لال مسجد کا حر نکلا۔ جس نے اپنی کمانڈ کے دوران حتمی آپریشن کو ٹالے رکھا اور بالآخر اپنی جان نثار کردی...... معرکہ کربلا اور سانحہ لال مسجد میں مماثلت کی ایک بڑی نشانی یہ بھی ہے کہ جس طرح شہادت امام حسینؓ کے بعد امت کی اکثریت نے خاموشی اختیار کرلی تھی بالکل اسی طرح سانحہ لال مسجد کے بعد مکمل خاموشی ہے۔ ایم ایم اے کی کال پر 13 جولائی بروز جمعہ یوم احتجاج اس انداز میں منایا گیا کہ اسلام آباد کی ایک سڑک پر صرف پچاس لوگ نظر آئے۔ واقعہ کربلا کے بعد حکومتی رٹ قائم کرنے کے لئے سرکاری فوجوں نے کئی علاقوں میں بڑے بڑے آپریشن کئے۔ سانحہ لال مسجد کے بعد بھی سرکاری قوت کی دھاک بیٹھانے اور حکومتی رٹ قائم کرنے کے لئے ملک بھر کے کئی علاقوں میں سخت گیر آپریشن کیلئے پر تولا جا رہا ہے۔ شہدائے کربلا پر حکومت وقت کا الزام تھا کہ وہ حکومتی رٹ کو چیلنج کررہے ہیں۔ انہیں باغی قرار دیا گیا۔ لال مسجد کے شہداء پر بھی یہی الزام تھا۔ واقعہ کربلا کے برپا ہونے کی اہم وجہ وہ خطوط اور درخواستیں تھیں جن میں کوفہ کی اہم شخصیات سمیت ہزاروں لوگوں نے سیدنا حضرت حسینؓ کو اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا تھا اور تحریک منظم کرنے کے لئے کوفہ آنے کی دعوت دی تھی لیکن جب کربلا کا میدان گرم ہوا تو ان میں سے ایک کی تلوار بھی نیام سے باہر نہ نکلی۔ لال مسجد کے شہداء کو بھی بعض اہم شخصیات نے ایسی ہی یقین دہانیاں کر کے تحریک منظم کرنے پر اکسایا تھا۔ انہی شخصیات کی بدولت غازی شہید حکومت کے اندر کی باتیں منظر عام پر لایا کرتے تھے لیکن جب گھیرا تنگ ہوا تو یہ اہم شخصیات لاپتہ ہوگئیں اور اب تک لاپتہ ہیں یہ انہی شخصیات کی یقین دہانیاں تھیں کہ مولانا عبدالعزیز لال مسجد سے باہر آگئے اور انہیں ذلت آمیز طریقے سے گرفتار کرلیا گیا۔ غازی شہید کو لحد میں اتارے جانے سے قبل آخری دیدار کے موقع پر ان کے چہرے پر ٹھہر جانے والی مسکراہٹ ان لاپتہ اہم شخصیات کے لئے پیغام تھا کہ دیکھو میں نے تمہاری یقین دہانیوں پر اعتبار کر کے اپنا وعدہ پورا کردیا۔ اب تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ غازی شہید کے چہرے کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ انہیں ابدی زندگی کی طرف لے جانے والے فرشتہ اجل نے آخری لمحات میں کوئی ایسی خوشخبری سنائی ہے

جس کی لذت لحد میں اترنے تک غازی پر طاری رہی۔ غازی عبدالرشید کی محفل میں بیٹھنے والے بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ خوشی کے لمحات میں ان کی مسکراہٹ بالکل ایسی ہی ہوتی تھی جو آخری دیدار کے وقت ان کے چہرے پر نظر آئی۔

معرکہ کربلا میں حسینی لشکر کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ سرکاری فوجوں کی بے پناہ قوت کا اندازہ ہونے کے باوجود کسی ایک کے لہجے میں کمزوری نظر نہیں آئی۔ کسی کا ایمان متزلزل نہ ہوا۔ کسی نے بھی اجازت ملنے کے باوجود ساتھ نہ چھوڑا۔ سب کو اپنے برحق ہونے کا یقین تھا۔ حیرت انگیز طور پر شہدائے لال مسجد کا کردار میں بالکل ایسا ہی رہا۔ جان دینے والی بچیوں اور آخری سانسوں تک لڑنے والے نوجوانوں کی شہادت سے چند منٹ قبل ٹی وی پر براہ راست گفتگو سنائی گئی جس میں خوف اور کمزوری کا دور دور تک گزر نہ تھا۔ انہوں نے موت بن کر لپکتی گولیوں کی بوچھاڑ اور ساتھیوں کی گرتی لاشیں دیکھ کر بھی وہی بات کی جو روز اول سے ان کی زبان پر تھی۔ عبدالرحمان نامی ایک نوجوان کی آخری گفتگو اس کا ثبوت ہے جو ایک نجی ٹی وی چینل پر براہ راست سنائی گئی۔ لال مسجد کے نہتے محصورین نے اجازت ہونے کے باوجود باہر جانے سے انکار کر دیا اور آخر تک ایسا ساتھ نبھایا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ اس حیرت انگیز مماثلت سے بھی صرف نظر ممکن نہیں کہ امام حسینؓ کے والد سیدنا حضرت علیؓ کو شہید کیا گیا جبکہ شہید اسلام ثانی علامہ عبدالرشید غازی بھی شہید باپ کے بیٹے تھے۔

معرکہ کربلا انسانی تاریخ کا ایک ایسا مقدس واقعہ ہے کہ کوئی سانحہ کوئی واقعہ اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا لیکن رہتی دنیا تک جب بھی حق و باطل میں معرکہ درپیش ہوگا اسے پرکھنے کی کسوٹی واقعہ کربلا ہی ہوگا۔ لال مسجد آپریشن میں کون جیتا؟ کون ہار گیا؟ اس کا فیصلہ تاریخ کریگی جبکہ حتمی فیصلہ روز آخر ہوگا۔ آج تو صرف اتنا کہا جا سکتا ہے۔

مار ڈالے گا اسے اس جرم کا احساس آخر
قتل کر کے جسے مقتول پہ سبقت نہ ملی

دوسرا حصہ

شہدائے اسلام

قدم بہ قدم

مفتی منصور احمد صاحب مدظلہ کے برادر شہید
حضرت مولانا محمد مقصود احمد صاحب رحمہ اللہ کے مرتب فرمودہ ان شہداء کا تذکرہ جو ملک پاکستان کے کچھ گوشوں سے معرکہ حق و باطل میں برسرِ پیکار ہوئے اور اپنی جانوں کا نذرانہ....اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے قربان کر کے پوری قوم کے خوابیدہ ضمیروں پر ایک ایسی دستک دے گئے جو ان کی بے روح زندگی میں ایمانی حرارت پیدا کر سکتی ہے۔

مولانا محمد مقصود احمد شہید رحمہ اللہ کے مرتب شدہ مسودہ کو حسب ضرورت جدید ترتیب و تلخیص کے ساتھ کتاب ہذا میں دوسرا حصہ کے طور پر شامل کر لیا گیا ہے۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ' ونستعینہ ونصلی وسلم علی رسولہ الکریم

شہادت موت نہیں' زندگی کا استعادرہ ہے۔ایک ایسی لذیذ' وجد آفریں اور خوبصورت زندگی جوازروئے فرقان قرآن کریم ہمارے شعور اورادراک سے بہت بلند ہے۔ایک سچ عاشق اور وفادار امتی کیلئے اس سے بڑھ کر کیا بات ہوگی کہ شہادت کی تمنا خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین' تابعین' تبع تابعین اوراس امت کے خوش نصیب اور سعادت مند لوگ ہمیشہ شہادت کی سعادت کیلئے سرگرداں رہے۔حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اپنے محسن ومربی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں: ''مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کا بیان ہے حضرت نے تھوڑی دیر آنکھ کھول کر چھت کی طرف دیکھا پھر فرمایا کہ مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ میں بستر پر مررہا ہوں۔تمنا تو یہ تھی کہ میں میدان جہاد میں ہوتا اور اعلاء کلمۃ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے کیے جاتے۔اس کے بعد بلند آواز سے اللہ اللہ سات مرتبہ کہا' آٹھویں مرتبہ آواز بند ہوگئیں۔ (نقش حیات)

محترم جناب حافظ محمد اسحٰق صاحب ملتانی زیدمجدہم اوران کے ادارے کے نام سے دینی کتب معمولی شغف از دوخواں بھی ناواقف نہیں ہوسکتا۔ان کی زبانی جب یہ عالم ہوا کہ وہ امت مسلمہ کے خوش قسمت اور سعادت مند افراد کی ''بزم شہیداں'' سجارہے ہیں تو بندہ

نے اپنے برادر عزیز مولانا محمد مقصود احمد شہید رحمہ اللہ جو ایک عملی مجاہد بہترین ادیب اور نامور صحافی تھے۔ میں نے ان کے کمپیوٹر میں محفوظ اپنے تحریر کردہ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اور چند دیگر تحریریں جو اس موضوع کے متعلق تھیں۔ حضرت کی خدمت میں پیش کر دیں تا کہ وہ اس میں سے مناسب سمجھیں اپنے گراں قدر مجموعے میں شامل فرمالیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ برادر عزیز سمیت تمام شہداء اسلام کی شہادتوں کو قبول فرما کر امت مسلمہ کی بیداری اور شوق جہاد کی آبیاری کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

بندہ محمد منصور احمد عفا اللہ

۲۹،۸،۱۴۲۹ھ

مدیر ماہنامہ اچھے بچے راولپنڈی

شہدائے کشمیر

سلطان محمود

مجھے ۴ فروری ۲۰۰۳ء کی وہ یخ بستہ رات بھی یاد ہے کہ جب وہ اللہ کے حضور سر بسجود ہوکر رخت سفر باندھتے ہوئے آگے منزل کی تیاری میں مصروف تھا اور پھر ساتھیوں سے شہادت کی دعائیں کرا رہا تھا۔ اسی شہادت کی تڑپ میں ساتھیوں سے الوداعی کلمات کہہ کر رخصت طلب کر رہا تھا۔ دعاؤں...... آرزوؤں...... تمنائے شہادت...... اور پھر حسرت بھری نگاہوں کے بعد جدائی کا وقت آ ہی گیا اور راہ حق کے مسافر نے معرکہ حق و باطل کے لئے تیاری مکمل کر لی اور پھر رخصت ہو گیا۔ انہیں جاتے وقت سب حسرت بھری نگاہ سے دیکھ رہے تھے اور اپنی بد قسمتی پر آنسو بہا رہے تھے لیکن اس کا چہرہ تو خوشی سے چمک رہا تھا جبکہ اسے بخوبی علم تھا کہ میرے راستے میں گولیوں...... مارٹروں اور نہ جانے کن کن خطرات کا سامنا ہوگا وہ یہ سب کچھ ایک خواب محسوس کر رہا تھا وہ اسے ہوا کا جھونکا سمجھ رہا تھا۔ وہ تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا اس لئے کہ اس کی منزل اسے قریب نظر آ رہی تھی اسے شہادت سے محبت ہو گئی تھی وہ اس فانی دنیا سے اکتا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی سے آنسو موتیوں کی مانند بہہ رہے تھے...... چند لمحوں بعد ہی...... اس پر پانچ پوسٹوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ اس جھڑپ میں وہ اپنے پانچ ساتھیوں سمیت زخمی ہو گیا اس کے جسم میں گولیاں پیوست ہو گئیں تھیں جب اسے ہسپتال کوٹلی لایا گیا جہاں اس کے جسم سے گولیاں اور چھرے نکالے گئے مجھے وہ مرحلہ بھی خوب یاد ہے کہ وہ زخمی حالت میں پڑا ہوا بھی ہمیشہ کی طرح مسکرا کر جواب دیتا تھا اور اپنے کئے پر نادم نہیں تھا بلکہ حسرت بھری آہ سے جواب دیتا تھا کہ فلاں میرے سامنے شہید ہو گیا اور میں۔

اس کے زخموں کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ شاید یہ جوان اب گھر بیٹھ جائے گا لیکن ایسا تو نہ ہو سکا۔ بلکہ اس کے شوق شہادت میں اور بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ابھی زخم بھی تندرست نہ ہوئے کہ دوبارہ لانچنگ کمانڈر صاحب کے پاس آ پہنچا کہ مجھے کشمیر بھیج دو منتیں، سماجتیں شروع کر دیں بار

بار اپنی تمنا اور آرزو کا اظہار کرتا رہا، یہاں تک کہ ۸ ماہ کا عرصہ گزر گیا بالآخر اسے اپنی مراد اور منزل مل گئی۔ ابھی چند دن قبل ہی تو وہ گھر سے واپس کوٹلی آیا تھا دفتر میں ایک مختصر سی نشست ہوئی خلاف معمول اس مرتبہ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار کچھ زیادہ نمایاں تھے وہ ملاقات ابھی میری آنکھوں کے سامنے ہے اس کی باتیں میرے کانوں میں گونج رہی ہیں وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ میری تشکیل ہو چکی ہے اسے یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ چند دن میں وہ مقبوضہ کشمیر میں معرکہ حق و باطل کیلئے پہنچ جائے گا اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کیلئے دشمنان اسلام سے پنجہ آزمائی کرے گا بالآخر وہ اپنی مراد پا گیا۔ ۶ نومبر ۲۰۰۳ء کی رات اس نے خونی لکیر کو پاؤں تلے روندا اور گائے کے پجاریوں سے برسر پیکار ہونے کیلئے میدان کارزار میں اترا۔ اس کی حسرت پوری ہوگئی چار دن کے بعد ہی اسے وہ مقام مل گیا جس کا وہ عرصے سے متلاشی تھا اللہ رب العزت نے اسے قبول فرمالیا اس کی جوانی کی طرف جب نظر اٹھتی ہے کہ چند دن قبل ہی تو وہ ہمارے ساتھ شریک سفر تھا تو بے اختیار دل سے ایک آہ نکلتی ہے لیکن جب اس کی تڑپ شہادت اور پھر اس پر ملنے والے رب کی جانب سے انعامات پر نگاہ جاتی ہے تو بے ساختہ اس قابل رشک جوانی پر واہ نکلتی ہے کہ رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں اللہ سے عشق کے دعویدار عمرہ اور بیت اللہ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کیلئے حجاز مقدس کا سفر کرتے ہیں پھر جب ان کا عشق بڑھ جائے تو آنسوؤں کی برسات میں اپنے رب کے حضور گناہوں کی معافی اور استغفار طلب کرتے ہیں اپنے رب کو راضی کرنے کیلئے آنسو بہاتے ہیں لیکن اس جوان کا کیا کہنا جسے اللہ کی محبت نے تڑپایا تو سوئے مقتل رخت سفر باندھا تو پھر جب اس کا عشق بڑھا تو آنسوؤں کے بجائے خون جگر پیش کر کے رب کے حضور دست بستہ عرض کر رہا تھا کہ

سنا ہے کل تیرے در پہ ہجوم عاشقاں ہوگا   اجازت ہو تو آ کر میں بھی شامل ہو جاؤں

۱۰ رمضان المبارک کا وہ مرحلہ کیسا عجیب اور حیرت انگیز ہوگا کہ جب روزہ کی حالت میں اپنے ہمسفر حافظ سیف الرحمان کے ساتھ ہی جام شہادت نوش کر کے افطاری اپنے رب کی جانب سے جنت میں تیار کردہ ان نعمتوں سے کی ہوگی جن کا تصور اس دنیا میں رہنے والے نہیں کر سکتے شہادت کا جام لبوں میں لیتے وقت زبان حال سے امت مسلمہ کے جوانوں سے کہہ رہا تھا کہ

ہم عہد اپنا نبھا چلے ہیں تم عہد اپنا بھلا نہ دینا   شہید تم سے یہ کہہ رہے ہیں لہو ہمارا بھلا نہ دینا

شہید لال مسجد مولانا مقصود احمد شہید

گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

مولانا محمد مقصود احمد ۴ جولائی ۲۰۰۷ء کو صبح نماز فجر کی ادائیگی کے فوراً بعد مرکزی لال مسجد میں شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ تو کئی مرتبہ سوچا تھا کہ اگر میں دار فانی سے جلد چلا گیا تو میرے صدقات جاریہ بالخصوص لکھی ہوئی کتابوں کی حفاظت اور بقاء کے لئے مقصود بھائی تو ہیں۔ لیکن یہ تو سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مقصود بھائی مجھ سے پہلے ہی نکل جائیں گے اور کئی ذمہ داریوں کا بھاری بھرکم بوجھ میرے کندھوں پر ڈال جائیں گے۔ لیکن

قدر اللہ مایشاء ویفعل ما یرید. ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیء عندہ باجل مسمی. القلب یحزن والعین تدمع وانا بفراقک لمحزونون یا مقصود ولا نقول الا مایرضی بہ ربنا تبارک وتعالیٰ

(اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مقدر فرماتا ہے اور جیسا اس کا ارادہ ہوتا ہے وہ کرتا ہے۔ بے شک جو کچھ اللہ تعالیٰ لے لے وہ بھی اسی کا ہے جو وہ دے وہ بھی اسی کا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا ایک مقررہ وقت ہے۔ دل غمگین ہے اور آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں، اے مقصود! ہم آپ کی جدائی پر دل گرفتہ ہیں لیکن ہماری زبان سے صرف وہی کچھ ہی نکلے گا جس سے ہمارا رب جل شانہٗ راضی اور خوش ہو)

مقصود شہیدؒ پر کیا لکھوں؟ داستان حیات کہاں سے شروع کروں؟ اور شہید کے عزم و حوصلے کے بارے میں کیا کہوں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے احباب جانتے ہیں کہ میرے قلم کو رواں کرنے بلکہ یوں کہیں کہ مجھے اہل قلم میں شامل کرنے میں مقصود شہیدؒ ہی پس پردہ کوشاں رہے۔ یہ عجیب سا لگتا ہے کہ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو کیسے حوصلہ دیا؟ اور مقصود شہید کی شہادت سے پہلے تک مجھے خود بھی اس کا زیادہ احساس نہیں تھا لیکن آج جب میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو مجھے سوائے مقصود شہیدؒ کی حوصلہ افزائی اور ان سے تعلق کے اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ وہ بڑے ادب، انتہائی سلیقے اور ڈھنگ سے یہ کام کرتے

رہے۔ کبھی عنوانات کی فراہمی، کبھی شائع شدہ کالم پر اظہار خیال، کبھی ڈھکی چھپی تحسین اور کبھی ہلکی پھلکی تنقید۔ مقصود میرا بھائی ہی نہیں تھا، میرا ہمراز، ہمدم، غم خوار، دوست، ساتھی اور راہنما بھی تھا۔ جب ہم دونوں آپس میں ''خصوصی گفتگو'' کرتے تو اس بات کا ضرور خیال کرتے کہ کوئی تیسرا شخص نہ سن رہا ہو، یہ اہتمام اس وجہ سے نہیں ہوتا تھا کہ خدانخواستہ ہم کوئی منصوبے یا سازشیں بناتے تھے اور قسم ہے اس رب کی جس نے اسے شہادت کی سعادت سے سرفراز فرمایا وہ سخت اختلافات رکھنے کے باوجود بھی سازشوں سے کوسوں دور تھا کہ شاید یہ رگ اس میں تھی ہی نہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ ہماری باہمی بات چیت میں اتنی بے تکلفی، اپنا پن اور سادگی ہوتی تھی کہ کوئی غیر شخص وہ باتیں سن لیتا تو ہمیں ضرور عقل وشعور سے عاری سمجھ لیتا یا انہیں بہکے ہوئے خیالات باور کرتا۔

مقصود بھائی اس قافلہ اہل وفا کے شریک سفر تھے جو اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لیے پھرتے ہیں اور حدیث پاک کے الفاظ میں ''یطلب الموت مظانہ'' موت کو اس کے متوقع مقامات پر تلاش کرتے نہیں۔ مجھے نہیں یاد کہ دنیا بھر میں کہیں بھی احیائے دین کی کوئی تحریک چلی ہو اور میرا مقصود نہ تڑپا ہو۔ کئی اسلامی تحریکوں کے بارے میں اس کی معلومات قابل رشک حد تک زیادہ اور تازہ ترین ہوتی تھیں۔ فلسطین، کشمیر، افغانستان، عراق تو اس کے خصوصی موضوعات تھے لیکن ان کے علاوہ صومالیہ، فلپائن، بوسنیا، سوڈان اور برما کے بارے میں وہ اپنے قلم سے امت مسلمہ کو کچوکے لگاتے رہے، اور پھر ان کے حساس دل نے ان کے قلم سے بالکل اچھوتے موضوع پر پوری کتاب لکھوا ڈالی جس کا نام ہے ''ہمارے قیدی بھائی''۔ مجھے فون پر انہوں نے کئی مرتبہ بتایا کہ اس کتاب کی دوسری جلد بھی تیار ہے، مگر افسوس ہے کہ وہ اپنے سامنے اسے شائع ہوتا نہیں دیکھ سکے۔ اسی سلسلے میں وہ اکثر مجھے کہا کرتے کہ لوگ چیچنیا پر مضمون تو لکھتے ہیں لیکن انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس سمت میں واقع ہے۔ ہم دونوں کے باہمی شیخ چلیانہ منصوبوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جب بھی عالم اسلام کے کسی حصے میں بحران کھڑا ہو تو اس علاقے کے متعلق مکمل معلومات پر ایک بھرپور کتاب منظر عام پر لانی چاہئے۔

مقصود بھائی دینی صحافت کی راہ کے راہرو ہی نہیں بلکہ اس وادئ پرخار میں روشن مینار کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے لکھا اور خوب لکھا، بہت قیمتی لکھا اور بہت اچھا لکھا اور اس وقت لکھا جب لکھنے کی سخت ضرورت تھی۔ اٹھائیس سال کی عمر میں انہوں نے بیس سے زائد

قیمتی، دلچسپ اور مقبول عام کتابیں لکھیں۔ انہوں نے ایک دو نہیں، نصف درجن سے زائد دینی مجلّات وجرائد کی ادارت کی جن میں سے کئی انتہائی اہم اور اپنے زمانے کے مقبول ترین جرائد تھے۔ پاکستان کے ایک قومی سطح کے کالم نگار نے انہیں بھاری معاوضے پر یہ پیشکش کی کہ چونکہ مقصود بھائی اور موصوف کا طرز نگارش بہت ملتا ہے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ مواد وہ فراہم کریں گے اور میرا مقصود ان کے نام سے کالم لکھ دیا کرے کہ وہ خود بہت مصروف ہوتے ہیں، میرے مقصود نے بھی خودداری اور شان استغناء سے جواب دیا کہ

''جناب! آپ نے غلط شخص کا انتخاب کیا ہے۔ میں معاوضے کے لئے نہیں لکھتا، میں تو ایک نظریاتی شخص ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ اپنے قلم سے اسلام کی کوئی ٹوٹی پھوٹی خدمت سرانجام دے سکوں۔''

میں اپنے کالم میں ''القلم'' کے قارئین کو یہ افسوس ناک اطلاع بھی دیتا چلوں کہ عظمتِ مساجد پر مسجد ہی کی زمین پر تڑپنے والے میرے بھائی صرف محمد مقصود احمد ہی نہیں تھے، ان کے ساتھ غازی علم دین، ابن احمد شیخ، علی بھائی، مقصود الحمود، نورانی، کمال دین اور خالد بن ولید بھی شہید ہوگئے ہیں، اس لیے آئندہ ہمارے قارئین ان حضرات کے کالم بھی نہیں پڑھ سکیں گے۔ آپ حیران ہوں گے کہ ان سب حضرات کا جنازہ بھی ایک ساتھ ہوا اور انہیں ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ آپ پوچھیں گے کہ کیوں؟ اصل بات یہ ہے کہ میرا مقصود ہی ان سب ناموں کے پردے میں مستور تھا اور وہ جب زیادہ لکھتا تو اپنے اس کمال کو چھپانے کے لئے مختلف ناموں کی اوٹ میں گم ہوجاتا تھا۔

میں اپنی پریشانی کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکا کہ مقصود بھائی صرف میرا دست راست نہیں تھا بلکہ دست وبازو تھا۔ اس کے مشورے بہت قیمتی اور بے لوث ہوتے تھے، اس کا تعاون انتہائی انمول ہوتا تھا۔ میری تمام کتابوں کی تیاری سے اشاعت تک کے تمام مراحل پر وہ قدم بقدم میرے شریک رہا۔ پھر ابھی اس کے بہت سے قرضے بھی میرے ذمے باقی ہیں کہ دس کے قریب ان کی غیر مطبوعہ کتابیں ہیں جنہیں شائع کروانا ہے، پھر ان کے کالموں کے مجموعے ترتیب دینے ہیں اور توفیق الٰہی شامل حال رہی تو ایک مستقل کتاب بھی ان کی حیات وخدمات کے حوالے سے لکھنی ہے۔ قارئین سے بھی التماس ہے کہ اگر ان کے پاس مقصود بھائی کی کوئی امانت بصورت یادگار واقعہ ہو تو وہ مجھ تک ضرور پہنچا دیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو اعلیٰ درجے میں قبول فرمائے اور ہمیں بھی اس سعادت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین ثم آمین......

ایسے میں ایک خوبصورت، دراز قد جوانِ رعنا جب یہ سب کچھ سُنتا ہے تو سُنتے ہی ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہو کر اس بھڑکتی آتش نمرود میں کود جانے کے لئے پر تولتا ہے۔ جس دہکتی بھڑکتی آگ کو دیکھ تو ساری دنیا والے ہی رہے ہیں مگر............ جب یہ فولادی عزائم رکھنے والا خوبرو جوان عقاب کی طرح جھپٹنے کے لئے بیقرار ہو جاتا ہے تو نہ معلوم کونسی طاقت ہے جو آناً فاناً اُسے اُس کی منزل تک پہنچا دیتی ہے طویل فاصلہ لمحوں میں طے ہو جاتا ہے۔

ادھر شام کے سائے گہرے ہونا شروع ہوئے رات کا اندھیرا قریب آیا ادھر اہل ایمان کے دلوں کی دنیا اندھیر ہونا شروع ہوئی چارسُو ایسا محسوس ہوتا جیسے ہر ایک کو سانپ سُونگھ گیا ہو۔ لیکن......وہ حسین و جمیل جوان پہلے تو تمام رکاوٹوں کو آناً فاناً عبور کر کے مظلوموں کے درمیان دکھائی دیا اور وہ بھی اس شان سے کہ آگ کے اس بھڑکتے دہکتے الاؤ کے بیچوں بیچ ایسا تازہ دم ایسا پھرتیلا چوکنا اور متحرک جیسے بُلبل کو چہچہانے کے لئے پھولوں بھرا چمن مل گیا ہو۔

معاملات مزید گھمبیر ہو گئے آسمان نے ایک نیا نظارہ دیکھا کہ پوری طرح اسلحے سے مسلح لشکر پوری طرح ساز و سامان سے لیس فوج پوری طرح نہتے پوری طرح بے بس اور بالکل معصوم انسانوں پہ ٹوٹ پڑی پھر کیا تھا گاجر مولی کی طرح کاٹ کے رکھ دینا تو اب پُرانی بات ہو گئی اس وحشی لشکر نے معصوم انسانوں کو مار ڈالنے کے ساتھ ساتھ اُن کے جسموں کو جلانا شروع کر دیا۔

طاقت اور وسائل کے نشے میں چُور یہ سفاک اور بے رحم درندے ایسے بے ضرر انسانوں پر حملہ آور تھے جن کے پاس اسلحہ تو دُور کی بات اپنے سر کو بچانے کے لئے اپنے ہی ہاتھوں کے علاوہ کوئی ڈھال بھی نہ تھی۔

ایسے میں دور بہت دور سے کسی نے آواز سُنی وہ جوانِ رعنا پورے جوش، ولولے، ایمانی جذبے اور طنطنے کے ساتھ اُن درندوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُن سے مخاطب تھا اور ساتھ ساتھ معصوم و بے گناہ انسانوں کو محتاط رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔

ہوا کے دوش پر آنے والی آوازیں کچھ یوں تھیں ''اللہ کے دشمن زخموں سے چُور چُور زخمیوں کو نشانہ بنا رہے ہیں'' پھر ایک اور آواز اُبھری ''اللہ کے دشمنو سُن لو! ہم ایمان والے موت سے نہیں ڈرتے'' کچھ دیر کے بعد ایک اور گونج سُنائی دی ''اللہ کے دشمنو! ہم ایمان

والے ہیں اور ایمان والے خوشی خوشی لیلائے شہادت کو گلے لگاتے ہیں''۔

اب تک رات آدھی بیت چکی تھی اور بہت دُور سنائی دی جانے والی اِن آوازوں میں صرف یہی کچھ نہ تھا بلکہ ساتھ میں ایسی گھن گرج اور جنگ کی شدت کی آوازیں بھی تھیں جن سے آس پاس والوں کے تو کیا میلوں دُور فاصلے پر موجود لوگوں کے دل دہل رہے تھے اور اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید ہی کوئی ذی رُوح آج زندہ بچ سکے مگر اس ماحول میں بھی شہادت کی سچی تمنا رکھنے والے فرزندانِ ابراہیم اپنے حوصلوں کو بلند اور ارادوں کو مضبوط رکھے ہوئے تھے۔

ایسے میں جبکہ بڑے بڑے بہادروں کا پتہ پانی ہو رہا تھا ہوش اُڑے ہوئے تھے دِل اُچھل کر حلق میں اٹکے ہوئے تھے کسی نے تشویش بھرے لہجے میں اس جوان رعنا سے پوچھا ''یار کیا ہوگا؟'' جواب ملا ''شہید ہو جائیں گے اور کیا ہوگا'' بالکل ایسے ہی جیسے کسی مُسافر سے دمِ واپسی پوچھا جائے کیا ارادہ ہے؟ وہ کہے واپس گھر جانا ہے اور کیا ارادہ ہے۔

بس پھر کیا تھا رات اور معاملات ایک ساتھ ہی تیزی سے سمٹنا شروع ہو گئے جوان جو صرف اسی رات کا نہیں بلکہ کئی پہر سے مسلسل جاگ رہا تھا تہجد کی تیاری کرنے لگ گیا وضو کے لئے پانی کہاں؟ تیمم کیا اور بیچ تلواروں کے سائے میں نمازِ عشق ادا کر دکھائی پھر وقتِ سحر آہ وزاری اور ربِ کریم کے دربار میں فریاد میں مشغول ہو گیا شاید وہ شہادت کے لہو سے پہلے توبہ کے آنسوؤں سے ہی سب کچھ دھونا چاہتا تھا۔

کچھ ہی دیر کے بعد جب وہ لمبی، بہت لمبی دُعا مانگ کے فارغ ہوا تو فجر کی اذان شروع ہو گئی اپنے ساتھیوں کے ساتھ باجماعت نمازِ فجر مسجد میں ادا کی اور نماز ادا کر کے جونہی اُس نے مسجد سے باہر کی طرف رُخ کیا اِک کاری زخم سینے کے نیچے اُس کے کلیجے کو چیرتا چلا گیا اور وہ پیارے رب کی دہلیز پر اُس کا پیارا نام لیتے ہوئے بیٹھتا چلا گیا۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں جب اُسے سہارا دینے کے لئے اُس کے قریب ہوئے تو اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبدهٗ ورسوله کا تیز تیز وِرد سُنائی دیا اور کچھ ہی دیر میں وہ پُرسکون ہو گیا بالکل پُرسکون۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔ جس نے دیکھا کہا نیند میں ہے، سو رہا ہے، زندگی بھر اُسے رات بھر جاگنے اور فجر کے بعد سونے پر روک ٹوک ہی ہوتی رہی مگر قدرت نے اُس کو شاید اُسی کے پسندیدہ وقت میں نیند سُلانا منظور کیا ہوا تھا کیونکہ وہ روز جو اسی وقت سوتا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ آج ابدی نیند تھی۔ سکون اس کے چہرے سے، اطمینان اُس کی پیشانی

سے اور مسکراہٹ اُس کے لبوں سے پھوٹ رہی تھی۔ میں نے دیکھا تو بالکل ایسا لگا کہ ہلکے ہلکے تبسم کے ساتھ خوبصورت خواب دیکھتے ہوئے ہولے ہولے کچھ کہہ رہا ہے۔ میں نے کان اُس کے لبوں کے قریب کردیے تو آواز آئی۔

راہِ وفا میں ہر سُو کانٹے دھوپ زیادہ سائے کم
لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

نام......محمد مقصود احمد

ولدیت......میجر (ر) احمد محمود شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ

قلمی نام......ابن احمد شیخ، غازی علم دین، خالد بن ولید، نورانی، کمال الدین، علی بھائی

تاریخ پیدائش......۷ مارچ ۱۹۷۸ء

مقام پیدائش......آبائی علاقہ اٹک شہر

تعلیم...... ماڈل پبلک اسکول راولپنڈی۔ جامع مسجد صدیق اکبرؓ راولپنڈی۔ معہد الخلیل الاسلامی کراچی۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ جامعہ دارالعلوم کراچی۔

شہادت

بروز بدھ ۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۴ جولائی ۲۰۰۷ء۔ مرکزی لال مسجد اسلام آباد کے احاطے میں نمازِ فجر کی ادائیگی کے فوراً بعد۔

اللهم اغفرله وارحمه و اكرمه و عافيه واعف عنه. اللهم تقبل شهادته

حدیثِ پاک میں آتا ہے:

"اللہ تعالیٰ کے یہاں شہید کے لئے چھ اعزاز ہوتے ہیں

پہلے ہی لمحے اس کی مغفرت کردی جاتی ہے اور اس کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھادیا جاتا ہے۔

عذابِ قبر سے محفوظ کردیا جاتا ہے۔

فزعِ اکبر (قیامت کی مصیبت) سے محفوظ کردیا جاتا ہے۔

اس کے سر پر عزت و وقار کا تاج رکھا جاتا ہے، جس کا ایک یاقوت دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سے بہتر ہے۔

گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی بہتر حوروں سے اس کی شادی کردی جاتی۔

اس کے ستر رشتہ داروں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

شہید افغانستان
ظاہر شاہ کی شہادت

جیل میں شہید ہونے والے قیدی ظاہر شاہ شہیدؒ کی شہادت ہمیں جہاد کی طرف بلا رہی ہے اور ان کے جسد مبارک سے آواز آتی ہے کہ اٹھو مسلمانوں جہاد کی طرف آ جاؤ اور اللہ کے دین پر سر قربان کرلو، ظاہر شاہ شہید ضلع سوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ سعودی عرب گئے اور وہاں پر مزدوری کرر ہے تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سالار اعظم نے انہیں ایسی دولت بتائی کہ وہ ہمیشہ اور ابداً تھی۔ ظاہر شاہ شہیدؒ کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمع چار ساتھیوں صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی زیارت نصیب ہوئی۔ ظاہر شاہ شہید رحمہ اللہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روانہ کرکے ایک ایسے علاقے پر پہنچایا جہاں سارے ہی سارے کالے پہاڑ تھے اور کچھ نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے میرے کندھے پر راکٹ لانچر رکھ کر مجھے فرمایا کہ جاؤ اور ان کافروں، ظالم اسلام دشمنوں سے جہاد کرو۔ وہ پہاڑ مجھے لگ رہے تھے کہ یہ افغانستان ہے اور میں نے ان لوگوں سے جہاد شروع کر دیا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو حیران رہ گیا کہ کیسا یہ عجیب خواب ہے اور پھر میں نے اپنے آپ کو دیکھ کر کہا کہ میرے دل میں تو کبھی جہاد کا شوق نہیں تھا اور دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں یہ فرماتے ہیں میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ میں جہاد کرونگا۔ ابھی شیطان دل میں مختلف وساوس ڈالتا تھا کبھی کہتا تھا کہ یہ صرف خیال ہی تھا اس لئے کہ جہاد کرنا تو میرے خیال و گمان میں نہیں تھا۔ لیکن اللہ کا کرنا تھا میں کچھ وقت بعد پاکستان آیا۔ پھر جذبہ جہاد کا شوق لیکر افغانستان گیا وہیں پر دوران جنگ شدید مقابلہ ہوا اسی دوران میں نے اپنے ساتھی مجاہد کو پیسے دیئے۔ اور والد صاحب کا سلام بھی پہنچایا اور کہا کہ باپ نے کہا ہے کہ جہاد جاری رکھیں۔ آخر کار اللہ کا کرنا تھا کہ ہمارا محاصرہ ہوا اور زیادہ طویل جنگ کرنے کے بعد گرفتار ہوگئے۔ دشمنوں نے پنجشیر جیل ہمیں پہنچا دیا وہاں پر اسیری

کی زندگی گزارتے رہے اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کررہے تھے آخر کار تکالیف زیادہ ہونے کی بناء پر سخت بیمار ہوئے اور جام شہادت نوش کر گئے۔

انا لله وانا اليه راجعون اور وہ خواب جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جہاد کرنے کا حکم دیا تھا جیل میں ساتھیوں کو بیان کیا اسے پہلے کبھی بیان نہیں کیا تھا۔ان کی یہ مبارک تشکیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی کہ بہترین تشکیل تھی اللہ انکی شہادت قبول کر کے ہمیں بھی راہ حق میں قربانی کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

شہداء کشمیر وافغانستان

محمد اختر شاکر شہید رحمہ اللہ

اختر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم محلہ کی مسجد میں قائم مدرسہ سے حاصل کی اس کے بعد اسکول کی تعلیم میٹرک تک حاصل کی۔میٹرک سے فراغت کے بعد عمر کے اس حصے میں جب اکثر نوجوان کھیل کود ہی کے دن گزار رہے ہوتے ہیں اختر شہید کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم مشن کیلئے قبول فرمالیا جو اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

وہ ماہ محرم کی ایک مبارک شام تھی جب مجاہدین کی ایک مختصر جماعت مقبوضہ کشمیر کے ضلع کپواڑہ کی تحصیل لولاب کے علاقے میں ایک خفیہ مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے سفر کررہی تھی کہ اچانک بھارتی فوج کی بھاری نفری نے کسی مخبری کی بنا پر ان کا محاصرہ کرلیا۔اس صورتحال میں مجاہدین نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے مقابلے کو ترجیح دی۔تین گھنٹے کی اس جھڑپ میں چار ہندو فوجی جہنم واصل ہوئے اور ڈسٹرکٹ کمانڈر بھائی نعیم اور تحصیل کمانڈر بھائی قیس مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔یہی ''قیس'' بھائی اختر شاکر شہید ہیں جن کے والدین کی زیارت کیلئے آج ہم حاضر ہوئے تھے۔

قاری معین الدین شہید رحمہ اللہ

دنیا فانی ہے اس کی ہر شے ختم ہونے والی ہے بڑے بڑے لوگ آئے اور اپنی متعین زندگی گزار کر چلے گئے۔ مگر بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے حسن کردار، نا قابل فراموش عمل اور بامثال قربانیوں کے باعث رہتی دنیا تک یاد رکھے گئے۔ ایسے ہی خوش قسمت لوگوں میں تلہ گنگ کے گاؤں کوٹ گلہ کے قاری معین الدین شہید ؒ بھی ہیں۔

جذبہ شہادت

آپ میں جذبہ شہادت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ اپنے بھائی کو کہا کرتے تھے کہ میں قرآن شریف پر مکمل عمل کرنا چاہتا ہوں اگر جہاد وقتال نہ کروں تو کچھ آیات عمل کرنے سے باقی رہ جائیں گی۔ جہاد وقتال کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت بھی ادا ہو جائے گی اور شاید میری شہادت کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔ آپ طالبان کی طرف سے ۱۱ر جون ۱۹۹۸ء کو جہاد کیلئے روانہ ہوئے آپ نے اپنے بھائی کو بتایا کہ میں چار ماہ کے بعد واپس آؤں گا لیکن اللہ تعالیٰ نے اڑھائی ماہ کے عرصہ میں آپ کی شہادت کی خواہش پوری کردی۔ آپ تقریباً ڈیڑھ ماہ کابل کے نزدیک قلعہ مراد بیگ (عمر یسار پوائنٹ) پر دشمن سے برسر پیکار رہے اس کے بعد آپ کو کابل مرکزی دفتر میں کسی کام کیلئے بلایا گیا لیکن کابل کے مرکزی دفتر میں آپ کا جی نہیں لگتا تھا کیونکہ آپ شہادت کیلئے بے تاب تھے۔ اس کے بعد آپ کی خواہش کے مطابق افغانستان کے شمالی صوبہ قندوز میں تشکیل کردی گئی جہاں کمانڈر ملا داد اللہ کی زیر نگرانی آپ کیمونسٹوں اور منافقین کے ساتھ پچیس دن برسر پیکار رہے۔ واضح رہے کہ قندوز اور قلعہ مراد بیگ کے محاذ سخت ترین محاذ ہیں جہاد کے دوران بھی آپ کے فارغ

وقت میں آپ کے مجاہدین ساتھی آپ سے تلاوت کلام پاک اور نظمیں سنا کرتے تھے۔آپ اکثر خاموش رہا کرتے تھے۔ایک نومسلم مجاہد کو (جو کہ پہلے قادیانی تھا چکوال کا رہائشی تھا) آپ نے کہا ہوا تھا اگر میں شہید ہو گیا تو آپ نے میرے گھر جا کر تمام احوال سے آگاہ کرنا ہے۔اس کے کہنے کے مطابق شہادت کے ایک دن پہلے معین الدین کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی ان دونوں صحابہ کرامؓ نے معین الدین کو شہادت کی خوشخبری سنادی۔معین الدین نے اپنے تمام مجاہدین ساتھیوں سے الوداعی ملاقات کی ساتھیوں کے اصرار پر آپ نے بتایا کہ مجھے خواب میں ان دونوں صحابہ کرامؓ کی زیارت نصیب ہوئی اور انہوں نے مجھے شہادت کی خوشخبری سنائی لیکن میں نے (یعنی نومسلم ساتھی نے کہا) کہ آپ کو اس محاذ پر آئے ہوئے صرف پچیس دن ہوئے ہیں جب کہ مجھے سات ماہ ہوئے ہیں آپ کس طرح پہلے شہید ہوں گے تو اس نے مجھے یہ جواب دے کر خاموش کر دیا کہ یہ کہیں نہیں لکھا ہوا ہے کہ آپ پہلے آئے ہیں اور آپ ہی پہلے شہید ہوں گے شہید وہی پہلے ہوگا جس کی شہادت اللہ تعالیٰ کو پہلے منظور ہوگی اور میرا فیصلہ ہو گیا ہے اور مجھے آگاہ کر دیا گیا ہے۔۲۴ / اگست دن تقریباً دس بجے کا وقت تھا معین الدین اور میرے درمیان یہی باتیں ہو رہی تھیں میں مورچہ کھود رہا تھا اور معین الدین کلاشنکوف لئے گرنیڈ اٹھائے ہماری حفاظت پر مامور تھے کہ دشمن نے اچانک حملہ کر دیا۔پہلی گولی معین الدین کی دائیں ران پر لگی معین الدین بیٹھ گیا مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ فائرنگ کی آواز تقریباً ہر وقت آتی رہتی ہے۔میں نے معین الدین کو مورچہ میں سے مٹی نکالنے کا کہا تو معین الدین نے کہا کہ مجھے تکلیف ہے آپ کسی اور ساتھی کو مٹی نکالنے کیلئے بلائیں لیکن میں بات نہ سمجھ سکا۔میں نے کہا نہیں آپ ہی نکالیں کیونکہ دشمن کے حملے کا خطرہ قریب آ رہا ہے معین الدین اٹھا ہی تھا کہ دوسری گولی اس کی بائیں ران میں لگ گئی معین الدین نے کلاشنکوف کا رخ دشمن کی طرف کیا تو تیسری گولی معین الدین کی دائیں پسلی میں لگ گئی پھر چھوتھی گولی معین الدین کے سینے میں لگی جس سے معین الدین منہ کے بل گر پڑا میں نے اسے سیدھا کیا تو اس نے مجھ

سے پانی مانگا۔ دوسرے ساتھی لڑائی میں مصروف ہوگئے میں نے معین الدین کو کہا کہ پانی تو ہمارے پاس موجود نہیں ہے اس نے کہا کہ کسی اور ساتھی سے پتہ کریں میں پانی کیلئے چلا ہی تھا کہ اس نے مجھے پیچھے سے آواز دی میں واپس اس کے پاس گیا تو اس نے مجھے کلمہ پڑھنے کا کہا میں نے کلمہ پڑھا اس کے بعد اس نے تین دفعہ کلمہ پڑھا اور آنکھیں بند کرلیں بجائے میرے ہاتھوں سے پانی پینے کے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے حوض کوثر پر جا کر پیاس بجھائی۔ جب معین الدین شہید ہوا تو اسی اثناء میں ہمارے دو ساتھی اور بھی شہید ہوگئے اس وقت توپوں کے دہانے ہماری طرف آگ اگل رہے تھے۔ دشمن ہماری طرف نشانہ لے کر ہمیں مار رہے تھے۔ ہم نے معین الدین اور باقی شہید ساتھیوں کو چھوڑا اور ہم نے دشمن سے مقابلہ شروع کردیا۔ یہ معرکہ تین دن جاری رہا کبھی وہ ہمیں پیچھے دھکیل دیتے اور کبھی ہم انہیں دھکیل دیتے آخرکار تیسرے دن ہم یہ معرکہ جیت گئے شمالی اتحاد کے کئی کیمونسٹ فوجی ہم نے مردار کئے اور تقریباً دوسو پچاس ۲۵۰ فوجی گرفتار کیے۔ تیسرے دن تقریباً ۵۴ گھنٹوں کے بعد شام تقریباً چار بجے ہم جب اپنے شہید بھائیوں کو سنبھالنے کیلئے گئے تو باقی ساتھیوں کو دیکھ کر تو ہمیں یقین ہوگیا کہ شہید ہوگئے ہیں لیکن معین الدین کی اس وقت ہم نے عجیب حالت دیکھی کہ معین الدین کے ہونٹ ہل رہے تھے بعض ساتھیوں نے کہا کہ قاری معین الدین ابھی زندہ ہے لیکن بعض ساتھیوں نے کہا نہیں شہید ہوگیا ہے کثرت سے تلاوت کلام پاک کیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کرامت سے نوازا ہے۔ معین الدین کا جسد خاکی بذریعہ ہیلی کاپٹر ہم نے کابل روانہ کردیا۔ افغانستان کا صوبہ قندوز بالکل شمال میں روس کے بارڈر پر واقع ہے اور زمینی راستہ پر حزب وحدت کا اس وقت قبضہ تھا۔ معین الدین کا جسد خاکی رات بھر کابل میں رہا اور جنازہ پڑھا گیا۔ صبح کو معین الدین کا جسد خاکی بذریعہ وین اسلام آباد روانہ کردیا گیا۔ معین الدین کا دوسرا جنازہ تحصیل تلہ گنگ کے گاؤں سگھر میں ۲۷ راگست کو رات دس بجے پڑھا گیا۔ آپ کے جسد خاکی کو ۸۶ گھنٹوں کے بعد رات گیارہ بجے آپ کے گھر پہنچایا گیا۔

شہید کی کرامات

۱-۸۶ گھنٹوں کے بعد جب تابوت کھولا گیا میت بالکل صحیح سلامت تھی بالکل تازہ تھی۔
۲-رات بارہ بجے سے لے کر صبح دس بجے جنازہ پڑھنے تک ہونٹ ہلتے رہے کبھی ہونٹوں کی حرکت تیز ہو جاتی اور کبھی آہستہ اور یہ نظارہ کئی لوگوں نے دیکھا۔ اس طرح محسوس ہوتا تھا جیسے تلاوت کر رہے ہوں۔
۳-منہ، ناک اور پیٹ سے تازہ خون جاری تھا۔ منہ سے خون کے بلبلے اٹھتے تھے۔
۴-جسم اطہر سے عجیب سی آواز آتی تھی محسوس ہوتا تھا کہ سانس جاری ہے۔
۵-جسم اکڑا ہوا نہیں تھا۔ بہنوں نے پاؤں کے انگوٹھوں سے دھاگے کھولے تو پاؤں علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ جسم کو دبانے سے جسم دب جاتا تھا۔
۶-جسم مبارک سے کافی دور تک خوشبو آتی تھی اور ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔
۷-جنازہ کے بعد منہ سے خون بہنا بند ہو گیا تھا۔ جنازہ شہید ہونے کے ۹۶ گھنٹے بعد پڑھا گیا۔ آپ کی یہ کرامات ہزاروں لوگوں نے دیکھیں۔

آپ کا ۲۸/اگست ۱۹۹۸ء (۵/جمادی الاوّل ۱۴۱۹ھ) کو ۹۶ گھنٹوں کے بعد صبح دس بجے جنازہ پڑھا گیا اور آپ کے آبائی گاؤں کوٹ گلہ میں دفن کر دیا گیا۔ (تحریر عزیز الرحمٰن رحمانی)
عبدالنعیم شہیدؒ خوش اخلاق، ذہین وفطین، انتہائی فرمانبردار اور زبردست مقرر بھی تھے

نعیم شہید رحمہ اللہ

باتیں ان کی یاد رہیں گی

شہادت کے حصول کیلئے نعیم شہیدؒ کا جذبہ قابل رشک اور قابل تقلید تھا اللہ نے اس کی تمنا کی لاج رکھ لی

چند علماء کرام کی دعاؤں سے اللہ نے مجھے جہاد کا جذبہ عطا کیا اس سلسلے میں جہاد کیلئے افغانستان روانگی ہوئی دوران جہاد نعیم بھائی گولی لگنے سے، شدید زخمی ہوئے اور اٹک شہر میں زیر علاج رہے۔ صحت یاب ہونے کے بعد دومیل آئے اور بعد از جمعہ ملاقات ہوئی۔ میں نے حادثہ کی تفصیل پوچھی۔ تفصیلات سناتے ہوئے نعیم شہید نے رونا شروع کر دیا میں نے کہا ''یار نعیم! تو تو بڑا دلیر آدمی ہے۔ یہ رونا کیسا؟'' تو کہنے لگے ''خطیب صاحب روتا اس لئے ہوں کہ میرے کئی دوست اس معرکے میں شہید ہو گئے، لیکن میں بدنصیب محروم رہ گیا۔ آپ میرے لئے دعا فرمائیں اللہ مجھے شہادت کی نعمت سے سرفراز فرمائے'' میں نے آمین کہی تو نعیم شہید نے جس طرح مولانا شیر محمد صاحبؒ سے کہا تھا اسی جذبہ سے مجھے کہا ''استاذ جی! ایسے نہیں آپ ہاتھ اٹھا کر میرے لئے شہادت کی دعا کریں'' میں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اس دوران نعیم بھائی کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔

غرضیکہ شہادت کے حصول کیلئے نعیم شہیدؒ کا جذبہ قابل رشک تھا اور قابل تقلید بھی۔ اللہ کریم نے اپنے اس پیارے بندے کی تمناؤں کی لاج رکھی اور خوب رکھی۔ شہادت کے علاوہ نعیم بھائی کو کسی خواہش میں میں نے تڑپتے نہیں دیکھا اسی تڑپ کی بنا پر اپنے امیر کے حکم کو لبیک کہتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں نعیم شہید کو شہید ہونے کے ساتھ ساتھ مستجاب الدعوات بھی مانتا ہوں۔ میرا دل کہتا ہے کہ رب کریم نے جس طرح نعیم کو شہادت کی آرزو کرنے پر خلعتِ شہادت سے سرفراز فرمایا ہے اور جس طرح حضرت کی رہائی کی خبر سنوائی ہے اسی طرح میرا داتا اور مالک کشمیر کی آزادی کے حوالے سے بھی اپنے اس نیک بندے کی آرزو ضرور پوری فرمائے گا۔ میرے لئے جس طرح نعیم شہیدؒ کی محبتیں، عقیدتیں، خدمتیں، اطاعتیں اور پیاری پیاری باتیں زندگی کی حسین ترین یادگاریں ہیں اسی طرح نعیم شہید کے بڑے بھائی عبدالحکیم کا حوصلہ ہمت اور صبر کا وہ مظاہرہ بھی یادگار رہے گا جو انہوں نے نعیم شہید کی شہادت پر دکھایا ہے۔ لقمان حکیم کے حالات میں لکھا ہے: انہیں والد کی وفات کا پتہ چلا تو کہنے لگے میرے سر سے سایہ اٹھ گیا۔ والدہ کی وفات کی خبر ملی تو کہا میں دعاؤں سے محروم ہو گیا۔ بھائی کی وفات کا سنا تو کہنے لگے میری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور زار و قطار رو پڑے۔ بھائی کی موت، پھر جواں سال بھائی، پھر نعیم شہید جیسا بھائی، یہ شہادت کی برکت اور شہید کے خون کی عظمت ہے کہ نعیم شہید کی والدہ، بھائیوں اور بہنوں نے بے مثال صبر و حوصلہ کا مظاہرہ کر کے ہر کسی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اللہ کریم نعیم شہیدؒ کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین) (تحریر: مولانا نصیرالدین ضیاء)

سلام اے راہرو راہ وفا

عبداللہ بھائی عرف حمزہ شہید رحمہ اللہ کی یاد میں

حمزہ شہیدؒ نے مجاہدین کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے لیلائے شہادت کی خلعت زیب تن کر لی شوق شہادت سے سرشار عبداللہ بھائی شہیدؒ ایک مخلص اور ملنسار ساتھی تھے۔ جب سے موصوف نے ہوش سنبھالا وہ شہادت جیسی نعمت کی جستجو میں رہتے تھے۔ اپنے دوست احباب سے اکثر کہا کرتے تھے کہ میں اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن اس سے قبل قرآن مجید کے حفظ کو بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ دینی تعلیم کے حصول کے بعد جہاد کی تربیت کیلئے افغانستان چلے گئے۔

تقریباً ۶ ماہ تک تربیت حاصل کی اس کے بعد گھر تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ بعد جب موصوف کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ایک مایۂ ناز کمانڈر سجاد افغانیؒ کو ہندو درندوں نے جیل کے اندر شہید کر دیا ہے تو یہ سن کر دیگر مسلمانوں کی طرح حمزہ شہیدؒ کے اندر بھی ہندوؤں سے انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ تو انہوں نے فوراً تیاری مکمل کی اور کشمیر کے اندر چلے گئے اور عرصہ دراز تک ہندو بنئے سے برسرِ پیکار رہے آخر کار محرم ۱۴۲۱ھ میں ایک محاصرہ کے دوران حمزہ اپنے ساتھیوں سمیت جام شہادت نوش کر گئے۔ (تحریر: فرحان علی بلگرامی)

اللہ تعالیٰ ایسا بھائی ہر بہن کو دے

ایک بھائی کی داستان بہن کے قلم سے

اس عظیم بھائی کے حالاتِ زندگی کا مختصر سا تذکرہ جس کی ایک جھلک کیلئے آنکھیں ترستی تھیں۔ اس کی میٹھی میٹھی مسکراہٹ آج بھی چاروں طرف پھیلی ہے۔ وہ ریا کاری کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لئے لکھنا خود سے کچھ نہیں چاہتے تھے۔ لیکن پھر بھی کچھ تو ذکر ہو کہ وہ بھی کسی کا جگر گوشہ

تھا، کسی بہن کے دل کا سکون، بھائیوں کی آنکھ کا تارا تھا۔ لیکن سب محبتیں اس ایک رب کی محبت پر قربان (اس کی خدمات کی باتیں بہت طویل ہیں لیکن بہت کوشش سے مختصر کیں)۔

۲۱ رجون ۱۹۹۷ء کو افغانستان جہادی مہم پر روانہ ہو گیا اور کچھ عرصے کے بعد پنڈی ایک شہید کی لاش لایا۔ خیریت معلوم کرنے کیلئے اس نے فون کیا تو بہن کے بے حد اصرار پر گھر آ گیا۔ اسی دوران ۱۵ رجنوری ۱۹۹۸ء کو والد محترم اچانک فوت ہو گئے۔ یہ اپنے مجاہد ساتھیوں کے پاس چکوال تھا اور اطلاع ملنے پر آیا، والد محترم نعیم سے بہت پیار کرتے تھے اور کہتے کہ میرا دل کرتا ہے کہ نعیم میری آنکھوں پر بندھا رہے۔

تو وہ آنکھیں ہی اس پیارے کو تلاش کرنے والی بند ہو گئی تھیں، اب اسے والدہ محترمہ کی فکر لگ گئی کہ کہیں ان کی خدمت کی وجہ سے مجھے رکنا نہ پڑے پھر اس نے اپنے سے بڑے بھائی سے پوچھا کہ اگر آپ والدہ کی خدمت کا ذمہ اٹھائیں تو میرا کام نہ رکے کیونکہ جہاد تو کسی حال میں چھوڑنا نہیں۔ یہ بہت بڑا زوال گھر پر آ جائے گا اور آپ سے بڑے دو ذمہ دار بھائی بھی ہیں، آپ کے پیچھے بہن ہیں، میں ایک نہ ہوا تو کیا فرق پڑتا ہے اور مجھے تو قربان ہونا ہی ہے۔ پھر ۱۵ رفروری ۱۹۹۸ء افغانستان چلا گیا۔

اور اکتوبر ۱۹۹۸ء کو اسے گولی لگ گئی تو وہ علاقے میں واپس آ گیا، اٹک دفتری کام انجام دیتا رہا۔ گولی اس کے پھیپھڑوں کو چیرتی ہوئی سینے کے آر پار ہو گئی لہٰذا اسے محاذ پر جانے کی اجازت نہ تھی، لیکن وہ بار بار کہتا کہ جو مزہ محاذ پر ہے وہ ادھر کام کرنے میں نہیں۔

اور پھر آخر کار اس کی خواہش پوری ہو گئی سب دوست احباب سے مل کر اور اپنی والدہ محترمہ سے اجازت لے کر وہ محاذ جنگ پر روانہ ہو گیا۔ جون ۱۹۹۹ء مطابق ۶ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ کو ڈیال وادیٔ نیلم سے اپنی بڑی بہن کی طرف خط لکھا جن کے بیٹے ولید سے اسے بے حد پیار تھا کہ میرا دل کر رہا تھا کہ جانے سے پہلے ولید سے خوب دل بھر کر باتیں کر لوں لیکن ملاقات کا کوئی ذریعہ نہ بن سکا۔ میں تین ماہ سے ولید سے نہ مل سکا، تو وہ بہت یاد آ رہا ہے اور وہ اڑھائی سال وادی کے اندر کیسے گزریں گے لیکن اگر آپ لوگوں سے ملاقات کرتا

توباقی چھ ساتھی میری وجہ سے رہ جاتے لہٰذا جو رب کی رضا اس پر خوش ہیں۔وہ اڑھائی سال بعد ملاقات ان شاء اللہ ہوگی بصورت دیگر آ گے ان شاء اللہ (جنت میں) ہو جائے گی۔

شہادت ہماری آرزو ہے مقصد نہیں، مقصد اللہ کے دین کی سربلندی ہے اور ایک آخری خط گھر والوں کی طرف بڑے بھائی جو والد کے بعد ذمہ دار ہیں ان کو ۲۷ر صفر المظفر ۱۴۲۰ھ کو اٹھمقام سے لکھا۔اور پھر آخر کار میرے اس عظیم مجاہد بھائی کا ۱۲/ اپریل ۲۰۰۰ء کی درمیانی شب کو وادی کشمیر کی تحصیل لولاب میں خون گرا۔جس نے سب چراغ روشن کر دیئے الحمد للہ۔اور ۱۴/ اپریل ۲۰۰۰ء مطابق ۹ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ کو شام ٦ بجے گھر والوں کو اطلاع دی گئی،دل سے یہی کہا کہ ؎

لہو کے قطروں کے بیج بو کر ہزار گلشن سجانے والو
تمہاری یادیں بسی رہیں دل میں افق کے اس پار جانے والو
سلام تم پر،سلام تم پر

۲۴ سال ۱۰ ماہ ۱۲ دن کی عمر میں شہید ہونے والے میرے بھائی تیرا خون رائیگاں نہیں جائے گا (ان شاء اللہ) (تحریر: ہمشیرہ نعیم شہیدؒ)

ساجد محمود قریشی
عرف کمانڈر عبدالرحمٰن فاروقی شہید

بابری مسجد میں نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد جب گھر پہنچا تو خلاف معمول کھانا دستر خوان پر موجود تھا، میری نگاہوں میں پوشیدہ سوال کو بھانپتے ہوئے اہلیہ نے بتایا کہ حاجی گل زرین صاحب جو کہ ہمارے رشتہ دار بھی ہیں اور چند منٹ کی مسافت پر رہتے ہیں ان کا بیٹا مقبوضہ کشمیر میں شہید ہو چکا ہے اور آج ان کے گھر جانا ہے۔ جب ہم تیار ہوئے تو ایک شہید (ناصر الدین شہید) کی ماں دوسرے شہید کی ماں کو مبارکباد دینے اور خراج تحسین پیش کرنے (میری امی) کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چند منٹ بعد ہی اہلیہ اور والدہ محترمہ کے ہمراہ میں ساجد شہید کے گھر تھا۔ شہید کے والد صاحب، والدہ صاحبہ شہید کے قریبی دوستوں سے جو حالات وواقعات معلوم ہوئے وہ نذر قارئین ہیں۔

ساجد محمود قریشی ولد حاجی گل زرین قریشی مری کی مضافاتی بستی کا تیا باندی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مری اور پھر راولپنڈی میں حاصل کی، میٹرک کے بعد کامرس کالج راولپنڈی سے ڈی کام کیا اور سرویئر کی تعلیم کراچی کے ایک کالج سے حاصل کی۔ تعلیم کے بعد کچھ عرصہ باقاعدہ سرویئر کی سروس کی۔ شہیدؒ کے قریبی دوست اور چچا زاد بھائی ڈاکٹر احسان الحق کا کہنا ہے کہ میرا بچپن سے جوانی تک کا عرصہ شہید کے ساتھ گزرا ہے۔ وہ ارادے کے بہت پکے انسان تھے، وہ اسباب پر نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ پر کامل یقین اور بھروسہ رکھتے تھے۔ وہ خود بھی موجودہ معاشرے کی برائیوں اور لہو لعب سے دور رہے اور نوجوان نسل کی بے راہ روی اور کھیل کود کے سخت مخالف تھے۔ جب سے جہاد کے عظیم کام سے وابستہ ہوئے کہتے تھے کہ میں بیت المقدس کو یہود کے تسلط سے آزاد کروانے تک جہاد جاری رکھوں گا اور شہادت تو ان کی اولین خواہش تھی، اللہ کے ہاں ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جب بھی گھر آتے تو کہتے کہ زندگی تو جہاد کی زندگی ہے۔ یہ گھر نہیں یہ تو قید خانہ ہے۔

ایک دوسرے دوست حافظ عزیز نے بتایا کہ ۲۰ دن قبل جب وہ جہاد کیلئے رخت سفر باندھ چکے تو مجھے فون کیا اور پھر ملاقات پر کہنے لگے: ''دعا کرنا مجھے شہادت نصیب ہو۔''

میری اہلیہ کے استفسار پر شہید کی والدہ نے بتایا کہ شروع شروع میں جب وہ جہاد کیلئے جانے لگے تو ہم نے کہا ہماری اولاد میں تم بڑے ہو، اپنے سفید ریش والد کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹاؤ یا بیرونِ ملک چلے جاؤ اور محنت مزدوری کر کے ہماری مالی حالت بہتر بناؤ اور اپنی کمائی میں سے جہاد پر خرچ کرو یہ بھی جہاد ہوگا تو کہنے لگے: ''یہ بھی ٹھیک ہے لیکن کشمیر میں مظلوم ماؤں اور بہنوں کا کیا بنے گا۔ کشمیر اور بیت المقدس کو کون آزاد کرائے گا۔'' ساجد شہید کی والدہ صاحبہ نے کہا کہ وہ جب بھی گھر آتا تو میرے قدموں میں سر رکھ کر کہتا ''ماں دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی موت دے'' تو میں رونے لگتی لیکن عرصہ چھ ماہ سے میں اس کیلئے شہادت کی دعا کرتی تھی اور اب ۲۰ دن قبل جب وہ جانے لگا تو پھر پہلے کی طرح شہادت کی دعا کی درخواست کی، میں نے اس کی خوشی کیلئے اس کے مقصد اور تمنا میں کامیابی کیلئے دعا دی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے بیٹے کی تمنا پوری کر دی۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ شہید کے دادا جان ایک بزرگ شخصیت ہیں اور پورا گھرانہ نیک ہے۔ یہ شہید کی اور جہاد کی برکت ہے۔ شہید کے والد صاحب نے بتایا کہ وہ جب بھی گھر آتے تو ان کا ایک ہی کام ہوتا کہ جہاد کے سلسلے میں لوگوں سے اور دوستوں سے ملنا اور جہاد کیلئے عطیات اور فنڈ جمع کرنا۔ شہادت کی خبر لانے والے مجاہدین کے مطابق چند دن پہلے انڈین آرمی کے ساتھ کمانڈر عبدالرحمٰن شہید کی کمان میں ایک گروپ شدید جھڑپوں میں مصروف تھا کہ ۱۷ رمئی کو یہ گروپ آرمی کے محاصرے میں آ گیا۔ ساتھی محاصرے سے نکلنے میں کامیاب ہوئے جبکہ کمانڈر عبدالرحمٰن، ساجد محمود قریشی بارودی سرنگ پھٹنے کی وجہ سے چھ ساتھیوں کے ہمراہ شہید ہو گئے۔

شہیدؒ موصوف نے اپنے وصیت نامے میں جس درد دِل کا اظہار کیا ہے وہ امت مسلمہ اور لہولعب میں مشغول، گردونواح کے حالات سے بے خبر، کشمیر، چیچنیا، فلسطین، افغانستان اور حرمین شریفین کے حالات سے ناواقف لوگوں کیلئے قابل غور وفکر ہے۔

شہیدؒ کی کرامت کا اہم واقعہ...... ساجد شہیدؒ کی والدہ نے بتایا کہ آج صبح میرا چھوٹا بیٹا جب نیند سے بیدار ہوا تو کہنے لگا امی آج ہمارے گھر مجاہد آئیں گے وہ ساجد شہید کو بھی مجاہد کہتا ہے تو میں نے پوچھا کہ ساجد آئے گا کہنا لگا نہیں کوئی اور مجاہد آئیں گے۔ پھر واقعی آج کچھ مجاہدین ہمارے گھر آئے، جنہوں نے ساجد کی شہادت کی خبر سنائی۔ شاید اللہ تعالیٰ نے بچے کی زبان سے ایسی باتیں کہلوا کر شہید کی والدہ کو ایسی خبر کیلئے پہلے سے تیار رہنے کا اشارہ دیا ہو۔ وصیت نامہ شہید کے ساتھی مجاہدین شہادت کی خبر کے ساتھ شہید کے والدین کو دے گئے تھے۔

آہ!...... منصور علی شہید رحمۃ اللہ علیہ

منصور علی کو فوج میں بھرتی ہونے کا بڑا شوق تھا مگر یہ بازو اور آنکھ آڑے آئے اللہ تو وہ عظیم کام آپ سے لینا چاہتا تھا جس کیلئے صحابہؓ کو ریگستانوں میں اور سمندروں میں چلایا گیا تھا۔ دین کی سربلندی اور اپنی ماؤں اور بہنوں کی عزت کا تحفظ کرنے کیلئے آپ کو فوج کی بجائے مجاہدین کے کیمپ میں پہنچا دیا وہاں تربیت کے حصول کے بعد کشمیر کی وادی عبور کی۔ والدین نے خصوصاً والدہ محترمہ نے اپنے بیٹے کو جس مقصد کیلئے وادی میں بھیجا تھا وہ خبر سننے کیلئے بے تاب تھیں۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد آپ سے رابطہ ہوا تو والد صاحب نے پوچھا کہ بیٹا تو نے اپنی والدہ اور بہن سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا ہے کہ نہیں۔ شہید کی بہن نے اپنے بھائی سے کہا کہ قرآن پڑھ کر اور سورۃ یٰسین پڑھ کر شہادت کی دعا کیا کرو ان شاء اللہ قبول ہوگی۔ منصور علی نے کہا کہ اس وعدہ کو جو میں اپنی اصلی ماں اور بہن اور وہ وعدہ جو میں نے اپنی اسلامی ماؤں اور بہنوں سے کیا ہے اس کو نبھا رہا ہوں اور پورا کرتے ہوئے ان کی عزتوں پر ان شاء اللہ قربان ہو جاؤں گا۔

اس ملاقات میں شہید نے اپنے والد کو بتایا کہ جونہی میں نے وادی میں قدم رکھا اللہ تعالیٰ نے میری آنکھ کی روشنی اور بازو کی کمزوری کو درست کر دیا اور میں اب اس بازو اور آنکھ کی روشنائی سے ہندوؤں کو ڈھونڈ کر قتل کروں گی ان شاء اللہ۔

باپ نے نصیحت کی کہ بیٹا گولی سینے پر کھانے اور ہندوؤں کو سبق سکھا کر خود جان دینا تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ظلم کسے کہا جاتا ہے۔ ماں نے پیغام دیا کہ بیٹے کشمیری ماں اور بہن کا تحفظ کرتے ہوئے جان دے دینا میں تجھ سے خوش ہوں۔ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ اگر تو غازی بن کر لوٹا تو میں تمہیں دنیا کے

گندے ماحول میں نہیں رکھوں گی بلکہ تیرا مسکن مجاہدین کا دفتر ہوگا اور میں چاہتی ہوں کہ میرے دوسرے بیٹے بھی تیری طرح اس میدان عمل میں نکل کھڑے ہوں۔ ماں نے ان جذبات کا اظہار کر کے صحابیاتؓ کے دور کی یاد تازہ کر دی اور اس سنت کو بھی زندہ کر دیا کہ حضرت خنساءؓ نے اپنے بیٹوں کو میدان عمل میں جانے پر کہا تھا کہ میں کل شہید کی ماں کہلاؤں گی اسی قسم کے جذبات منصور شہید کی والدہ کے تھے۔

وقت تیزی کے ساتھ گذرتا رہا اور منصور شہید شہادت کے قریب ہوتا رہا کہ پانچ ماہ کا عرصہ گزر گیا اور اللہ کو اس شخص پر ترس آ گیا جو کالج کی رعنائیاں، اپنی ماں بہن اور والد کو چھوڑ کر برف پوش پہاڑوں میں اپنی راتیں رب کے حضور گذارنے والا اور دن کو ہندوؤں کو جہنم رسید کرنے والا خود جنت کا دولہا بننے والا تھا، حوریں اس کا انتظار کر رہی تھیں، جنت سجائی جا رہی تھی۔ ۲۵ مارچ ۲۰۰۰ء کو ایک معرکہ میں ہندوؤں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ اس میں منصور شہید نے بڑی جوانمردی سے ہندوؤں کا مقابلہ کیا اور اٹھارہ ہندو فوجی اور ایک میجر کو جہنم واصل کیا اور اپنے ایک ساتھی سمیت جام شہادت پی لیا اور والدین کی خواہش پر سینے پر گولیاں کھائیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

منصور شہید کا وصیت نامہ

منصور شہید نے جو وصیت نامہ لکھا تھا جب اس کو کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ میرے محترم والدین اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹے دیئے ہیں لیکن اپنی خاص رحمت مجھ پر کی ہے کہ مجھے اپنے راستے میں قبول فرمایا ہے اور وصیت کی کہ جب میری شہادت کی خبر آئے تو رونے کے بجائے خوشی کا اظہار کرنا اور شکرانے کے نوافل ادا کرنا اور بھائیوں کو تاکید کی کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنا اور دین کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور کہا کہ دنیا میں آنے کا مقصد سمجھو۔ مرنے سے پہلے موت کی تیاری کرو۔ والدہ نے وصیت کے مطابق شکرانے کے نوافل ادا کئے اور کہا کہ الحمدللہ میں بھی شہید کی والدہ بن گئی ہوں۔ جب اٹھ مقام سے رابطہ ہوا تو والدہ محترمہ نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں منصور کی لمبے بالوں اور ڈاڑھی والی تصویر دیکھنا چاہتی

ہوں کیونکہ منصور کی گھر میں بھی کوئی تصویر نہ تھی یعنی اس نے بنوائی ہی نہ تھی اور کہتا تھا کہ تصویر اسلام میں منع کی گئی ہے۔ ماں کی اس خواہش کو اللہ کی طرف سے اس شکل میں پورا کیا گیا کہ والدہ صاحبہ خود بیان کرتی ہیں کہ میں دیکھتی ہوں کہ میرے ایک طرف منصور کھڑا ہے اور اس کے لمبے بال ہیں، لمبی ڈاڑھی ہے اور بہت زیادہ خوبصورت لگ رہا ہے تو بے اختیار میری زبان سے نکلا کہ منصور بیٹے تم کیسے ہو تو کہنے لگا کہ امی جان میں بہت خوش ہوں یہ بہت خوبصورت جگہ ہے بڑے بڑے باغ ہیں اور نہریں ہیں اور میں آپ کا انتظار کروں گا آپ پریشان نہ ہوا کریں تو میں نے کہا بیٹا میں تیری وجہ سے پریشان نہیں ہوں بلکہ تیرے دوسرے بھائیوں کی وجہ سے پریشان ہوں میں چاہتی ہوں کہ وہ بھی تیرے نقش قدم پر چلیں تو کہنے لگا کہ امی جی ان شاء اللہ وہ بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔

قابل صد احترام اور لائق تحسین ہیں وہ والدین جنہوں نے اپنے ایک بیٹے کو اللہ کے راستے میں قربان کیا اور دوسروں کے لئے خواہش ہے۔ والد محترم نے مجاہدین کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان کانفرنس شہید کی مادر علمی مکی مسجد میں منعقد کرائی۔ جس میں سینکڑوں افراد نے شرکت کی۔ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ میں بہت خوش ہوں کہ اللہ نے مجھے شہید کا باپ بنایا ہے میں بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اپنے راستے میں قبول فرمائے۔ (تحریر: ابومعاویہ سیالکوٹی)

خود تو ڈوب گئے لیکن رُخ موڑ دیا طوفانوں کا

حافظ فاروق شہیدؒ عرف کمانڈر ابو وقاص

حافظ فاروق شہید عرف کمانڈر ابو وقاصؒ کا تذکرہ والد محترم جناب محمد ارشد راٹھور کے قلم سے

بالآخر اس نے انڈین آرمی سے پنجہ آزمائی کے لئے وادیٔ کشمیر کا رخ کیا اور فارورڈ کہوٹہ کے مقام سے وادی کشمیر میں داخل ہوا۔ وہ دس رمضان المبارک مورخہ ۱۹ ردسمبر ۱۹۹۹ء کو ضلع پونچھ میں داخل ہوا اور مختلف مقامات پر کارروائیاں کرتا ہوا تحصیل سرنکوٹ کے گاؤں گوتھل پٹن پہنچا۔ وہاں پر باقی مجاہدین کے ساتھ مل کر آئندہ کا لائحہ عمل تیار کیا اور انڈین آرمی پر پے در پے کاری ضربیں لگائیں جس سے دشمن کا جانی و مالی نقصان ہوا۔ دشمن پر کمانڈر وقاص کے نام سے اپنی جنگی مہارت کا سکہ جمایا۔ ان کا ایک ڈپو مکمل طور پر تباہ و برباد کیا۔ وادی کشمیر کے محل وقوع پر بہت زیادہ عبور حاصل تھا۔ مورخہ ۲۶ رجنوری ۲۰۰۰ء کو کارروائی سے واپسی پر مخبری ہوئی اور انڈین آرمی نے گھیر لیا اور ان کو ہتھیار ڈالنے کو کہا۔ لیکن یہ شیر دل مجاہد انڈین آرمی سے پنجہ آزمائی کے لئے بے تاب تھے۔ انہوں نے صلاح و مشورے کے بعد انڈین آرمی کو للکارا اور فائرنگ شروع کر دی۔ دونوں طرف سے زبردست فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ اس دوران اس نے اپنے باقی ساتھیوں کو چلے جانے کو کہا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بار بار اصرار پر باقی ساتھی ایک ایک کر کے نکل گئے۔ اس نے اپنے ایک مجاہد ساتھی کے ساتھ انڈین آرمی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انڈین آرمی کے ہندوؤں کو جہنم واصل کیا اور چھ فوجیوں کو ایک کرنل سمیت شدید زخمی کیا۔ اور خود اپنے ساتھی کے ساتھ شام چھ بجے جام شہادت نوش کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

خونی جھڑپ میں اس نے دشمن کی تمام چالوں کو فیل کر دیا اور ثابت کیا کہ جذبۂ جہاد اور شہادت کی خواہش کے آگے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ جس منزل کی طرف قدم بڑھایا تھا اس کو حاصل کیا اور باقی مسلمانوں پر واضح کیا کہ مسلمانوں کی زندگی کا محور جہاد ہے۔ اسی میں مسلمانوں کی شان ہے۔ اس کا قول تھا کہ اصلی زندگی کا مزا جہاد میں ہے۔ اس کا ذائقہ نرالا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قریب ترین جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت ملتی ہے۔

عبدالطاہر طیب شہید رحمہ اللہ

سرزمین علی پور...... شہداء کے مقدس خون کی امین اس سرزمین سے اسلام کی آبیاری کیلئے جب بھی خون مانگا گیا، اہل حق کے قافلے اُمڈ پڑے۔ حکومت کے خلاف تحریک ہو تو مولانا ممتاز شہیدؒ سب سے آگے، اگر صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع ہوئی تو یوسف شہیدؒ اپنی جان کو قربان کر کے کہہ گئے کہ صحابہ کرامؓ کے مقدس و مطہر وجود کی طرف ہاتھ اٹھا تو توڑ دیا جائے گا، اور اگر زبان درازی کی گئی تو وہ زبان گدی سے کھینچ لی جائے گی۔ اگر کشمیر کے زخمی وجود سے آہ نکلی تو یہاں کے پروانے شہباز بن کر جھپٹے اور ظالموں کی بنائی ہوئی خود ساختہ خونی لکیر کو اپنے پاؤں تلے روندتے چلے گئے اور انڈین آرمی پر وہ کاری ضرب لگائی کہ ان مجاہدین کا نام ان کے حواس پر چھا گیا۔

اب کی مرتبہ شہادت جس کا مقدر بنی وہ ایک ولی کامل مولانا نظام الدینؒ کے پوتے اور آج کے ایک جید عالم مولانا عبدالرحیم کے نوخیز شہزادے ہیں۔ جون ۲۰۰۰ء کے اوائل میں یہ دل فگار خبر سنی کہ علی پور کے ہونہار مجاہد عبدالطاہر طیب کشمیر کے محاذ پر آزادی کیلئے جدوجہد کرتے ہوئے قافلۂ شہداء سے جا ملے۔

صوبہ پنجاب ضلع مظفر گڑھ کی نواحی تحصیل علی پور کے ایک چھوٹے سے قصبے ''ٹھہیم والا'' کا یہ سپوت ۱۹۸۰ء کو پیدا ہوا۔ چھوٹی سی عمر میں لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے والد ماجد کی انگلی پکڑ کر مدرسے جاتا اور اپنے شعور کی لو کو مدرسے کے ماحول میں پختہ کرتا رہا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور قرب و جوار کے مدارس میں اپنی علم کی تشنگی کو بجھاتا رہا۔

بچپن ہی سے بندوق چلانے کا بہت شوق تھا۔ اتنی چھوٹی عمر میں قد آور شکاریوں اور نشانہ بازوں میں انکا شمار یقیناً قدرت کی طرف سے کچھ اور کروانے کا پیش خیمہ تھا۔ اب محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے ان کو اپنے لئے چن لیا تھا ورنہ جس عمر میں وہ شکار پر جایا کرتا

اس عمر کے آج کے بچے تو صحیح طریقے سے قلم بھی نہیں پکڑ سکتے۔

عبدالطاہر، عبدالظاہر دونوں بھائی جب ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اللہ کی راہ میں جوانی لٹانے کیلئے جارہے تھے تو ایسا منظر اس سرزمین نے شاید پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ آہ وہ منظر جو زمین اور آسمان کی تاریخ میں بہت کم دیکھا گیا۔ آج زمین پر وہ انسان کھڑے تھے۔ جن کی عظمت کو تسلیم کرنے کیلئے آسمان کے تمام فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

ان دو بھائیوں کی تشکیل ہوگئی مگر کشمیر نہیں۔ سولہ لاکھ سے زائد شہدا کی مقدس سرزمین افغانستان کے محاذوں پر جہاد سے محبت کا اندازہ ان کے لکھے گئے خط سے واضح ہے جو انہوں نے ۳ر ستمبر ۱۹۹۹ء کو کابل سے اپنی والدہ ماجدہ کو لکھا۔ اس خط میں انہوں نے وضاحت سے لکھا کہ اگر میں زخمی یا شہید ہو جاؤں تو فکر نہ کرنا ہم اللہ کے راستے میں ہیں اور یہ وہ راستہ ہے جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے اور ایک دو بار نہیں بلکہ کم وبیش ستائیس مرتبہ خود نکلے اور کم وبیش چھپن مرتبہ صحابہ کرامؓ کو اس راستے پر بھیجا۔

پھر اچانک ایک دن واپس آگئے ...... غازی بن کر ان کی ٹانگ میں گولیاں لگیں تھیں عید سے کچھ عرصہ پہلے آئے۔ اپنے والدین رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ ان کی یہ آخری عید تھی اور شاید اس ملاقات کا اہتمام خالق قدرت کی طرف سے بطور خاص ہوا۔

بالآخر ایک مرتبہ پھر شہید ہونے کی آرزو لئے جہادی سفر کی طرف گامزن ہوگئے۔ اسی دوران شہید ہونے سے تھوڑا عرصہ پہلے ''اٹھ مقام'' سے اپنے بھائی کو خط لکھا جس میں انہوں نے اپنے شہید ہونے کی دعا کرائی اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگی اور خصوصاً والدہ صاحبہ کو تسلیاں اور سلام پیش کیے۔

آخر کار خط لکھنے کے ایک دن بعد خونی لکیر کو اپنے پاؤں تلے روندا اور دشمنوں سے نبرد آزما ہوگئے۔ ایک دن اس بانکے اور سجیلے عظیم مجاہد کا خون صفہ پورہ میں گرا۔ اس مجاہد کے ساتھ دو مجاہد اور بھی تھے صبح ان کے ساتھ مل کر ایک بارودی سرنگ لگائی اور شکار کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں ایک فوجی جیپ اس پر سے گزری اور نتیجتاً دس غلیظ ہندو فوجیوں کے چیتھڑے قرب وجوار کی عمارتوں اور درختوں پر چمٹے نظر آرہے تھے۔ اسی دوران مزید

انفنٹری پہنچ گئی اور محاصرہ کرلیا اور ہتھیار ڈالنے کو کہا مگر اللہ کے ان شیر دل مجاہدین نے لڑنے کو ترجیح دی۔ اس موقع پر ایک خونریز جھڑپ ہوئی جو صبح آٹھ بجے سے سہ پہر دو بجے تک جاری رہی۔ اس طویل جھڑپ کے دوران دشمن کے ایک کیپٹن سمیت پانچ فوجیوں کو جہنم واصل کیا۔ تاہم مردانہ وار لڑتے ہوئے اس مجاہد کے علاوہ مجاہدین کے ڈسٹرکٹ کمانڈر شبیر احمد ڈار اور شجاع آباد ملتان سے تعلق رکھنے والے حیدر شاہین نے جام شہادت نوش کیا۔

اس عظیم شہید کی شہادت کی خبر بھی عجیب وغریب طریقے سے وصول ہوئی۔ صبح فون پر اطلاع ملی کہ ان کے بڑے بھائی عبدالظاہر شہید ہو گئے۔ ایک دن مکمل ان کے والدین بڑے بیٹے کی شہادت کی مبارکباد وصول کرتے رہے۔ پھر اگلے دن تصدیق ہوئی کہ نہیں چھوٹے بھائی عبدالطاہر طیب شہید ہوئے ہیں۔ کیسا تھا وہ لمحہ جب ماں کو یہ خبر ملی اور ماں بھی ایسی جس کا جواب سنکر فرشتوں کو بھی حیرت ہوگئی ہوگی۔

ماں نے کہا مجھے یہ اطلاع ملی کہ تیرا بیٹا شہید ہوگیا اور پھر اطلاع ملی نہیں دوسرا بیٹا شہید ہوگیا۔ میرے لئے کوئی پریشانی کی بات نہیں کیونکہ میں نے دونوں جگر گوشے بھیجے ہی شہید ہونے کیلئے ہیں پھر مجھے کس بات کا غم چھوٹا شہید ہوا یا بڑا۔

شہید کی والدہ نے اپنے چھوٹے بیٹے عبدالباسط کو کہا کہ الحمدللہ تیرا بھائی شہید ہوگیا تو بھی اسی کی شکل وشباہت کا ہے اس کی جگہ خالی ہوگئی۔ جلدی ٹریننگ مکمل کر اور بھائی کی جگہ سنبھال۔

صد آفرین ہے اس خاتون کی ہمت پر جس نے صحابیات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک بار وہ ہی مثال قائم کردی۔

اگر ایسی باہمت مائیں ہوں اور ان ماؤں کے لعل طاہر، ظاہر جیسے ہوں تو کافروں کو کس طرح جرأت ہوسکتی ہے وہ ان مجاہدین کے سامنے سر اٹھا سکیں۔ آج ایک بھائی شہید ہوگیا دوسرا بھائی تا حال کشمیر کے اندر ہے اور ہندو بنئے کی وہ چولیں ہلا رہا ہے کہ اسے کشمیر میں کہیں جائے پناہ نہیں مل پا رہی۔ (تحریر: عبدالغفار انجم)

سفیر شہید رحمہ اللہ علیہ

انہوں نے کپڑوں کے دو جوڑے ساتھ لئے اور میدان جہاد کی طرف چل پڑے اس عظیم مردِ مجاہد کے حالاتِ زندگی کا مختصر سا تذکرہ، جس کی پیاری پیاری باتیں، جن کو ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے، آج بھی ہمارے دلوں پر بسیرا کیسے ہوئے ہیں۔ پورے خاندان کے دلوں پر راج کرنے والا یہ معصوم نوجوان کشمیر کی آزادی پر اپنی جان نچھاور کر گیا۔

صوبہ پنجاب ضلع اٹک کے ایک پسماندہ گاؤں پنڈی سرہال میں ۵/ جون ۱۹۸۰ء کو پیدا ہوا۔ دو بھائیوں اور ایک بہن کے ارمانوں کا مرکز، خوددار نفاست پسند اور اسلام کی محبت میں سرشار اس مردِ مجاہد محمد سفیر شہیدؒ نے اپنے گاؤں میں مڈل تک تعلیم حاصل کی اور پھر دنیاوی تعلیم کو خیر باد کہا آپ نے دو سال کے نہایت قلیل عرصے میں ضلع اٹک کے قصبے ملھوالی سے قرآن پاک کا حفظ کیا۔ اپنے سیرت اخلاق کی وجہ سے آپ بہت جلد مقبول ہو گئے اور اساتذہ آپ کی سیرت، اخلاق کا دم بھرنے لگے۔ آپ کے والد محترم جو ایس ایف میں ملازمت کرتے ہیں آپ کو ایک بہت بڑے عالم کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے لیکن سفیر شہیدؒ کے والد کے ارمان بجا وہ تو اپنے آپ کو جہاد کے لئے وقف کر چکے تھے۔ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک کی عملی تفسیر پیش کرنا چاہتے تھے جس میں آپ انے جہاد میں شرکت پر جنت کی بشارت دی۔ الغرض ۱۹۹۸ء کو عید الفطر کے موقع پر گھر تشریف لائے۔

عید الفطر کے چوتھے روز مجاہد بھائی امتیاز صاحب اور کمانڈر محمد نعیم شہیدؒ جو چند ماہ پہلے شہادت نوش فرما چکے ہیں۔ مسجد میں تشریف لائے اور مسجد میں جہاد کے موضوع پر جامع بیان فرمایا جس میں سفیر شہیدؒ نے بھی شرکت کی۔ جہاد کشمیر کے بارے میں وہ پہلے ہی تڑپ رکھتے تھے، جہاد کی فضیلت و برکت کو سن کر آپ کے آنسو جاری ہو گئے اور فوراً جہاد کیلئے تیار ہو گئے۔

رات انہی حضرات کے ساتھ گزاری اور نمازِ فجر کے وقت سے تھوڑا پہلے گھر میں آئے اور والدہ سے اجازت طلب کی جو بالآخر منت سماجت کے بعد مل گئی۔ کپڑوں کے دو جوڑے لئے اور خاموشی سے گھر سے نکل گئے۔ پھر اپنے مجاہد بھائیوں کے ساتھ چکوال روانہ ہوئے اور پھر وہاں سے سلطنت اسلامیہ افغانستان کا رختِ سفر باندھا۔ اپنی ابتدائی ٹریننگ کے اختتام پر بگرام کے محاذ پر تشکیل کرائی لیکن بہت جلد کشمیر کیلئے خصوصی ٹریننگ شروع ہوگئی جس میں شرکت کیلئے بگرام سے واپس معسکر تشریف لائے۔ خصوصی کلاس کے اختتام پر اپنی کلاس اور استاد کے ہمراہ مدرسہ نظامی میر علی میں ان کی ملاقات بھائی امتیاز سے ہوئی۔ امتیاز بھائی نے آپ سے کہا حافظ صاحب آپ کشمیر جا رہے ہیں اس لئے ایک گذارش ہے آپ کو ۶ ماہ ہوئے ہیں آپ گھر نہیں گئے اس لئے گھر کا چکر لگا کر جانا۔ بھائی سفیر فرمانے لگے امتیاز بھائی آپ بھی عجیب بات کرتے ہیں۔ میں بھلا کشمیر جانے کا اتنا سنہری موقع اور پھر ان عزیز ساتھیوں کو چھوڑ کر گھر چلا جاؤں؟ کیا ان کے ماں باپ نہیں؟ کیا ان کا گھر نہیں ہے؟ اس کے بعد کشمیر کا رخ کیا۔ چند دن فارورڈ کھوٹہ ابدال پوائنٹ پر گزارے اور پھر وہاں سے ۲۵ر جون ۱۹۹۹ء کو وادی کے اندر لانچ ہوئے۔

وادئ کشمیر سے آخری خط

پیاری امی جان! سدا خوش رہو۔

السلام علیکم............. کے بعد عرض یہ ہے کہ میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہوں۔ صورت احوال یہ ہے کہ میں بالکل خیریت سے ہوں اور بہت خوش ہوں کہ کشمیر پہنچ گیا ہوں۔ امی جان! آپ کا کیا حال ہے آپ خیریت سے تو ہیں نا؟ بالکل پریشان نہ ہونا کیونکہ موت اور زندگی میرے اور آپ کے رب کے ہاتھ میں ہے۔ امی جان جب میں مٹھیال چوک سے گزر رہا تھا (یہ وہ جگہ ہے جو گاؤں سے ۱۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے) جی تو بہت چاہا کہ آپ سے مل کر جاؤں مگر کشمیر جانے کی خوشی تھی اس لئے نہیں آیا۔ چوک میں ایک آدمی کو پیغام دیا تھا ملا ہے کہ نہیں؟ امی جان پریشان مت ہونا۔ میں ان شاء اللہ ۴ ماہ کے بعد گھر کا چکر لگاؤں گا۔

بہن آپ کا کیا حال ہے خیریت سے ہیں نا؟ میرے لئے دعا کیا کرو۔ بھائی شبیر آپ کا کیا حال ہے میرے لئے دعا کیا کرو کہ اللہ ہر مشکل آسان کرے۔ (آمین)

چھوٹے بھائی توقیر آپ کا کیا حال ہے؟ قرآن پاک کا حفظ مکمل کیا ہے کہ نہیں؟ قرآن دل لگا کر پڑھنا اور استاد ظفر اقبال کو میرا سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ جہاد کے راستے پر آ جاؤ۔

ابو جان کو بہت بہت سلام۔ ابو! ڈاڑھی رکھ لیں۔ ابو! ڈاڑھی نہ رکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔

ابو جان! مجھ سے بالکل ناراض مت ہونا۔ میری طرف سے تمام خاندان والوں کو سلام۔

امی جان! میں کشمیر پہنچ گیا ہوں کافروں سے لڑنے کا بڑا مزہ آتا ہے۔ بھائی ارشد کو کہنا کہ تم بھی اس طرف آ جاؤ۔ میری طرف سے بھائی ارشد اور بھائی بشارت کو سلام۔ اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو معاف کرنا۔ والسلام..... آپ کا بیٹا سفیر

یہ بھی سفر کا آخری خط تھا جو کہ کشمیر سے موصول ہوا۔ اس کے بعد تقریباً ۶ ماہ تک انڈین آرمی کے خلاف کئی معرکوں میں انڈین آرمی کو ناکوں چنے چبوائے بڈگام کے علاقے میں۔ بالآخر ۲۷؍دسمبر ۱۹۹۹ء مطابق ۱۶؍رمضان المبارک کو انڈین آرمی کے خلاف ہیڈکوارٹر اور آئل ٹینکر کو تباہ کرنے کے بعد قریب ہی ایک گاؤں کے ایک گھر میں پناہ لی۔ مخبری ہونے پر بزدل انڈین آرمی نے مکان کا گھیراؤ کیا۔ اور آپ کو ہتھیار پھینکنے کو کہا لیکن اسلام کا یہ متوالا بھلا کافروں کے آگے جھکنا کہاں گوارا کرتا تھا، مقابلے کو ترجیح دی۔ مسلسل ۴۸ گھنٹے اس عظیم انسان نے لگاتار مردانہ وار مقابلہ کیا۔ بالآخر بزدل انڈین آرمی نے ''اس عظیم انسان کے جس مکان میں پناہ لی ہوئی تھی'' اس مکان کو راکٹ لانچروں سے اڑا دیا۔ یہ مردِ مجاہد ے فوجیوں کو واصل جہنم اور کئی کو زخمی کرتے ہوئے اپنے عظیم مقام کو پا گیا اور جامِ شہادت نوش کر گیا۔

مسعود الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ

یوں تو ہر دور میں اہل حق نے دین کی سربلندی کیلئے مسلمانوں کے تحفظ خصوصاً ناموس رسالت کے تحفظ اور ناموس صحابہ کرامؓ کے تحفظ کیلئے اپنی جانیں قربان کر کے یہ ثابت کیا کہ اہل حق کا بچہ بچہ دین کے ہر شعبے کیلئے اپنی جان کو قربان کر سکتا ہے، لیکن دین اسلام کے کسی حصے میں دشمن کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔ اسی طرح آج میں ایک ایسے نوجوان شہیدؒ کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں جس نے کشمیر کے مسلمان نوجوان بھائیوں کی مدد، نوجوان بہنوں ماؤں کی عزت اور کلمہ حق کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ انہوں نے جذبہ جہاد کے شوق سے لبریز تربیت کے حصول کے بعد کشمیر کی آزادی کیلئے۔ بارڈر کراس کرتے ہوئے بھارتی فوج کے ساتھ جھڑپ شروع ہوگئی اور ضلع کپواڑہ میں تین چار ماہ تک اپنی کامیاب کارروائیاں جاری رکھیں۔ بعد میں ڈپٹی کمان کی حیثیت سے اسی ضلع کی تحصیل بانڈی پورہ میں دشمن کو ناکوں چنے چبوائے۔

مسعود الحق شہیدؒ کے خطوط گھر آتے تھے لیکن آخری خطوط میں سے ایک خط میں لکھا تھا کہ جب مجاہدین میرے گھر میری شہادت کی خبر سنانے کیلئے آئیں تو رونا نہیں بلکہ صبر کرنا ہے اور خوشی منانی ہے اور مجاہدین کو مٹھائی اور چاول کھلانے ہیں۔ پھر اللہ کے فضل و کرم سے مسلسل دس ماہ ہندو فوج کے ساتھ بہادری سے لڑتے رہے۔ پھر وہ وقت آیا کہ ان کی صبح آٹھ بجے اپنے دیگر پانچ ساتھیوں کے ہمراہ بھارتی فوج کے ساتھ جھڑپ شروع ہوئی بھارتی فوجیوں نے ہتھیار ڈالنے کیلئے کہا مگر انہوں نے اللہ رب العزت کے بھروسہ سے ہتھیار ڈالنے سے انکار کرتے ہوئے لڑنے کو ترجیح دی۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے تین ساتھیوں کو محاصرے سے نکالنے میں بھی کامیاب ہوئے اور ۳ محرم الحرام شام سات بجے ایک میجر سمیت پندرہ بھارتی فوجیوں کو جہنم رسید کر کے خود تین ساتھیوں سمیت شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوئے۔ اللہ رب العزت ان کی قربانی کو قبول فرمائے اور مظلوم مسلمانوں کو آزادی جیسی نعمت سے نوازے اور اللہ پاک ہمیں بھائی مسعود الحق شہیدؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جہاد جیسے عظیم عمل کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

کامران عرف محمد درویش شہید رحمۃ اللہ علیہ

ایک شہید کی کہانی...... والدہ محترمہ کی زبانی

شہیدؒ کامران کی والدہ نے شہید کے حالات زندگی کو مختصراً بیان کیا کہ کامران شہید ۱۳ر جولائی ۱۹۷۵ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم فیصل آباد ہی میں حاصل کی اور پھر دینی تعلیم ساتھ ہی مدرسہ میں حاصل کی۔ بچپن ہی میں محلے والے لوگ آفرین کہتے کیونکہ یہ اذان ہوتے ہی مسجد میں چلا جاتا۔ دینی زندگی کو شروع ہی سے اس نے اپنا شعار بنالیا۔ میٹرک کے امتحان کے وقت شہید کامرانؒ کی بہن کا انتقال ہوگیا۔ پھر تو کامران شہیدؒ کی زندگی ہی بدل گئی۔ تعلیم سے اس کا ذہن ہٹ گیا۔ ہر وقت کسی نہ کسی سوچ میں غرقاب رہتا۔ اس کے بعد تبلیغی جماعت میں چلہ لگایا اور سہ روزہ لگاتار ہا اور ہر سال رائیونڈ کے اجتماع میں شرکت کرتا رہا۔

شہادت سے قبل چار سال تک جہاد سے منسلک رہا۔ جمعرات کے بیان میں شرکت کرتا اور پھر اس نے افغانستان میں تربیت حاصل کی اور آگے مورچوں میں گیا۔ قلعہ مراد بیگ میں کافی عرصہ تک خدمات کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ اسی دوران محاذ پر سینے میں گولی لگی جو پیچھے سے نکل گئی، لیکن کامران شہیدؒ کی تمنا پوری نہ ہوسکی۔

اپنی اس تمنا کو پورا کرنے کیلئے اور کشمیر میں ہندوؤں کے ظلم سے اپنے مسلمانوں کو بچانے کیلئے اور اسلام کی عظمت کے لئے ۱۳ر اگست ۱۹۹۹ء کو خونی لکیر عبور کر کے سرینگر پہنچ گیا اور ایک سال تین ماہ ہندو فوجیوں پر قہر خداوندی بن کر برستا رہا۔

گھر میں مسلسل خط لکھ کر نصیحت کرتا کہ میرے بعد میرے چھوٹے بھائی کو ضرور میرے پیچھے اس راستے پر نکالنا۔ تاکہ وہ ظالم ہندو فوج سے عبرتناک انتقام لے سکے اور ساتھ اپنی شہادت کی دعا کیلئے کہتا کہ ''امی آپ میرے لئے شہادت کی دعا نہیں کرتیں، کیا آپ راضی نہیں ہیں کہ آپ کا بیٹا بھی شہید ہو۔ حالانکہ آپ پہلے ہی شہید کی بہن ہیں۔ امی

آپ دعا کریں تا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔ امی پتا نہیں کیوں دیر ہو رہی ہے۔ امی میرے لئے شہادت کی دعا کریں۔"

شہیدؒ کامران نے وصیت کی کہ میرے بعد رونا نہیں اور بھائیوں کو اسی جہاد والے راستے پر لگانا اور میرے اس مشن کی دعوت آگے پہنچانا۔

والدہ کے تأثرات

شہیدؒ کی والدہ محترمہ نے کہا کہ میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ اے اللہ مجھے اتنی مہلت دینا کہ میں شہید کامرانؒ کے دوسرے بھائی کو جوان ہونے پر جہاد کے لئے اپنی آنکھوں سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھوں۔

کامران شہیدؒ کی والدہ نے کہا کہ شہید اللہ کی امانت تھی اس نے واپس لے لی۔ الحمدللہ اچھے طریقے سے واپس ہوئی اس پر اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔ شہیدؒ کی والدہ محترمہ نے کہا کہ میری بہن نے بھی اپنا ایک بیٹا جہاد کیلئے وقف کر دیا (اور وہ ہمیں دکھایا) اس کو سامنے کر کے کہا کہ اس کو بھی آپ لے جا سکتے ہیں۔ شہیدؒ کا بھائی چونکہ چھوٹا ہے اور وہ ابھی حفظ کر رہا ہے۔ ان شاء اللہ حفظ کے بعد آپ اسے بھی لے جا سکتے ہیں۔

شہیدؒ کی والدہ نے کہا کہ الحمدللہ ہمارا خاندان اس پر فخر کرتا ہے کہ ہمارا بچہ اللہ کے راستے جہاد میں شہید ہوا ہے اور شہیدؒ کے والد صاحب اور نانا کی بھی یہی خواہش ہوتی تھی اور وہ مجاہدین کے ساتھ اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آتے تھے۔

شہیدؒ کامران عرف درویش کی خواہش

"اے اللہ میرے پیچھے کفار سے بدلہ لینے کے لئے میرا کوئی بھائی آئے تا کہ کشمیر میں آزادی کا سورج طلوع ہو۔ اور ان شاء اللہ شہیدؒ کے خون کی برکت سے اللہ نظام تبدیل کریں گے۔"

عادات: شہیدؒ کی والدہ نے کہا کہ ہمارے اس پرائیویٹ اسکول میں چونکہ بچوں کو پڑھانے کیلئے خواتین اساتذہ مقرر ہیں۔ وہ کبھی بھی ان خواتین کی موجودگی میں نہ اسٹاف روم میں بیٹھتا اور نہ دفتر میں اور نہ اجلاس میں ان کے ساتھ شرکت کرتا اور نہ ان کے ساتھ کوئی بات چیت کرتا۔ نہایت نرم مزاج اور بردبار تھا۔

محمد ابراہیم صدیقی شہید رحمۃ اللہ علیہ

راہِ وفا کے ایک راہرو کا تذکرہ

محمد ابراہیم صدیقی شہیدؒ کا شمار ان نوجوانوں میں ہوتا ہے جو صرف اور صرف اللہ کے دین کی سربلندی، اللہ کی رضا، اسلام کے تحفظ، نفاذ شریعت اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف کا بدلہ لینے کیلئے اور اپنی مسلمان ماں اور بہن کی عزت کی خاطر جان و مال اور وقت کی قربانی لگا کر اللہ کے حضور پیش ہو جاتے ہیں اس پر فخر فرماتے ہیں اور اس راستے میں آنے والی مشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں۔

برادرِ محترم ابراہیم صدیقی شہیدؒ نے اپنے عمل سے ہمیں بتایا کہ یہ دنیا فانی ہے اور ایک دن ختم ہو جائے گی۔ اصل دنیا تو آگے والی ہے جو کہ نہ ختم ہونے والی ہے۔ اس وقت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔

برادرِ محترم ابراہیم صدیقی شہیدؒ ہماری کلاس کا پہلا شہید ہے۔ کس کو معلوم تھا کہ کون پہلے بازی لے جائے گا؟ لیکن قدرت جب کسی فرد کو اپنے دین کیلئے منتخب کر لیتی ہے تو محض اپنی توفیق سے اپنے راستے پر چلنا بھی اس کیلئے آسان بنا دیتی ہے اور اس راہ میں جو بھی کٹھن مشکلات اور مصائب کے پہاڑ آئیں تب بھی اسے ایک لمحے کیلئے اپنے راستے سے نہیں ہٹا سکتے۔ وہ شخص اپنے مشن میں آگے تو بڑھ سکتا ہے، لیکن پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں قبول کرنا ہو اور خصوصاً جسے شہادت جیسے عظیم رتبے پر فائز کرنا ہو اس کی نشانیاں کچھ وقت قبل ہی ظاہر فرما دیتے ہیں۔ خاص طور پر عوام اور مسلمان اور پھر خصوصاً مجاہدین کی خدمت اور دینداری اور مشیت الٰہی میں اضافہ اس کی خاص نشانیاں ہیں۔

میرا شہید بھائی

حافظ مقصود عرف عبداللہ حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی اک شخص سارے شہر کی ویران کر گیا

۲۴؍جولائی ۱۹۹۹ء کو وہ ایل اوسی خونی لکیر عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں غزنوی وغوری کی تاریخ دہرانے کیلئے پہنچ گئے۔ پچھلے سارے عرصے میں وہ شہادت کی جستجو میں کئی مرتبہ افغانستان کے سنگلاخ پہاڑوں اور شعلوں سے مزین میدانوں میں بھی گئے، لیکن رب قدوس نے انہیں غزنوی وابدالی کے دیس میں سے واپس لوٹا دیا اور ان کے ادھورے مشن کو مکمل کرنے کیلئے مقبوضہ کشمیر میں پہنچا دیا۔ ۳۰؍اگست کو انڈین آرمی کے ساتھ ایک طویل جھڑپ میں ان کے دیرینہ ہم مکتب اور اکٹھے لانچ ہونے والے بھائی سلیم رضا شہید ہو گئے اور ان کو پھر شہادت کی جستجو میں سرگرداں چھوڑ گئے۔ اس داغِ مفارقت نے ان کے جذبات میں مزید آگ لگائی جو انڈین آرمی پر بجلیاں بن کر برستی رہی۔ مقبوضہ وادی میں گیارہ ماہ تک انڈیا کی خبیث الباطن آرمی کے سینے پر مونگ دلتے رہے۔ جن دنوں مجاہدین کی تشکیل ہو رہی تھی میں بارڈر پر ان سے مواصلاتی رابطہ کرنے کیلئے گیا ہوا تھا۔ وہ جہاد کی تشکیل پر اتنے خوش تھے اور جہاد کے بارے میں اس انداز سے اظہار خیال فرما رہے تھے کہ ان کے جذبات کو الفاظ میں بیان کرنا بڑا مشکل ہے۔ مجھ سے فرمانے لگے کہ جب شیخ کی زیارت کا موقع ملے تو دو دفعہ غور سے آپ کے چہرے کے نور کو اپنی آنکھوں کے راستے دل میں اتارنا۔ ایک دفعہ اپنی طرف سے اور دوسری دفعہ میری طرف سے۔

۱۱؍جون ۲۰۰۰ء وہ مبارک دن ہے جب شہادت کی شیریں کے فرہاد نے اپنی محبوبہ کو

حاصل کیا۔ان کے ہمراہ مجاہد فیصل شہزاد (تلہ گنگ) بھی تھے۔ یہ دونوں سربکف کسی خاص مشن پر روانہ تھے کہ بانڈی پورہ میں گاؤں تحصیل سوناواڑی ضلع بارہ مولا کے قریب دشمن کے محاصرے میں آ گئے۔ان سرفروشوں نے گرفتاری پر شہادت کو ترجیح دیتے ہوئے مقابلہ شروع کیا۔طویل جھڑپ کے نتیجے میں انڈین آرمی کے گیارہ سور ماؤں کو واصل جہنم کرنے کے بعد ان دونوں نے ایسی موت کو حاصل کرلیا جسے موت نہیں حیات کہتے ہیں اور جس موت کی حسرت دل میں لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آخرت کو سدھار گئے۔اسی موت کے تمغے سینے پر سجا کے یہ جنت الفردوس کے شہزادے بن گئے۔

لہو کے قطروں کے بیج بو کر، ہزاروں گلشن سجانے والو
نچوڑ کر خون جگر سے اپنے، چراغِ محفل جلانے والو
تمہاری یادیں بسی ہیں دل میں، افق کے اس پار جانے والو
سلام تم پر اے سرفروشو! سر دھڑ کی بازی لگانے والو

راہِ وفا کا سپاہی

عبدالرحیم عرف حنیف شہید رحمہ اللہ

ایک عظیم مجاہد کی داستان جس نے راہ وفا میں سر کھو دیا

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کشمکش انقلاب ہے!

آج موسم کچھ زیادہ ہی خوشگوار معلوم ہو رہا تھا گذشتہ پانچ ماہ سے بارش کے نہ ہونے کے سبب قحط جیسا سماں تھا۔ علاقہ حضرو کے حجر و شجر، انسان و حیوان، نشیب و فراز پانی کی بوند بوند کو ترس گئے تھے۔ چند دنوں سے بادل آتے تھے اور پیاسے ماحول کو امید و بیم کے بھنور میں سرگرداں چھوڑ کر غائب ہو جاتے، لیکن آج صبح سے بادلوں کی آمد کا کچھ اور ہی رنگ ڈھنگ تھا۔ تقریباً دن سوا گیارہ بجے بارانِ رحمت کے نزول نے خشک زدہ ماحول کے سارے گلے شکوے دور کر دیئے اور چند ساعتوں میں زمین جل تھل ہو گئی۔ اس بارش کے نظارے میں مجاہدین کے مرکزی دفتر سے فون پر رابطہ ہوا کہ حضرو کے بھائی عبدالرحیم عرف حنیف مرتبہ شہادت حاصل کر چکے ہیں اور ان کی لاش براستہ پشاور حضرو پہنچائی جا رہی ہے

واقعی زخم شہادت ہے زندگی خاک پر گر کر لہو بنتا ہے جامِ زندگی

مجاہدین کے ساتھ موصوف شہیدؒ کا رابطہ تو تھا ہی مولانا محمد مجاہد نے آپ کی بہت رہبری کی اور ایک مجاہد جن کا نام شبیر تھا۔ بوسنیا کے محاذ پر دو سال تک لڑتے رہے ان کے ساتھ تعلقات بھی بہت گہرے تھے۔ جس سے ذہن جہاد کی طرف مزید منتقل ہو گیا۔ اندریں حالات ایک دن وہاں کے ٹی وی پر فلم دکھائی گئی (بعد میں موصوف نے حرام کاموں سے بالکلیہ اجتناب کر لیا تھا) جس میں روسی درندوں کے ہاتھوں مسلمان عفت مآب بہنوں کی عزت تار تار کرنے کا منظر تھا اور مسلمان بچوں کو ذبح کرتے ہوئے، قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ عبدالرحیم اس منظر کی کربناکی کا زیادہ دیر مشاہدہ نہ کر سکا اور دل بیتاب لے کر اٹھ گیا اب وہ مجاہدین اسلام کے ساتھ ہو کر عالم کفر خصوصاً روسی درندوں کے خلاف صف آرا ہونے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

تربیت کے بعد عبدالرحیم کو بگرام کے قریب باغ کے محاذ پر تعارض کیلئے روانہ کر دیا گیا۔ آپ نے وہاں جتنے ایام گزارے وہ اسی تڑپ میں گزرے کہ کب دوبدو مقابلہ ہو اور روسی کمیونسٹوں اور ان کے ایجنٹوں سے ایک ایک بہے ہوئے لہو کے قطرے کا حساب چکاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بندوبست بھی جلد فرما دیا۔ شہادت سے صرف ایک دن پہلے اس محاذ پر منافق و باغی احمد شاہ مسعود کے خلاف سخت معرکہ لڑا گیا جس میں موصوف کے علاوہ باقی مجاہدین نے بھی دل کھول کر دادِ شجاعت دی اور تخمیناً سو کے لگ بھگ باقی مردار کئے اس خبر کو اس دن سی این این نے بھی نشر کیا۔

قبضے میں تلوار بھی آ جائے تو مومن یا خالدؓ جانباز ہے یا حیدرؓ کرار

جمعرات کو ہونے والا دشمن سے زوردار تعارض اس بات کا پیش خیمہ تھا کہ عبدالرحیم اپنی منت پوری کر چکا ہے کہ پچاس روسی اپنے کھاتے میں ڈال کر شہادت کا مرتبہ حاصل کروں گا۔ آئندہ آنے والے دن ۲۶ ربیع الاوّل بروز جمعہ ۱۴۲۱ھ کا اجالا آنے میں خاصی دیر تھی۔ بوقت تہجد قریباً تین بجے عبدالرحیم وضو کیلئے بیدار ہوا تو دشمن کی طرف سے داغا ہوا "بی ایم" کا گولہ اس کے قریب آ کر پھٹا جس کی وجہ سے دو تین زخم آئے ایک زخم ان کے چہرے پر بھی تھا۔ موصوف جلد ہی دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف سدھار گئے اور اعلیٰ جنان میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیا۔

مقتل کو چلے ہیں دیوانے شاداں شاداں فرحاں فرحاں
کہ قتل میں جمالِ جاں کا جاں دے کر نظارہ ہوتا ہے

یہ محاذ دشمنوں کے بہت قریب ہونے کی وجہ سے خاصا سخت تھا۔ عبدالرحیم اور اس کے ساتھیوں نے گذشتہ گیارہ دنوں سے کھانے کا ایک لقمہ تک نہ کھایا تھا جس کی وجہ سے نقاہت و کمزوری بہت زیادہ ہو گئی تھی ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ اب پیٹ میں کوئی چیز پڑنے کے بعد ہی مقابلہ ہو سکتا ہے۔ لڑنے کی سکت نہیں رہی عبدالرحیم نے کہا دوستو! دشمن کو ختم کرنے کے بعد ہی کھائیں پئیں گے۔ پھر جمعرات ۲۵ ربیع الاوّل کو مشہور معرکہ ہوا جس میں دشمن کی اچھی خاصی تعداد واصل جہنم ہوئی۔

شہیدؒ کا جنازہ حضرو عیدگاہ میں ادا کیا گیا بارش کی وجہ سے راستہ صاف نہ ہونے کے باوجود انسانوں کا ایک سیلاب تھا جو بڑھتا چلا آ رہا تھا یہاں تک کہ عیدگاہ کا وسیع علاقہ انسانوں سے بھر گیا۔

شہیدؒ کے والدین کے تاثرات خصوصاً والدہ کی استقامت پوری امت مسلمہ خصوصاً اہلیانِ حضرو کیلئے مشعلِ راہ کا کام دیتی رہے گی۔ حضرت خنساء اور حضرت خولہ رضی اللہ عنہن کی داستانیں اوراق میں پڑھی تھیں۔ آج ایک خنساء کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ہم جب شہید کی زیارت کرنے اس کے گھر پہنچے تو موصوفہ کھڑی ہو گئیں اور ہمارا استقبال نعروں سے کیا۔ نعرہ تکبیر اللہ اکبر۔

نوید شہید رحمۃ اللہ علیہ

ایک جانباز سپاہی کا تذکرہ

اس کا مسکراتا ہوا ہر وقت کھلا کھلا سا چہرہ آنکھوں میں بار بار گھوم رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے کہ اے رب اتنی جلدی ساتھی بچھڑ جاتے ہیں۔ اتنی جلدی تو اپنے محبوب مجاہدوں کو شرفِ قبولیت بخشش دیتا ہے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

میرے سامنے بھائی نوید سرور شہید کے بڑے بھائی تشریف فرما ہیں اور اپنے والد گرامی کو جو کہ کوئٹہ گئے ہوئے ہیں فون پر اطلاع دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا بھائی کتنی سعادت ہے کہ تم شہید کے بھائی بن گئے تو کہنے لگا الحمد للہ نوید کی کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ امتِ مسلمہ کے ماتھے پر لگے داغ کو دھونے کیلئے، اسلامی نظام کے مکمل نفاذ کے لئے میرے بھائی نے قربانی دی ہے۔ رات گزر گئی تھی اور صبح شہید کے جسد خاکی کا انتظار تھا۔ وہ شہید جس نے اپنی جوانی کو بازاروں میں آوارہ گردی سے بچالیا۔ وہ نوید شہید جس نے وی سی آر اور ٹی وی پر لعنت بھیج دی۔ جس نے جہاد والا عزت وعظمت کا راستہ اپنایا اور موت تک نہ چھوڑا۔ اس نوید شہید کے جسد خاکی کا انتظار ہو رہا تھا جو ایک ہفتہ قبل ہی تو گیا تھا۔ ہنستا مسکراتا ہوا نوید کہہ رہا تھا مجھے ابھی مل لو پھر شاید نہ مل سکوں۔

خالد محمود شہید رحمہ اللہ

اعلائے کلمۃ اللہ اور کشمیری مسلمان ماؤں بہنوں کی عصمت کی حفاظت کیلئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والے ایک جانباز کی داستان

میرے عزیز دوستو! خالد محمودؒ اس عزم کو لے کر خصوصی تربیت کیلئے فروری ۲۰۰۰ء میں روانہ ہوا۔ پہاڑوں کی طرح بلند حوصلے والا میرے بھائی خالد محمودؒ جس کام کا آغاز کرتے تو پھر جنون کی حد تک اس کے اندر منہمک ہو جاتے اور پھر اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتے۔ یہ تو دنیا کی کیفیت تھی اور دین کیلئے تو اور بھی مجنون تھے۔ پھر اپنے رب سے ہر نماز میں دعائیں مانگا کرتے تھے اور رب العزت تو ہر مدد مانگنے والے کی ضرور مدد کرتے ہیں خصوصی تربیت کرنے کے بعد ایک ہفتہ کیلئے گھر تشریف لائے تو حالاتِ زندگی کا رخ بدل چکا تھا اب عبادات کی کچھ اور ہی کیفیت تھی، ہر وقت اللہ کی طرف دعوت دینا معمول بن چکا تھا، فرض نمازوں، سنتوں اور نفلوں کے علاوہ اب تہجد بھی معمول بن گیا تھا اور تہجد میں "اللّٰھم رزقنی شھادۃ فی سبیلک" پر آنسوؤں کی ایک قطار بن جاتی، تمام گھر والوں کو نماز کی تلقین کرتے، زندگی کا مقصد بیان کرتے اور تمام گھر والوں کو علماء اور مجاہدین سے محبت کی نصیحت کرتے اور خود مجاہدین اور علماء کی خدمت میں جا کر ان کی خدمت کرنے کے مواقع تلاش کرتے اور خوب محبت کرتے۔ اے خالد محمودؒ! تو خدا کی قسم زندگی کے مقصد کا راز پا گیا۔ ایک ہفتہ گھر رہنے کے بعد مظفر آباد واپس جانے کی تیاری ہونے لگی۔

اے کاش! روانگی کی کیفیت کو کوئی صاحبِ علم اپنے الفاظ میں بیان کرتا چہرے کی نورانیت اور دل میں پوری دنیا پر دین اسلام کو نافذ کرنے کی پہاڑوں جیسی پختگی کے علاوہ شہادت کی موت کا اتنا یقین تھا کہ دوستوں سے کہتے کہ یارو! رب کائنات سے کچھ مانگنا ہے، کوئی دعا ہے، تو کہو، میں ان شاء اللہ اللہ سے ضرور ملاقات کرونگا اور تمہاری بھی سفارش کرونگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کوئی پیغام ہے تو دے دو، یا ہم سے پہلے اس دنیا کو چھوڑ جانے والے دوستوں کیلئے کوئی پیغام ہے تو دے دو میں ان شاء اللہ جنت میں جانے

والے تمام دوستوں سے ملوں گا۔ سبحان اللہ! اتنا اپنے رب کے وعدہ پر یقین ہو تو رب بھی صبر و استقامت کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور اپنے گھر والوں کو نصیحت کی کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو اے میری ماں! رونا نہیں بلکہ اس بات پر خوش ہونا کہ میں شہید کی ماں ہوں اور میری شہادت کی خبر لانے والوں کو خوشی کی مٹھائی دینا، اے میرے ابا! آپ بھی خوش ہونا اور فخر کرنا کہ میں ایک شہید کا والد ہوں اور اے میری پیاری بہن اور پیارے بھائی تم بھی خوش ہونا کہ ہم ایک شہید کے بہن بھائی ہیں اور گھر میں آنے والی تمام دوسری عورتوں اور مردوں کو بین کرنے سے سختی سے روکنا، تمہارے لئے میں اللہ سے صبر و استقامت مانگوں گا۔ اور قیامت کے دن تمہارے لئے اللہ رب العزت سے جنت الفردوس کی سفارش کروں گا اور تم سب علماء اور مجاہدین اس طرح تعاون کرنا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اپنے شہید بھائی کے غم میں دبے جارہے ہیں۔ یہ وصیت کی اور گھر سے روانہ ہو گئے اسٹیشن کی طرف چل دیئے، وہاں تمام دوست ان سے بغل گیر ہوئے اور گاڑی پر بٹھا دیا ہر ایک دوست کی یہ تمنا تھی کہ خالدؒ مجھ سے کئی بار بغل گیر ہو، آخر گاڑی چلنے لگی کسے معلوم تھا کہ آج خالد آخری مرتبہ بغل گیر ہو کر جارہے ہیں۔ کئی دوستوں کی آنکھوں میں جدائی کے آنسو بھی موجود تھے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ مجھے آخر میں کوئی نصیحت فرمادیں۔ آخر تمام دوستوں کو نصیحت فرمائی کہ اے دوستو! مجاہدین سے رابطہ رکھنا اور مجاہدین کے ساتھ جانی و مالی تعاون کرتے رہنا اور میرے لئے اللہ سے صبر و استقامت کی دعا کرنا کہ اللہ مجھے ہر امتحان میں کامیاب فرمائے۔ ۱۰ ارمئی کو وہ ہم سب کا پیارا بھائی خالد ہم سے جدا ہو گیا اور ۱۳ ارجون کو کشمیر کے اندر داخل ہو گیا۔ واہ خوش قسمتی! کئی لوگ مہینوں داخل نہیں ہو سکتے، لیکن میرا بھائی خالد محمودؒ جو رب کائنات کی نظر میں مقبول ہو چکے تھے اور رب کائنات اسے زندگی کے اس بڑے امتحان میں کامیاب کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر جام پلانے کے منتظر تھے۔ جلد ہی داخل ہو گئے پھر اللہ کے دشمنوں پر خوف طاری ہونے لگا۔ جب شیر گیدڑوں کے ریوڑ میں داخل ہوا تو وہ اپنے بلوں میں گھسنے لگے لیکن شیر نے للکارتے ہوئے حملہ کر دیا، گیدڑوں کو مردار کرتا ہوا اور ان کی صفیں چیرتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھ گیا۔ رب ذوالجلال خوش ہو کے اپنی پاک مخلوق فرشتوں کے سامنے خالد محمود شہیدؒ کی شجاعت کا تذکرہ

کرنے لگے ادھر خالد بھی دل سے دعا کر رہا تھا اور تمنا کر رہا تھا یا رب! تیرا دیدار ہو جائے۔ ادھر حوض کوثر پر نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہونے لگے اور اللہ سے دعا کرنے لگے اے اللہ! مجاہدین کے ہر سپاہی کو خالد کی طرح بہادر اور دلیر بنا دے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرنے لگے یا اللہ! اس نیک بندہ کو اور محبوب بندہ کو اپنے پاس بلا لے بہت دور سے چلتا ہوا، اونچی اونچی پہاڑیوں سے گذر کر تیرے دیدار کو ترستے ہوئے، تیرے دین کی عظمت کیلئے یہاں پہنچا ہے اسے اپنے پاس بلا لے اور اپنا دیدار کرا دے تا کہ میں بھی اسے جام کوثر پلا سکوں یہاں خود خالدؒ کے دل میں بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق تمام حدیں پار کر چکا تھا۔ الغرض آٹھ عدد مجاہدوں کا یہ قافلہ مختلف سوچوں میں گم ہو کر اونچے نیچے پہاڑوں پر اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھا۔ خالد بھائی اپنے گروپ کے کمانڈر تھے۔ یہ ساتھی ایک بستی میں کچھ دیر قیام کی غرض سے رکے ہی تھے کہ یک دم اعلان کی آواز کانوں سے ٹکرائی کہ آپ تمام مجاہدین نوے ہزار فوج کے گھیرے میں آ چکے ہیں ہتھیار ڈال دو، ورنہ گولی ماردی جائے گی لیکن تمام مجاہدین نے گرفتاری پر شہادت کو ترجیح دی اور ایک خوفناک جنگ شروع ہو گئی ایک طرف سے ۹۰ ہزار جدید اسلحہ سے لیس، گائے کا پیشاب پینے والی ہندوستانی فوج، دوسری طرف صرف آٹھ اللہ کے عظیم سپاہی، حق و باطل کا معرکہ شروع ہو گیا۔ جنت الفردوس سے حورعین جھانک جھانک کر اپنے خاوند کی بہادری اور شجاعت کے کرشمے دیکھنے لگیں اور اللہ سے مزید دعائیں کرنے لگیں۔ اللہ! اسے صبر و استقامت دے، اور اسے اس امتحان میں کامیاب فرما، فرشتے داد شجاعت دینے لگے، لگ بھگ ۲۵ گھنٹے تک یہ حق و باطل کا معرکہ جاری رہا انڈین آرمی کو اندازہ ہو گیا کہ یہ سرفروش مجاہد ہیں سر کٹا سکتے ہیں جھکا نہیں سکتے۔ تھک ہار کر فضائی بمباری کر کے پوری کی پوری بستی صفحہ ہستی سے مٹا دی۔ اس طرح اللہ کا یہ شیر اپنے تمام ساتھیوں سمیت اپنے عظیم رب کے سامنے سرخرو ہو کر جام شہادت پی گیا۔ ساقی کوثر نے حوض کوثر کے شربت سے پیاس بجھائی، اور خالد جنت کی طرف بڑھنے لگا۔ آج جنت خوشبوؤں سے سجا دی گئی تھی اور حوریں بن سنور کر استقبال کیلئے جنت کے دروازوں پر آ چکی تھیں۔

بھائی عبداللطیف شہید

ایک نوجوان کا ایمان افروز تذکرہ جس نے زندگی کا راز پالیا

بعض لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ جب ساتھ ہوتے ہیں تو مشکلات کو سہل کردیتے ہیں اور جب وہ چلے جاتے ہیں تو دل میں ہمیشہ کیلئے کسک چھوڑ جاتے ہیں اور پھر ان کی یاد سے دل کو راحت پہنچتی ہے اور ہمیشہ ان کی تصویر سامنے رہتی ہے اور اگر آدمی بھلانا بھی چاہے تو بھلا نہیں سکتا۔

انہی عجیب لوگوں میں سے ایک شخص سانولا رنگ، گھنی ڈاڑھی، خاموش طبع ایک ایسا گمنام مجاہد ہے جب وہ بچھڑا تو ایسے لگا جیسے میرا حقیقی بھائی مجھ سے جدا ہوگیا ہے۔ جسے لوگ عبداللطیف شہیدؒ کے نام سے جانتے ہیں۔

بھائی عبداللطیف پانچ جنوری ۱۹۷۹ء کو محترم محمد یار صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ بڑے بھائی فوج میں ملازم ہیں اور چھوٹے بھائی جن کا نام محمد شفیق ہے ابھی زیر تعلیم ہیں۔

بھائی عبداللطیف نے میٹرک تک اپنے گاؤں میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد چک نمبر ۴۶ اڈا کالج میں داخلہ لے لیا۔ دوران تعلیم ایک دن اچانک چند نوجوانوں کا قافلہ افغانستان کے مظلوم مسلمانوں کی خاطر کچھ کر گزرنے کے جذبہ لے کر تربیت حاصل کرنے کیلئے روانہ ہوا، ان میں بھائی عبداللطیف بھی شامل تھے۔

تربیت حاصل کرنے کے بعد کالج میں پڑھتے رہے اور ساتھ ساتھ جہاد کا کام بھی کرتے رہے۔ لیکن جب شوقِ جہاد اور بڑھ گیا تو دنیاوی تعلیم کو خیرباد کہہ دیا۔ اس کے بعد بھائی عبداللطیف اور راقم الحروف افغانستان چلے گئے۔ بھائی عبداللطیف کی کابل کے اندر کچھ دنوں کیلئے تشکیل ہوگئی اور راقم الحروف کی قلعہ مراد بیگ پر تشکیل ہوئی۔ کچھ دنوں بعد بھائی عبداللطیف بھی قلعہ مراد بیگ پہنچ گئے۔ کافی عرصہ تک قلعہ مراد بیگ پر اکٹھے رہے۔ انہی دنوں طالبان کا دشمن پر حملہ کرنے کا ارادہ بنا تو بھائی عبداللطیف کی تعارضی گروپ میں تشکیل ہوگئی اور کچھ آرام کرنے کیلئے پیچھے چلے گئے۔ دوبارہ جب ملاقات ہوئی تو بھائی بہت پریشان نظر آرہے تھے۔

میں نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔ اس جگہ پر نہ تو میں گولیوں کی آواز سنتا ہوں نہ ہم پر گولے گرتے ہیں۔ نہ میں زخمی دیکھتا ہوں نہ میں شہید دیکھتا ہوں اور نہ دشمن کے مردار نظر آتے ہیں۔ بس میں اسی لئے پریشان ہوں، ان دنوں قلعہ مراد بیگ کے ذمہ دار ڈاکٹر غزالی صاحب تھے۔ ہم نے غزالی صاحب کے پاس جا کر منت سماجت کی اور دوبارہ تشکیل قلعہ مراد بیگ پر کروالی۔ وہاں پر کافی عرصے تک بھائی عبداللطیف اسلام کے غلبہ کی خاطر باطل قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ پھر واپس اپنے گھر چک ۴۸ جنوبی لوٹ آئے اور اپنے گاؤں میں چھوٹا سا ہوٹل بنایا۔

بالآخر بھائی عبداللطیف کا قافلہ خونی لکیر عبور کر کے مقبوضہ کشمیر پہنچ گیا۔ ایک دن مجاہدین کا یہ قافلہ ایک خصوصی مشن پر جا رہا تھا کہ انڈیا کی بزدل فوج ایمبش لگا کر راستے میں بیٹھی تھی۔ جب مجاہدین کا یہ قافلہ ضلع بارہ مولا کی تحصیل ٹمرگ کے علاقے حاجی بل کے مقام پر پہنچا تو انڈین آرمی کے ساتھ جھڑپ ہوگئی۔ جھڑپ پچیس گھنٹے تک جاری رہی۔ اس جھڑپ میں انڈین آرمی کے متعدد فوجی مردار ہوئے اور پچیس گھنٹے تک انڈین آرمی کے ساتھ دلیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے راہِ عشق و وفا کا یہ قافلہ اپنے خالقِ حقیقی سے کئے ہوئے عہد سے وفا کرتے ہوئے اس عارضی زندگی کو قربان کر کے ابدی زندگی پا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اللہ رب العزت نے بھائی عبداللطیف شہیدؒ کی دلی تمنا پوری کر دی جس تمنا کیلئے وہ کبھی افغانستان میں قلعہ مراد بیگ کے محاذ پر جاتے تو کبھی قرہ باغ کے محاذ پر۔

آخر اللہ کریم نے کشمیر کی سرزمین پر ان کی تمنا کو پورا فرما دیا۔

بھائی عبداللطیف شہیدؒ نے مقبوضہ کشمیر جانے سے پہلے بذریعہ خط اپنے گھر والوں کو وصیت فرمائی تھی کہ جو مجاہدین میری شہادت کی خبر لے کر آئیں۔ انہیں عزت واکرام سے بٹھائیں اور مٹھائی کھلائیں۔

اللہ رب العزت نے بھائی عبدالطیف کو اس سرزمین پر شہادت عطا فرمائی۔ جس کے متعلق آج سے چودہ سو سال قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میری امت میں دو جماعتیں ایسی ہیں جن کو اللہ ربّ العزت نے جنت کا وارث بنایا ہے اور جہنم سے نجات دی ہے۔ ایک وہ جماعت جو غزوۂ ہند میں شرکت کرے گی اور دوسری وہ جماعت جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر کفار کے خلاف جہاد کرے گی۔'' (تحریر: محمد زاہد محمود)

راہِ حق کا شہسوار

خواجہ محمد آصف شہید رحمہ اللہ

تعارف...... خواجہ محمد آصف شہید ۲۵ رمحرم ۱۴۰۰ھ کو اپنے نانا خواجہ حاجی سراج احمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتداء میں اپنے محلے کی مسجد میں ناظرہ قرآن کریم پڑھا۔ پھر اسکول میں مڈل پاس کرنے کے بعد اسکول کو خیر باد کہہ دیا اور زرگروں کا کام سیکھنا شروع کردیا۔ لیکن ان کے کان میں اللہ تعالیٰ کا فرمان:

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ

پہنچ چکا تھا وہ کام چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور دوڑنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ میں جنت خریدوں گا مگر جب آگے پڑھتا ہے کہ: **یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون الآیۃ** پر عمل کرنا پڑے گا اس کیلئے بھوک، گرمی، سردی برداشت کرنا پڑے گی، اس کیلئے وادی کشمیر کے برف پوش پہاڑوں میں اترنا پڑے گا تو ایک منٹ کیلئے اس کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں لیکن فوراً اس کے دل میں دوسرا ارشادِ باری تعالیٰ آتا ہے: **ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ الآیۃ**

اور یہ حدیث بھی اس کے کانوں میں گونجتی ہے: **ان الجنۃ تحت ظلال السیوف**

بالآخر وہ شہادت کے شوق سے سرشار ہو کر دو مرتبہ افغانستان کا سفر کرنے کے بعد تیسری مرتبہ کشمیر کا رخ کرتا ہے اور تقریباً ۹ ماہ تک ہندوؤں کو ناکوں چنے چبوانے کے بعد بالآخر بروز جمعۃ المبارک ۲۵ رفروری ۲۰۰۰ء کو مخبری ہونے کے بعد انڈین آرمی کے گھیراؤ میں آکر کافی دیر تک لڑنے کے بعد جامِ شہادت نوش کر گئے۔

اللّٰھم ارزقنا شھادۃ فی سبیلک

لہو کے قطروں کے بیج بو کر، ہزاروں گلشن سجانے والو
نچوڑ کر خون جگر سے اپنے، چراغِ محفل سجانے والو
سلام تم پر اے سرفروشو، اے سر دھڑ کی بازی لگانے والو
تمہاری یادیں بسی ہیں دل میں، افق کے اس پار جانے والو

(تحریر: راشد محمود)

محمد طارق شہید رحمۃ اللہ علیہ

وہ بجلی کی طرح کڑکا، بادلوں کی طرح گرجا اور لہروں کی طرح دشمن کی طرف لپکا

آج اس عظیم انسان کی یاد میں لکھ رہا ہوں جو مجھے بہت زیادہ محبوب تھا۔ جس نے ابھی زندگی کی سترہ بہاریں دیکھی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ عظیم صفات کا مالک تھا۔ وہ اپنی انہی صفات حمیدہ کی وجہ سے جہاں بھی گیا اپنی یادیں چھوڑ آیا۔ اس کے اخلاق و کردار پر جو بھی لکھا جائے وہ بہت کم ہے۔ وہ گھر میں بیٹے اور بھائی کی حیثیت سے عظیم تھا۔ تو مکتب میں ایک ذہین خدمت گذار نوجوان تھا۔ وہ کبھی بستر اٹھائے اللہ کی راہ میں بستی بستی قریہ قریہ گھومتا نظر آتا تو کبھی گھر میں والدین کی خدمت میں کوشاں نظر آتا۔ غرض اسے جہاں بھی دیکھا عظیم نظر آیا۔ میدانِ جہاد میں پہنچا تو وہاں بھی اپنی صفات کی وجہ سے اپنے مجاہد ساتھیوں میں منفرد نظر آیا۔ وہ جذبۂ شہادت سے سرشار سرزمین شہداء افغانستان جا پہنچا اور آٹھ ماہ تک شہادت کی جستجو میں لگا رہا۔ آخرکار جنگی کے محاذ پر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

(تحریر: قاری عتیق الرحمٰن)

قاری یوسف شہباز شہید رحمہ اللہ کی یاد میں

اک پرندہ اڑ گیا طوفان کے منہ پر تھوک کر!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑا دل عطا فرمایا تھا کہ دین کے جس کام کے متعلق آپ کو معلوم ہوتا اس کی حوصلہ افزائی کو اپنا فریضہ اور سعادت سمجھتے۔ آپ اپنا مدرسہ بھی چلا رہے تھے مگر دیگر مدارس آپ کی شفقت سے محروم نہیں تھے۔ آپ بعض جماعتوں کے سرپرست اور عہدیدار تھے۔ مگر اہل حق کی دیگر تنظیموں نے کبھی آپ کو اپنے سے جدا نہیں پایا آپ کا تعلق ایک علاقہ سے تھا مگر آپ میں علاقائی تعصب کا نام ونشان نہ تھا ہر آدمی قاری صاحب کو اپنا سمجھتا ہر ایک آپ کو اپنا سرپرست سمجھتا اور ہر مدرسہ آپ کو اپنا کفیل سمجھتا آپ کی شہادت کی خبر پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور آپ کے رفقاء پر بجلی بن کر گری۔ آپ کے دوست احباب اور تمام دینی جماعتوں کے راہنما اور کارکنوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر آپ کے علاقے راہولی اور آپ کی رہائش گاہ پر اکٹھا ہونا شروع ہو گیا۔ اور آپ کے جسد خاکی کا پہنچنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب کشمیر بارڈر سے آپ کا جسد خاکی آپ کے گھر پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ شہادت کے چار دن بعد بھی قاری صاحب کا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا تھا اور اس عظیم جرنیل کی شہادت پر آسمان بھی رو رہا تھا۔ بلکہ جب دھوپ پڑنے پر آپ کے چہرہ اور پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔ تو کمانڈر شہباز سے دشمنی اور مخالفت کرنیوالے منافقین کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور آپ کی نماز جنازہ امام اہلسنّت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نے پڑھائی جس میں ہزاروں لوگ ملک بھر سے علماء کرام اور مجاہدین نے شرکت کی اور دنیا آج تک آپ کی شہادت کی مثالیں دے رہی ہے۔ مجاہدین نے اپنے استاد کی المناک شہادت کا انتقام لینے

کا اعلان کیا اور پھر سینکڑوں نوجوان محاذوں کا رخ کر گئے۔ اور انڈین آرمی پر ایسے تابڑ توڑ حملے کئے کہ انہیں اپنی لاشوں کے انبار چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور پھر کمانڈر شہباز کے کئی شاگرد داستان شجاعت رقم کرتے ہوئے اپنے عظیم استاد کے ہاں جنت میں پہنچ گئے۔ جن میں عظیم کمانڈر بھائی عمر شاہین شہیدؒ، بھائی امان اللہ شہیدؒ، حافظ شہزاد شہیدؒ، توقیر منہاس شہیدؒ، فاروق ارشد شہیدؒ بلکہ اس سے قبل بھی وادی کشمیر میں اپنے استاد کے حکم پر کشمیر کی آزادی کیلئے یعقوب صدیقی شہیدؒ، شبیر شہیدؒ، مبین شہیدؒ، معراج خالد شہیدؒ، اور درجنوں نوجوانوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور آج بھی آپ کے تربیت یافتہ کئی جانباز انڈین آرمی کے لئے دہشت کا نشان بنے ہوئے ہیں اور آج بھی ہزاروں آپ کے شاگرد عہد کئے ہوئے ہیں کہ وہ مظلوم بہنوں کی عصمت کی حفاظت کریں گے اور وہ ان غلیظ پنجوں کو توڑ دیں گے۔ جنہوں نے مسلمان بیٹیوں کی عصمت کے آبگینے توڑے اور وہ ان کی آنکھوں کو نکال دیں گے جن آنکھوں نے امت کی ماؤں کی چادر کو آلودہ کیا۔ اور وہ ان گردنوں کو تن سے جدا کردیں گے جو فرعون کی طرح اکڑ رکھتی ہیں اور وہ زبان کو کھینچ لیں گے۔ جو مقدس ہستیوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتی ہیں اور وہ بجلی کی طرح کڑکیں گے۔ بادل کی طرح گرجیں گے اور لہروں کی طرح لپکیں گے اور کفر کے خرمن کو جلا کر مٹا کر کھایا ہوا بھس بنا دیں گے اور ان کی خون آلود تلواریں اور شعلے اگلتی کلاشنکوف مضبوط عزائم بلند ارادے امت کیلئے موم اور کافروں کیلئے پتھر اور خوف نہ کھانیوالا جگر چٹان صفت کلیجہ روئے زمین کے چپے چپے پر اسلام کو غالب کرنے کیلئے استعمال ہوں گے۔

دے گیا چڑیا کے بچوں کو عقابی بال و پر
اک پرندہ اڑ گیا طوفان کے منہ پر تھوک کر

(تحریر: ساجد خان)

حافظ محمد سعد شہید رحمہ اللہ

ایک شہید وفا کا تذکرہ

جگر کی پیاس لہو سے بجھا کے آیا ہوں ۔ میں تیری راہ میں گردن کٹا کے آیا ہوں
سوچا ہے کفیل اب کچھ بھی ہو ۔ ہر حال میں اپنا حق لیں گے
عزت سے جئے تو جی لیں گے ۔ یا جامِ شہادت پی لیں گے

مؤرخہ ۳۰ رجولائی ۲۰۰۰ء کو کراچی کے شاہین صفت نوجوان مجاہد حافظ محمد سلطان (عرف) حافظ محمد سعد ضلع راجوڑی کی تحصیل بدیل کے علاقے میں موجود تھے مخبری ہونے پر انڈین آرمی کے سینکڑوں فوجیوں نے محاصرے کے بعد مجاہدین کو ہتھیار پھینک کر گرفتاری دینے کا کہا لیکن یہ شیر دل مجاہدین انڈین آرمی سے پنجہ آزمائی کرنے کیلئے بے تاب تھے انہوں نے شہادت کے درجے کو حاصل کرنے کیلئے ہتھیار نہیں پھینکے بلکہ مجاہدین نے راکٹ کے گولے داغ کر کئی ہندو فوجیوں کو واصل جہنم کر کے میدانِ جنگ گرم کرنے کا اعلان کر دیا۔ شام چھ بجے شروع ہونے والی یہ خونریز جھڑپ صبح پانچ بجے تک جاری رہی۔ اس طویل خون ریز جھڑپ میں انڈین آرمی کے ایک میجر اور ایک کیپٹن سمیت ۱۸ رفوجی مردار ہوئے جبکہ حافظ محمد سعد (کراچی) اپنے خالق سے ملاقات کا شرف حاصل کر کے شہادت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو گئے۔ اس معرکے میں اس نے دشمن کی تمام چالوں کو فیل کر دیا اور امتِ مسلمہ کو یہ ثابت کر کے دکھایا کہ جذبۂ جہاد اور شہادت کی خواہش کے آگے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

آنکھوں سے نہ دیکھا ہندوؤں نے اپنے قاتل کو
لاشوں سے اندازہ ہوگا کہ شہید مجاہد پہ جوانی تھی

محمد آصف شہید رحمۃ اللہ علیہ

اسی رتبہ شہادت کو پانے کیلئے لیاقت آباد کی سرزمین پر آنکھیں کھولنے والا نوجوان جذبہ جہاد سے سرشار، تقویٰ کے لباس کو پہن کر، علم جہاد کو بلند کرنے کیلئے، مظلوم مسلمانوں کا درد لئے، ماؤں کی عزت کی حفاظت کیلئے، بہنوں کے آنچل کے تحفظ کیلئے، اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے، قرآن کی عدالت کیلئے، نفاذِ اسلام کیلئے، لیاقت آباد کے اندر دردِ دل سے صدائے جہاد بلند کرتا ہوا، جہاں اس کی آواز پر چند دیوانے اس کے حوصلے کو بڑھانے کیلئے آئے، چند دوستوں نے لبیک کہتے ہوئے اس کے حکم پر سر تسلیم خم کیا اور ہر مشکل میں اس کا بھرپور ساتھ دیا، وہاں اس کی حوصلہ شکنی کرنے والے بھی کچھ کم نہ تھے۔ کسی نے باغی کہا، تو کسی نے منافق کا لقب دیا، کسی نے لیڈری کا شوق کہا اور کسی نے اس کے خلاف فتوؤں کے انبار لگا دیئے، کسی نے اسے گستاخ علماء کہا، تو کسی نے دشمن جہاد، لیکن سب کچھ سننے کے بعد دونوں عالم سے بیگانہ، جذبہ جہاد سے سرشار، اخلاص کی دولت سے مالا مال، بت شکن نوجوان بالآخر اپنے عمل سے دنیا کو بتا گیا کہ اخلاص رکھنے والے بلند بانگ دعوے نہیں کرتے۔ دشمن جہاد کبھی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان کارزار میں نہیں اترتے۔ باغی اور منافق کبھی غزوۂ ہند میں شرکت تو درکنار ان کو تو افغانستان کی اسلامی امارت کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوتی اگر افغانستان میں بالفرض منافق پہنچ بھی جائیں تو ان کے ناپاک جسم کو اس پاک زمین پر چین نہیں آتا۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غزوۂ ہند میں جو شریک ہوگا وہ جنتی ہے۔'' (الحدیث)

وہ نوجوان عملاً محاذ جنگ پر ہوتے ہوئے اپنا اخلاص ثابت کر گیا اور منافقوں کی منافقت کا پردہ چاک کر گیا۔

شہیدؒ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن ہمارے لئے ایک پیغام چھوڑ گیا کہ کب تک ہم غفلت کی چادر تان کر سوئے رہیں گے؟ کب تک ہم جہاد سے روگردانی کرتے رہیں گے؟ کب تک ہم اپنی آنکھوں سے اپنی ماؤں بہنوں کی عصمت دری دیکھتے رہیں گے؟ آج اگر ہم نے اس ظلم کا راستہ نہ روکا تو ہو سکتا ہے کل یہ مظالم ہمارے گھروں میں آ گھسیں گے۔ لیکن اس وقت ہم بے اختیار ہوں گے۔ اس لئے میرے مسلمان غیرت مند نوجوانو! آج ہی ہمیں آصف شہیدؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے میدان جہاد میں خود جانا چاہئے اور کافر کو یہ بتا دینا چاہئے کہ تم نے صرف ایک آصف شہید کیا ہے اور اب مسلمانوں کو بچہ بچہ تمہارے لئے آصف ثابت ہو گا۔

اے آصف شہیدؒ اب نوجوان تجھ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم بھارتی فوج سے تیرے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لیں گے۔ (ان شاء اللہ)

شہید کشمیر سے عشق کا بتاؤں کیا اصول ہے؟ کہو کہ راہ جہاد میں موت بھی قبول ہے
اگر تمہاری زندگی میں بہنوں کی عزت نہ ہو محفوظ تو بھائی آصف کہہ گیا ہے زندگی فضول ہے

مبارکباد کے مستحق ہیں وہ والدین جنہوں نے آصف شہیدؒ جیسے عظیم نوجوان کو جنم دیا ہے۔

(شہیدؒ کی والدہ کے قلم سے)

عمر معروف صدیقی شہید رحمۃ اللہ علیہ

والدہ نے کہا...... بیٹا! میں چاہتی ہوں کہ تم اسلام کی خدمت کرو

جہاد جنت کا مختصر ترین راستہ ہے، جہاد فی سبیل اللہ کی بدولت انسان لمحوں میں اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی محبت کا نور حاصل کر لیتا ہے اور منٹوں میں جنت کے اونچے اونچے مقامات پالیتا ہے۔ مجاہد کیلئے جنت اتنی قریب ہے کہ اس کا ایک پاؤں دنیا میں ہوتا ہے اور دوسرا جنت میں۔

عام مسلمان جنت کی تمنا کرتا ہے جب کہ جنت مجاہدین کی تمنا کرتی ہے۔ بڑے بڑے عابد قرب الٰہی کی جو منزلیں سالہا سال میں طے کرتے ہیں مجاہد ان مقامات کو میدانِ جنگ میں گھمسان کی لڑائی کے دوران چند ساعتوں میں پالیتا ہے۔

تشکیل مقبوضہ کشمیر کر دی گئی۔ حالانکہ وہ کہتے تھے کہ مجھے امارتِ اسلامیہ میں لڑنے مرنے کا جتنا شوق ہے اتنا کہیں بھی نہیں اس لئے کہ یہ اسلام کا مرکز ہے پھر والدہ کا تحریر کیا ہوا خط دکھایا۔ جس میں والدہ نے لکھا تھا:

''پیارے بیٹے عمر! میں چاہتی ہوں کہ تم اسلام کی خدمت کرو اس لئے مدرسہ میں پڑھنے کیلئے داخل کیا۔ اب تم جہاد میں گئے ہو تو میرا دل بہت خوش ہے۔ ''فقط تمہاری ماں''

مقبوضہ وادی کی خونی لکیر عبور کرنے کیلئے بارڈر پر پہنچے تو بیمار ہو گئے اور ان کا قافلہ بارڈر پار کر گیا۔ لیکن یہ بوجہ علالت رہ گئے۔ صحت یاب ہونے کے بعد دوبارہ مقبوضہ وادی میں جانے کی تیاری کر لی۔ نو دس ماہ بارڈر پر رہے ان کے ہم عمر گلی محلوں میں گیند بلے کا کھیل کھیل رہے تھے جب کہ وہ بارڈر پر ہندو بنئے سے برسرِ پیکار تھے۔ اس دوران ان کو واپس افغانستان بلا لیا گیا۔

اللہ رب العزت نے ان کے افغانستان میں لڑنے اور شہید ہونے کے شوق کو پورا کرنا تھا اس لئے افغانستان پہنچا دیا۔

ملاقات ہونے پر کہا ان شاء اللہ اس دفعہ ضرور شہید ہوں گا اور خلاف عادت بہت سنجیدہ اور خاموش تھے۔ میں نے بھی ان کی آنکھوں کی چمک اور ماتھے پر چمکتا ہوا شہادت کا نور دیکھ کر ماضی میں کیے ہوئے وعدے کی تجدید کی درخواست کی کہ قیامت کے دن مجھے مت بھولنا۔ گلے مل کر کہنے لگے۔ ٹیپو بھائی آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں؟ جدا ہوتے وقت میری آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ خوشی خوشی روانہ ہوگئے۔ اللہ پاک نے چھ ماہ تک ان سے خوب کام لیا اور کئی اسلام دشمن باغیوں کو مار کر انہوں نے اپنے دل کا غصہ ٹھنڈا کیا اور پھر ایک صبر آزما انتظار کے بعد دشمن کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے امیر المؤمنین نے طالبان کو جوابی کارروائی کا حکم دیا تو یہ بھی مجاہدین کے مسلح دستوں کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ یکے بعد دیگرے دشمن علاقے خالی کرتا گیا۔ جب تخار پر حملے کی باری آئی تو عمر معروف نے کہا کہ دو برس پہلے اسی جگہ پر دشمن نے میرے عزیز دوست حافظ عمران معاویہ کو شہید کیا تھا دشمن سے اس جگہ پر اس کا حساب بھی بے باک کرنا ہے۔

اسی لئے اپنی فطری شجاعت اور بے خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب سے آگے بڑھے اور دشمن کو چن چن کر مارنے لگے اس دوران دشمن کی طرف سے ایک برسٹ فائر ہوا اس کی کچھ گولیاں عمر معروف کو بھی لگ گئیں اور ان کی خواہش پوری ہوگئی اور وہ لمحہ آ پہنچا جسے مجاہد کبھی نہیں بھلا سکتا جنت میں جا کر بھی، وہاں کی حوروں اور نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر بھی اور وہ لمحہ شہادت ملنے کا ہے۔ سب شہداء کی طرح اس کی بھی عجیب شان تھی ایسے سویا ہوا تھا جیسے ابھی ساتھیوں کی آوازیں سن کر اٹھ پڑے گا۔ اس کی والدہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کہا کہ میں تو چاہتی ہوں کہ میرا دوسرا بیٹا بھی چلا جائے رزق کا مالک تو اللہ ہے۔

سب ساتھیوں کو مٹھائی کھلائی اور دعائیں دیں کہ اللہ تم سب کو کامیاب کرے۔ شہیدؒ کے والد، والدہ، بہن، بھائی وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کے گھر سے اللہ کے دین کیلئے قربانی مانگی گئی تو انہوں نے خوشی خوشی دے دی اور اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا۔ (تحریر: فتح علی ٹیپو)

حافظ محمد محفوظ یونس شہید رحمۃ اللہ علیہ

جس کے دل میں اللہ سے ملاقات کا شوق تھا اور اسی کی تڑپ

شہیدوں کے لہو سے جو زمین سیراب ہوتی ہے

بڑی ذرخیز ہوتی ہے بہت شاداب ہوتی ہے

خوبصورت و خوب سیرت، جواں سال، خوش طبع، خوش اخلاق، خوش مزاج، طبعاً نیک، اطاعتِ امیر، خدمتِ خلق، بڑوں کا ادب، چھوٹے پر شفقت کرنے والا، جذبہ جہاد سے سرشار میرے چھوٹے بھائی کی طرح بھائی محمد محفوظ یونس شہیدؒ نے ضلع سرگودھا۔

آخر کار کشمیر کی خونی لکیر عبور کی پھر اللہ نے ان کی وہ آرزو جو وہ سالوں سے کرتے آرہے تھے قبول فرمالی اور ان کو اگست کے مہینے میں شہادت کے اس اعلیٰ درجہ پر فائز فرمایا جس کی آرزو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں نمازوں کے بعد دعا کیا کرتے تھے۔ بالآخر بھائی محفوظ اللہ کے ہاں سرخرو ہوئے اور اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کردی، کیونکہ جان اللہ کی طرف سے امانت ہے اس کے بدلے جنت کو خرید لیا۔

اللہ کو جان دے کر شہادت جیسا مرتبہ حاصل کر کے ستر افراد کی بخشش کا ذمہ لے لیا۔ تو اس لحاظ سے آپ بہت خوش قسمت ہیں کیونکہ اس وقت انسان بہت زیادہ ہیں ان میں مسلمان بہت کم ہیں۔ مسلمانوں میں صحیح العقیدہ مسلمان بہت کم ہیں۔ مجاہدین میں مخلص مجاہدین بہت کم ہیں، مجاہدین میں شہداء بہت کم ہیں۔ لہٰذا اس امت کا نچوڑ شہداء ہیں جن میں بھائی محفوظ بھی شامل ہے۔

جب ان کی شہادت کی خوشخبری لے کر مجاہدین ان کے گھر گئے تو اس موقع پر محفوظ

یونس شہیدؒ کے والد گرامی جناب رانا محمد یونس صاحب اٹھے اور کہا کہ آپ بیٹھیں میں آ رہا ہوں، واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں مٹھائی تھی فرمایا کہ کھائیں اور منہ میٹھا کریں۔ سب مجاہدین نے بھی مٹھائی کھائی اور بے اختیار بول اٹھے، یا اللہ ہمارے والدین کو بھی ایسا ہی جذبہ عطا فرما صرف اسی دن نہیں بلکہ آج تک مہمانوں اور مجاہدین کی تواضع مٹھائی، بسکٹ اور چائے کے ساتھ جاری ہے۔

محفوظ شہیدؒ کی شہادت کی برکت ہے کہ ان کے چھوٹے بھائی رانا محمد منصور یونس صاحب نے اپنا چہرہ سنت کے مطابق سجانے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ آج کے بعد اپنے چہرے کو خلافِ سنت نہیں بناؤں گا اور میں ڈاڑھی رکھنے کا اعلان کرتا ہوں۔ پھر وہ بھی تقریباً ۵ دن بعد کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے جب وہ بھی چلے گئے تو علاقے میں رہنے والے محفوظ شہید کے دوستوں میں سے آٹھ نوجوانوں نے اسی وقت جہاد پر جانے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ جس راستے پر چلتے ہوئے محفوظ یونس شہید ہو گیا ہے ہم بھی اس کے ساتھ جنت میں اکٹھے رہنا چاہتے ہیں۔ آج مجھے استاذِ محترم حضرت مولانا محمد اکرم صاحب دامت برکاتہم کا دیا ہوا لقب یاد آ رہا ہے وہ اکثر محفوظ کو منّا کہہ کر پکارتے تھے اور شہادت کے بعد بھی وہ ان کو منّا ہی کہتے ہیں کیونکہ ہماری کلاس میں سب سے کم عمر یعنی (منّا) بھائی محفوظ ہی تھے۔ وہ عمر میں تو کم تھے مگر رتبہ بہت بڑا حاصل کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائیں اور ہمارے لئے باعثِ شفاعت ونجات بنائیں۔ (آمین ثم آمین) (تحریر: خبیب احمد گھمن)

عبدالجبار شہید رحمۃ اللہ علیہ

وہ کیسے لوگ تھے کوئی بتائے تو ذرا جو خونِ دل سے لکھ گئے یہ بے مثل کہانیاں

اس میں شک نہیں کہ دین محمد کی بقاء اور تحفظ کا اللہ رب العزت نے وعدہ فرمایا ہے لیکن اس دین کے نظام کامل کا نفاذ اور عروج وترقی کیلئے ہماری پیہم جدوجہد درکار ہے۔ ہم اسلام کے ابتدائی ادوار کا مطالعہ کریں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کیلئے جس قدر سعی کی، اسی قدر اس کے ثمرات کا بھی مشاہدہ کیا اور نصرتِ غیبی سے سرفراز ہوئے۔ مسلمانوں کی تاریخ کی جب ورق گردانی کی جاتی ہے تو اس کا ہر صفحہ فرزندانِ توحید کے خون سے رنگین نظر آتا ہے اور جہاں خونِ شہداء کی یہ رنگینی دیکھنے کو ملتی ہے وہاں خلافت، عزت وعظمت، دبدبہ وحشمت اور شان وشوکت صرف مسلمانوں کا مقدر نظر آتی ہے۔ دراصل دینِ اسلام ایک ایسے گلشن کا نام ہے جس کی آبیاری تازہ اور گرم لہو سے ہوتی ہے۔ جب زمین کو اس مقدس خون سے سیراب کیا جاتا ہے تو دھرتی پر فصلِ گل لہلہاتی ہے اور پوری دنیا کو اپنی خوشبو سے معطر کرتی ہے۔ آج کے دور میں اس کی زندہ مثال خلافتِ اسلامی افغانستان ہے۔ جس کے قیام کے لئے کم وبیش ۲۰ لاکھ مسلمانوں نے اپنا مقدس خون پیش کیا۔ اسلام کے ان عظیم سپوتوں میں سے ایک عبدالجبار شہید ؒ بھی ہیں۔

راہِ وفا میں ہر سو کانٹے، دھوپ زیادہ سائے کم
اس رستے پر جو بھی چلے وہ خوش ہی رہے پچھتائے کم
راہروی کا سب کو دعویٰ، سب کو غرورِ عشق و وفا
لیکن اس پر چلنے والے ہم نے بہت ہی پائے کم

آپ کا اکثر وقت ذکر واذکار میں گزرتا تھا۔ ہر وقت کسی فکر میں رہتے تھے۔ دین کے ساتھ آپ کی لگن اور محبت اس حد تک تھی کہ دوران تربیت ''شرعی تعلیم'' کے معاملے میں کسی قسم کی سستی اور غلطی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس وقت تک کسی ساتھی کی جان بخشی نہیں ہوتی تھی جب تک ''شرعی تعلیم'' کا کام یاد کر کے سنا نہیں دیتا تھا۔ غرض کہ آپ کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیتیں اور اوصاف رکھے تھے جن کا احاطہ قلم کے ذریعے کرنا بہت مشکل ہے۔ کلاس کے اختتام پر جب ساتھیوں کی تشکیلیں محاذوں پر ہورہی تھیں اور ساتھی استاد محترم سے گلے مل کر رخصت ہورہے تھے تو سب کی آنکھیں نم تھیں۔ آپ جب کبھی چند دنوں کیلئے چھٹی پر گھر آتے تو یہاں بھی چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ ہر وقت دوست احباب کو جہاد کی دعوت وترغیب دیتے نظر آتے۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ قربانی کے موقع پر آپ گھر پر تھوڑے دنوں کیلئے آئے ہوئے تھے۔ ہم چند ساتھی رات گیارہ بجے کے قریب انہیں گھر پر ملنے گئے اور ان کے والد صاحب سے ملاقات ہوئی جنہوں نے بتایا کہ کافی دیر ہوگئی ہے ہم بھی انتظار میں ہیں ابھی تک واپس نہیں آیا۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ محلے میں قربانی کی کھالوں کے سلسلے میں ملاقاتیں کررہے تھے۔ جب آخری دفعہ افغانستان کیلئے روانہ ہورہے تھے اور ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر جارہے ہیں آپ کو کیسا لگ رہا ہے؟ اس وقت جو اِن کا جواب تھا اس نے میرے دل میں ان کی عظمت کو مزید بڑھا دیا۔ انہوں نے کہا کہ ''اللہ کے راستے میں بیوی کو پاؤں کو بیڑی نہیں بننا چاہئے۔ اگر میں شہید ہوجاؤں اور وہ صراطِ مستقیم پر قائم رہی تو جنت میں مجھے اس سے کئی گنا اچھی حالت میں مل جائے گی۔'' اس وقت مجھے غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آ گیا۔ جو پہلی رات کی دلہن کو چھوڑ کر میدانِ جہاد میں اترے تھے اور شہادت کا تاج سر پہ پہن کر سرخرو ہوئے تھے۔

امتیاز الحق شاکر شہید رحمۃ اللہ علیہ

آخری سفر: آخری مرتبہ افغانستان سے گھر آتے ہوئے فیصل آباد اور ملتان میں اپنے تمام اساتذہ کرام اور احباب سے مل کر آئے۔ افغانستان جانے لگے تو اپنی والدہ سے کہا کہ اب میں آخری مرتبہ افغانستان جارہا ہوں۔ میری شہادت کی دعا کرنا اور جب میری شہادت کی خبر آئے تو رونا نہیں! والدہ نے اپنے لخت جگر کو سینے سے لگایا اور ڈاڑھی چومتے ہوئے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

آخری معرکہ: یکم اگست ۱۹۹۹ء ابھی افغانستان میں گئے ہوئے چند دن ہوئے تھے کہ کابل سے آگے شمالی اتحاد کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے ایک ٹینک کے اندر ہی شہید ہو گئے، یوں وہ نوجوان جس کی دنیا میں شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، مکان بن چکا تھا اللہ تعالیٰ نے اس جنت میں حوروں کا دولہا بنانے کیلئے طلب کر لیا اور یہ انتخاب کیا ہی خوب ہے! جس کو میسر ہو جائے

یہ رتبہ ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

پھر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ روح پرور منظر آج بھی حافظے کو معطر کئے ہوئے ہے۔ جب افغانستان سے کمانڈر خالد زبیر شہیدؒ کا جسدِ خاکی علاقے میں پہنچا تو عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نہ جانے کہاں کہاں سے جنازہ پڑھنے اُمنڈ آیا۔ یہ غالباً ضلع خانیوال کا پہلا شہید تھا۔ پھر میری ان گناہگار آنکھوں نے دیکھا اور مجھے یہ نظر آیا کہ جہاں جہاں تک شہید کے خون کی خوشبو پھیلتی چلی گئی اور جدھر جدھر شہادت کا چرچہ ہوتا گیا جہاد کیلئے راہیں کھلتی گئیں، جہاد کی عظمت لوگوں کے دلوں میں اترتی چلی گئی اور نئے نئے مجاہد پیدا ہوتے گئے اور اس دیپ سے نئے دیپ جلتے گئے۔ کمانڈر زبیر احمد خالد شہیدؒ کی شب و روز کی محنت ساقہ سے تو اتنے زیادہ مجاہد تیار نہ ہو سکے۔ لیکن ان کا پاکیزہ خون گرنے کی دیر تھی کہ امت کا جمود ٹوٹا اور علاقہ مجاہدین کے وجود مسعود سے یوں مہکنے لگا جیسے پھولوں سے باغ مہکتا ہے۔

بھائی غالب محمود ایک سال سے زیادہ عرصہ تک ہندوؤں سے معرکہ آرائیاں کرتے رہے اور کافروں کی لاشیں گراتے رہے۔ انہوں نے بہت سی کارروائیوں میں حصہ لیا اور ڈھیروں ہندو فوجیوں کو جہنم رسید کیا بلاشبہ بھائی غالب محمود نے اپنے بھائی خالد شہیدؒ کا پورا پورا بدلہ دشمن سے لیا اور چن چن کر کافروں کو ٹھکانے لگایا۔ غالب محمود شہیدؒ نے مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والی ہندو فوج سے ظلم کا انتقام لے کر اپنا سینہ ٹھنڈا کر لیا تھا بالآخر ۵ ستمبر ۲۰۰۰ء کو اطلاع پہنچی کہ بھائی غالب محمود اننگر گ کے علاقے میں اپنے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ درجنوں فوجیوں کو واصل جہنم کر کے شہادتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز ہو گئے۔ (تحریر: امتیاز احمد انجم)

ساجد اللہ عرف رضوان شہید

ایک عظیم المرتبہ مجاہد کا تذکرہ

ساجد اللہ بھائی نے ۱۹۸۰ء میں سرگودھا کی تحصیل بھلوال کے نواحی گاؤں للیانی میں آنکھ کھولی، جب ساجد اللہ بھائی کی عمر پانچ سال ہوئی تو انہوں نے محلے کی قریبی مسجد میں ناظرہ قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا اور عصری تعلیم کیلئے مقامی پرائمری اسکول میں بھی جانا شروع کر دیا، ناظرہ قرآن پاک اور پرائمری اسکول میں بھی جانا شروع کر دیا، ناظرہ قرآن پاک اور پرائمری تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ کے والدین نے آپ کو فیصل آباد کے ایک دینی مدرسے میں داخل کرا دیا، وہاں ساجد بھائی نے دو سال تک دینی کتب پڑھیں ساجد اللہ بھائی کو کشمیر میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کا پتہ چلا کہ کشمیر میں مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم اور مساجد کو گرایا جا رہا ہے۔ کلمہ پڑھنے کے جرم میں بچوں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگائی جا رہی ہے۔ تو ساجد اللہ نے مدرسہ کو خیر باد کہا ساجد اللہ کے جذبہ جہاد کو دیکھ کر ان کے اساتذہ کرام نے مقبوضہ کشمیر جانے کی اجازت دے دی۔ جون ۱۹۹۹ء کو ساجد اللہ نے خونی لکیر کو عبور کیا اور لہورنگ وادی میں پہنچ گئے، مقبوضہ کشمیر پہنچ کر انہوں نے بڑے بڑے جہادی معرکوں میں حصہ لیا جن میں آفرڈہ اور ماگام کے یادگار معرکوں میں شرکت کی اور کئی دشمن گماشتوں کو واصل جہنم کیا۔ بھائی ساجد اللہ کی تشکیل پاکستان کر دی گئی، وہ پاکستان واپس آ رہے تھے کہ راستے میں بھارتی فوج کے ساتھ ایک معرکے میں شہید ہو گئے اور اپنے جسم کے ٹکڑے کروا کر یہ پیغام دے گئے کہ مسلمانو! کشمیر کے مظلوم بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو نہ بھول جانا جن کے آنچل نوچے جا رہے ہیں۔ آج ساجد اللہ بھائی ہم سے جدا ہو گیا ہے اور ہمارے لئے زندگی گزارنے کی راہیں متعین کر گیا ہے "وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ" (تحریر: رانا فاروق طاہر)

محمد یوسف حسن شہید رحمۃ اللہ علیہ

ساتھیوں کو بچانے کیلئے انہوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا

ہر سمت مچلتی کرنوں نے افسونِ شبِ غم توڑ دیا

اب جاگ اٹھے ہیں دیوانے دنیا کو جگا کر دم لیں گے

موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کسی شخص کو انکار نہیں لیکن کچھ لوگ موت کو اس طرح گلے لگاتے ہیں کہ موت صرف حیاتِ جاوداں کی پیغامبر بن جاتی ہے۔ انہیں میں سے ایک عظیم شخصیت ٹنڈو الہ یار سندھ کے محمد یوسف حسن شہیدؒ کی ہے جنہوں نے ۱۷ر ستمبر کو افغانستان کی سرزمین پر اپنا لہو بہا کر نسل نو کو راہِ منزل کا پتہ دیا۔

یہ مجنون لیلائے شہادت کی تلاش میں کئی دفعہ افغانستان پہنچا اور اپنے چہرے کو زخم جہاد کے تمغہ سے بھی سجا کر آیا۔ لیکن گوہر مقصود نہ ملا، آخری بار جانے کا عجیب انداز تھا۔ اپنے تمام بچوں کو ایک جگہ جمع کر کے شہادت کے فضائل سنائے اور فرمایا کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو تم نے رونا نہیں ہے اور اپنے دوستوں سے ملاقات کے وقت فرمایا کہ اب میری رخصتی ہے اب ان شاء اللہ جنت میں ملاقات ہوگی۔ چنانچہ ۲۷ر اگست ۲۰۰۰ء کو افغانستان روانہ ہو گئے۔ طالبان فوجیں جب طالقان پر حملہ آور ہوئیں تو یوسف بھائی اور ان کے رفقاء کی تشکیل ''سیہابز'' نامی مقام (طالقان سے خواجہ غار کی طرف پہاڑ ہے) پر ہوئی۔ محاذ پر بھی آپ ہر وقت ساتھیوں کی خدمت کا جذبہ سوار رہتا تھا۔ آپ کے اس معرکے کے رفیق، غازیٔ افغانستان بھائی اعجاز (جو کہ اس معرکہ میں زخمی ہوئے اور ان کی پنڈلی کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی) کا بیان ہے کہ یوسف بھائی کا دل شوقِ شہادت سے لبریز تھا۔ ایک دفعہ نمازِ فجر

میں آپ کو امامت کرانے کا اتفاق ہوا تو قرآن پڑھتے ہوئے اتنا روئے کہ تمام ساتھیوں کی آنکھیں برسنے لگیں۔ ۱۶رستمبر بروز ہفتہ رات تقریباً ایک بجے احمد شاہ مسعود کی فوجوں نے ان کے مورچوں پر حملہ کیا۔ اس وقت بھی یوسف بھائی کا جذبہ قابلِ قدر تھا حالانکہ آپ گذشتہ کئی دنوں سے بیمار تھے۔ لیکن پکار پکار کر دشمن کو للکارتے اور ان کی گن دشمن پر قہرِ الٰہی بن کر آگ برسا رہی تھی۔ طالبان کی طرف سے حکم آیا کہ آپ حضرات یہ مورچہ خالی کردیں اور سائیڈ میں نکل جائیں کیونکہ ہم بھاری اسلحہ لے کر ان پر حملہ کررہے ہیں۔ چنانچہ تمام ساتھی فائرنگ کرتے ہوئے سائیڈ میں نکل گئے لیکن یوسف بھائی اور دو ساتھی دشمن کے گھیرے میں آ گئے۔ یہاں تک کہ دشمن اس قدر قریب آ پہنچا کہ اس نے انہیں گرفتاری پیش کرنے کو کہا لیکن یوسف بھائی نے جم کو مقابلہ کرتے ہوئے دونوں ساتھیوں کو گھیرا توڑ کر نکلنے میں مدد دی لیکن خود نہ نکل سکے اور اسی جگہ اپنی پیشانی اور سینہ پر گولیاں کھا کر شہادت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوگئے۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کنداں عاشقانِ پاک طینت را

شہیدؒ کے جسدِ خاکی کو جنگ کی وجہ سے بروز پیر صبح آٹھ بجے اٹھایا گیا اور جمعرات کو اسلام آباد میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی، تمام حاضرین نے شہید کے جسم سے شہادت کی مہک سونگھی۔

حافظ سلیم رضا شہید رحمۃ اللہ علیہ

شہید کے تاریخی کارنامے سے امت مسلمہ کا سر فخر سے بلند ہو گیا

مجاہدینِ اسلام جذبہ ایمانی اور شوقِ شہادت سے سرشار وہ تاریخی کارنامے سرانجام دے رہے ہیں کہ جن کو سن کر سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے اور اسلاف کے کارناموں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہی مجاہد افغانستان میں روس کے فرعونوں کو غرور خاک میں ملا چکے ہیں اور اب وادی کشمیر میں اپنی مسلمان ماؤں، بہنوں کی عصمت وعزت کے تحفظ کیلئے کشمیر کی طرف روانہ ہوئے۔

مقبوضہ وادی کشمیر میں پہنچ کر انہوں نے حق و باطل کے بڑے بڑے معرکوں میں حصہ لیا۔ مؤرخہ ۲۸ راگست ۱۹۹۹ء کو ضلع کپواڑہ تحصیل ہندواڑہ علاقہ رامحال پھلمر گی میں بھارتی فوج کے درجنوں درندوں کو واصل جہنم کر کے شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہو گئے۔ آج حافظ سلیم رضا شہیدؒ ہمارے درمیان موجود نہیں۔ مگر حافظ سلیم رضا شہیدؒ کی اکثر باتیں مجھے یاد آتی ہیں، حافظ سلیم رضا تو کشمیر میں جا کر شہید ہو گیا، اس نے اپنے جسم کے ٹکڑے کروائے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی، اپنا عہد پورا کر دیا۔ اپنی منت تمام کر دی مگر آج بھی کشمیر کی وادی لہو رنگ ہے۔ گھر جل رہے ہیں، عصمتیں لٹ رہی ہیں۔ جہاد کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ آخر اب کون ہے جو سلیم رضا شہیدؒ کے راستے کو اپنائے گا، ہاں اے میرے شہید بھائی! ہم بھی تیرے اس مقصد کو اپنی زندگیوں کا مقصد بنائیں گے۔ مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب، افریقہ ہو یا امریکہ الجہاد والا پرچم ہر طرف ہر خطہ میں لہرا کر چھوڑیں گے ہم زندہ ہیں اور تیرے مشن کو زندہ رکھیں گے۔

عبد النعیم شہید رحمۃ اللہ علیہ

مجاہدین کے منظم ہونے پر پورے مقبوضہ کشمیر میں کارروائیوں میں تیزی آچکی تھی۔ ہر طرف دشمن کے خلاف حملے کے پروگرام بننا شروع ہو گئے اور مجاہدین ایک نئے عزم اور ولولے سے ان پروگراموں کو پایہ تکمیل تک پہنچا رہے تھے۔ ضلع کپواڑہ کے گھنے جنگلوں میں اندھیرے اور خاموشی کا دور دورا تھا۔ ایسا اندھیرا اور خاموشی جس میں انسان کو اپنے آپ سے بھی ڈر محسوس ہوتا ہے اس گھنے جنگل کے پیٹ میں ۷ مجاہد عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے کمانڈر بھائی نعیم اور بھائی شاکر کے سامنے دوزانوں بیٹھے کسی کارروائی سے متعلق مشورے میں مصروف تھے۔ سب کی نظریں بھائی نعیم پر جمی ہوئی تھیں جو علاقے کے نقشہ کھولے ساتھیوں سے حملے کی جزئیات پر بحث کر رہے تھے اور انہیں راستوں کے متعلق چند ضروری باتیں بھی بتا رہے تھے۔ تفصیلات طے ہونے کے بعد سب ساتھیوں نے اپنے اپنے کمر بند سنبھالے ایمونیشن چیک کیا اور ہدف کی طرف روانہ ہو گئے۔

بھائی نعیم آگے آگے تھے اور راستوں سے مکمل واقفیت کی وجہ سے ان کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ ہوا۔ بھائی نعیم نے مطلوبہ ہدف پر موجود دشمن کو گزشتہ دن حملے کا چیلنج دے دیا تھا لیکن حملے سے پہلے ان کی منزل بستی میں موجود ایک گھر تھا۔ ایک بوڑھے بزرگ کا گھر جس کے چار بیٹے شہید ہو چکے تھے اور اس کی تین جوان بیٹیوں کی عزت محفوظ کرنے کیلئے ان کو اس بستی سے کسی دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری تھا اس کیلئے کچھ رقم کی ضرورت تھی جس کا بندوبست ہو چکا تھا اور یہ رقم اس وقت بھائی نعیم کے جیب میں تھی۔ بستی میں داخل ہونے سے پہلے ایک مجاہد نظر آیا جو بستی سے نکل کر ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے گروپ کمانڈر کو پہچان کر آواز دی بھائی نعیم آگے مت جاؤ بستی میں دشمن نے ایمبش لگا رکھا ہے۔ تم لوگوں کی مخبری ہو چکی ہے۔

بھائی نعیم نے ساتھیوں کو روک کر اس خبر دینے والے ساتھی سے تفصیلات معلوم کریں اور ساتھیوں کو لے کر مشورے کے لئے ایک جانب بیٹھ گئے۔ اس کی نظریں اپنے محبوب ساتھی کمانڈر شاکر کی جانب اٹھ گئیں۔ بھائی شاکر، بھائی نعیم کی نظروں میں چھپے ہوئے عزم کو جان گئے کہ یہ کسی صورت واپس نہیں جائیں گے کافی دیر تک مشورہ ہوتا رہا بالآخر بھائی نعیم نے اپنی کلاشن پر اپنا نام لکھتے ہوئے کہا ہم گھروں سے اس لئے نہیں آئے کہ دشمن کا سن کر بہنوں کو خطرے میں چھوڑ کر واپس راستہ بدل دیں۔ لہٰذا انہوں نے آگے اپنی منزل کی طرف سفر جاری رکھنے کا حکم سنا دیا اور گروپ کی ذمہ داری بھائی شاکر کے کندھوں پر ڈال دی۔

جب یہ ساتھی بستی میں موجود اپنے مطلوبہ گھر میں داخل ہوئے تو دشمن نے ان کو گھیرے میں لے کر ہتھیار ڈالنے کا حکم سنایا۔ بھائی نعیم نے پہلی گولی چلا کر ساتھیوں کو مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ سب ساتھی اپنی اپنی پسندیدہ جگہوں پر مورچے سنبھال چکے تھے۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے مقابلہ شروع ہو چکا تھا۔ دشمن اندھا دھند بارش کی طرح گولیاں برسا رہا تھا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ میں تکبیر کے نعرے عجیب سماں پیدا کر رہے تھے۔ اس دوران بھائی شاکر دشمن کی گولی کا نشانہ بن کر شہید ہو گئے اور ایک گولی بھائی نعیم کو بھی زخمی کر گئی۔ انہوں نے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم لوگ محاصرہ توڑ کر نکلنے کی کوشش کرو میں کور فائر دیتا ہوں۔ چنانچہ سب ساتھی بحفاظت محاصرے سے نکل گئے لیکن بھائی نعیم دشمن کے گلے کی ہڈی بنے رہے۔ صبح چار بجے تک دشمن پریشان رہا کہ اندر نہ جانے کتنے ہیں بھائی نعیم جگہ بدل بدل کر دشمن پر فائر کر رہے تھے تا کہ اسے مجاہدین کی تعداد کا علم نہ ہو سکے۔ ان کا خون مسلسل بہنے کی وجہ سے کمزوری بڑھ چکی تھی لیکن پھر بھی رات بھر اکیلے مقابلہ جاری رکھا اس دوران بھائی نعیم کو دشمن کی طرف سے فائر کیا گیا ایک برسٹ لگا جس سے ان کی شہادت کی وہ خواہش پوری ہو گئی جس کی خاطر آج تک میدانوں میں لڑتے نظر آئے ؎

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

محمد مسعود حمزہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

جہاد افغانستان میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والے شہید کی داستان

قندوز کے دفاعی مورچوں پر سورج اپنی پہلی کرنیں بکھیر کر مجاہدین کو سلام کہہ رہا تھا۔ رات کے آخری حصے میں دشمن نے حملہ کر دیا تو تمام مجاہد اس کا مقابلہ کرتے رہے اور تین گھنٹے کی شدید لڑائی کے بعد دشمن اپنی درجن کے قریب لاشیں چھوڑ کر بھاگ چکا تھا اور اب سب ساتھی فجر کی نماز کی تیاری میں مشغول تھے ہر ایک کی زبان اللہ کے ذکر سے تر تھی۔ فضا میں بالکل خاموشی چھا چکی تھی کبھی دشمن کی طرف سے آنے والے کسی گولے کا دھماکہ یا گولیوں کی تڑتڑاہٹ خاموشی کو توڑ کے رکھ دیتی۔

اسی اثناء میں بھائی مسعود حمزہؒ نے اپنی خوبصورت آواز میں اذان کہی۔ آج ان کی آواز میں خاص کشش تھی جس نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اللہ اکبر کی صداؤں سے سب کے دل سرشار ہو رہے تھے، شہادت پا کر محبوب سے ملاقات کا شوق اور تڑپ عروج پر تھا۔ اس گروپ کی تشکیل ہوئے یہاں دو ماہ ہونے کو تھے دشمن سے لڑائیاں یہاں معمول کا حصہ تھیں کیونکہ ان دنوں قندوز دشمن کے گھیرے میں تھا۔ دشمن بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح حملوں پر حملے کر رہا تھا کہ کسی طرح امارتِ اسلامیہ کے اس حصے کو ہضم کیا جا سکے لیکن طلبہ کی جوابی کارروائیاں دشمن کے عزائم میں رکاوٹ تھیں، بھائی مسعود حمزہ کی لمبی لمبی دعاؤں نے ان کو ان جیالوں کی صفوں میں لا شامل کیا تھا۔

یہ مجاہدین محاذوں پر ساتھیوں کو جہادی نظمیں سناتا تو دل جذبہ شہادت اور دشمن سے انتقام کی آگ میں جلنے لگتا۔ کبھی ساتھیوں کی فرمائش پر گولیوں اور راکٹوں کی بارش میں اذان کہتا۔ اکثر خاموش ذکر میں مگن، کبھی تلاوت قرآن اور کبھی نوافل یا پھر ساتھیوں کی خدمت کر کے اپنا وقت گزارتا۔

جب کبھی دشمن حملہ کرتا تو مورچے میں جوابی فائرنگ کے بجائے مورچے سے باہر آجاتا تو ساتھی اس کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے واپس مورچے میں بلاتے تو کہتا کہ مورچے سے باہر دشمن کو مارنے کا جو مزا ہے وہ تم لوگ نہیں جانتے۔ پھر کہتا کہ اذان تو مورچے سے باہر ہی دینی ہے اور آج بھی اسی طرح اذان کہہ رہا تھا خود بھی رو رہا تھا اور سب مجاہد بھی اس کی آواز سن کر محبت کے آنسو بہا رہے تھے۔

نماز کے بعد کچھ ساتھی پہرے کے لئے چلے گئے اور باقی وہاں کھڑے ہوئے دو میلہ ٹرک کے نیچے سو گئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ تاجکستان سے اڑنے والے روسی جہاز نے وہاں پہنچ کر بمباری شروع کر دی اور اس کا ایک گولہ ٹرک کے اوپر گرا جس سے وہاں آٹھ ساتھی شہید ہوگئے جن میں بھائی مسعود حمزہ بھی شامل تھے۔ ساتھیوں کے خون سے مہک اٹھ رہی تھی جو ان کی کامیاب زندگی کی نوید سنا رہی تھی۔ بھائی مسعود حمزہ کو ان کی وصیت کے مطابق وہیں دفن کر دیا گیا۔ میرے لئے ان کی جدائی صدمے کا باعث تھی۔ انہوں نے بہت جلد جہاد کی دعوت کو قبول کیا اور فوراً میدانوں کا رخ کیا اور اپنی دعاؤں سے مجھے بھی اس راستے میں قبول کرایا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا زبانی دعویٰ کرنے والوں کو عشق کا حقیقی راستہ بھی بتا گئے۔

ان کی یادوں کا چراغ تا ابد جلتا رہے گا اور ہمیں راہِ عمل دکھاتا رہے گا۔ بلاشبہ ان کے والدین مبارکباد کے مستحق ہیں اور فخر کرنے والوں کو چاہئے کہ ایسے بیٹوں پر فخر کروں جو کل روزِ قیامت انگلی پکڑ کر ان کو جنت میں لے جائیں گے۔

تیرے بہتے ہوئے خون کے قطروں سے آتی ہے صدا الا اللہ
احیائے دینِ مبین کیلئے تو ساعی مسلسل ہے واللہ
باطل کے پاس وسائل ہیں تیرا حامی و ناصر ہے اللہ
قلت وکثرت شرط نہیں ہر بات پہ قادر ہے اللہ
اعمال پہ نظریں رکھ اپنی، تیرے حال کا ناصر ہے اللہ
تو جب بھی پکارے برائے مدد، امداد کو حاضر ہے اللہ

(تحریر: فتح علی ٹیپو)

فیض اللہ عرف سیف اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

دشمن پر اللہ کی تلوار بن کر ٹوٹ پڑنے والے ایک مجاہد کی داستان

یوں تو جب سے اس کائناتِ فانی میں انسان معرضِ وجود میں آیا ہے۔ تو اہل حق نے ہر دور میں اعلاءِ کلمۃ اللہ اور دین کی سربلندی کیلئے اپنے خون سے قربانی کی تاریخیں رقم کی ہیں۔ مگر بالخصوص امتِ محمدیہؐ نے دینِ حق کو دنیا کے تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کرنے، مسلمانوں کے تحفظ، ناموس رسالتؐ اور ناموسِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تحفظ کیلئے اپنی جانوں سے کھیل کر ہر دور میں یہ ثابت کر کے دکھایا ہے کہ امتِ مسلمہ کا بچہ بچہ گلشنِ اسلام کی آبیاری اپنے خون سے کرا سکتا ہے مگر اس گلشن کے کسی شعبے کے کسی پھول کو اپنی زندگی میں مرجھایا ہوا دیکھ نہیں سکتا۔

اس غیرت مند نوجوان کی غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا اور ظالم ہندوؤں سے انتقام اور مسلمان بھائیوں کی آزادی کی غرض سے مزید ٹریننگ کر کے کشمیر کی طرف روانہ ہوئے مگر اس مقصد کی تکمیل میں کم عمری آڑے آئی۔ بار بار اصرار اور منت سماجت کے باوجود ٹوٹے دل کے ساتھ واپس آنا پڑا۔

گھر آ کر گھر والوں سے بار بار دعاءِ شہادت کا کہتے رہے کہ اللہ رب العزت مجھے شہادت کی موت نصیب فرمائے۔

بھائی فیض اللہ کی ایک ایک بات اور ادا سے شجاعت و مردانگی ٹپکتی نظر آتی ہے۔ جس کو تحریر میں لانے سے قلم بھی قاصر نظر آتا ہے۔ بھائی فیض اللہ خط کے ذریعے اپنے والدین اور گھر والوں سے دعاؤں کی درخواست کرتے رہے اور والدہ صاحبہ سے وعدہ کیا کہ اگر میں اس مبارک راستے میں شہید ہوا تو آپ سے خواب میں ضرور ملاقات کرونگا۔ یہ وعدہ شہیدؒ نے شہادت کے بعد پورا کیا۔

ایک مہینہ گیارہ دن مسلسل دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کر کے اپنی اس آگ کو بجھاتے رہے جو دشمن کے ظلم و ستم سے دل میں لگی ہوئی تھی۔ آخر کار وہ گھڑی آ گئی جس کو یہ نوجوان رو رو کر اور

تڑپ کر اپنے رب سے مانگتا رہتا تھا۔ ۲۲ راگست منگل کے دن کو وہ گھڑیاں دیکھنی نصیب ہوئیں۔ جس وقت آسمانوں پر شادی اور خوشی کی تیاریاں زور وشور سے جاری تھیں۔ بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں آنے والے شوہر کا انتظار کر رہی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد شہادت کا سہرا پہن کر جنت کی خوشبوؤں سے معطر ہو کر سج دھج کر دولہا روانہ ہونے والا تھا۔

ادھر تیاریاں مکمل تھیں ادھر اس مجاہد کی روانگی کیلئے راستہ ہموار ہونے کی صورت بھی پیدا ہوگئی کہ مجاہد اور جنت کے درمیان حائل موت کے پردے کو ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ ضلع کپواڑہ تحصیل لولاب میں یہ نوجوان ایک خاص مشن پر جاتے ہوئے بزدل دشمن کی طرف سے لگائے ہوئے ایمبش پر اپنے ساتھیوں سمیت گھیرے میں آ گیا۔ دشمن نے ہتھیار ڈالنے کو کہا لیکن مجاہدین نے گرفتاری پر شہادت کو ترجیح دی۔

بھائی فیض اللہ عرف سیف اللہ نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام ساتھیوں کو بحفاظت گھیرے سے نکالا اور خود پانچ فوجیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد شہادت سے سرفراز ہو کر کراچی کے شہید اوّل کا اعزاز حاصل کر گئے۔ جب گھر والوں کو شہیدؒ کی شہادت کی خبر پہنچی تو شہیدؒ کے والد محترم جناب شفیع اللہ صاحب اور شہیدؒ کے بھائیوں اور تمام گھر والوں کا حوصلہ قابل دید اور قابل رشک تھا۔ انہوں نے بجائے رونے کے شکرانے کے نوافل ادا کیے اور مبارکباد کیلئے آنیوالے مہمانوں کو مٹھائیاں کھلائیں۔

جب قیامت کے دن کشمیر کی برف پوش پہاڑوں سے بھائی فیض اللہ عرف سیف اللہ شہیدؒ اٹھے گا کئی حوریں جنت کے دروازے پر بن سنور کر استقبال کیلئے کھڑی ہوں گی اور جنت کے دروازے مرحبا مرحبا کہہ کر اس نوجوان کو اندر آنے کیلئے بلا رہے ہوں گے۔ اس خوبصورت اور دلنشین منظر پر اگر دنیا کی ساری دولت لٹا دی جائے تو اس کا عشر عشیر ملنا بھی نہ ممکن ہے لیکن یہ دل نشین اور دلکش منظر صرف ان خوش نصیب لوگوں کو نصیب ہوگا جنہوں نے دنیا میں اللہ رب العزت کے ساتھ سودا کر کے اس کی قیمت اپنی جان اور مال دینے کی صورت میں ادا کی ہوگی۔

خوش قسمت ہیں وہ والدین جن کے زیر تربیت ایسے بچے بہترین پرورش پاتے ہیں جو اپنے والدین اور تمام گھر والوں کیلئے آخرت کی خوشنودی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ (تحریر: مفتی محمد ابو بکر)

تذکرہ شہداءِ بدر

آج سے چودہ سو سال قبل فاران کی چوٹیوں پہ ایک آفتابِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم طلوع ہوا۔ اس آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے خطہ ارضی ظلمت، کفر و ضلالت، شرک و اصنام پرستی اور رسوم و رواج کے مہیب اندھیروں سے اٹا ہوا تھا کہ اس آفتابِ نبوت کی نورانی کرنوں نے تمام روئے زمین کو منور و معطر کر دیا اور تمام اندھیرے رفو ہو گئے۔ اس آفتاب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دھیرے دھیرے دیوانوں، پروانوں کی ایک منظم جماعت بنتی چلی گئی۔ اس عرصہ میں جو کہ تیرہ برسوں پر محیط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تندہی کے ساتھ دینِ مبین اسلام کی تبلیغ و اشاعت فرمائی۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرداً فرداً دعوتِ توحید پہنچائی۔ نیک بخت لوگوں نے آپ کی دعوتِ حق کو فی الفور دل و جاں سے قبول کر لیا جبکہ بد بخت لوگوں نے نہ صرف دعوتِ توحید کو ٹھکرا دیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاںثاروں کی تضحیک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ آمنہ کے لال، محبوبِ ذوالجلال صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) مجنوں اور ساحر تک کہا گیا۔ پھر مظالم کا آغاز کر دیا گیا جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس پر بھی جب کفار، اشرار کامیاب نہ ہو سکے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورت، دولت اور حکمرانی کی ترغیب دی گئی تو اس موقع پر امام الموحدین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پہ سورج رکھ دیں اور مجھ سے کہیں کہ اللہ کی وحدانیت والوہیت کا کلمہ بلند کرنا چھوڑ دو تو میں تمام مصائب و آلام برداشت کر لوں گا مگر توحید کی دعوت دینے سے باز نہ آؤں گا۔

جب مشرکین نے دیکھا کہ پیغمبرِ انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاءِ کرام رضی اللہ عنہم کے قدموں میں لغزش نہیں آئی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ یہ عرصہ تین برس پر محیط ہے۔ (الامان الحفیظ)

یہ عرصہ داعیانِ اسلام پر کس قدر کٹھن تھا اس کا تصور ہی بڑا کرب ناک ہے۔ مگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کس قدر عظیم الشان معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی ساتھی اسلام سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹا اور ہٹتا بھی کیسے۔ خدائے لم یزل کی توحید اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نشہ ہی ایسا ہے۔

یہ وہ نشہ ہے جس کو ترشی بھی نہ اتار سکے

جب مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ اہل اسلام کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت ایک مشکل امر بن گیا تو نبوت کے تیرھویں برس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے اذنِ خداوندی سے مکہ سے مدینہ (یثرب) کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو قدرے سکون میسر آیا مگر مشرکین مکہ کو داعیانِ توحید کا امن و سکون سے رہنا بھلا کس طرح بھا سکتا تھا۔ انہوں نے مدینہ کے یہودی قبائل کی معاونت سے شر انگیزیاں شروع کر دیں۔ مگر اہل اسلام نے تحمل و بردباری کا دامن تھامے رکھا مگر صبر و تحمل کی ایک حد ہوتی ہے۔ آخر کار دو ہجری رمضان کے ماہِ مبارک میں حق و باطل کا معرکہ بپا ہوا۔

غزواتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے غزوۂ بدر نہایت مشہور و متبرک ہے۔

خالقِ کائنات نے بطورِ اظہار احسان فرمایا:

ولقد نصر کم اللہ ببدر و انتم اذلۃ

(اللہ نے تو آپ کی مدد بدر میں بھی کی جبکہ آپ بہت دبے ہوئے تھے)

ایک اور مقام پر اسی غزوہ کو یوم الفرقان بھی فرمایا گیا ہے۔ غزوۂ بدر میں سترہ رمضان المبارک کو صف بندی ہوئی۔ کفار اشرار کا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا اور ہر طرح کے جنگی ساز و سامان سے لیس تھا۔ جبکہ لشکرِ محمدی تین سو تیرہ جانثاروں پر مشتمل تھا۔ ان اہل اللہ کے پاس سامانِ حرب بھی پورا نہ تھا۔ مگر ان کی نظر اسباب کی بجائے مسبب الاسباب پر تھی اور پھر سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرسوز دعاؤں کے صدقے اور عظیم جنگی حکمتِ عملی کے ساتھ اور خصوصاً نصرتِ خداوندی کی بدولت فتح مسلمانوں کا مقدر بنی۔ مشرکین مکہ کو عبرتناک شکست و ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ مشرکین کے بڑے بڑے سردار اور ستر کا فر واصل فی النار ہوئے بہت سے گرفتار کر لئے گئے۔

حق و باطل کے اس معرکہ میں چودہ جانثارانِ اسلام حیاتِ ابدی (شہادت) سے

سرفراز ہوئے اور قیامت تک آنے والی امتِ محمدیہ کو ایک یادگار سبق دے گئے کہ جب بھی شجرِ اسلام کو پانی کی ضرورت محسوس ہو تو اپنے گرم لہو سے اس کی آبیاری کرنا۔ بقول شاعر ؎

اسلام وہ شجر نہیں جس نے پانی سے غذا پائی دیا خون صحابہؓ نے تب اس میں بہار آئی

آج افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھلا دیا ہے اور ان کی تاریخ اور کارناموں سے بھی ہم بے بہرہ ہیں۔ ان عظیم ہستیوں کو پسِ پشت ڈال کر ہم نے کائنات کے منحوس ترین افراد کو، جو ثقافت کے نام پر فحاشی و عریانی کو فروغ دے رہے ہیں اور دینداروں کو قدامت پسند اور دہشت گرد کہہ کر، اسلام کے عبقری اصولوں سے روگردانی کر کے اللہ سے بغاوت کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان کو اپنا ہیرو اور آئیڈیل بنالیا ہے جو کہ شیطانی مشن کی تکمیل میں سرگرداں ہیں ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آج کے اس پرفتن دور میں قرآن وسنت، اسلاف اور شہداء کے طرزِ زندگی پر عمل پیرا ہو کر ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کا حصول ممکن ہے۔ میدانِ بدر سے لے کر آج تک عظمتِ اسلام پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے سپوتوں کی روحیں ایک روشن پیغام دے رہی ہیں۔ بقول شاعر ؎

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

غزوۂ بدر میں اہل حق کی طرف سے شرکت کرنے والوں کی فضیلت وعظمت کتب احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ ذیل میں فضیلت اہل بدر سے مناسبت کی حامل دو احادیث مبارکہ پیش کی جاتیں ہیں۔

زمعہ بن رافعؓ الزرقی سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل بدر کو مسلمانوں میں کیسا سمجھتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب مسلمانوں سے افضل سمجھتا ہوں۔

جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ فرشتوں میں سے جو فرشتے بدر میں حاضر ہوئے۔ ان کا درجہ ملائکہ میں بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ (بخاری شریف)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا اور فرمایا: اب تم جو چاہو کرو میں تم کو بخش چکا ہوں۔ (ابوداؤد شریف)

ان احادیث مبارکہ سے اہل بدر کی عظمت و شان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور جو حضرات بدر کے میدان میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے ان کا مقام و مرتبہ اللہ کے دربار میں کیا ہوگا۔ ذیل میں شہداء بدر کے ذکر پاک سے اپنے ایمان وایقان کو حلاوت وطراوت بخشتے ہیں۔ بقول شاعر

وہ خاص بندۂ حق تھے جنہوں نے دنیا میں شہید ہو کے مزے عمرِ جاوداں کے لئے

نوٹ: ذیل کے شہداء بدر میں سے بعض کے حالات ذکر کئے جاتے ہیں۔ جبکہ حصہ اوّل میں ان حضرات کے تفصیلی حالات ذکر کئے جا چکے ہیں یہاں قندِ مکرر کے طور پر اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

سیدنا مہجع بن صالح رضی اللہ عنہ

سیدنا مہجع بن صالح رضی اللہ عنہ یمن کے رہنے والے تھے۔ قوم عک سے تھے غلام بنا کر فروخت کئے گئے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خریدا اور خرید کر راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ غزوۂ بدر میں سب سے پہلے یہی شہید ہوئے۔ ان کی شہادت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یومئذ مہجع سید الشہداء۔ یہ اسلام ہی کی انسانیت نوازی ہے کہ ایک غلام کو سید الشہداء کے لقب سے نوازا۔

سیدنا عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ

سیدنا عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب عبد مناف پہ جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ قدیم الاسلام ہیں۔ دارِ ارقم کے تعلیم گاہ بننے سے قبل اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔ ہجرت مدینہ کے وقت حضرت طفیلؓ اور حضرت حصینؓ دونوں حضرات آپ کے رفیق سفر تھے۔ اسلام میں پہلے امیرِ لشکر آپؓ ہیں۔ جنہوں نے پہلے سریہ کی قیادت کی تھی۔

غزوۂ بدر میں انہوں نے عناء عظیم برداشت کی اور مشہد کریم حاصل کیا۔ کفار سے لڑتے ہوئے شدید زخموں سے مجروح ہوئے۔ بدر سے واپس ہوتے ہوئے شہادت کا جام نوش کیا اور راہ ہی میں دفن ہوئے۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس راہ سے گزرے رفقاء سفر نے عرض کیا کہ ادھر سے کستوری کی خوشبو آ رہی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کیوں نہ ہو۔ یہاں ابو معاویہؓ کی قبر بھی تو ہے۔ (ابو معاویہ حضرت عبیدہؓ کی کنیت تھی) آپؓ خوبرو تھے بوقت شہادت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔

سیدنا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سیدنا عمیرؓ قریشی الزہری ہیں۔ فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تو نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم عمر ہونے کی وجہ سے روکنا چاہا تو یہ رو پڑے۔ آپؓ کے جذبہ جہاد کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی۔ جرأت و بہادری کے نقوش میدانِ بدر میں ثبت کیے اور غزوۂ بدر میں ہی جامِ شہادت نوش فرمایا۔ شہادت کے وقت عمرِ مبارک صرف ۱۶ برس تھی۔

سیدنا عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ

حضرت عاقل کا تعلق قبیلہ بنولیث سے ہے۔ یہ بنوعدی بن کعب بن لوی کے حلیف تھے۔ دارِارقم میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے یہی ہیں۔ قبل از قبولِ اسلام ان کا نام غافل تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عاقل رکھ دیا۔ غزوۂ بدر میں خود بھی حاضر تھے اور انکے بھائی عامر، ایاس اور خالد رضی اللہ عنہم بھی حاضر تھے۔ حضرت عاقلؓ غزوۂ بدر میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کے بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ غزوۂ رجیع میں شہید ہوئے تھے۔

سیدنا عمیر بن عبد عمیر رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابومحمد ہے اور لقب ذوالشمالین۔ بنوزہرہ کے حلیف تھے۔ غزوۂ بدر میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے مقامِ شہادت پا گئے۔

سیدنا عوف بن عفراء رضی اللہ عنہما

سیدنا عوف بن عفراء انصاری نجاری تھے۔ ان کے بھائی معاذ و معوذ رضی اللہ عنہما بھی بدری ہیں۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ ان چھ انصاری صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ پر بیعت کی۔ بعد ازاں عقبہ کی دوسری اور تیسری بیعت میں بھی شامل تھے۔ ان کے والد کا نام حارث ہے اور والدہ کا نام عفراء رضی اللہ عنہا ہے۔ اس عظیم المرتبت خاتون کے سات بیٹے تھے اور ساتوں غزوۂ بدر میں شامل تھے۔ جن میں سے دو حضرات عوف رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔

سیدنا معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ

سیدنا معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ، حضرت عوف رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ اپنے بھائی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ابوجہل ملعون پر حملہ کیا اور واصل جہنم کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ بھی غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔

سیدنا حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

یہ انصاری ونجاری ہیں۔ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پھوپھیرے بھائی ہیں بوقتِ شہادت نوجوان تھے۔ لشکرِ اسلام کا پہرہ دے رہے تھے کہ دشمن کا تیر حلق پر آ کر لگا گر گئے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ان کی والدہ نے سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کیا آقا صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جانتے ہیں کہ حارثہ کی منزلت میرے دل میں کیا تھی اگر وہ جنت میں گیا ہے تو میں صبر کروں گی اور اگر نہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی دیکھ لیں گے کہ میں کیا کچھ کرتی ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت صرف ایک نہیں بلکہ جنان بہت ہیں اور حارثہ تو جنت الفردوس میں ہے۔ بدر کے دن انصار میں یہ سب سے پہلے شہید ہوئے تھے۔

سیدنا یزید بن حارث رضی اللہ عنہ

انصاری نجاری ہیں۔ مواخات میں عمیر بن عبد عمیر رضی اللہ عنہ کے دینی بھائی ہیں۔ بدر میں شریک ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔

سیدنا رافع بن معلے رضی اللہ عنہ

حضرت رافع رضی اللہ عنہ انصاری ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔

سیدنا عمیر بن حمام بن جموع رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ انصاری اسلمی ہیں۔ مواخات میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث کے دینی بھائی ہیں۔ انگور کھا رہے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی عظمت اور مقام پر فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ تو خطبہ سن کر سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ بولے۔ خوب خوب بس جنت میں جانے کی صرف اتنی ہی دیر ہے کہ کفار میں سے مجھے کوئی قتل کر دے۔ یہ کہہ کر انگور پھینک دیئے اور رجز پڑھتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور تلوار چلاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ مواخات میں بھی بھائی تھے۔ دونوں حضرات زندگی میں بھی اکٹھے رہے اور جنت الفردوس میں بھی اکٹھے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے رونق افروز ہوئے۔

سیدنا عمار بن زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ

یہ انصاری، الاشہلی ہیں، غزوۂ بدر میں شہید ہوئے ان کے بھائی عمارہ بن زیادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا یزیدؓ یا زیدؓ بن سکن نے غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش کیا۔

سیدنا سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہما

سیدنا سعدؓ کی کنیت ابوعبداللہ، لقب سعد الخیر ہے۔ نقیب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ غزوۂ بدر میں جانے لگے تو والد نے کہا بیٹا تم ٹھہر جاؤ۔ مجھے جانے دو تو اپنے والد حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ابا جان! مجھے جنت میں جانے سے نہ روکو۔ ہمت و استقلال سے مشرکین مکہ سے نبرد آزما ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کے والد حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ دونوں باپ بیٹے صحابی بھی ہیں اور شہید بھی۔

سیدنا مبشر بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ

آپؓ انصاری الاوسی ہیں۔ اپنے بھائی ابولبابہ رضی اللہ عنہ بن عبد المنذر سمیت غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور جوانمردی سے مشرکین مکہ کا مقابلہ کیا اور اسی غزوۂ میں جامِ شہادت نوش فرما کر حورانِ بہشت کے مالک و حقدار بن گئے ۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

درج بالا نگارشات میں اختصاراً ان قدسی الاصل ہستیوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے حی علی الجہاد کی صدا پر اس دنیائے فانی کی آسائشوں اور قرابتوں کو ٹھکرا کر باغاتِ جنت (میدانِ قتال) کے راستے کو اختیار کیا اور قیامت کی صبح تک آنے والی امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ درس دے دیا کہ اگر اپنی اور اسلام کی بقاء اور بالادستی چاہتے ہو تو آج پھر بدر کی یادیں تازہ کردو۔ اسی لئے تو علامہ اقبال مرحوم کہتے ہیں ۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانانِ عالم کو قرآن و سنت، صحابہ کرامؓ، اہلِ بیت عظام اور اکابر واسلاف کی مقدس راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (تحریر: عرفان علی ٹیپو)

بلال شہید! کب ملو گے؟

برطانیہ کی زہرآلود فضا اسے بچپن سے ملی اور وہ بھی اس میں کھو گیا مگر سعادت اس کا تعاقب کررہی تھی اور شہادت کا بلند مینار اس کا منتظر تھا۔ انگریزی لباس اور انگریزی طرزِ زندگی والے اس نوخیز نوجوان نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور یہ پرکیف اور عجیب منظر دیکھا کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کاندھے پر اٹھا رکھا ہے وہ یہ خواب اور خواب میں ہونے والی شفقت دیکھ کر ششدر رہ گیا اور اس کی تعبیر لینے کیلئے ایک عالم کے پاس جا پہنچا انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ سے کوئی بڑا کام لینے والا ہے اس لئے اب راہِ راست پر آ جاؤ۔

بس پھر کیا تھا زندگی کے مقاصد اور محبت کا محور بدل گیا اس نے نوجوانوں کی ایک چھوٹی سی تنظیم بنائی اور نائٹ کلبوں اور گناہ کے اڈوں کی رنگینیاں، جذبے جہاد سے غارت کرنے لگا گناہ کے تاجروں سے اس کی کئی لڑائیاں ہوئیں طرح طرح کی مشکلات آئیں مگر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خمار اس پر جذبہ جہاد کا نشہ چڑھا چکا تھا۔ وہ اپنے کام میں جڑا رہا، میدان میں ڈٹا رہا لیکن جب حکومت کے کارندے پیچھے پڑے تو وہ جہاد کی تربیت کے لئے تربیت کیمپ میں پہنچا۔ ابتدائی اور پھر اعلیٰ تربیت حاصل کی اور دوبارہ برطانیہ جا پہنچا مگر اب وہاں چین کہاں؟ دسمبر ۱۹۹۵ء کو واپس لوٹ آیا کچھ عرصہ اٹھمقام میں مجاہدین کی خدمت کرتا رہا ساتھیوں نے اس کی چھپی صلاحیتوں کا اندازہ لگالیا اور وہ لانچنگ پوائنٹ کا ذمہ دار بنا دیا گیا۔ اب وہ مجاہدین کو آگے بھیجتا جارہا تھا اور جنت کے راستے کا نشان بتاتا تھا مگر وہ کب تک دوسروں کو عملی جہاد کے مزے لوٹتے دیکھتا۔ وہ خود بھی کود پڑا اور ۱۹۹۷ء کے

آخر میں اس نے خونی لکیر کو عبور کر کے عملی جہاد کے جنتی دروازے پر قدم رکھا۔ سات آٹھ ماہ کے بعد پھر لانچنگ پوائنٹ پر اس کی کمی محسوس کی جانے لگی اور اسے واپس بلا لیا گیا۔ وہ بادل نخواستہ واپس آ گیا اور اپنے کام میں مگن ہو گیا وہ مجاہدین کی خدمت، سعادت سمجھ کر کرتا تھا اور غریب مجاہدین کی چپکے چپکے مالی امداد بھی کرتا تھا۔ وہ ایسا عجیب اور نابغۂ روزگار تھا کہ کوئی مجاہد اس سے شاکی یا ناراض نہ تھا اور سارے اس کی محبت، اخلاص اور اخلاق کے گرویدہ تھے۔ دوستوں نے اسے مجبور کیا کہ اپنے گھر کی خبر لو! ۱۹۹۸ء کے آخر میں وہ برطانیہ پہنچا لیکن ایک ماہ بعد پچھلے سال یکم رمضان کو واپس آ گیا۔ رمضان ہی میں میرا طیارہ ہائی جیک ہوا تو اس کو اپنے عزائم کی منزل نظر آنے لگی۔

مجاہدین کا جو گروپ مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوا یہ نوجوان اسی میں شامل تھا۔ ایک ماہ تک کپواڑہ میں رہا اور پھر مجاہدین کے چیف کمانڈر نے اسے اپنے ساتھ بلا لیا وہ مجاہدین کی مرکزی کمان کا معتبر حصہ بن کر کام کر رہا تھا اور ہزاروں ماؤں، بہنوں کی دعائیں سمیٹ رہا تھا۔ یکا یک ایک ہفتہ پہلے وہ سرینگر جا پہنچا اور آج مؤرخہ ۲۸/رمضان بروز پیر اس نے اپنی گاڑی میں سوکلو بارود بھر کر انڈین فوج کے ہیڈ کوارٹر میں ہلاکت خیز تباہی مچا دی اور خود انڈین فوجیوں کے بدبودار ٹکڑوں کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر رحمتِ الٰہی کی آغوش میں چلا گیا۔ جی ہاں! آج میرا وہ جانباز ساتھی جامِ شہادت نوش فرما کر بلندیوں کی طرف محوِ سفر ہے اور میں اسے رشک کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجاہدین پر اس کارروائی نے عجیب کیفیت طاری کر دی ہے ہر کوئی اس کے تذکروں سے اپنی مجلس مہکا رہا ہے کوئی کہتا ہے وہ بڑا آدمی تھا اسلئے اتنے بڑے کام میں کامیاب ہو گیا، کوئی کہتا ہے بے حد قیمتی مجاہد تھا ابھی اس کی بہت ضرورت تھی لیکن قیمتی لوگ وقت پر اپنی بلندی کا سکہ بٹھا کر ایسے ہی چلے جاتے ہیں۔ میری رہائی کے بعد وہ مجھ سے ملنے بہاولپور آیا تو معلوم نہیں میں اس سے ملنے کیلئے کب جا سکوں گا؟

وہ پیکرِ شجاعت

(مفتی محمد اصغر خان کے قلم سے)

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

فاروق ارشد کا واقعہ شہادت

یہ ۲۴ رجنوری ۲۰۰۰ء کی بات ہے۔ بھائی حذیفہ نے برادر تنظیموں سے مل کر ایک بڑے ایکشن کا پروگرام بنایا ہوا تھا جگہ اور وقت کی مکمل تفصیلات طے ہوگئیں تو ۲۵ رجنوری کو بھائی حذیفہ تین مجاہدین بھائی ارشد ملتان، بھائی عثمان کراچی اور بھائی خالد کراچی کو ہمراہ لے کر اسلحہ ڈیمپ سے ایکشن کیلئے ایمونیشن لینے چلے گئے وہاں سے مطلوبہ سامان لے کر ۲۵ رجنوری کی شام اپنے ساتھیوں کی طرف واپس آ رہے تھے کہ درہ سانگلہ کے مقام پر آرمی کمانڈوز کی معمولی کی گشتی پارٹی سے اچانک ٹکراؤ ہوگیا۔ حذیفہ بھائی نے کشمیر جنگ میں کامیاب ترین حکمت عملی کو اپناتے ہوئے آرمی کے فائر سے پہلے ان پر فائر کھول دیا جس کے بعد شدید جھڑپ شروع ہوگئی یہ رات ساڑھے گیارہ کا ٹائم تھا۔ مجاہدین آدھ گھنٹے تک مقابلہ

کر کے ۴ فوجی کمانڈوز کو مردار کرنے کے بعد بحفاظت وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

یہاں سے نکلنے کے بعد بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ آج ہمیں واپس پیچھے جنگل میں چلے جانا چاہئے۔ آگے کا سفر آج کی بجائے کل پہ چھوڑا جائے تو بہتر رہے گا۔ مگر حذیفہ بھائی کا مشورہ یہ تھا کہ تھوڑا آگے چل کر پٹن گاؤں میں بقیہ رات اور آنے والا دن آرام کریں پھر اگلی شام کو ادھر سے ہی آگے سفر شروع کریں۔ چنانچہ یہی طے ہوا اور یہ حضرات ''پٹن'' گاؤں میں چلے گئے، یہاں پہنچنے کے بعد دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر دو گھروں میں سو گئے۔

ادھر آرمی کو بھی اندازہ تھا کہ مجاہدین رات کی سخت جھڑپ کے بعد کہیں دور نہیں نکلے ہوں گے اس لئے وہ علی الصبح ہی فوجی آپریشن کیلئے گاؤں میں گئی۔ بھائی حذیفہ نے جب محسوس کیا کہ گاؤں کا محاصرہ ہو چکا ہے تو وہ ساتھیوں کو گھروں سے نکال کر قریب ہی واقع جھاڑیوں اور چٹانوں میں لے گئے اور پوزیشنیں سنبھال لیں۔ دوسری طرف آرمی بھی پہنچ چکی تھی۔ اس طرح ۲۶ رجنوری ۲۰۰۰ء صبح ٹھیک سات بجے دونوں طرف سے سخت فائر شروع ہو گیا۔ بھائی ارشد اور بھائی عثمان شروع میں ہی شدید زخمی ہو گئے۔

اس پریشان کن صورتحال کے بعد ساتھیوں نے ہمت کی اور عثمان بھائی خود ہی چل کر جھاڑیوں میں گھری ہوئی ایک چٹان کے نیچے چھپ کر لیٹ گئے اور ارشد کو حذیفہ بھائی اٹھا کر ایک گھر کے اندر لے گئے اس دوران بھائی خالد مسلسل حذیفہ بھائی کو کور فائر دیتے رہے اس طرح وہ زخمی کو لیکر گھر پہنچنے میں کامیاب تو ہو گئے مگر خود خالد بھائی اپنے عقب کا خیال نہ رکھ سکے اس طرح آرمی پیچھے سے ان کے بالکل قریب آ گئی جبکہ کور فائر کے دوران بھائی خالد اپنے میگزین کو بھی خالی کر چکے تھے۔ اب انہوں نے ایمرجنسی میگزین تبدیل کرنے کی کوشش تو کی مگر آرمی نے اتنا موقع نہ دیا اور فوجی ان کو گرفتار کرنے کی نیت سے ان پر جھپٹ پڑے، بھائی خالد نے انتہائی دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک فوجی کو اٹھا کر دور پٹخ دیا جبکہ دوسرے کے سر پر کلاشنکوف کا بٹ مارا جب اس طرح یہ دونوں فوجی دور ہو گئے تو موقع پا کر بھائی خالد نے کلاشنکوف میں میگزین لگانے کی کوشش کی مگر وہ اس مرتبہ بھی میگزین

لگانے میں ناکام رہے اور فوجی دوبارہ ان پر جھپٹ پڑے مگر اس دوسرے ریلے کو بھی خالد بھائی نے خالی ہاتھوں اور کلاشنکوف کے بٹ سے مار مار کر بھگا دیا۔

اب فوجیوں کو احساس ہوا کہ آج ان کی ٹکر اسلام کے ایک ایسے شیر سے ہے جس کو پابندِ سلاسل کرنے کی ہوس میں نامعلوم ابھی کتنے فوجیوں کو مزید منہ اور ناک تڑوانا پڑیں گے چنانچہ انہوں نے گرفتاری کی کوشش چھوڑ دی اور گنوں سے اندھا دھند فائرنگ کر کے بھائی خالد کو شہید کر دیا اس طرح بھائی خالد اپنے زخمی ساتھی ''عثمان'' کے سامنے عزت کی موت کو غلامی کی زندگی پر ترجیح دیتے ہوئے جام شہادت پی کر خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اب آرمی کی توجہ اس مکان کی طرف ہوئی جس میں حذیفہ بھائی زخمی ارشد کو لے کر چلے گئے تھے مگر اس وقت تک حذیفہ بھائی گھر کے ایک ایسے مضبوط کمرے میں پوزیشن سنبھال چکے تھے جس کی دو اطراف میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں لگی ہوئی تھیں اور ان دونوں کھڑکیوں سے کمرے کے دونوں طرف کے حالات کا مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔

حذیفہ بھائی نے جب دیکھا کہ آرمی ان کے مکان کی طرف بڑھ رہی ہے تو انہوں نے انتہائی پھرتی دکھاتے ہوئے دونوں کھڑکیوں سے فائرنگ شروع کر دی، کبھی ایک کھڑکی سے فائر کر کے آرمی کو بھگاتے اور جب آرمی ادھر سے پیچھے ہٹ کر دوسری طرف سے آگے آنے کی کوشش کرتی تو یہ دوسری کھڑکی سے فائر شروع کر دیتے۔ بھائی ارشد زخمی حالت میں اسی کمرے میں موجود تھے اور سخت تکلیف کے باوجود میگزینیں بھر بھر کر حذیفہ بھائی کو دیتے جا رہے تھے۔ ظہر کے وقت تک یہ ایمان افروز معرکہ یوں ہی جاری رہا۔ بھائی ارشد کے بقول اس وقت تک حذیفہ بھائی کلاشنکوف کی آٹھ میگزینیں اور کئی ایک ہینڈ گرنیڈ فائر کر چکے تھے۔ مگر اتنی لمبی جھڑپ کے دوران آرمی نے ان کے فائر کے انداز اور سمت کا مکمل تعین کر لیا چنانچہ بوقت ظہر حذیفہ بھائی کھڑکی سے ہو کر فائر کر رہے تھے کہ اچانک سائیڈ سے ایک فوجی

نے ان کے سر کا نشانہ بنا کر فائر کیا جو اُن کی روشن پیشانی کے ایک کونے میں لگا اور پار ہو گیا اس طرح دنیا اور اس کی رنگ رلیوں سے انتہائی نفرت کرنے والا اسلام کا یہ شاہین چار سالہ بے تابیوں اور بے چینیوں سے نجات پا کر آج ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چین کی نیند سو گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حذیفہ بھائی کے شہید ہوتے ہی گھر سے فائر آنا بند ہو گئے مگر آرمی پر اتنی دہشت چھا چکی تھی کہ فائر بند ہونے کے بعد بھی کسی فوجی کو اندر آنے کی ہمت نہ ہوئی البتہ انہوں نے سول لوگوں کو لاشیں نکالنے کیلئے اندر بھیجا۔ لوگ اندر گئے اور بھائی حذیفہ کا جسم مبارک باہر لے آئے اور جب آرمی نے ان سے دوسرے مجاہد کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا شاید وہ مکان کے عقب سے دیوار توڑ کر بھاگ گیا ہے۔ اس طرح اللہ نے بھائی ارشد کو لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل رکھ کر آرمی سے محفوظ کر دیا۔

جب آرمی یہاں سے چلی گئی تو پونچھ کے عوام نے اپنے روایتی جوش و جذبے کے ساتھ بھائی حذیفہ کے جسم مبارک کو اٹھایا اور سرنکوٹ شہر میں واقع ''درو شہید قبرستان'' میں لے گئے۔ یہ قبرستان سرنکوٹ کے اہل خیر حضرات نے خصوصی طور پر تنظیموں کے شہید ذمہ داران کیلئے خرید کر وقف کیا ہوا ہے۔ شروع تحریک سے ابھی تک اس میں مختلف تنظیموں سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں مجاہدین اور کمانڈر حضرات کی قبریں بن چکی ہیں، پونچھ میں ہماری تنظیم کے بانی کمانڈر مسعود احمد عرف خلیفہ شہیدؒ اور ان کے نائب بھائی اصغر عرف حمزہ شہیدؒ کی قبور مبارک بھی ادھر ہی ہیں اور آج یہ مقدس قبرستان اپنے دامن میں اللہ کے ایک اور عاشق کو سمیٹ کر آسمانوں کیلئے باعث رشک بن گیا۔

قیصر عباس شہید رحمۃ اللہ علیہ

قیصر عباس شہید کا تعلق ضلع ڈیرہ غازی خان موضع ہزارہ سے ہے۔ ۱۱/ اکتوبر ۱۹۷۴ء مطابق ۲۴/ رمضان جمعۃ الوداع ۱۳۹۵ھ کو حفیظ احمد احمدانی کے گھر میں آنکھیں کھولیں، ان کے والد صاحب فوجی آدمی ہیں۔ ابتدائی تعلیم مقامی اسکول غوث آباد میں نویں کلاس تک حاصل کی پھر میٹرک کا امتحان سرور والی میں پاس کیا۔ تعلیم میٹرک تھی اور قیصر عباس کی گھریلو تربیت شروع ہی سے مجاہدانہ تھی کیونکہ ان کے والد فوجی تھے اسلحہ سے حد درجے کی محبت تھی والد کے پسٹل کو اپنے ساتھ رکھتے تھے کبھی کبھی فائر بھی کر دیتے تھے۔ تعلیم کے بعد ہمیشہ جہاد ہی کی تیاری اور زبان پر جہاد ہی کی باتیں ہوتی تھیں۔ ٹریننگ سے لے کر افغان محاذ تک اور افغان محاذ سے کشمیر تک ہر دفعہ بغیر پوچھے چلے جاتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا جوان ہوتے ہوئے بھی ٹی وی، وی سی آر اور فحش باتوں سے سخت نفرت کرتے تھے حتیٰ کہ ایک دفعہ ٹیلیویژن کو ٹھوکر مار کر توڑ دیا۔

ٹی وی، وی سی آر کے دلدادہ نوجوانو! قیصر عباس شہیدؒ بھی تمہاری طرح کا ایک جوان تھا شیطان اس کا بھی دشمن تھا خواہشات اس کے ساتھ بھی تھیں لیکن یہ سب کچھ جہاد کے مقابلے میں ہیچ تھا تم بھی قیصر عباس کے نقش قدم کو اختیار کر لو منزل تمہاری منتظر ہے۔

قیصر عباس نے کبھی گھر میں لڑائی جھگڑا نہیں کیا ہمیشہ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں کے لئے بے حد شفیق تھے۔ ۲۵ سال کا یہ نوجوان جہادی تربیت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اکثر کمانڈو وردی میں ملبوس رہتا تھا گھر میں ہوتے ہوئے کبھی ورزش کرنے میں ناغہ نہیں کیا۔ امارت اسلامیہ افغانستان میں تحریک اسلامی طالبان کے ساتھ کئی دفعہ شامل جہاد رہے کئی محاذوں پر داد شجاعت دیتے ہوئے دشمن کے دانت کھٹے کرتے رہے۔

شہادت کا یہ متوالہ اپنے گھر والوں کو اکثر کہا کرتا تھا کہ میرے لئے شہادت کی دعا کرو۔ آخر وہ وقت قریب آ گیا جس کا قیصر عباس شہیدؒ منتظر تھا۔ پچھلے رمضان المبارک میں گھر سے شہادت کی تڑپ اور ہندو بنئے سے انتقام کی آگ سینے میں جلاتا ہوا بارڈر پر پہنچا تھوڑا سا عرصہ انتظار کرنے کے بعد وادی کا سفر طے کیا جونہی وادی کشمیر میں پہنچے ادھر امیر جماعت کا اعلان ہوا تو بھائی قیصر عباس نے اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ جماعت میں شمولیت کا اعلان کر دیا اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد انڈین سورماؤں سے ایک جھڑپ ہوئی اسی جھڑپ میں قیصر عباس ۷ فوجیوں کو واصل جہنم کرتے ہوئے ایک ساتھی سمیت جام شہادت نوش کر گئے۔ (تحریر: محمد علی صدیقی)

حافظ عبداللہ انصاری شہید رحمۃ اللہ علیہ

شہید کی جو موت ہے قوم کی حیات ہے...... نعرہ سنا کرتے تھے عملی طور پر اس کا مظاہرہ ۲۷؍اگست ۲۰۰۰ء کو شہید عبداللہ انصاری کے جنازہ نئی عیدگاہ میں دیکھا۔ موت برحق ہے اگر عبداللہ چارپائی پر پڑ کر بیمار ہو کر مرتا تو شاید دو سو آدمی بھی جنازہ پر نہ ہوتے۔ غریب گھرانے سے تعلق جو تھا۔ اب تو جنازہ بھی جس نے دیکھا وہ دیکھتا رہ گیا ہے۔ کسی امیر آدمی کا جنازہ ہو تو ہجوم دیکھنے میں آتا ہے، غریب کا فرض کفایہ ادا ہوتا ہے مگر آج عبداللہ شہادت کے مرتبے پر پہنچ کر بھکر کا ہیرو بن چکا تھا۔ جنازہ کا وقت ہو چکا تھا گرمی بھی شدید تھی۔ اعلان بھی صحیح طریقہ پر نہیں ہو سکا مگر جنازہ میں شمولیت کے لئے نئی جنازہ کی طرف مخلوق کھنچی چلی آ رہی تھی۔ شہید کا چہرہ دیکھنے کیلئے عوام پروانوں کی طرح تھے۔ تین دن ہوئے شہید ہوئے شدید گرمی ہے مگر شہادت کے مرتبہ پر فائز ہونے والا عبداللہ ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے آرام سے سویا ہوا ہے۔ ابھی اٹھے گا اور ہتھیار اٹھا لے گا محاذِ جنگ پر ڈٹ جائے گا۔ واقعات پڑھتے تھے مگر آج اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھ لیا۔ محمد عبداللہ انصاری ولد محمد یعقوب ۲۷ سالہ نوجوان ملکانوالہ محلّہ بھکر سے تعلق رکھتا تھا۔ مجاہدین سے تعلق تھا۔ تحریکِ اسلامی طالبان کے زیرِ اہتمام آٹھ ماہ قندوز کے محاذ پر بھی دادِ شجاعت دے چکا تھا۔ گھر سے دوبارہ چلنے لگا تو خود خواب میں دیکھا کہ میں اگست کے آخری ہفتہ مقامِ شہادت پر سرفراز ہو جاؤں گا۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد شہید وفورِ جذبات سے جھوم اٹھا۔ گھر والوں سے اجازت لے کر افغانستان جہاد پر روانہ ہوا۔ بگرام کے ہوائی اڈے کے قریب تشکیل ہوئی۔ افغانستان میں بگرام کا ہوائی اڈہ ایسے مقام پر ہے جہاں

ایک طرف طالبان کے مجاہد مورچہ زن ہیں دوسری طرف شمالی اتحاد کا فوجی اڈہ کسی کے بھی استعمال میں نہیں ہے۔ پچھلے دنوں امریکہ، اسرائیل، انڈیا اور روس کا متحدہ وفد شمالی اتحاد کو امداد دینے کی غرض سے مسعود، دوستم سے ملا اور اس نے تجویز دی کہ بگرام کے قریب طالبان کے فوجیوں کا صفایا کر دیا جائے اور بگرام کے قریب ہی پہاڑ پر طالبان کے مورچے چھین لئے جائیں تاکہ بگرام کے ہوائی اڈے کے ذریعے شمالی اتحاد کو امداد بہم پہنچائی جاسکے۔ شمالی اتحاد کی تمام تر طاقت مغربی طاقتوں کی حمایت سے بگرام کے محاذ پر مرکوز ہوگئی۔ بھکر کا شہید محمد عبداللہ انصاری اسی محاذ پر دادِ شجاعت دے رہا تھا۔ ۲۳ راگست ۲۰۰۰ء کو شمالی اتحاد کا شدید حملہ طالبان مجاہدین نے پسپا کر دیا۔ جمعرات ۲۴ راگست ۲۰۰۰ء کو صبح نمازِ فجر کے بعد مجاہدین پر شمالی اتحاد کی فوجوں نے حملہ کیا بھکر شہر کا مجاہد عبداللہ دادِ شجاعت دیتا ہوا باوضو دل کے مقام پر گولی لگنے سے موقع پر شہید ہوگیا۔ صبح جنازہ مجاہدین کے جیالوں نے بھکر پہنچایا۔ لواحقین کو محمد عبداللہ کی شہادت کا علم ہوا تو شہید عبداللہ کی والدہ سمیت سب نے نفل شکرانہ ادا کر کے شہید عبداللہ کی لاش وصول کی۔

بھکر شہر کے عوام نے عقیدت کے پھول برسائے، شہید عبداللہ کو عطیات سے نوازا، مبارکباد میں مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔ روانگی سے پہلے شہید عبداللہ کی شہادت کے متعلق خواب اکثر لوگوں نے بیان کیا کہ خود خواب دیکھا تھا کہ میں اگست کے آخری ہفتہ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو جاؤں گا۔

ان شاء اللہ عبداللہ شہیدؒ کی قربانی رنگ لائے گی اور پوری دنیا میں اسلام کا غلبہ ہوگا۔ (تحریر: ڈاکٹر دین محمد)

جاوید اقبال شہید رحمۃ اللہ علیہ

بیٹا کہاں جارہے ہو؟ امی ذرا اپنے مجاہد دوستوں کو ملنے جارہا ہوں، عشاء کی نماز پڑھ کر آؤں گا۔ بیٹا کبھی مہینے بعد گھر آتے ہو اور کبھی ہفتہ بعد کچھ دیر تو میرے پاس بیٹھ جایا کرو؟

امی ان شاء اللہ عشاء کی نماز کے بعد آپ کے پاس ضرور بیٹھوں گا آپ بس میرے لئے دعا کیا کریں؟ بیٹا ہر وقت میں تو آپ کی سلامتی کیلئے دعا کرتی رہتی ہوں۔ نہیں امی جو دعا میں آپ کو کہتا ہوں وہ دعا تو آپ کرتی نہیں؟ پیاری امی جان آج مجھ کو شہادت کی دعا چاہئے۔

بالآخر یہ جوان جذبہ شہادت لے کر دین کی سربلندی کے لئے اللہ کے راستے میں نکل کھڑا ہوا پھر جب مجاہدین دوبارہ نئے انداز سے منظم ہوئے تو یہ نوجوان جذبوں، نئی لگن، نئی امنگوں کے ساتھ اسلام کی سربلندی کیلئے مظلوم ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام کا یہ عظیم جرنیل افغانستان پہنچ گیا اور مختلف محاذوں پر دادِ شجاعت دیتے ہوئے ۱۷ راگست ۲۰۰۰ء مطابق ۱۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ بروز جمعرات قندوز کے ایک اہم محاذ درہ بنگی پر روس نواز کمانڈر احمد شاہ مسعود کے ایک اہم کمانڈر سمیت انتالیس فوجیوں کو واصل جہنم کر کے خود بھی جام شہادت نوش فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور ہمیں سبق دے گئے کہ

بتوں کے شہر میں جا کہ خدا کا نام لکھ دینا
جہاں پر کفر لکھا ہو وہاں اسلام لکھ دینا
اگر وہ صلح کے پھولوں کو پاؤں تلے مسل ڈالیں
تو شاخِ گل کی ہر پتی پہ قتلِ عام لکھ دینا

(تحریر: محمد عبداللہ ندیم)